حقائق الفرقان

حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل

کے

درس ہائے قرآن کریم، تصانیف اور خطبات سے مرتّبہ

تفسیری نکات

جلد چہارم

الفہرس



سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۳

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ : کلام اللہ قول الرسول کے مقابل پر اپنی آواز نہ بڑھاؤ۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۲۸)

۸۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ
كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ
الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ
الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۸

اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ : کہ تم میں محمد خدا کا رسول ہے۔ اگر تمہاری رائے پر چلے تو تمہیں مشکلوں اور دکھوں کا سامنا ہو۔
(الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱)

۱۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۱

تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ امیر سے غریب تک۔ شریف سے وضیع تک۔ اجنبی سے اپنے پرائے ہم قوم تک۔ اگر ایمان والوں میں رنج آجاوے تو ان بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔
(تصدیق براہین احمدیہ صہ ۲۶۳)

اس آیت کی رُو سے مجھے یقین ہے۔ کہ کم از کم اس آیت کے نزول تک جس قدر صحابہ تھے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے۔ اور یہ شیعہ کے خلاف نص صریح ہے۔

(بدر ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء صہ ۷)

۱۲- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ
عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ
عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا
أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١٢﴾

مرد مردوں سے ہنسی نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہی ان سے اچھے ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے ہو سکتا ہے کہ وہی ان سے اچھی ہوں اور ایک دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب گیری مت کرو۔ بُرے بُرے اور چھیڑ کے ناموں سے کسی کو مت پکارو۔ مومن ہونے کے بعد یہ ناپاک نام بہت بُری بات ہے۔
(نورالدین طبع سوم صہ ۱۹)

اے ایمان والو! ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسروں سے۔ شاید وہ بہتر ہوں اُن سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے۔ شاید وہ بہتر ہوں اُن سے۔ اور عیب نہ دو ایک دوسرے کو اور نہ نام ڈالو چڑھ ایک دوسرے کی۔ بُرا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے۔ تو وہی ہیں بے انصاف۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صہ ۵۲)

او ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔ جس سے تم ہنسی کرتے ہو اور جسے تم مسخرہ بناتے ہو

شاید تم سے اچھا ہو اور نہ عورتیں ہنسی کریں عورتوں سے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس سے ایک عورت تمسخر کرتی ہے دوسری سے اچھی ہو اور اپنوں کو کوئی طعن مت دیا کرو اور کسی کی نسبت بُرا لقب مت بولو۔ ایسی کرتوتوں سے بُرے لقب دینے والا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے فاسق و بدکار ہونے کا لقب پاتا ہے۔ اور مومن کہلا کر فاسق بننا بُرا ہے۔ جو لوگ بُرے کاموں سے باز نہ آئیں وہی بدکار ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صد ۲۷۳)

مومن ہونے کے بعد فاسق نام رکھنا بہت ہی بُری بات ہے۔ یہ تمسخر کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ بدظنی سے اس لئے فرماتا ہے۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ بدگمانیوں سے بچو۔ حدیث میں بھی آیا ہے۔ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ۔ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ۔ اس بدظنی سے بڑا بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ میں نے ایک کتاب منگوائی۔ وہ بہت بے نظیر تھی۔ میں نے مجلس میں اسکی خوب تعریف کی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ کتاب گم ہوگئی مجھے کسی خاص پر تو خیال نہ آیا۔ مگر یہ خیال ضرور آیا۔ کسی نے چُرالی۔ ایک دن جب میں نے اپنے مکان سے الماریاں اٹھوائیں تو کیا دیکھتا ہوں۔ الماری کے پیچھے بیچوں بیچ کتاب پڑی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتاب میں نے رکھی ہے اور وہ پیچھے جا پڑی۔ اس وقت مجھے دو معرفت کے نکتے کھُلے۔ ایک تو مجھے ملامت ہوئی کہ میں نے دوسرے پر بدگمانی کیوں کی۔ دوم میں نے صدمہ کیوں اٹھایا۔ خدا کی کتاب اس سے بھی زیادہ عزیز اور عمدہ میرے پاس موجود تھی۔ اسی طرح میرا ایک بستر تھا جس کی کوئی آٹھ تہیں ہوں گی۔ ایک نہایت عمدہ ٹوپی مجھے کسی نے بھیجی جس پر طلائی کام ہوا تھا۔ ایک عورت اجنبی ہمارے گھر میں تھی۔ اسے اس کام کا بہت شوق تھا۔ اس نے اس کے دیکھنے میں بہت دلچسپی لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹوپی گم ہوگئی۔ مجھے اس کے گم ہونے کا کوئی صدمہ تو نہ ہوا کیونکہ نہ میرے سر پر پوری آتی تھی نہ میرے بچوں کے سر پر۔ مگر میرے نفس نے اس طرف توجہ کی کہ اس عورت کو پسند آگئی ہوگی۔ مدت ہوئی۔ اس عورت کے چلے جانے کے بعد جب بستر کو جھاڑنے کیلئے کھولا گیا تو اس کی ایک تہہ سے نکل آئی۔

دیکھو بدظن کیسا خطرناک ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو سکھاتا ہے جیسا کہ اس نے محض اپنے فضل سے میری راہنمائی کی۔ اور لوگوں سے بھی ایسے معاملات ہوتے ہوں گے مگر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ اس بدظنی کی جڑھ ہے "کرید" خواہ مخواہ کسی کے حالات کی جستجو اور تاڑ بازی۔ اس لئے فرمایا وَلَا تَجَسَّسُوْا اور پھر اس تجسس سے غیبت کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

ان آیات میں تم کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ گناہ شروع میں بہت چھوٹا ہے اور آخر میں بہت بڑا ہو جاتا ہے جیسے بڑ کا بیج دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے۔

جب بعض آدمیوں کو آرام ملتا ہے۔ فکر معاش سے گونہ بے فکری حاصل ہوتی ہے۔ وہ نکمے بیٹھنے لگتے ہیں۔ اب ادھر کوئی مشغلہ تو ہے نہیں۔ تمسخر کی عُود ڈال لیتے ہیں۔ یہ تمسخر کبھی زبان سے ہوتا ہے۔ کبھی اعضاء سے

کبھی تحریر سے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تمسخر کا نتیجہ بہت بُرا ہے ۔ وحدت باطل ہو جاتی ہے ۔ پھر وحدت جس قوم میں نہ ہو وہ بجائے ترقی کے ہلاک ہو جاتی ہے ۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مار رہے تھے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ۔ زَنَیْتِ ۔ سَرَقْتِ تُو نے زنا کیا ۔ تُو نے چوری کی ۔ ایک سُننے والی پر اس کا اثر ہوا اور اس نے دعا کی کہ الٰہی میری اولاد ایسی نہ ہو ۔ گود میں لڑکا بول اٹھا کہ الٰہی مجھے ایسا ہی بنائیو ۔ کیونکہ اس عورت پر بدظنی کی جا رہی ہے ۔ یہ واقعہ میں بہت اچھی چیز ہے ۔ اسی طرح ایک اور کا ذکر ہے کہ ماں نے دُعا کی ۔ الٰہی میرا بچہ ایسا ہی ہو ۔ مگر بچے نے کہا کہ الٰہی میں ایسا نہ بنوں ۔ غرض کسی کو کسی کے حالات کی کیا خبر ہو سکتی ہے ۔ ہر ایک کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ۔ ممکن ہے کہ ایک شخص ایسا نہ ہو جیسا اسے سمجھا جاتا ہے ۔ لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہو مگر خدا کے نزدیک مقرب ہو مگر اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ کے مطابق ممکن ہے ۔ جس سے تمسخر کیا جاتا ہے اس کا انجام اچھا ہو ۔

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ : آیت میں آیا ہے ۔ یہاں عورتیں بیٹھی ہوئی نہیں مگر آدمی کا نفس بھی مؤنث ہے ۔ ہر ایک اس کو مرد اور رکھ سکتا ہے ۔ دو تم اپنے اپنے گھروں میں یہ بات پہنچا دو ۔ کہ کوئی عورت دوسری عورت کی تحقیر نہ کرے ۔ اور اس سے ٹھٹھا نہ کرے ۔ تم ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نام نہ رکھو ۔ تم کسی کا بُرا نام رکھو گے تو تمہارا نام اس سے پہلے فاسق ہو چکا ۔ پھر بعض جڑیں ایک ایک میل تک چلی گئی ہیں ۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو ۔ اور بدی کو اس کے ابتداء میں چھوڑ دو ۔ (بدر ۱۸ر نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

کسی دوسرے کو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ مناسب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ نے علم ۔ طاقت اور آبرو دی ہے تو اس کے شکریہ میں اسکی جو نعمت سے متمتع نہیں، مدد کرے ، نہ یہ کہ تمسخر اڑائے ۔ یہ منع ہے ۔ چنانچہ اس نے فرمایا ۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ۔

(بدر ۱۸ر فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

۱۳ - یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ : اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

رَّحِيۡمٌ۝۱۳

اے ایمان والو! بہتی بدگمانیوں سے بچو۔ بعضے بدگمانی بدکاری ہوتی ہے۔ لوگوں کی عیب جوئی مت کیا کرو اور ایک دوسرے کا گلہ کبھی نہ کرو۔ گلہ کرنا ایسا بُرا ہے جیسا بھائی کا گوشت کھالینا۔ کیا یہ امر کسی کو پسند ہے۔ بے ریب کسی کو بھی یہ بات پسند نہیں۔ اللہ سے اس کی نافرمانیوں پر ڈرو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو نافرمانیوں کو چھوڑ کر احسن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، رحم کرتا ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۷۴)

بعضے گناہ ہوتے ہیں کہ وہ اور بہت سے گناہوں کو بلانے والے ہوتے ہیں۔ اگر ان کو نہ چھوڑا جائے تو ان کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص کے بُتوں کو تو توڑا جائے مگر بُت پرستی کو اس کے دل سے دور نہ کرایا جاوے۔ اگر ایک بُت کو توڑ دیا تو اس کے عوض سینکڑوں اور تیار ہو سکتے ہیں۔ مثلاً صلیب ایک پیسہ کو آتی ہے اگر کسی ایک کی صلیب کو توڑ ڈالیں تو لاکھوں اور بن سکتی ہیں۔ غرض جب تک شرارتوں اور گناہوں کی ماں اور جڑھ دور نہ ہو۔ تب تک کسی نیکی کی امید نہیں ہوسکتی اور تاوقتیکہ اصلی جڑھ اور اصلی محرک بدی کا دور نہ ہو۔ فروعی بدیاں بکلی دُور نہیں ہوسکتیں۔ جب تک بدیوں کی جڑھ نہ کاٹی جاوے۔ تب تک تو وہ اور بدیوں کو اپنی طرف کھینچے گی اور دوسری بدیاں اپنا پیوند اس سے رکھیں گی۔ مثلاً شہوت بد ایک گناہ ہے۔ بدنظری، زنا۔ لواطت، حُسن پرستی سب اسی سے پیدا ہوئی ہیں۔ حرص اور طمع جب آتا ہے۔ تو چوری۔ جعلسازی۔ ڈاکہ زنی۔ ناجائز طور سے دوسروں سے مال حاصل کرنے اور طرح طرح کی دھوکہ بازیاں سب اسی کی وجہ سے کرنی پڑتی ہیں۔

غرض یہ یاد رکھنے والی بات ہے۔ کہ بعض باتیں اصل ہوتی ہیں اور بعض انکی فروعات ہوتی ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے۔ وہ کوئی حقیقی اور سچی نیکی ہرگز نہیں کرسکتے اور وہ کسی کامل خلق کا نمونہ نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ وہ کسی صحیح نتیجہ کے قائل نہیں ہوتے۔ میں نے بڑے بڑے دہریوں کو مل کر پوچھا کہ کیا تم کسی سچے اخلاق کو ظاہر کرسکتے ہو اور کوئی حقیقی نیکی عمل میں لا سکتے ہو تو وہ لاجواب ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے زیرِ علاج بھی ایک دہریہ ہے۔ میں نے اس سے یہی سوال کیا تھا تو وہ ہنس کر خاموش ہوگیا تھا۔ ایسے ہی جو لوگ قیامت کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ بھی کسی حقیقی نیکی کو کامل طور پر عمل میں نہیں لاسکتے۔ نیکیوں کا آغاز جزا سزا کے مسئلہ سے ہی ہوتا ہے۔ جو شخص جزا سزا کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ نیکیوں کے کام بھی نہیں کرسکتا۔ ایسے ہی جو شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کے اس قسم کے الفاظ سے مجھے رنج پہنچتا ہے۔ وہ کسی کی نسبت ویسے الفاظ کیوں استعمال کرنے لگا۔ یا جو شخص اپنی لڑکی سے بدنظری اور بدکاری کروانا نہیں چاہتا اور اسے ایک بُرا کام سمجھتا ہے۔ وہ دوسروں کی لڑکیوں سے بدنظری کرنا کب جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی جو اپنی ہتک کو بُرا خیال کرتا ہے وہ دوسروں کی ہتک

کبھی نہیں کرتا۔ بہرحال یہاں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کا ایک گُر بتایا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

ایماندارو! ظن سے بچنا چاہیئے کیونکہ بہت سے گناہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ

ایک شخص کسی کے آگے اپنی ضرورتوں کا اظہار کرتا ہے اور اپنے مطلب کو پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے گھر کی حالت اور اس کی حالت کو نہیں جانتا اور اس کی طاقت اور دولت سے بے خبر ہوتا ہے۔ اپنی مطلب براری ہوتے نہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر شرارت کی اور میری دستگیری سے منہ موڑا۔ تب محض ظن کی بناء پر اس جگہ جہاں اس کی محبت بڑھنی چاہیئے تھی۔ عداوت کا بیج بویا جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ان گناہوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے جو عداوت کا پھل ہیں۔ کئی لوگوں سے میں نے پوچھا ہے کہ جب تم نے میرا نام سنا تھا تو میری یہی تصویر اور موجودہ حالت کا ہی نقشہ آپ کے دل میں آیا تھا یا کچھ اور ہی سماں اپنے دل میں آپ نے باندھا ہوا تھا تو انہوں نے یہی جواب دیا ہے کہ جو نقشہ ہمارے دل میں تھا اور جو کچھ ہم سمجھے بیٹھے تھے وہ نقشہ نہیں پایا۔ یاد رکھو۔ بہت بدیوں کی اصل جڑھ سوءِ ظن ہوتا ہے۔ مَیں نے اگر کبھی سوءِ ظن کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری تعلیم فرمادی کہ بات اس کے خلاف نکلی۔ مَیں اس میں تجربہ کار ہوں۔ اس لئے نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اکثر سوءِ ظنیوں سے بچو۔ اس سے سخن چینی اور عیب جوئی کی عادت بڑھتی ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا ۔ تجسّس نہ کرو تجسّس کی عادت بدظنی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی کی نسبت سوءِ ظن کی وجہ سے ایک خراب رائے قائم کرلیتا ہے تو پھر کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے کچھ عیب مل جاویں اور پھر عیب جوئی کی کوشش کرتا اور اسی جستجو میں مستغرق رہتا ہے۔ اور یہ خیال کرکے کہ اس کی نسبت مَیں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ اگر کوئی پوچھے تو پھر اس کا کیا جواب دوں گا۔ اپنی بدظنی کو پورا کرنے کیلئے تجسّس کرتا ہے اور پھر تجسّس سے غیبت پیدا ہوتی ہے جیسے فرمایا۔ اللہ کریم نے وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔

غرض خوب یاد رکھو سوءِ ظن سے تجسّس اور تجسّس سے غیبت کی عادت شروع ہوتی ہے۔ اور چونکہ آجکل[1] ماہِ رمضان ہے۔ اور تم لوگوں میں سے بہتوں کے روزے ہوں گے۔ اس لئے یہ بات میں نے روزہ پر بیان کی ہے اگر ایک شخص روزہ بھی رکھتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے اور تجسّس اور نکتہ چینیوں میں مشغول رہتا ہے۔ تو وہ اپنے

---

[1] ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ مرتب

مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ جیسے فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ؟ اب جو غیبت کرتا ہے وہ روزہ کیا رکھتا ہے۔ وہ تو گوشت کے کباب کھاتا ہے اور کباب بھی اپنے مُردہ بھائی کے گوشت کے اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ غیبت کرنے والا حقیقت میں ہی ایسا بدآدمی ہوتا ہے۔ جو اپنے مُردہ بھائی کے کباب کھاتا ہے۔ مگر یہ کباب ہر ایک آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ ایک صوفی نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک شخص نے کسی کی غیبت کی۔ تب اس سے قے کرائی گئی تو اس کے اندر سے بوٹیاں نکلیں جن سے بُو بھی آتی تھی۔

یاد رکھو یہ کہانیاں نہیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جو لوگ بدظنیاں کرتے ہیں۔ جب تک اپنی نسبت بدظنیاں نہیں سن لیتے۔ نہیں مرتے! اس لئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور درد دل سے کہتا ہوں۔ کہ غیبتوں کو چھوڑ دو۔ بُغض اور کینہ سے اجتناب اور بکلی پرہیز کرو اور بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ میری نہ کوئی جاگیر مشترک ہے۔ نہ کوئی مکان مشترک ہے۔ میرا کوئی معاملہ دنیا کا کسی سے مشترکہ نہیں۔ اسی طرح میں اوروں پر قیاس کرتا ہوں کہ وہ بھی یہاں اگر الگ تھلگ ہوں گے اور اگر کچھ بھی معمولی سی شراکت ہوگی بھی تو کوشش کرنے سے بالکل الگ رہ سکتے ہیں۔ انسان خود بخود اپنے آپ کو پھندوں میں پھنسا لیتا ہے ورنہ بات سہل ہے جو لڑکے دوسروں کی نکتہ چینیاں اور غیبتیں کرتے ہیں۔ اللہ کریم ان کو پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی میں کوئی غلطی دیکھو تو خدا تعالیٰ اس کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق دیوے۔ یاد رکھو اللہ کریم تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ہے وہ معاف کر دیتا ہے۔ جب تک انسان اپنا نقصان نہ اٹھائے اور اپنے اوپر تکلیف گوارا نہ کرے۔ کسی دوسرے کو سُکھ نہیں پہنچا سکتا۔ بدصحبتوں سے بکلی کنارہ کش ہو جاؤ۔ خوب یاد رکھو۔ کہ چوہڑی یا لوہار کی بھٹی یا کسی عطّار کی دکان کے پاس بیٹھنے سے ایک جیسی حالت نہیں رہا کرتی۔ ظن کے اگر قریب بھی جانے لگو تو اس سے بچ جاؤ۔ کیونکہ اس سے پھر تجسّس پیدا ہوگا۔ اور اگر تجسّس تک پہنچ چکے ہو تو پھر بھی رک جاؤ کہ اس سے غیبت تک پہنچ جاؤ گے اور یہ ایک بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ اور مُردار کھانے کی مانند ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ تقویٰ اختیار کرو اور پورے پورے پرہیزگار بن جاؤ۔ مگر یہ سب کچھ اللہ توفیق دے تو حاصل ہوتا ہے۔ ہم تو نبیوں کے اتباع ہر روز معرفت کے پیش کرتے ہیں۔ گو فائدہ تو ہوتا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ بہت فائدہ ہو اور بہتوں کو ہو خدا تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

(الحکم ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

۱۴۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

ے قادیان میں۔ مرتب

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۴﴾

ہم نے ہی تم کو پیدا کیا نر و مادہ سے اور تم کو قوموں اور قبائل پر تقسیم کیا۔ تا کہ ایک دوسرے سے تعارف رکھو اور تمہیں یاد رہے کہ خدا کے یہاں تم میں سے وہی معزز ہے جو بڑا پرہیزگار ہے۔ اور جان رکھو اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۷۴ نیز فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵۳)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ: یعنی تم میں سے معزز اور زیادہ مکرم وہ ہے جو زیادہ تر متقی ہے۔ جس قدر نیکیاں اور اعمال صالح کسی میں زیادہ ہوتے ہیں وہی زیادہ معزز و مکرم ہے۔ کیا بے جا شیخی اور انانیت نہیں ہو رہی؟ پھر بتلاؤ۔ اس نعمت کی قدر کی تو کیا کی؟ یہ اخوت اور برادری کا واجب الاحترام مسئلہ اسلام کی دیکھا دیکھی اب اور قوموں نے بھی لے لیا۔ پہلے ہندو وغیرہ قومیں کسی دوسرے مذہب و ملت کے پیرو کو اپنے مذہب میں ملانا عیب سمجھتے تھے اور پرہیز کرتے تھے۔ مگر اب شدھ کرتے اور ملاتے ہیں۔ گو کامل اخوت اور سچے طور پر نہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غور کرو کہ حضورؐ نے اپنی عملی زندگی سے کیا ثبوت دیا کہ زید جیسے کے نکاح میں شریف بیبیاں آئیں۔ اسلام۔ مقدس اسلام نے قوموں کی تمیز کو اٹھا دیا جیسے وہ دنیا میں توحید کو زندہ اور قائم کرنا چاہتا تھا اور چاہتا ہے۔ اسی طرح ہر بات میں اس کے وحدت کی روح پھونکی اور تقویٰ پر ہی امتیاز رکھا۔ قومی تفریق پر جو نفرت اور حقارت پیدا کر کے شفقت علیٰ خلق اللہ کے اصول کی دشمن ہو سکتی تھی اُسے دور کر دیا۔ ہمیشہ کا منکر جب اسلام لاوے تو شیخ کہلاوے۔ یہ سعادت کا تمغہ یہ سعادت کا نشان جو اسلام نے قائم کیا تھا صرف تقویٰ تھا۔ (الحکم ۵ مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۴)

۱۵۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اعراب نے کہا ہم ایمان لائے تُو کہہ کہ تم مومن نہیں ہوئے لیکن یوں کہو کہ ہم فرماں بردار ہوئے اور ابھی

ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صہ ۸۱)

۱۶- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

کہ مومن وہی ہوتے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور ایمان لاتے ہیں اللہ کے رسولؐ پر اور اگر ان پر کچھ مشکلات آپڑیں تو کوئی شک وشبہ نہیں لاتے بلکہ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کہ کسی اور کی کمائی سے یا کسی اور کا مال حاصل کر کے خدا کی راہ میں خرچ کردیں کیونکہ وہ سوچتے ہیں کہ پھر ان کو کہاں سے دوں گا اس لئے وہ خود کما کر اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

آجکل قحط کا زور ہوتا جاتا ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ اپنی روٹی کا ایک حصہ کسی ایسے شخص کو دے دیا کرے جس کے پاس روٹی نہیں۔ اگر اس میں سے نہیں دے سکتا تو کوئی پیسہ ہی سہی کہ وہ بیچارہ خرید کر کے ہی کھالوے مومن آدمی کو تو خدا کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔ دیکھو آجکل سردی کا موسم ہے۔ کسی شخص کو اوڑھنے کیلئے کپڑا دینے سے تم کو دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ مومن کو جوں جوں ضرورتیں پیدا ہوتی رہیں۔ سب میں شرکت لازمی ہے۔ اس واسطے مَیں نے یہ آیات پڑھی ہیں۔ کہ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے مال اور جانیں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ ہمارا خرچ کرنا ضائع نہیں جائے گا۔ اور ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے نزدیک بھی صادق اور سچے مومن ہوتے ہیں۔ اور پھر اس سے آگے فرمایا۔ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ کہ کیا تم لوگ زبانی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری جتلانی چاہتے ہو۔ اللہ کے نزدیک تو تب ہی صادق ٹھہر سکو گے۔ جب تم خود پر دکھوں دردوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہو گے۔ اور اپنے مالوں اور جانوں سے دوسروں کی غم خواری کرو گے اور یتیموں اور غریبوں کی امداد کرو گے۔ یاد رکھو۔ دوسروں کی غم خواری بہت ضروری ہے لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی توفیق سے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ (الحکم ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۷ء)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۲﴾

قٓ : قیامت ہے اور اسکا شاہد قرآن مجید ہے کہ تم بعد الموت مبعوث ہو گے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۹ صہ ۴۸۲)

۱۰- وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ

جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۱۰﴾

اُتارا ہم نے بادلوں سے پانی برکت والا پھر لگائے ہم نے اس کے ساتھ باغ اور اناج کاٹنے کے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صہ ۱۱۱)

۱۱، ۱۲- وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۱﴾

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ

الْخُرُوْجُ ﴿۱۲﴾

اور کھجوریں بلند جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ رزق ہے بندوں کیلئے اور زندہ کیا ہم نے اس کے ساتھ مردہ شہر کو۔ اسی طرح نکلنا ہے (یعنی زمین سے پھر نکلنا ہے)۔ (تصدیق براہین احمدیہ صہ ۱۱۱)

۱۶- اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ

خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

کیا ہم پہلی پیدائش سے تھک گئے ہیں۔ نہیں یہ لوگ نئی پیدائش سے شبہ میں ہیں۔
(تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۱۰)

۱۹- مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۹﴾

مومن کو چاہیئے کہ ہر ایک چیز سے کوئی نہ کوئی نصیحت حاصل کرے۔ گراموفون کو محض تفریح کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ انسان غور کرے تو اس کیلئے عبرت کا موجب ہے۔ جس طرح ایک شخص کی آواز اس میں بند ہوتی ہے اور پھر اس کے تمام انداز محفوظ ہو جاتے ہیں اور عام مجالس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر انسان یہ یقین رکھے کہ جو کچھ وہ بولے گا۔ اس کا ریکارڈ بھرنے والے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ کے ماتحت پاس ہی موجود ہوتے ہیں اور اس کے اعمال و اقوال کا اثر ذراتِ عالم پر پڑ کر محفوظ رہتا ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ ظاہر ہوگا۔ تو وہ کبھی ایسا جملہ نہ بولے، نہ کام کرے جو خلاف شریعت ہو۔ کیا کوئی شخص جسے یقین ہو کہ میری آواز فونوگراف میں بھری جارہی ہے۔ کوئی ایسا فقرہ بولتا ہے جس سے اس کا ناپاک اور خبیث ہونا ظاہر ہوتا ہو؟ ہرگز نہیں! تو پھر باوجودیکہ کلام الٰہی میں نص صریح ہے کہ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ وہ کیوں گندی باتیں کرے۔ ایک دن آتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ ظاہر کیا جائے گا اس وقت جو ندامت اور فضیحت ہوگی۔ وہ ایک شریف انسان کیلئے عذاب سے بڑھ کر ہے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ ہم منہ سے بولتے ہیں اسے محفوظ کرنے والے خدا کے فرستادہ وجود ہوتے ہیں اور ہماری باتوں اور کاموں کا اثر ذراتِ عالم اور اعضاء انسانی پر پڑتا ہے۔ قیامت کے دن گراموفون کی طرح یہ سب کچھ واپس ہوگا اور اس وقت فضیحت ہوگی۔ اگر پہلے ہی سے ہم نہ سنبھل سکے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۴ صـ۱۷۶-۱۷۷)

۳۰- مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۳۰﴾

بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صـ۱۴۲)

۳۱- يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۱﴾

ایک آریہ کے اعتراض "مفسر کہتے ہیں۔ خدا اپنے دونوں پاؤں دوزخ میں ڈال دے گا اور جہنم کو سیر کر دے گا" کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:

" تمہارے یہاں پرمیشور کا نام سرب بیاپک ہے۔ تو کیا وہ نرگ میں نہیں ہے۔ قرآن کریم میں صرف اس قدر ہے کہ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اور جو تم نے مفسروں کا قول نقل کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جَهَنَّمَ هَلْ مِنْ مَّزِيْد کہتی رہے گی حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهٗ اور کہیں ہے يَضَعُ الْجَبَّارُ قَدَمَهٗ اور کہیں ہے حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ پس قبل اس کے کہ تم کو مفصل جواب دیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ ذیل کے معنی لغت عرب سے لکھ دیں

جهنم ۔ رب ۔ عزت ۔ جبار ۔ قدم ۔ رجل

۱۔ جَهَنَّم: دوزخ ۔ نرگ ۔ عذاب کی جگہ۔

۲۔ رب کے معنی بڑا پالن ہار۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر بھی بولا گیا ہے اور دنیا داروں۔ بڑے آدمیوں پر بھی فرعون نے کہا۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (نازعات: ۲۵) یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی کو جو رہا ہونے والا تھا۔ فرمایا کہ اُذْكُرْنِىْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف: ۴۲) یعنی اپنے مالک و امیر کے پاس میرا ذکر کیجیو اور اسی رب کی جمع ارباب ہے جس کے متعلق فرمایا کہ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف: ۴۰)

۳۔ عزت ۔ بڑائی ۔ حمایت ۔ جاہلوں کی ہٹ ۔ قرآن شریف میں شریروں کے متعلق فرمایا۔ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ (بقرہ: ۲۰۶) اور فرمایا ہے کہ جب شریر کو عذاب اور دکھ دیا گیا تو کہا جائے گا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (دخان: ۵۰) پس رب العزت کے یہ معنے بھی ہوئے۔ متکبر ضدی۔ ہٹ والا۔

۴۔ جبار کے معنے مصلح کے بھی ہیں۔ اور ظالم کے بھی۔ مصلح کو تو عذاب ہو نہیں سکتا۔ اور ظالم کے حق میں آیا ہے۔ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶ میں ہے۔ صب صب دوزخ میں ایک وادی ہے اس میں جبار لوگ داخل ہوں گے۔

۵۔ قدم ۔ جس شخص کو کہیں بھیجا جاوے۔ اُسے قدم کہتے ہیں۔ قاموس اللغۃ میں ہے۔ قَدَمُهٗ اَىِ الَّذِيْنَ قَدَّمَهُمْ مِنَ الْاَشْرَارِ فَهُمْ قَدَمُ اللّٰهِ لِلنَّارِ ۔ كَمَا اَنَّ الْخِيَارَ قَدَمُ اللّٰهِ لِلْجَنَّةِ ۔ وَ وَضْعُ الْقَدَمِ مِثْلُ الرَّدْعِ وَالْقَمْعِ ۔

احادیث میں ہے دِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ تَحْتَ قَدَمِىْ ۔ ترجمہ۔ قدم اس کا وہ بد لوگ ہیں جن کو وہ حسب ان کے اعمال کے آگ میں بھیجے گا۔ جیسے کہ برگزیدہ لوگ بہشت کیلئے قدم اللہ ہیں۔ یعنی وہ

جنہیں حسب ان کے اعمال اللہ تعالیٰ بہشت میں بھیجے گا۔ اور قدم رکھنے کے اصل معنی ہیں روک دینا اور بیکلنی کر دینا۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاہلیت کے خون میرے قدم کے نیچے رکھے گئے ہیں۔ یعنی میں ان کے انتقاموں سے قوم کو منع کرتا ہوں اور ان کو مسلتا ہوں۔

۶۔ رجل کے معنی قوم۔ جماعت۔ عربی زبان میں آتا ہے رجل مّن جراد یعنی ٹڈیوں کا ٹڈی دل جماعت۔

اب کس قدر صاف معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو فرمائے گا۔ کیا تو بھر چکی — وہ عرض کریگی۔ کیا کچھ اور ہے تب اللہ شریروں اور ظالموں اور انکی جماعت کو جو جہنم کے لائق ہیں۔ سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ نرگی اور جہنمی نرگ اور جہنم میں داخل کئے جاویں گے اور یہی انصاف و عدل ہے اب بتاؤ اس پر کیا اعتراض ہوا۔ (نورالدین طبع سوم صـ۲۰۷-۲۰۸)

اسی آیت پر پادریوں کے اعتراض کے جواب میں فرمایا:-

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ حدیث (یَضَعُ فِیْھَا رَبُّ الْعِزَّۃِ قَدَمَہٗ) کا مطلب صاف اور درست ہے مگر زبان اور محاورۂ عرب نہ جاننے کے سبب سے پادری صاحب اس بھول بھلیاں میں جا پڑے ہیں خود ان کے چالاک ہاتھوں کی کرتوت ہے۔

اصل منشاء آپ کے اعتراض کا جملہ یَضَعُ فِیْھَا رَبُّ الْعِزَّۃِ قَدَمَہٗ ہے جس کا ترجمہ ہے۔ رکھے گا اس میں عزّت والا اپنے قدم۔ اب ہم آپ کو اُن الفاظ کا صحیح مطلب اور منشاء بتاتے ہیں۔ جن سے آپ کو بوجہ عدم فہم زبانِ عرب دھوکہ ہوا ہے۔ گو الفاظ تو صاف تھے۔ اور محاورۂ عرب کی طرف ذرا ہی سے رجوع کرنے سے بآسانی حل ہو سکتے تھے۔ مگر چونکہ عادۃً نصاریٰ کا خاصہ ہے۔ کہ کسی کلام کا اصل مقصد عمداً یا جہلاً بدوں توضیح و تفسیر نہیں سمجھتے یا سمجھ نہیں سکتے اور یہ عادت نسلاً بعد نسلٍ حضرات حواریین سے وراثت میں انہیں ملی ہے کہ وہ سادہ مزاج حضرات بھی مسیحؑ کے کلام کو بدوں تفسیر و تمثیل سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ضرور ہوا کہ ہم پوری تفسیر ان الفاظ کی کر دیں۔ سنو!

حوالۂ۔ پہلا لفظ جس پر پادری صاحب کو دھوکہ ہوا۔ لفظ رب ہے۔ سننا چاہیئے۔ کہ رب کا لفظ بڑے بڑے آدمیوں پر بولا گیا ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام کا قول اُس زندانی کو اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ کہ مجھے اپنے آقا کے رُوبرو یاد کرنا۔ اور فرعون کہتا ہے۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ میں تمہارا رب ہوں۔ یہ لفظ عام بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی جمع ارباب سے امراء اور دنیادار مُراد لئے جاتے ہیں۔ اور ٹھیک اسی طرح عبرانی زبان میں بھی جیسے عربی کے ساتھ مشابہت تامہ

ہے۔ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ربّی بڑے بڑے کاہنوں اور عالموں پر بولا جاتا ہے۔
اور بعض جگہ جب کسی اسم کے ساتھ ترکیب میں مذکور ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً اسی جگہ رب العزۃ یا رب البیت یا ربّ المنزل اُس وقت مرادف لفظ صاحب کے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں۔ صاحب العزۃ صاحب البیت۔ صاحب المنزل۔ عزّت والا۔ گھر والا۔ منزل والا یا مالک منزل۔
جوابؔ ۔ اور عزّت بمعنی حمیت، ضد جاہلیت ہے۔ دیکھو قرآن میں ایک جگہ اس کا استعمال ہوا ہے۔ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؛ یعنی جب اُسے خدا سے ڈرنے کو کہا جاتا ہے تو اُسے عزّت (ضد و حمیت جاہلانہ) گناہ پر آمادہ کرتی ہے۔ پس ایسے کیلئے جہنم ہے۔
اور عزیز کا لفظ جو اس سے مشتق ہوا ہے قرآن میں (سورۃ دخان، ۵۰) شریر جہنمی پر جب جہنم میں ڈالا جائیگا بولا گیا ہے۔ ذُقْ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ چکھ کیونکہ تو بڑی حمیت والا اور بزرگ بنا بیٹھا تھا۔ اور عزیز اور رب العزۃ کے معنی ایک ہی ہیں۔
ربّ الْعِزَّةِ اُس شخص سے مراد ہے۔ جو دنیا میں متکبر اور جبار اور بڑا ضدی کہلاتا ہے۔ اسی حدیث کی بعض روایات میں آیا ہے۔ حَتّٰى يَضَعَ فِيْهَا الْجَبَّارُ قَدَمَهٗ۔
جَبّار اور رَبّ الْعِزَّةِ کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنی متکبر سرکش حدود سے نکل جانے والا۔ پس گویا دونوں روایتیں علیٰ اختلافِ الفاظ معنی واحد رکھتی ہیں۔ اب حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ دوزخ زیادہ طلبی کرتی رہے گی جب تک شریر متکبر اپنے تئیں عزیز جاننے والے اس میں اپنا پاؤں رکھیں یعنی داخل ہوں۔
یاد رہے کہ اہلِ اسلام کے اعتقاد میں دوزخ شریروں اور بدذاتوں کی جگہ ہے۔ جیسا حدیث ذیل میں مذکور ہے۔
مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶۔ ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ دوزخ میں ایک وادی ہے اس کا نام ھَب ھَب ہے اس کی تسکین کا باعث ہر ایک جبار ہوگا۔ اس کے آخری جملے کے الفاظ یہ ہیں يُسَكِّنُهٗ كُلُّ جَبَّارٍ۔
جوابؔ ۔ بعض روایات میں اگر آیا ہے۔ حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ فِيْهَا قَدَمَهٗ۔ اوّل تو یہ روایت حدیث کے اعلیٰ طبقہ کی روایت نہیں کیونکہ اس میں روایت بالمعنی کا احتمال ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے۔
قدم سے مراد اشرار ہیں۔ پاؤں نہیں۔ دیکھو۔ قاموس اللغۃ قَدَمَهٗ ای الَّذِيْنَ قَدَّمَهُمْ مِنَ الْاَشْرَارِ۔ فَهُمْ قَدَمُ اللّٰهِ لِلنَّارِ كَمَا اَنَّ الْخِيَارَ قَدَمُهٗ لِلْجَنَّةِ یعنی قدم سے مراد وہ شریر لوگ ہیں جن کو خدا نے دوزخ کے آگے دھر دیا۔ پس وہ لوگ خدا کی طرف سے آگ کے لئے آگے کئے گئے جیسے اچھے لوگ خدا کی طرف سے جنّت کی جانب آگے کئے گئے۔ پس حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ دوزخ هَلْ مِنْ

مَّزِيْدٍ پکارتی رہے گی جب تک خدا اشرار کو اس میں نہ ڈالے گا۔ پھر وہ بس کریگی۔

جواب ۴ : وَضْعُ الْقَدَمِ مَثَلٌ لِلرَّدْعِ وَالْقَمْعِ۔ یعنی وضع قدم ایک محاورہ ہے جس کے معنے ہیں روکنا۔ اور تھام لینا۔ اب حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ "یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنی روک اور تھام رکھے گا۔ اور ایسی روک کر دیگا کہ دوزخ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہنے سے رک جائے گی"

جواب ۵ : وَضْعُ الْقَدَمِ : (پاؤں رکھ دینا) ذلیل اور خوار کرنے پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ عبری اور عربی قریب قریب زبانیں ہیں اور کتب مقدسہ میں بھی یہ محاورہ برتا گیا ہے۔ بنظر ثبوت اتنا ہی بس ہے۔

۱۔ یسعیاہ ۳۷ باب ۲۵۔ خدا فرماتا ہے میں اپنے پاؤں کے تلووں سے مصر کی سب ندیاں سکھا دوں گا۔

۲۔ ۲ سموئیل ۲۲ باب ۳۹۔ ہاں وہ میرے قدموں تلے پڑے ہیں۔

۳۔ ۱ سلاطین ۵ باب ۳۔ جب تک کہ خدا نے ان کو اس کے قدموں تلے نہ کر دیا۔

۴۔ زبور ۸-۶۔ تو نے سب کچھ اس کے قدم کے نیچے کر دیا۔

۵۔ لوقا ۲۰ باب ۴۲ و مرقس ۱۲ باب ۳۶۔ جب تک تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی کروں۔

دیکھو ان محاورات میں لغوی معنوں میں قدم کا لفظ نہیں بولا گیا۔ بلکہ مجازی معنوں میں۔ پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ "یہاں تک کہ خدا جہنم کو ذلیل و خوار کر ڈالے اور اسے چُپ کرا دے۔

ہاں یہ محاورہ اس خطبہ میں بھی آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج میں بمقام عرفات پڑھا

" وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ تَحْتَ قَدَمِيْ "

جواب ۶ : یہ جواب گو الزامی جواب ہے مگر ہم اس بارہ میں مسیحؑ کے اس قول کی پیروی کی ہے کہ "الزام مت لگاؤ تاکہ تم پر الزام نہ لگایا جاوے" اور نیز الزامی جواب اس لئے بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ معترض اپنی مسلمہ و مألوفہ کتابوں سے اس قسم کے اشتباہ کو رفع کرے۔ اب جواب سنئے۔

مسیحی اعتقاد میں مسیحؑ ملعون ہوا (نعوذ باللہ) اور ملعون کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دیکھو حل الاشکال اور پولوس نامہ گلتیاں ۳ باب ۱۳ جو کاٹھ پر لٹکایا جاوے۔ وہ ملعون ہے۔

اور نیز مسیحی اعتقاد میں مسیحؑ خدا ہیں اور رب العزت بھی ہیں (صاحب عزت) پس معنے یہ کہ جہنم کو تسکین نہ ہوگی۔ جب تک عیسائیوں کے خدا اس میں قدم نہ رکھیں۔ اب سارے جوابوں کی آپ ہی کوشش کریں۔

حاصل الامر چونکہ پادری صاحب نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا اور بطور بنائے فاسد علی الفاسد اس سے غلط استنباطات کئے۔ پس ان کے اعتراض کے باقی شقوق بھی بیکار و معطل ہو گئے۔ اس لئے ہمیں ان شقوق پر فضول خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فاسد مقدمہ کا نتیجہ لابد فاسد ہی ہوا کرتا ہے۔

اگر قدم کے معنے پاؤں لیں جیسے عام مشہور ہے۔ تب بھی اعتراض نہیں رہتا۔ اور عیسائی مذہب کے طور پر ہرگز محلِ اعتراض نہیں۔ دیکھو خروج ۱۳ باب ۲۱ خدا آگ کے ستونوں میں اور خروج ۱۹ باب ۱۸ اور استثناء ۱ باب ۳۳ آگ کو خدا کا قدم نہ جلانے میں بخلاف اور لوگوں کے بے ریب امتیاز ہے۔ دیکھو استثناء ۴ باب ۱۲ پہاڑ جلا پر خدا نہ جلا۔ اور استثناء ۴ باب ۳۶ میں۔ خدا آگ میں کلام سناتا تھا اور دیکھو دانیال ۳ باب ۲۵ خدا کے چند پیارے کھلے آگ میں پھرتے تھے اور آگ انہیں نہیں جلاتی تھی۔ اور قانونِ قدرت میں دیکھو آگ ذراتِ عالم کو نہیں جلا سکتی۔ آگ کا کام تو چند اشیاء کے جلانے کا ہے۔ وہ اشیاء جو الہٰی مخلوق ہیں۔ نہ خالق کے جلانے کا۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل ایڈیشن دوم صفحہ ۱۵۸، ۱۶۲)

۳۶- لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۶﴾

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ : جنابِ الہٰی کا دیدار۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۲)

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ : ہاں ہمارے ہاں تو ترقی ہی ترقی ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۸۳)

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

۱۴، ۱۵ - يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿١٤﴾ ذُوْقُوْا
فِتْنَتَكُمْ ۖ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٥﴾

فتنہ کے معنے کیلئے دیکھو مفرداتِ راغب کو جو قرآن کریم کی معتبر لغت اور بہت پرانی کتاب ہے۔

" اصل الفتن اِدْخَالُ الذَّهَبِ النَّارَ لِيَظْهَرَ جَوْدَتُهٗ مِنْ رَدَائَتِهٖ "

فتنہ کے اصل معنے ہیں۔ زر کو آگ میں ڈالنا تاکہ اس کی میل کچیل نکل جاوے۔

اور قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ - جب وہ آگ میں ڈالے جاکر عذاب دیئے جائیں گے۔

۲- الفتنۃ : العَذَابُ - فتنہ کے معنے ہیں عذاب۔ اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھو۔ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ - اپنی سزا کا مزہ لو۔

۳- اسبابِ عذاب کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (توبہ ۴۹) دیکھ وہ عذاب کے موجبات میں جا پڑے ہیں۔

۴- امتحان لینا۔ محنت لینا بھی فتنہ کے معنی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (طٰہٰ: ۴۱) اور ہم نے تیرا خوب امتحان لیا۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (انبیاء: ۳۶) اور ہم امتحان کے طور پر تمہیں بدی اور نیکی میں مبتلا کرتے ہیں۔

۵- فتنہ کے معنے دُکھ بھی قرآن کریم میں آئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ ۱۹۲) اور دُکھ دینا قتل سے بھی سخت تر ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (بقرہ ۱۹۴) اور ان لڑنے والوں سے تم بھی لڑو تا انکی ایذا رسانی بند ہو جائے۔

(نور الدین طبع سوم صفحہ ۸۰-۸۱)

۲۱، ۲۲ - وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۱﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۲﴾

ہمہ اُوست کے مسئلہ پر ایک آیت بھی نص صریح الدلالۃ نہیں۔ یہ دیگر بات ہے کہ خود غرض لوگوں نے اپنے معا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے اس پر استدلال کیا ہے۔ مَیں نے یہ دو آیتیں قائلین وحدت الوجود سے استدلال میں سُنی ہیں۔

اوّل: وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ مگر جب اس آیت کا ماقبل ان سے دریافت کیا جاوے تو حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کا ماقبل یہ ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ: بات نہایت صاف ہے کہ اس زمین میں بس موجودات میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور جب تم اس سیر بیرونی سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اپنے نفوس میں مطالعہ کرو۔ تدبر کرو۔

دوسری آیت شریف۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید: ۴)
(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۳)

۳۰- فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۳۰﴾

فِي صَرَّةٍ: جماعت میں بولتی۔ جھروکہ۔ حیرت۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۲)

۴۸- وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۸﴾

اس سوال کے جواب میں کہ "خدا نے زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور خدا کو تکان نہ ہوئی۔ ہاتھ سے بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ کُن سے بنا تا وغیرہ وغیرہ" فرمایا۔

"کیا اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے مشورہ کی بھی ضرورت ہے۔ پرمیشر احکم الحاکمین حضرت ربّ العٰلمین سرب شکتیمان ہیں۔ القادر الصمد اور الغنی ہیں۔ پھر ہر شئی کو مینتقی کیوں بنایا۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ عورتوں سے صحبت ہو۔ ان میں مرد کا نطفہ پڑے اور بشکل لڑکا ایک تنگ سوراخ سے نکل کر محنت و مشقت سے جوان ہو۔

زمیندار اور گاؤ ماتا کے بچے دکھ اٹھاویں اور غلہ پیدا ہو۔ زیر اعتراض یہ آیتیں ہیں۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (پ۲۷۔ ذاریات) وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق: ۳۹) کس قدر صاف اور صریح بات ہے مگر بد فطرت نکتہ چین ہر ایک حسن کو بد صورتی ہی قرار دیتا ہے اس میں ایک لفظ یَد ہے۔ جس پر صفاتِ الٰہیہ سے جاہل کو اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے ....

صفات اپنے موصوف کی حیثیت اور طرز پر واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً چیونٹی کا ہاتھ۔ میرا ہاتھ۔ شیر کا ہاتھ اور مثلاً اس وقت ہند کی حکومت لارڈ کرزن کے ہاتھ میں ہے۔ بیہودہ بکواس کرنا۔ اناپ شناپ کہہ دینا اور بدوں علم و فہم کے اور بدوں اس کے کہ ویدوں کا تمہیں علم ہو۔ ویدوں کی تائید میں گالی دینا۔ جھوٹ بولنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور اسکے سوا تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تمام جہان کا تصرف ہے وغیرہ۔ وغیرہ۔ اسی طرح ضروری ہے کہ جنابِ الٰہی کی شان کے مطابق اس کے ہاتھ مانو اور اگر یوں نہیں مانتے تو سُنو! سام وید فصل دوم حصہ ۲ کا پرچھانک نمبر ۶ صفحہ ۴۴ میں ہے۔ " اندر بطور اس دیوتا کے جس کا بازو قوی ہے ہمارے لئے اپنے ہاتھ سے بہت سی پرورش کرنے والی لُوٹ جمع کر " بتاؤ اندر کون ہے؟ پھر اس کا داہنا ہاتھ کیا ہے؟ اور اس سے لُوٹ کرنا کیسے الفاظ ہیں؟ کیا تم نے پرمیشر کا نام سہنسر باہو نہیں پڑھا اگر نہیں پڑھا تو یجروید کا پرشں سکت دیکھو۔

پھر اور سنو اَیْد کے معنے قوت کے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (صٓ: ۱۸) یعنی یاد کرو ہمارے بندے داؤدؑ کو بہت ہاتھوں والا (بڑا طاقت ور) وہ جنابِ الٰہی کی طرف توجہ کرنے والا ہے اور یَد کے معنی نصرت وغیرہ کے بھی ہیں۔ راغب میں ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح: ۱۱) اَيْ نُصْرَتِهٖ وَنِعْمَتِهٖ وَقُوَّتِهٖ یَد کے معنی ملک و تصرف کے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (بقرہ: ۲۳۸) ان معنوں میں سے ہر ایک یہاں چسپاں ہو سکتا ہے۔ اور عام انسانی بول چال میں ہاتھ کا لفظ ان سب معنوں پر بولا جاتا ہے۔ (نور الدین طبع سوم صفحہ ۲۰۳-۲۰۴)

۵۷- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۷﴾

جن و انس کی پیدائش اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کریں۔

(نور الدین طبع سوم صفحہ ۲۶ دیباچہ)

سُورَۃُ الطُّورِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

۲ تا ۵ - وَالطُّوْرِ ② وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ③ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ④

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ⑤

وَالطُّوْرِ ، فرمایا ۔ طور میں ہم نے جس سے باتیں کیں ۔ اس کے دشمنوں کو ہلاک کیا ۔ ایسا ہی اے غارِ حرا کے عابد! تیرے دشمن ہلاک ہوں گے ۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ؛ موسیٰ کو کتاب فرعون کی ہلاکت کے بعد ملی ۔ آپ کو پہلے ملی ۔

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ؛ خانہ کعبہ پر حملہ کرنے والے اصحابِ فیل کو ہلاک کیا تو کیا تم اس سے بڑھ کر ہو ؟

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صفحہ ۴۸۲)

۲۱ - مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ㉑

تکیہ لگائے ہوئے قطار تختوں پر اور بیاہ دیا ہم نے ان کو بڑی آنکھ والی گوری عورتوں سے ۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۱۸۴)

۲۲ تا ۲۵ - وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ

بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ

مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ㉒ وَاَمْدَدْنٰهُمْ

بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۳﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا
كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۴﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ
غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۵﴾

ہم مومنوں کے ساتھ انکی مومن اولاد کو ملا دیں گے اور ان کے عملوں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔ ہر شخص کو اپنی اپنی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ اور ہم انہیں میوے اور ان کے پسند کے گوشت دیں گے اور اس میں ایسے پیالے پئیں گے کہ ان کا نتیجہ بیہودہ خیالات اور بدکاری نہیں اور ان کے اردگرد موتیوں کے دانہ جیسے بچے پھریں گے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ بہشتیوں کی اولاد ان کے پاس پھرے گی۔ وہاں مومن اولاد کی جدائی کا غم نہ دیکھیں گے۔ اور ان کیلئے نہ ترسیں گے ...... اس معنی کی تفسیر خود قرآن کریم نے سورۃ دھر میں اور لفظوں کے ساتھ کی ہے اور وہاں غِلْمَانٌ کے بدلہ وِلْدَان کا لفظ جو وَلَد یا وَلِیْد کی جمع ہے۔ فرمایا ہے۔

(نور الدین صـ۱۴۵)

جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ایمان میں انکی پیروی کی۔ انکی اولاد کو بھی ہم ان سے لاحق کر دیں گے اور ان کے عمل سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے ہر شخص اپنی اپنی کمائی کا گرویدہ ہوگا اور ہم ان کو من بھاتے گوشت اور میوے عنایت کریں گے۔ اُن میں ایسے پیالوں کا دَور دیں گے جن میں (بخلاف دنیوی مے) بہکنا اور بدخیالات کا اثر نہ ہوگا اور ان کے دُرِّ مکنون کے ایسے لڑکے بالے انکے اردگرد اُچھلتے کودتے ہوں گے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے " بہشتیوں کی اولاد انکے پاس پھرے گی وہاں مومن اولاد کی جدائی کا غم نہ دیکھیں گے اور ان کیلئے نہ ترسیں گے۔ جب لفظ وَلَا تَاْثِيْمٌ صریح اس کی صفت میں موجود ہے جس کے معنے ہیں۔ نہ گناہ میں ڈالنا۔ پھر آپ کو ایسا ناشایاں خیال کیوں گزرا۔ اس معنے کی تفسیر خود قرآن کریم نے سورۃ دھر میں اور لفظوں کے ساتھ کی ہے اور وہاں غِلْمَان کے بدلے وِلْدَان کا لفظ جو ولد یا ولید کی جمع ہے۔ فرمایا ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صـ۴۶)

غِلْمَانٌ : اعلیٰ آدمیوں کے بچے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صـ۴۸۲)

۳۰ - فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا
مَجْنُوْنٍ ﴿۳۰﴾

کَاهِن : ان لوگوں کی تین عادات ہیں ۱۔طبیعت میں یکسوئی ۲۔ ہر وقت ناپاک رہنا۔
۳۔خلوت میں رہتے ہیں۔ اختلاط سے بچتے ہیں۔ (تشحیذالاذہان جلد ۸ ۹ صفحہ ۴۸۲)

۳۴، ۳۵ - اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۴﴾

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ کہتے ہیں اسکو ایسے ہی گھڑ لیا ہے۔ نہیں بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے پھر اسکی مانند کوئی حدیث لاویں اگر وہ سچے ہیں۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر اس کتاب کو تم لوگ مصنوعی جانتے ہو تو اسکی مثل کوئی کتاب لاؤ اور فرمایا
وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ فَاِنْ
لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ : ۲۴، ۲۵)
اور مکہ میں شرفاء و شعرائے قریش کو فرمایا :
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۸۹)
(فصل الخطاب حصہ دوم طبع دوم صفحہ ۹۲-۹۳)

۳۶ تا ۳۸ - اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۶﴾

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ایک آریہ کے اعتراض " یہ عالم کس نے بنایا ؟ کیوں بنایا ؟ کب بنایا ؟ کن اشیاء سے کس طرح بنایا ؟ کے جواب میں فرمایا۔
قرآن کریم اپنے ہر ایک دعویٰ کی دلیل خود دیتا ہے ....

دلیل خلف " اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۔

کیا یہ لوگ خود بخود ہو گئے (عدم سے وجود بلا مرجح کیونکر ہو) کیا یہ اپنے آپ خالق ہیں۔ یہ بات ہمیں وجدان اور اپنی طاقتوں کے لحاظ سے غلط معلوم ہوتی ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ جوں جوں ہم پیچھے جاویں کمزوری بڑھتی نظر آتی ہے۔ دوم ہم تجارب کے بعد بھی انسان کیا کیڑا بنانے کے قابل نہیں۔ علاوہ بریں (اس میں تقدم اپنی ذات سے اور دَور لازم آتا ہے) کیا آسمانوں اور زمینوں کے یہ خالق ہیں۔ یہ صریح غلط ہے اور اس سے تعداد آلہہ بھی لازم آتا ہے۔ کیا ان کے پاس بے انت خزانے ہیں جن سے ان کو پتہ لگا کہ یہ چیز مثلاً ارواح یا فلاں اشیاء مادہ و زمانہ وغیرہ غیر مخلوق ہیں۔ نفس انسانی تو محدود ہے خدا کی بے انت باتوں کا احاطہ کیونکر کر سکتا ہے۔ کیا یہ آزاد ہیں اور کسی کے تحت و تصرّف میں نہیں۔ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے انسان کھانے پینے۔ جننے مرنے سب میں کسی کے نیچے ہے اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ پس جب یہ باتیں غلط ہیں تو خدا سب اشیاء کا خالق ہے۔ (دیباچہ نورالدین طبع ثالث صفحہ ۲۹-۳۰)

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۵ - وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿۲﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۳﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۵﴾

وہ اللہ تعالیٰ جس کی ذاتِ بابرکات نے جسمانی ظلمتوں میں تمہارے آرام کے واسطے ایسے جسمانی سامان بنائے ہیں جن سے تم آرام پاؤ بشرطیکہ انکی طرف توجہ کرو۔ اس نے تمہارے ابدی آرام اور روحانی راحتوں کے واسطے تدابیر نہ رکھی ہوں۔ بے ریب رکھی ہیں۔ جسمانی لیل اور چند گھنٹوں کی رات میں اگر کوئی راہنما ستارہ موجود ہے تو اس روحانی لیل اور غموم اور ھموم کی نہایت بڑی لمبی رات کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل نے تمہاری منزلِ مقصود اور جاودانی آرام تک پہنچانے کا راہنما بھی ضرور رکھا ہوگا۔ وہ کون ہے؟ بے ریب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ثبوت۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ وجہ ثبوت۔ اپنے ہی ملک میں ذرا تجربہ اور بلند نظری سے کام لو۔ نظر کو اونچا کر کے دیکھو یہ شخص تمہارے شہر کا، تمہارا ہم صحبتی جس کا نام محمد، احمد، امین ہے اور جس کو تمہارے چھوٹے بڑے انہیں پیارے ناموں سے پکارتے ہیں۔ کیسا ہے؟ کیا تمہارے لئے کافی راہنما نہیں؟ بے ریب ہے۔ کیونکہ نظریات کا علم ہمیشہ بدیہات سے ہوتا ہے۔ اور غیر معلومہ نتائج تک پہنچنا ہمیشہ معلومہ مقدمات سے ممکن ہے۔ نہایت باریک فلسفی کا پتہ علمہ قواعد سے لگتا ہے۔ جانتے ہو۔ کسی انسان کو انسانِ کامل یقین نہ کرنے کے تین اسباب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تم اس شخص کے حالات سے پورے واقف نہیں جس نے ہادی اور انسانِ کامل ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوم یہ کہ وہ شخص جس نے ہادیٔ کامل اور انسانِ کامل ہونے کا دعویٰ کیا اسے صحیح علم نہ ہو۔ سوم یہ کہ باوجود علم صحیح رکھنے کے اسکی عادت ایسی ہو کہ علم صحیح پر عمل نہ کرے۔ سو اس رسول خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ان تینوں عیوب میں سے ایک بھی نہیں۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ یعنی نہ بھولا اور نہ بے علمی سے کام

کیا تمہارے ساتھ رہنے والے نے اور نہ کبھی علم صحیح کے خلاف کرنے کا ملزم ہوا۔ پہلی وجہ عدم تسلیم کا جواب تو یہ ہے کہ چالیس برس کامل کے تجربہ سے دیکھ لو۔ یہ شخص محمد امین (بابی واقی صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا اس میں کوئی عیب رکھنے کی بات ہے۔ دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ مَاضَلَّ جس کے معنے ہیں کبھی نہ بھولا۔ ہمیشہ تمہاری اور اپنی بہتری کی جو تدبیر نکالی وہ تدبیر آخر مثمر ثمرات نیک ہوئی۔ تیسری وجہ کا جواب دیا۔ وَمَا غَوٰی۔ چالیس برس تمہارے ساتھ رہا اور تمہارا صاحب کہلایا مگر کبھی کسی بدعملی کا ملزم ہوا؟ ہرگز نہیں چالیس برس تک جس نے راستی اور راست بازی کا برتاؤ کیا۔ جس کے ہاتھ پر صدیق نے بھی بیعت کی جس کے سینکڑوں مریدوں میں سے ایک بھی تبلیغ احکام اسلام میں کذب کا ملزم نہ ہوا۔ وہ جس نے کبھی مخلوق پر افتراء نہ باندھا اب وہ کیا ہماری ذات پاک پر مفتری ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اگر اپنے پہلے تجارب اور اپنے پہلے معلومات صحیحہ پر نظر کروگے اور اس کے چالیس سال کے برتاؤ سے پتہ لوگے تو یہ نتیجہ نکلے گا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

اور سنو! اس کے علوم اور اس کی ہدایات کسی کمزور معلم کی تعلیم کا نتیجہ نہیں اور نہ ایسا ہے۔ کہ یہ پورا تعلیم یافتہ نہ ہو۔ اس کی تعلیم تو اسکی نبوت اور رسالت کا عمدہ نشان ہے۔ اسکی تعلیم بڑے طاقت ور معلم کی تعلیم ہے اور یہ بھی تعلیم کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر ٹھیک اور درست ہو چکا ہے۔ یہی معنی ہیں آیات ثلثہ؛ اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے مگر جو بولا وہ الٰہی الہام ہے جو بھیجا گیا۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۵)

جب کوئی ہادی دنیا میں آتا ہے تو اس کی شناخت کے کئی طریق ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جاہل اور بے علم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہادی کیلئے ضروری ہے کہ وہ نادان اور بے خبر نہ ہو۔ اب کتاب اللہ کو پڑھو اور دیکھو کہ جو معارف اور حقائق اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ کسی جاہل اور نادان کے خیالات کا نتیجہ ہو سکتے ہوں۔ سوچو! اور پھر سوچو!!! نادان ایسی معرفت اور روح و راستی سے بھری ہوئی باتیں نہیں کر سکتے۔

دوم۔ وہ ہادی اجنبی نہ ہو۔ کیونکہ ایک ناواقف انسان دور دراز ملک میں جا کر بدکار اور شریر ہونے کے بھی چند روز تصنع اور ریاکاری کے طور پر اپنے آپکو نیک ظاہر کر سکتا ہے۔

پس ہادی کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کا واقف ہو۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوٰے صاف ہے کہ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہادی یا امام مرشد اپنے سچے علوم کے مطابق عمل وہ آپ بھی کرتا ہو۔ اوروں کو بتلا دے

اور خود نہ کرے۔ پس اس امر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت فرمایا ہے۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی۔ حضور کے عملدرآمد کا یہ حال ہے کہ جناب صدیقہ علیہا السلام نے ایک لفظ میں سوانح عمری بیان فرمادی کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ یعنی آپؐ کے اعمال و افعال بالکل قرآن کریم ہی کے مطابق ہیں۔

(الحکم ۱۹؍اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ ۵)

اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی کی ضرورت اور پھر اس میں جو ضروری اوصاف ہونے چاہئیں۔ پھر ان اوصاف کا اعلیٰ و اکمل و اتم طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں پایا جانا جس دل آویز و دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان اعجازی خواص سے ہے۔ جو بالخصوص اسی کتاب حکیم میں پائے جاتے ہیں۔ پہلے تو وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی فرماکر جسمانی انتظام سے روحانی نظام کی طرف متوجہ کیا۔ النّجم کے سمت الراس سے نیچے ہونے کی وجہ سے مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال کے راستوں کا علم ہوتا ہے۔ جب جسمانی بہتری و بہبودی کیلئے یہ انتظام ہے۔ تو روحانی دنیا میں صراط مستقیم کی ہدایت کے واسطے کسی النجم کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ تین وصف اس راہنما میں ہونے ضروری ہیں۔ ایک تو وہ خود واقف کار ہو۔ اسے نیکی و بدی نافع و ضار کا علم ہو۔ دوم۔ وہ اجنبی نہ ہو۔ اس ملک کے رسم و رواج۔ مذاق۔ عادات۔ حالات سے آگاہ ہو۔ اور اس ملک کے باشندے بھی اس کے کیریکٹر۔ علم۔ قابلیت کو خوب جانتے ہوں تاکہ نہ وہ دھوکہ کھائے۔ نہ اسکے بارے میں احتمال ہو کہ یہ ہمیں دھوکہ دے گا۔ سوم عالم باعمل ہو۔ اپنے علم کو اپنی اور اپنے بھائی بندوں کی اصلاح میں خرچ کرنے والا ہو۔ نہ یہ کہ وہ اپنے علم سے مفاسد و شرارت کو بڑھانے والا ہو۔

یہ اوصاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ درجے کے انتہائی کمال کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ آپؐ کا علم ایسا کہ شَدِیْدُ الْقُوٰی نے آپؐ کو سکھایا وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی کا خطاب پاکر یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (الجمعہ: ۳) آپ کی شان میں آیا۔ پھر جو کچھ آپ نے فرمایا۔ وہ ھَوٰی نہیں تھا۔ بلکہ وَحْیٌ یُّوْحٰی تھا۔ اسلئے آپ پر مَاضَلَّ خوب صادق آتا ہے۔ اور اجنبی نہیں۔ اس کیلئے صَاحِبُکُمْ فرمایا۔ عرب کے عمائد و اہل الرائے آپ کے مکارم اخلاق کے معترف تھے۔ آپؐ نے اپنے اعلیٰ کیریکٹر کا دعویٰ بڑی تحدی سے پیش کیا اور فرمایا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس: ۱۷) امین کا لقب تو آپؐ پا ہی چکے تھے اور یہ کہ آپؐ اپنے علم سے لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعات اس کی تصدیق کر رہے تھے۔ وہ لوگ جو زنا۔ شراب۔ جوا بازی ایسے بدترین گناہوں کو اپنی مجالس میں بڑے فخر کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور شراب کے پانچ بلکہ آٹھ وقتوں کی بجائے اتنے وقتوں کی نمازیں پڑھنے لگے۔ ایسا ہی ہر بدی کو چھوڑ کر اسکے مقابلہ میں انہوں نے ایک نیکی اختیار کرلی۔ پس مَاغَوٰی آپؐ پر صادق آیا (تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۲۲۵-۲۲۶)

۶ تا ۱۰۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ
فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹

سکھایا اس کو بڑے طاقتور نے ۔ بڑے جگرے کا تھا پس پورا نظر آیا اور وہ اب بلند کنارے پر ہے ۔
قانونِ قدرت کا عام قاعدہ ہے ۔ جس قدر کوئی چیز دوسری چیز سے تعلق پیدا کرے گی ۔ اسی قدر اس دوسری چیز سے متاثر اور متقدر ہو گی ۔ ایک عادل بلکہ ہمہ عدل مالک اور علیم وخبیر سلطان کے لائق اور جاں نثار ۔ چست و ہوشیار ۔ رضامندی کے طالب نوکر اور خادم کو جو جو انعام اور اکرام ملیں گے ۔ اور ایسے مقتدر اور مقدس بادشاہ کے ایسے پیارے خادم جن جن انعامات اور الطاف کے مورد ہوں گے ۔ ویسے نالائق اور نکمے خود پسند ۔ مطلبی کاہل نام کے نوکر اور جھوٹے خادم ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے جس قدر اسکے بندوں کو تعلق ہو گا اسی قدر وہ قابلِ انعام ہوں گے جتنی بندگی اور عبودیت کامل ہو گی اتنا ہی الوہیت کا میل اس سے زیادہ ہو گا اور بقدر ترقی عبودیت رُوح القدس کا فیضان ہوتا ہے ۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ : ۲۳)

یاد رہے ۔ یہی توحید اور تثلیث کا مسئلہ تھا جس کو عیسائی نہ سمجھ کر شرک میں گرفتار ہو گئے اور یہی وہ بھید ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اور اس کے انبیاء اور رسل اور اولیاء کے باہمی تعلق کے باعث فیضان رُوح کا پتہ لگ سکتا ہے ۔ طالب صداقت سچی ارادت سے چند روز بحضور مرزا صاحب حاضر ہو کر استقلال و صبر سے منتظر ہو اور دیکھ بھی لے ۔

عرب کا دستور تھا ۔ جب دو آدمی باہم اتحاد پیدا کرتے اور معاہدہ کر لیتے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں اس طرح ملاتے کہ ایک کمان کی لکڑی دوسری کی کمان کی لکڑی سے ابتداء تا انتہاء ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملائی جاتی اور ایک کمان کی تار دوسری کمان کی تار سے ملائی جاتی تب دونوں قوسوں کے دو قاب ایک قاب کی شکل دکھلائی دیتی ۔ پھر دو کمانوں کو اس طرح ملا کر دونوں معاہدہ کنندے ایک تیر ۔ ان دونوں کمانوں مگر اب ایک ہو گئی ہوئی کمان میں رکھ کر چھوڑتے ۔ اور یہ رسم عرب کی اس امر کا نشان ہوتا تھا کہ اس وقت کے بعد ایک کمان

والے کا دوست دوسرے کمان والے کا دوست ہوگا اور ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن قرار پائے گا۔ اسی طرح انبیاء اور رسولوں کی پاک ذات کا خاصہ اور انکی فطرت ہوتی ہے۔ کہ وہ پاک گروہ اور انکے اتباع مگر گردیدہ اتباع اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ میں منفرد ہوتے ہیں۔ اپنے ہر ایک اعتقاد اور قول اور فعل میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی کو مقدم رکھتے ہیں۔ اسکے بلائے سے بولتے اور اسی کے چلائے سے چلتے ہیں۔ انکا رحم اور انکا غضب اللہ تعالیٰ کا رحم اور اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔ ایسی وحدت و اتحاد کا باعث ان کے ہاتھ پر بیعت اور اقرار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت اور اسی سے اقرار ہوتا ہے اور اسی اتحاد کا بیان آیاتِ ذیل میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۱)

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۱)

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۸)

وغیرہ آیات کریمہ میں ہے۔ وَاِلَّا وہ تو بشر ہوتے ہیں۔ اور اپنی بشریت اور عجز اور فقر کو

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ وَاِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔

فرما کر ثابت کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ باری تعالیٰ کی گرامی اور مقدس ذاتِ پاک سے انکی ذات کو دُنُوّ اور تقرب ہوتا ہے اور انکی کمان اللہ تعالیٰ کی کمان سے بالکل وحدت پیدا کرتی ہے۔ اسی عمدہ مضمون کو قرآن کریم نے اس سورہ والنجم میں ان کلمات فرمایا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

(پھر نزدیک ہوا اور پاس کھڑا ہوا۔ پس دونوں کمانوں کا قاب یا اس سے بھی قریب تر ہوگیا)

اب حسب بیان سابق ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تقرب اور اسکی بارگاہِ معلّٰی میں عبودیت تامہ کے ثبوت کے بعد روح حق اور روح القدس کا فیضان ہوتا۔ اس لئے جناب رسالت مآب کی اعلیٰ درجہ کی عبودیت اور فرماں برداری اور حُبّ لِلّٰهِ اور بغض فی اللّٰهِ کے نتیجہ اور فیضان کا بیان ہوتا ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۵ تا صفحہ ۱۹۷)

۱۱ تا ۱۳۔ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۱﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۲﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۳﴾

اس دل نے جو دیکھا۔ خوب دیکھا (یعنی مغالطہ نہ کھایا) کیا تم اس کی دید پر جھگڑتے ہو۔
مَآ اَوْحٰى میں ابہام نہیں ...... مَآ عربی لفظ موصولہ اور معرفہ ہے۔ اَوْحٰى اس کا صلہ ہے۔ مَآ اَوْحٰى کیا چیز ہے۔ یہی قرآن کریم اور حضور علیہ السلام کی تمام پاک تعلیم جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ روح بھی فرمایا ہے۔ جہاں فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور یہ وہی روح ہے جو الوہیت اور عبودیت کے کامل میل سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ اس کا اللہ سے فیضان ہوتا ہے اَللّٰهُمَّ اَيِّدْنِيْ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ آمین۔ اب اس کی عمدگی اور راستی کی نسبت فرمایا اور مدعی الہام کی حالت کو بتاتا ہے۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۸)

۱۴ تا ۱۹۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۵﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۶﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۷﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۸﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۹﴾

اور یقیناً اس نے اُسے بارِ دیگر دیکھا (یعنی نظرِ ثانی کی) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (سب سے بڑی بیری) جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ اس سدرہ (بیری) کو بڑے اعلیٰ درجہ کے انوار ڈھانکے ہوئے ہیں۔ اسکی آنکھ نے کجی نہیں کی۔ اور غلطی نہیں کھائی۔ ضرور اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے۔
عرب کا یہ بھی دستور تھا۔ جیسے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب بڑے بڑے کاموں کے واسطے پبلک اور عام اہل الرائے کی رائے لی جاتی تو کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جاتے۔ کیونکہ ان کے چھوٹے خیمے جلسہ کے قابل نہ ہوتے تھے۔ اور عام سایہ دار درختوں میں سے بیری کا درخت اس ملک میں بڑا درخت سمجھا جاتا تھا۔ اس رسم کے مطابق باری تعالیٰ حجاز کے باشندوں کو جو حضرت صاحب الوحی کے مخاطب ہیں۔ اور آپ کی دعوت کا ابتدأً

روئے سخن ان ہی کی جانب ہے۔ یوں فرماتا ہے کہ جہاں اس ہادی۔ محسن خلق۔ رحمت عالمیاں نے مشورہ لیا۔ وہ بیری تمام دنیا کی بیریوں سے بڑی بیری تھی۔ اور وہ تمام دنیا کی سی بیری نہ تھی۔ وہ تمہارے نظام شمسی سے کہیں اونچی سات آسمانوں سے پرے کی بیری ہے۔ وہ بیری تو کچھ ایسی بیری ہے۔ جس کی جڑھ سے تمام دینی اور دنیاوی منافع کی ندیاں نکلتی ہیں۔ باغِ عدن کی ندیاں بھی اسی کی جڑھ سے نکلتی ہیں۔
جن کو تم جیحوں اور سیحوں اور نیل و فرات کہتے ہو۔ اسی کی جڑھ سے نکلتے ہیں۔ جنۃ الخلد کی ندیاں بھی وہاں ہی سے رواں ہیں۔ خود جنت الماوٰی بھی اسی کے پاس ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں بیان فرماتا ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔

مَا يَغْشٰى کا مَا بھی موصولہ اور معرفہ ہے ...... یاد رہے یہ کلمہ مَا کا عربی میں تفخیم اور تعظیم کے معنی دیتا ہے۔ وہاں سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى میں جناب رسالت مآب فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا اپنے رب تعالیٰ کے بڑے بڑے نقش قدرت دیکھے۔ کمالات انسانیہ کے حاصل کرنے کے نشانات کا نظارہ کیا جیسے فرماتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى
مشرکو! اس مہربان ہادی کے منکرو! بت پرستو! تم نے کیا دیکھا جس کے دیکھنے کے بعد بت پرستی جیسے گڑھے میں ڈوب مرے۔ بت پرستی کے لوازم وہم پرستی اور جہالت میں مبتلا ہو گئے۔ نہ کوئی تمہارے ملک میں تمدن کا قاعدہ نہ معاشرت کا اصل نہ سیاست کا ڈھنگ اور نہ روحانی تعلیم کا ذریعہ نہ حقیقی عزت اور فخر کا تم میں وسیلہ۔
(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۹۹-۲۰۰)

۲۰ تا ۲۲۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۲۰﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۱﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۲﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۳﴾

(واہ۔ تم نے تو لات و عزّیٰ کو دیکھا اور منات کو جو تیسرا اور سب سے گیا گزرا ہے۔)
ان آیات کریمہ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راستی اور عظمت اور بزرگی کے اثبات میں ایک خاص تعلق ہے ...... ہر دو آیات ...... کیسی لطیف ہیں اور کس خوبی کے ساتھ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل

کرتی ہیں۔ سنو!

مطالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل بڑے ضروری۔ دوسرے ان سے کم درجہ کے۔ بڑے مطالب کو بہ نسبت دوسرے مقاصد کے بلاریب تاکید اور براہین و دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ میرا دعویٰ بہت صاف اور ظاہر ہے۔ تاکید کے واسطے ہر زبان میں مختلف کلمات ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی عربی میں بھی تاکید کیلئے بہت الفاظ ہیں مگر ایشیائی زبانوں میں جیسے علی العموم قسم سے بڑھ کر کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔ ایسے ہی عربی کے لٹریچر میں بھی قسم سے زیادہ کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس لئے اس میں عربی محاورات پر ضروری مطالب میں قسموں کا استعمال بھی ہوا۔......

رہی یہ بات کہ اہم اور بہت ضروری مطالب میں براہین اور دلائل کا بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان مطالب میں قسموں کے علاوہ اور کیا ثبوت دیا ہے۔ سو یاد رہے۔ جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم کو بیان کرتا ہے۔ وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے۔ وہ چیز قانون قدرت میں قسم والے مضمون کے واسطے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہوگا۔ مثلاً اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ...الخ (اللیل: ۵) ایک مطلب ہے جس کے معنی ہیں " لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں۔ اور ان کے نتائج بھی الگ الگ ہیں" قرآن مجید اس مطلب کو قانونِ قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۔ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى۔ کیا معنی؟ رات پر نظر کرو جب اس کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے۔ پھر دن پر نظر ڈالو۔ جب اس نے اپنے انوار کو ظاہر کیا۔ پھر مرد اور عورت کی خلقت اور بناوٹ پر غور کرو۔ اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کو سوچو تو تمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ الگ اور انکے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے ہی باری تعالیٰ کے نام جان و مال کو دینے اور نافرمانیوں سے بچنے والا اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مصدق۔ اور اس کے مقابل جان اور مال سے دریغ کرنے والا نافرمان اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مکذب بھی الگ الگ ہیں اور الگ نتیجہ حاصل کریں گے۔

ہمارے پاک ہادی۔ سرورِ اصفیاء۔ خاتم الانبیاء کی اثبات نبوت اور آپ کی عظمت اور بڑائی ثابت کرنا بڑا احقاقِ حق اور آپ کے منکروں کو ملزم کرنا بڑا ابطالِ باطل تھا۔ قرآن کریم نے اس احقاقِ حق اور ابطالِ باطل پر پُرزور دلائل دئے ہیں۔ ان دلائل کا بیان اس جگہ موزوں نہیں۔ البتہ ان براہین میں سے اس وَالنَّجْمِ کے پہلے رکوع میں۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا ایک ثبوت ہے۔ اور قبل اس کے کہ حضور علیہ السلام کی صداقت اور راستی اور سچائی کو ثابت کیا جاوے۔ نفس نبوت اور مصلح کی ضرورت کو قرآن میں وَالنَّجْمِ کا لفظ فرما کر

باری تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ عرب ایک ایسا جزیرہ نما تھا جس میں علی العموم پانی کی قلت تھی اور اس کے ملک حجاز میں بخصوص سڑکوں اور میلوں کے نشانات۔ اس کے راہوں میں ہرگز نہ تھے۔ اس لئے عرب لوگ غالباً رات کو سفر کرتے تھے۔ اور ثریا نام النجم سے سمت کو قائم کر لیتے تھے جس طرح آج جہازی مسافر قطب نما سے سمت کو قائم کر لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں وہ النجم گو بدرقہ کا کام دیتا تھا۔ قرآن کریم نے جہاں النجم کے فائدے بیان کئے ہیں۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے۔ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (نحل ۱۶:۱) اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ النجم اگر سمت الرأس پر واقع ہو تو اس سے مسافروں کو راستہ کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اس النجم کا مشرق یا مغرب میں ہونا سفر والوں کیلئے ضروری ہے۔ عربی زبان میں ھَوٰی چڑھنے اور ڈھلنے دونوں کے معنے دیتا ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى کے معنے یہ ہوئے۔ قسم ہے النجم (ثریا) کی جبکہ وہ مشرق یا مغرب کی طرف ہو۔ باری تعالیٰ رات کے اندھیروں میں جنگلوں اور راستوں کے چلنے والوں کو فرماتا ہے۔ لوگو! تمہارے لئے تم کو منزلِ مقصود تک جانے کے واسطے اور جسمانی سمتوں کے سمجھنے کی خاطر ہم نے النجم کو تمہارے کام میں لگایا۔ تو کیا جسمانی ضرورتوں سے بڑھ کر تمہاری ضرورت کے واسطے اور روحانی منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کے واسطے تمہارے لئے کوئی ایسا مصلح اور کوئی ایسا ریفارمر سلیمۃ الفطرت سچا ملہم نہ ہوگا جو تم کو تمہارے روحانی اندھیروں اور اندرونی ظلمتوں کے وقت راہ نمائی کرے۔ فانی اور چند روزہ تکلیف جسمانی راہوں کے نہ سمجھنے میں جب تمہارے گردوپیش کے نشانات تم کو راہ نمائی نہیں کرتے تو ہمارے روشن اور بلند ستاروں سے ضرور تمہاری دستگیری کی جاتی ہے۔ پھر جب تمہارے فطری قویٰ اور تمہاری روحانی اور ایمانی طاقتوں پر۔ تمہاری جہالتوں۔ تمہاری نادانیوں۔ تمہاری بدرسومات اور عادات اور حرص اور ضِدی اور بے جا خود پسندی اور ناجائز آزادی کی اندھیری رات آجاتی ہے اور اس وقت تم ابدی نجات کی منزل تک پہنچنے سے حیران و سرگرداں ہو جاؤ تو کیا ہماری رحمتِ خاص اور فضلِ عام سے کوئی روشنی بخش اور راہ نما سیارہ نہ ہوگا۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۸۴، ۱۹۲، صفحہ ۲۰۰)

تکذیب براہین احمدیہ کے مصنف نے سورۃ نجم کے حوالہ سے یہ لغو فقرہ "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" اعتراض کرنے کو لکھا۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"اسلام کے مختلف فرقے دنیا میں موجود ہیں۔ سب کے پاس قرآن ہے۔ مگر تعجب ہے کہ کسی میں یہ موجود نہیں اور ہو کیسے؟ قرآن کریم کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اس مجموعہ توحید میں ایسا مشرکانہ مضمون ہو۔ اب حقیقت میں قرآن پر کوئی اعتراض نہ رہا۔"

مکذب۔ "مفصل حال اس کا معالم جلالین بیضاوی معتد میں ذکر ہے"

مُصَدِّق نے ان تفاسیر کی طرف رجوع کیا مگر ان میں یہ لکھا پایا جو ناظرین کے عرضِ خدمت ہے۔ بیضاوی نے اس واہی قصہ کو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلیٰ .... الخ پڑھا تھا لکھ کر کہا ہے۔ وَهُوَ مَرْدُوْدٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اور یہی بات معالم کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔ تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلیٰ .... الخ کی نسبت یہ کہنا کہ رسول اللہ نے سورہ نجم میں اس کو پڑھا صحیح نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

لَمْ يَصِحَّ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا وَلَا ثَبَتَ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ وَمَعَ عَدَمِ صِحَّتِهٖ بَلْ بُطْلَانِهٖ فَقَدْ دَفَعَهُ الْمُحَقِّقُوْنَ بِكِتَابِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ حَيْثُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی (وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی (وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ) فَنَفَی الْمُقَارَبَةَ لِلرُّكُوْنِ فَضْلًا عَنِ الرُّكُوْنِ"

قَالَ الْبَزَّارُ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْلَمُهٗ يُرْوٰی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِسْنَادٍ مُتَّصِلٍ۔ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ۔ هٰذِهِ الْقِصَّةُ غَيْرُ ثَابِتَةٍ مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ ثُمَّ اَخَذَ يَتَكَلَّمُ اَنَّ رُوَاةَ هٰذِهِ الْقِصَّةِ مَطْعُوْنُوْنَ فِيْهِمْ۔

قَالَ اِمَامُ الْاَئِمَّةِ ابْنُ خُزَيْمَةَ اِنَّ هٰذِهِ الْقِصَّةَ مِنْ وَضْعِ الزَّنَادِقَةِ۔

قَالَ الرَّازِيُّ هٰذِهِ الْقِصَّةُ بَاطِلَةٌ مَوْضُوْعَةٌ لَا يَجُوْزُ الْقَوْلُ بِهَا۔

ترجمہ:۔ اس قسم کی کوئی بات ہی کسی وجہ سے ثابت اور صحیح نہیں۔ اگرچہ خود ہی اس کی عدم صحت اور اس کا بطلان ظاہر ہے مگر محققین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی تو اسے رد کر رہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر یہ (نبی) ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات نکالتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑتے۔ پھر ہم اس کی رگ حیات کو کاٹ ڈالتے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ نبی اپنی طرف سے نہیں بولتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم تجھ کو مضبوط نہ رکھتے تو تو انکی جانب قریب تھا کہ مائل ہو جاتا۔ اب یہ آیت مقاربت میلان کی نفی کرتی ہے چہ جائیکہ آنجناب کا میلان ان کی جانب ہوتا۔ بزّار کہتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اس حدیث کو متصل اسناد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو۔ بیہقی کہتے ہیں۔ یہ قصہ نقل کے قانون کے لحاظ سے ثابت نہیں ہوا۔ پھر بیہقی نے یہ کلام کیا ہے کہ اس قصے کے راویوں میں طعن کیا گیا ہے۔ امام الائمۃ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ اس قصہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی۔ وَلَا شَكَّ اَنَّ مَنْ جَوَّزَ عَلَی الرَّسُوْلِ تَعْظِيْمَ الْاَوْثَانِ فَقَدْ كَفَرَ لِاَنَّ مِنَ الْمَعْلُوْمِ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّ اَعْظَمَ سَعْيِهٖ كَانَ فِی نَفْیِ الْاَوْثَانِ قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ فِی تَفْسِيْرِهٖ اَنَّ جَمِيْعَ الرِّوَايَاتِ فِی هٰذَا الْبَابِ اِمَّا مُرْسَلَةٌ اَوْ مُنْقَطِعَةٌ لَا تَقُوْمُ الْحُجَّةُ بِشَیْءٍ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ فَقَدْ عَرَّفْنَاكَ اَنَّهَا جَمِيْعَهَا لَا تَقُوْمُ بِهَا الْحُجَّةُ لِاَنَّهٗ لَمْ يَرْوِهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الصِّحَّةِ وَلَا اَسْنَدَهَا ثِقَةٌ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ اَوْ سَلِيْمٍ مُتَّصِلٍ (فتح البیان مختصرا)

وَقَالَ فِی الْكَبِيْرِ رُوِیَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ وَقَالَ هٰذَا وَضْعٌ مِنَ الزَّنَادِقَةِ وَصَنَّفَ فِيْهِ كِتَابًا۔

(تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۳۶-۲۳۸)

ذرا غور تو کرو۔ انصاف سے کام لو۔ عقل کو بیکار نہ رکھو۔ اس عجیب وغریب تفرقہ پر نگاہ تو کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا نتیجہ کیا ہے؟ اور تمہارے لات اور عزّیٰ اور منات کی پرستش کا ثمرہ کیا ہے؟۔ ایک وہ توحید کا واعظ۔ سچے علوم کا معلم۔ قوم کو ذلت اور ادبار سے عزت وسلطنت عالمگیر پر پہنچانے والا۔ دوسرے تم لوگ پتھروں سے حاجات کے مانگنے والے فسق وفجور میں قوم اور ملک کو تباہ کرنے والے اور وہم پرست ایسے کہ اپنے لئے تو اولادِ نرینہ کو پسند کریں۔ اور باری تعالیٰ کی پاک ذات پر

کو زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں۔ یہ قصہ جھوٹا بناوٹی ہے۔ اس کا ماننا ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا۔ یہ تو وہی کہتا ہے جو اس کے دل میں وحی کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عنقریب ہم تجھے قرآن پڑھاتے ہیں۔ پھر تو اسے فراموش نہ کریگا۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہنا روا رکھے کہ آپ نے بتوں کی تعظیم کی۔ ایسا شخص بیشک کافر ہے۔ اس لئے کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بھاری کوشش بتوں کا نابود کرنا تھی۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس باب میں جتنی روایتیں ہیں یا تو مرسلہ ہیں یا منقطعہ ہیں اور ایسی روایتیں حجت نہیں ہوا کرتیں۔ پھر امام صاحب فرماتے ہیں۔ ہم تمہیں سمجھا چکے ہیں کہ یہ تمام روایتیں حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ اہلِ صحت میں سے کسی نے انہیں روایت نہیں کیا اور نہ کسی ثقہ نے سندِ صحیح یا سلیم متصل سے انہیں اسناد کیا اور امام صاحب تفسیر کبیر میں کہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق ابن خزیمہ سے روایت ہے کہ اس سے اس قصہ کی بابت سوال کیا گیا۔ اس نے جواب دیا کہ زندیقوں نے اسے گھڑا ہے اور اس نے اس بارہ میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

یہ عیب لگادیں۔ اور یہ بداعتقاد کریں کہ معاذاللہ فرشتے اور ملائکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن کی بیٹیاں ہیں۔ مشرکو! دیکھا
بُت پرستی نے تم کو کس کنوئیں میں گرایا۔ ان کی اسی نادانی کا بیان ہے۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْاُنْثٰى۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۔ (النجم: ۲۲، ۲۳) کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کیلئے بیٹیاں
ہیں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۰)

۳۸۔ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ﴿۳۸﴾

(وہ ابراہیم) جس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ صدق و وفا کا پورا نمونہ دکھایا۔
(الحکم ۱۰ رمئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

۴۰ تا ۴۲۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۴۰﴾ وَ
اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۱﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ
الْاَوْفٰى ﴿۴۲﴾

امتحان کے اصل معنی ہیں۔ محنت کا لینا۔ ایک دنیادار امتحان کے لئے اخذ امتحان کے جواب مثلاً دیکھتا
ہے تو اس لئے کہ طالب العلم کی محنت کا اس کو پتہ لگ جائے اور محنت کا نتیجہ اس کو دے اور اللہ تعالیٰ بھی
امتحان لیتا ہے یعنی محنت کرانا چاہتا ہے۔ سستی کو ناپسند کرتا ہے۔ ہاں علیم و خبیر ہے۔ جب کوئی محنت کرتا ہے
جیسے کوئی محنت کرے۔ ویسے ہی جناب الٰہی سے محنت کرنے کا اجر ملتا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو ❀ از مکافاتِ عمل غافل مشو

اس امتحان کے معنوں کو ایک حکیم مسلمان نے نظم کیا ہے۔ اور اسی سچے علم کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے
" اور انسان کو اس کی سعی کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ملیگا۔ اور یہ پختہ بات ہے کہ اسکی سعی
دیکھی جائے گی۔ پھر اسی کے مطابق واقع اسے پورا بدلہ دیا جائے گا۔
(نورالدین طبع سوم صفحہ ۴۳-۴۴)

۴۳۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۳﴾

موجودہ امور گزشتہ امور کے نتائج ہوتے ہیں اور مستقبل حال کا ثمرہ۔ یہ سلسلہ ماضی کی طرف اگرچہ ان لوگوں کے نزدیک جو الٰہی ہستی سے بے خبر ہیں لامنتہیٰ ہے مگر خدا کے ماننے والے جانتے ہیں کہ بات یہی سچ ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی یعنی سب چیزوں کا منتہیٰ اور انجام تیرے رب کی طرف ہے۔ زمانہ بھی آخر مخلوق ہے۔ کیونکہ زمانہ مقدارِ فعل کا نام ہے۔ مقدار فعل، فعل سے پیدا ہو سکتا ہے اور فعل، فاعل سے۔ جناب الٰہی کی ذات پاک چونکہ ازلی ہمہ دان۔ ست اور چت (عالم) ہمہ قدرت اور سامرتھ ہے وہ اپنے ازلی علم سے جانتا تھا کہ فلاں اپنے پیارے بندے کو مجھے فلاں وقت مؤیّد و مظفر اور منصور کرنا ہے اور فلاں وقت فلاں شریر کو جو اس کے مقابل ہوگا ذلیل اور خوار اور خائب و خاسر کر دینا ہے۔ اس لئے اس نے ابتداء ہی سے ایسے اسباب اور مواد مہیا کر دئے کہ اس وقت مُعَیّن اور مُقَدّر میں اس کا مخلص مومن متّقی محسن اور برگزیدہ بندہ لامحالہ فتح مند ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دشمن اللہ سے دور، فضل سے ناامید ابلیس شریر اور شرارت پیشہ تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے۔ (نور الدین طبع سوم صفحہ ۱۸۴)

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۲- اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ②

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ : اوپر سے ایسے پتھر دنیا میں گرے ہیں کہ جن کے بارے میں مان لیا گیا کہ وہ پتھر زمین کے نہیں۔

قَمَر : عرب کا قومی نشان ہے۔ اس سے کبھی مذہبی جنگ نہ ہوئی تھی۔

صفیہؓ نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آپڑا تو اس کے باپ نے چانٹا مارا۔ کیا تو عرب کے کسی بادشاہ کے نکاح میں جانا چاہتی ہے؟

۳- وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ③

سِحْرٌ : جنون کو کہتے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۲)

۱۸- وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑱

اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل احسان اور کامل فضل اور کامل روحانیت سے مسلمانوں کو ایک کتاب دی ہے۔ اس کا نام قرآن ہے۔ میں نے اس کو سامنے رکھ کر بائبل اور انجیل کو پڑھا ہے۔ اور ژند و اوستا کو پڑھا ہے اور ویدوں کو بھی پڑھا ہے۔ وہ اس کے سامنے کچھ ہستی نہیں رکھتے۔ قرآن بڑا آسان ہے۔

مَیں ایک دفعہ لاہور میں تھا۔ ایک بڑا انگریزی خوان اس کے ساتھ ایک اور بڑا انگریزی خوان نوجوان تھا۔ ہم ٹھنڈی سڑک پر چل رہے تھے۔ اس نے مجھے کہا کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ مگر قرآن کہاں آسان ہے۔ میں نے کہا آسان ہے۔ ہم دوسری کتابوں کو جمع کرتے اور ان کی زبانوں کو سیکھتے

تو پہلے ہمیں ان کتابوں کا ملنا مشکل اور پھر ان زبانوں کا سیکھنا مشکل اور پھر ان کو ایک زبان میں کرنا مشکل۔ پھر اس کی تفسیر کون کرتا۔ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البينة ۴) جو کتاب دنیا میں آئی اور جو اس میں نصیحتیں ہیں۔ ان تمام کا جامع قرآن ہے۔ باوجود اس جامع ہونے کے ایک ایسی زبان میں ہے جو ہر ایک ملک میں بولی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں تین خوبیاں ہیں۔ پہلی کتابوں کی غلطیوں کو الگ کر کے ان کے مفید حصّہ کو عمدہ طور پر پیش کیا ہے۔ اور جو ضروریات موجودہ زمانہ کی تھیں ان کو اعلیٰ رنگ میں پیش کیا۔ اس کے سوا جتنے مضامین ہیں اللہ کی ہستی، قیامت، ملائکہ، کتب، جزا سزا، اخلاق میں جو پیچیدہ مسئلے ہیں ان کو بیان کیا۔

(الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۴۵، ۴۶۔ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۵﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۶﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعتیں ہیں۔ عنقریب یہ سب لوگ شکست دیئے جائیں گے اور بھاگ نکلیں گے۔ (فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۹۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے یار و غمگسار اور پھر آپؐ نے ارشاد الٰہی کی تعمیل میں دعویٰ نبوّت کیا اور تمام مشرکانِ عرب کو کھول کھول کر سنا دیا گیا۔ مگر یہ تمہارے بُت کسی کام کے نہیں۔ پرستش کے لائق صرف ایک ذات جامع صفات ہے۔ جس کا نام ہے۔ اللہ۔ تو چاروں طرف سے بڑے بڑے لوگ مخالفت کیلئے اٹھے اور ناخنوں تک زور لگایا۔ آپ ایک یتیم بے سر و سامان مقابلہ میں بڑے بڑے عمائد، بڑے بڑے اراکین اور دولتمند لیکن آخر سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کا الہام صداقت نشان پورا ہوا۔ اور انکو نیچا دیکھنا پڑا۔ جس قدر لائق فائق لوگ تھے۔ وہ سب کے سب آپکی غلامی میں آ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ ایسے علم سیاست جاننے والے خالدؓ بن ولید۔ ابو عبیدہؓ ایسے سپہ سالار سب آپؐ ہی کے حلقہ بگوش تھے۔

یہ تو سب نے اس وقت دیکھ لیا۔ پھر بعد میں جو اللہ نے اپنے دین کی نصرت فرمائی۔ جس طرح پر مصر و شام و ایران ہند و سندھ پر فتح حاصل ہوئی وہ کچھ ایسا نظارہ نہیں کہ بھول جانے والا ہو اور اس شان و شوکت۔ رعب و سطوت اور حیرت ناک تغیر و تبدل کو دیکھ کر اور اس کے ساتھ ان مکّی پیشگوئیوں کو پڑھ کر جو

قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور جو بے بسی و بے کسی کے عالم میں کی گئیں۔ کون خدا ترس شخص ہے جو بے اختیار

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(الحاقۃ : ۴۱ تا ۴۴)

نہ پڑھ اٹھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۲۳۰-۲۳۱)

۵۰- اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝۵۰

ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۵۳)

۵۵- اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۝۵۵

نَهَرٍ : نعمت کی جگہ۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۳)

سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲، ۳ - اَلرَّحْمٰنُ ﴿۲﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۳﴾

انسان بڑا کمزور۔ ناتواں اور سست ہے۔ علم حقیقی سے بہت دور ہے۔ آہستگی سے ترقی کر سکتا ہے ہم تو چیز ہی کیا ہیں۔ اس عظیم الشان انسان علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کی بھی یہ دعا تھی۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) تو جب خاتم الانبیاء۔ افضل البشرؐ کو بھی علمی ترقی کی ضرورت ہے جو اَتْقَی النَّاس اَخْشَی النَّاس۔ اَعْلَمُ النَّاس ہیں اور ان کے متعلق اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰن وارد ہو جانے کے باوجود بھی ان کو ترقی علم کی ضرورت ہے تو ہما و شما حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں۔ کہ ہم علمی ترقی نہ کریں اگر میں کہہ دوں کہ مجھے کتابوں کا بہت شوق ہے اور میرے پاس اللہ کے فضل سے کتابوں کا ذخیرہ بھی تم سب سے بڑھ کر موجود ہے۔ اور پھر یہ بھی اللہ کا خاص فضل ہے کہ میں نے ان سب کو پڑھا ہے۔ اور خوب پڑھا ہے۔ اور مجھے ایک طرح کا حق بھی حاصل ہے کہ ایسا کہہ سکوں۔ مگر بایں میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ مجھے علم کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مجھے بھی ترقی علم کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے۔ علم سے میری مراد کوئی دنیوی علم اور ایل ایل بی اور ایل ایل ڈی کی ڈگریوں کا حصول مراد نہیں ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ بلکہ ایسا تو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا اور نہ ہی ایسی میری کبھی اپنی ذات یا اپنی اولاد کے واسطے خواہش ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگوں کے دلوں میں آج علم سے بھی ظاہری علم مراد لیا گیا ہے۔ اور ہزارہا انسان ایسے موجود ہیں کہ جن کو دن رات یہی تڑپ اور لگن لگی ہوئی ہے۔ کہ کسی طرح وہ بی اے یا ایم اے یا ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کر لیں۔ ان لوگوں نے اصل میں ان علوم کی دھن ہی چھوڑ دی ہے۔ جن پر سچے طور پر علم کا لفظ صادق آسکتا ہے۔ پس ہماری مراد ترقی علوم سے خدا کی رضامندی کے علوم اور اخلاقِ فاضلہ سیکھنے کے علوم وہ علوم جن سے خدا کی عظمت اور جبروت اور قدرت کا علم ہو اور اس کے صفات۔ اس کے حسن و احسان کا علم آجاوے۔ غرض وہ کُل علوم جن سے تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کا علم آجاوے۔ مراد ہیں۔

(الحکم ۱۸؍ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴)

۶۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۶

تورات میں کچھ شمسی حسابات ہیں، کچھ قمری۔ دونوں میں غور کرو۔ نبی کریمؐ کی پیدائش کا وقت مل جائے گا
(تشحیذ الاذہان جلد ۹ ء ۹ ص ۴۸۳)

انسان کے الفاظ میں کمزوری ہے۔ انسان کے فلسفے میں کمزوری ہے۔ جوں جوں زمانہ نئے نئے علوم دریافت کرتا ہے۔ وہ اپنے حالات، اپنی اصطلاحات کو بدلتا جاتا ہے۔ لیکن خدا کے کلام میں اس قسم کی کمزوری نہیں ہوتی۔ بلکہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی ہے۔ اس کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔
دیکھئے انسان کے جبر و اختیار میں بعض علماء نے بڑی بحث کی ہے۔ اور اس میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید نے ان الفاظ کو اختیار ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بجائے استطاعت، مقدرت اور تمکن فرمایا اور اعجاز معجزے کے بدلے سلطان و آیات رکھا۔ اسی طرح حُسْبَانٍ ایسا لفظ ہے کہ تمام دنیا کا فلسفہ پرانا ہو یا نیا۔ اس کو نہیں جھٹلا سکتا۔ بخاری نے اس کے معنے کئے ہیں حُسبان کحسبان الرّحٰی۔ سورج اور چاند کا حساب دیکھو۔ ایک سیکنڈ کی بھی اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ اگر ہم قطب شمالی یا قطب جنوبی میں ہوں تو چاند اور سورج چکی کی طرح چلتے معلوم ہوتے ہیں اور اگر ہم خطِ استوا پر ہوں تو فلک المغزل چرخ کی طرح چلتے معلوم ہوں گے۔ اور حُسْبَانٍ ان دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۷ ء ۵ ص ۲۲۶)

۹۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝۹

ہر چیز۔ ہر کام۔ ہر کامیابی کیلئے ایک اندازہ مقرر ہے۔ اس سے باہر نہ جاؤ۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ء ۹ ص ۴۸۳)

۱۳۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ۝۱۳

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ : یہ تمام چیزیں کسی کام کیلئے بنائی گئیں تو کیا تو اے انسان نکما۔ تو بھی کوئی کام کر۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ء ۹ ص ۴۸۳)

۱۸۔ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ۝۱۸

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ : صیف و شتاء کے مطالعہ کے اختلاف کے اعتبار سے کہا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صـ ۴۸۳)

۲۰۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۲۰﴾

الْبَحْرَيْنِ : بحیرہ قلزم و بحیرہ روم (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صـ ۴۸۳)

۲۷۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾

بقاء صرف ذات الٰہی کے واسطے ہے۔ دیکھو۔ تھاؤسس ۶ باب ۱۶۔ لفظ وَجْہُ کے معنی لغت عربی میں دیکھو۔ اَلْوَجْهُ مُسْتَقْبَلُ كُلِّ شَيْءٍ وَنَفْسُ الشَّيْءِ یعنی وَجْہُ ہر چیز کے حصہ مقدم اور نفس شے کو کہتے ہیں۔ (فصل الخطاب حصہ اول صـ ۱۴۷ طبع دوم)

۲۸۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۸﴾

يبقٰى وَجْهُ رَبِّكَ : خدا کی توجہ جس شے میں ہے وہ رہ جائے گی۔ باقی سب فنا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صـ ۴۸۳)

۳۴۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۴﴾

کوئی خوبی اگر کسی میں ہے تو اس کا پیدا کرنے والا وہی اللہ ہے۔ اسی طرح اگر تم کسی کی اس لئے اطاعت کرتے ہو کہ وہ محسن ہے۔ تو سب محسنوں سے بڑا محسن تو اللہ ہے۔ جس نے تمہارے محسن کو بھی سب سامان اپنی جناب سے دیا اور پھر اس سامان سے تمتع حاصل کرنے کے موقعے دئے اور قویٰ بھی اُسی کے دئے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کی اطاعت اس لئے کرتے ہو کہ وہ بادشاہ حکمران ہے۔ تو تم خیال کرو۔ اللہ وہ احکم الحاکمین ہے۔ جس کا احاطہ سلطنت اس قدر وسیع ہے کہ تم اس سے نکل کر کہیں باہر نہیں جا سکتے چنانچہ فرماتا ہے۔
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ .... لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔

یہ دنیا کے حاکم تو یہ شان نہیں رکھتے۔ جب ان کی اطاعت کرتے ہو تو پھر اس احکم الحاکمین کی اطاعت تو ضروری ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۵ نمبر ۵ صفحہ ۲۲۹)

۴۷۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿۴۷﴾

قرآن کریم میں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ میں دو جنتوں کے وعدے ہم کو دئے ہیں۔ ایک دنیوی اور دوم بعد الموت۔ ایک وہ ہے جس کو تورات کے پیدائش باب ۲، ۸ میں جنت عدن کہا ہے اور مسلم کی صحیح میں۔ (نورالدین طبع سوم صفحہ ۳۶ حاشیہ)

جَنَّتَانِ: ایک ایمان کا بدلہ، ایک اعمال کا، ایک دنیا میں، ایک آخرت میں۔ ایک قبر میں۔ ایک حشر میں

۵۹۔ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۹﴾

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ: ایشیائے کوچک کی عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۳)

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۱۸، ۱۹- یَطُوْفُ عَلَیْھِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۸﴾

بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ وَکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۹﴾

اور پھرتے ہیں ان کے پاس بچے۔ سدا رہنے والے۔ آبخورے۔ ٹنٹیاں۔ اور پیالے ستھرے پانی کے لے کر۔ (تصدیق براہین احمدیہ ص۴۷)

غِلْمَان جمع ہے غلام کی اور ولدان جمع ہے ولید کی۔ یہ دونوں لفظ بیٹوں۔ جوان خدمتگاروں کے لئے ہیں۔ (نورالدین طبع ثالث ص۳۶ دیباچہ)

اور انکے ارد گرد عمر دراز بچے کوزوں اور لوٹوں اور خالص ستھرا صاف پانی کو لئے پھریں گے

اور اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک بشارت ہے۔ جو فتوحاتِ ایران و روم میں اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ جوان اور ادھیڑ شاہی خاندان کے شاہزادے اور شہزادیاں مسلمانوں کے خادم ہوئے۔ مُخَلَّدٌ ادھیڑ کو بھی کہتے ہیں جس کے بال سفید ہو گئے ہوں (نورالدین طبع سوم ص۱۳۶)

۳۵- وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ ﴿۳۵﴾

فُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ : اعلیٰ خاندان کی بیویاں

۳۸، ۳۹- عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۸﴾ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۹﴾

عُرُبًا : خاوند کو اپنی طرف کر لینے والی۔

لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ : جن کے اعمالِ صالحہ بڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عربیؒ نے لکھا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مقام جنت میں چاندی کے ہوں گے۔ کیونکہ سفیدی تمام رنگوں کی جامع ہے اور

اولیاء کے سونے کے (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صت ۴۸۳)

سوال: حوروں پر اعتراض، گوری، کنواری، ہم عمر، نوجوان، سیاہ آنکھوں والی دوشیزہ عورتیں ملیں گی۔ برہم چاری اس قسم کی شلیل باتوں کا منہ پر لانا بھی مہاں پاپ سمجھتا ہے۔ قرآن کریم کے کلمہ طیبہ اَبْکَارًا، عُرُبًا، اَتْرَابًا پر اعتراض کیا ہے۔

الجواب: کیا الہٰی کتب صرف برہمچریہ کیلئے ہوا کرتی ہیں۔ نادان انسان اگر خاص خاص مذاق کیلئے الہٰی کتابیں ہوں تو دوسرے مذاق والے کیا کریں۔ وہ شتر بے مہار رہیں۔ بتا ان کی اصلاح کون کرے۔ نیز چاہیئے کہ نہ تم نے ستیارتھ پرکاش پڑھنا اور نہ منو کا شاستر اور چاہیئے کہ تم وید کو بھی نہ پڑھو کیونکہ ۱۰۴ اور ۱۰۵ صفحہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔

اشونی۔ بھرنی وغیرہ ستاروں کے نام والی۔ تلسی گلابی وغیرہ پودوں کے نام والی۔ گنگا جمنا ندی کے نام والی۔ پاربتی پہاڑ کے نام والی۔ پرندوں کے نام والی اور اس قسم کے نام والیوں سے نکاح نہ کرنا۔ ۹ میں کہا ہے۔ نہ زرد رنگ والی۔ نہ بھوری آنکھ والی وغیرہ۔

۱۱ میں کہا ہے جس کا نام زیبا جیسے بشودھا۔ سکھدا وغیرہ ہنس اور ہتھنی کے برابر جس کی چال ہو جس کے سر کے بال باریک اور چھوٹے دانت والی ہو۔ اور جس کے سب اعضاء ملائم ہوں۔ ایسی عورت کے ساتھ بیاہ کرنا۔ اس قدر حوالے غالباً اگر تم شریف الطبع ہو تو کافی ہیں پس بڑا اور مہان پاپ کیا اس پاپی نے جس ست کے ارتھ میں ایسی شلیل باتوں کا ذکر کیا اور اس کے پڑھنے کو کہا!

بدبخت! کامل کتاب ضروریات اور حقیقی راحت بخش بات کا بیان نہ کرے تو کیا چنڈالوں کی کتابیں سچائی بیان کریں۔ کامل کتاب وہ نہیں ہوسکتی جس میں صرف برہم چریہ زندگی کا ہی تذکرہ ہو۔ نہ وہ جس میں صرف چند اخلاقی باتوں کا ہی تذکرہ ہو۔ نہ وہ جس میں صرف سوشل امور کا بیان ہو۔ نہ وہ جس میں صرف سیاست و انتظام کا معاملہ بیان ہو۔ نہ وہ جو صرف امورِ آخرت کے متعلق بحث کرے۔ نہ وہ جس میں صرف عبادات کا ذکر ہو کامل کتاب تو وہ ہے۔ جس میں انسانی اخلاق و عادات۔ معاملات۔ سیاست۔ تمدن۔ امور بعد الموت اور الہٰی تعلیمات کی تعلیم بوجہ اتم بیان ہو۔

یہ بھی ایک موقع اسلام پر اعتراض کا بعض احمقوں کو ملا ہے۔ مثلاً کسی نے دیکھا کہ عورتوں کے متعلق قرآن شریف میں بحث ہے پولیٹیکل بحثیں ہیں۔ تو ایک نامرد و نامراد کسمپرس بول اٹھا کہ ان مباحث کی کتاب الہٰی میں کیا ضرورت ہے۔ صرف بھجن اور توصیفِ الہٰی کے گیت کافی تھے۔ چند لڑکے ان کو یاد کر لیتے اور وہ ڈھولکی پر گاتے۔ اور نگر کیرتن کرتے۔ ایک کنجوس اور غریب و مفلس بول اٹھتا ہے کہ زکوٰۃ اور اعطاءِ صدقات کا کیوں قرآن کریم میں

ارشاد ہے۔

ہمیشہ کا مفتوح ملک اور جس نے کبھی ذرہ سر اٹھایا تو منہ کے بل گرا۔ شریروں بدمعاشوں سے جنگ کا تذکرہ سن کر کیا خوشی حاصل کر سکتا ہے؟ جس کو کبھی مکالمات الٰہیہ کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ وہ برہمومت کا آدمی یا عام طور کا غافل یا جس کو یقین ہے کہ الٰہی مکالمہ کا شرف دو اب برس کے قریب طبقات وید کے بعد کسی کو بھی نصیب نہیں۔ وہ انبیاء کی وحی و مکالمہ کو ڈھکوسلا نہ سمجھے تو کیا کرے؟ یا جس قوم کو باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ ان کو ضرورتیں پیش آئیں اور وہ نہیں جانتے تھے کہ بعض جگہ گائے کا دودھ اور جو کے ستو اور ساگ نہیں مل سکتا۔ گو بیہودہ لاف زنی سے کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ چکرورتی راجہ تھے۔ وہ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (مائدہ ۶:) کا سترکس طرح سمجھے؟ تجربہ کے سوا کچھ بھی سمجھ میں نہیں آسکتا!

غرض جامع کتاب کو سب کچھ جو انسان کیلئے ضروری البیان ہے بیان کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ کتاب بیان نہ کرے جو اپنے آپ کو کامل و جامع کہتی ہے تو کون بیان کرے؟ اگر آپ نہ سمجھیں یا نہ چاہیں تو آپکی خاطر کیوں ضرورتوں کے بیان کو ترک کیا جاوے؟ کیا ساری دنیا پر برہمو یہ مذہب رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے دماغ برین اور اعصاب میں مختلف خواص رکھے ہیں۔ ان خواص کو مدنظر رکھنا کامل کتاب کا کام ہے!

شلیل کہنا تمہاری شیریں کلامی کا ثبوت ہے۔ اَبْكَارًا، عُرُبًا، اَتْرَابًا کے معنی کنواریاں۔ اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والیاں۔ قریب العمر۔ کیا نیکوں کو ایسی نہ ملیں تو چڑیلیں ملیں؟

(نورالدین طبع سوم صد ۱۳۳-۱۳۴)

۵۲ تا ۵۶ ۔ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿۵۲﴾ لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ﴿۵۳﴾ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۵۴﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿۵۵﴾ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: پھر تم اے گمراہ اور مکذب لوگو! ضرور کھاؤ گے تھوہر کے درخت سے۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر گرم پانی پینا ہوگا۔ اور اس طرح پیو گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتے تکا ہو کر

پانی پیتا ہے۔

میں نے ایک شخص کو ایک بے نماز دکھلایا جس کے گلے میں ایک زخم آتشک کا تھا جس میں پیپ بھری ہوئی تھی۔ اور اس کا کھانا۔ پینا پیپ سے آلودہ ہو کر اندر جاتا تھا اس طرح سے پیپ کھانے کا عذاب میں نے دنیا میں دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے اس سے ڈرنا چاہیئے۔

جب میں جوان تھا۔ مجھے طب کا بھی شوق تھا۔ ایک شخص میرے پاس آتشک زدہ آیا۔ مجھے خیال آیا کہ جو بھون کر اس میں تھوہر کا دودھ جذب کر کے گولیاں بنائیں۔ میں نے طعام الاثیم یعنی گناہ گاروں کی غذا) سمجھ کر اس کو بھی وہ گولی دی۔ اس نے اس کو بہت گھبرایا۔ اور کہنے لگا۔ میرے اندر تو آگ لگ گئی ہے۔ پانی دو۔ پھر میں نے (اس آیت کا خیال کر کے) گرم پانی چند گھونٹ پلا دیا۔ اس کو قے اور دست شروع ہو گئے۔ مگر آتشک اچھا ہو گیا۔ (بدر ۱۵ ارمئی ۱۹۱۳ء صہ ۲۷)

۷۲ تا ۷۴۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۳﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۴﴾

اس آگ کو جسے جلاتے ہو سمجھتے ہو کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔
(تصدیق براہین احمدیہ صہ ۱۵۴)

۷۶۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۶﴾

بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ: ان لوگوں کے دل جن پر قرآن نازل ہو۔ قرآن کو پاک لوگ ہی سمجھتے ہیں۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صہ ۴۸۳)

۸۰۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ پاک میں اس (قرآن مجید) کے نسخے موجود تھے۔ اسی واسطے فرمایا
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

کیسا مشہور قصہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو اس وقت آپؓ نے اپنی بہن کے پاس سے

بیسویں سورت کی نقل لینی چاہی۔ (نورالدین طبع سوم صفحہ ۲۳۵)

کوئی فرماں برداری بدوں فرمان کے نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی فرمان اس وقت تک عمل کے نیچے نہیں آتا۔ جبتک کہ اسکی سمجھ نہ ہو۔ پھر اس فرمان کے سمجھنے کیلئے کسی معلم کی ضرورت ہے اور الٰہی فرمان کی سمجھ بدوں کسی مزکی اور مطہر القلب کے کسی کو نہیں آتی۔ کیونکہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ خدا تعالیٰ کا حکم ہے پس کیسی ضرورت ہے امام کی۔ کیسی مزکی کی۔ میں تمہیں اپنی بات سناؤں۔ تمہارا کنبہ ہے۔ میرا بھی ہے تمہیں ضرورتیں ہیں۔ مجھے بھی آئے دن اور ضرورتوں کے علاوہ کتابوں کا جنون لگا رہتا ہے۔ مگر اس پر بھی تم کو وقت نہیں ملتا۔ کہ یہاں آؤ۔ موقعہ نہیں ملتا کہ پاس بیٹھنے سے کیا انوار ملتے ہیں۔ فرصت نہیں۔ رخصت نہیں سنو! تم سب سے زیادہ کمانے کا ڈھب بھی مجھے آتا ہے۔ شہروں میں رہوں۔ تو بہت سا روپیہ کما سکتا ہوں مگر ضرورت محسوس ہوتی ہے بیمار کو۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا زمانہ ہے۔ میرے لئے تو یہاں سے ایک دم بھی باہر جانا موت کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ تم شاید دیکھتے ہوگے کہ یہاں کھیت لہلہا رہے ہیں دنیا اپنے کاروبار میں اسی طرح مصروف ہے۔ مگر میرا ایک دوست لکھتا ہے۔ کہ وباء کے باعث گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے ہیں۔

بے فکر ہو کر مت بیٹھو۔ خدا کے دردناک عذاب کا پتہ نہیں۔ کس وقت آپکڑے۔ غرض تو اس وقت سخت ضرورت ہے اس امر کی کہ تم اس شخص کے پاس بار بار آؤ۔ جو دنیا کی اصلاح کے واسطے آیا ہے۔

تم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ جو شخص اس زمانہ میں خدا کی طرف سے آیا ہے۔ وہ اُبْكَمْ نہیں ہے بلکہ علی وجہ البصیرت تمہیں بلاتا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اشتہاروں اور کتابوں ہی کو پڑھ کر اٹھا لو۔ اور انہیں ہی کافی سمجھو۔ مَیں سچ کہتا ہوں مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بے فائدہ اپنے وطنوں اور عزیز و اقارب کو چھوڑا تھا۔ پھر تم کیوں اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ کیا تم ہم کو نادان سمجھتے ہو جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ کیا ہماری ضرورتیں نہیں؟ کیا ہم کو روپیہ کمانا نہیں آتا؟ پھر یہاں سے ایک گھنٹہ غیر حاضری بھی کیوں موت معلوم ہوتی ہے؟ شاید اس لئے کہ میری بیماری بڑھی ہوئی ہو؟

دعاؤں سے فائدہ پہنچ جاوے تو پہنچ جاوے! مگر صحبت میں نہ رہنے سے تو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا! مختلف اوقات میں آنا چاہیئے! بعض دن ہنسی ہی میں گزر جاتا ہے اس لئے وہ شخص جو اسی دن آکر چلا گیا۔ وہ کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں میں بیٹھے ہوئے قصہ کر رہے ہوں گے اس وقت جو عورت آئی ہوگی۔ تو حیران ہی ہو کر گئی ہوگی۔ غرض میرا مقصد یہ ہے کہ مَیں تمہیں توجہ دلاؤں کہ تم یہاں بار بار آؤ اور مختلف اوقات میں آؤ۔ (الحکم ۱۵ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

حضرت امام شافعیؒ کا ایک شعر ہے ؎

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰہٖ ٭ وَنُوْرُ اللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

یہ دراصل تفسیر ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ کی۔ پس قرآن مجید کے غوامض کی تہہ کو پہنچنے اور معضلات مسائل کے حل کیلئے پاک زندگی اور مطہر قلب ہونا چاہیئے۔ ایک معمولی مہمان کیلئے مکان صاف کیا جاتا ہے۔ اور حتی الوسع کوئی ناپاکی وگندگی نہیں رہنے دی جاتی۔ تو خدا کے کلام کے معانی کے نزول کیلئے ایک مصفّٰی دل کی کیوں ضرورت نہ ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معاملہ میں اگر لوگ اس اصل پر چلتے تو کبھی دھوکہ نہ کھاتے اور نہ مستوجب وعید ہوتے۔ چاہیئے تھا کہ وہ خدا کے حضور رو رو کر عرض کرتے کہ الٰہی ہم پر حق کھل جائے۔ استغفار کرتے صدقہ وخیرات دیتے اور پاک زندگی اختیار کرتے۔ انسان جو بُرے کام کرتا ہے۔ ان کی ابتداء ان وسوسوں سے ہوتی ہے۔ جو سینہ میں اٹھتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے۔ کہ جب ایسے خیالات کا سلسلہ اٹھنے لگے۔ تو اس جگہ کو بدل کر باہر چلا جائے۔ کسی سے باتوں میں لگ جائے۔ موت کو یاد کرے۔ ایک مشغلہ میں اگر وہ سلسلہ نہ ٹوٹے تو دوسرا مشغلہ اختیار کرے۔ تنہا نہ رہے۔ قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دے۔ عام طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بہت پڑھے۔ الحمد پڑھے۔ استغفار کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ورد کرے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۱۳۷-۱۳۸)

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ ، عرب میں ستاروں کی پرستش ہوتی تھی ۔ مٹادی ۔ خانہ کعبہ میں بُت تھے ۔ توڑ ڈالے گئے یہ سب تسبیح میں داخل ہے (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صفحہ ۴۸۳)

جو چیز نئی دنیا میں آتی ہے ۔ کیسی پاکیزگی اپنے ساتھ لاتی ہے ۔ جب یہ پتے گرے تھے کیسی خراب شکل تھی (جس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر درس دے رہے تھے ۔ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا) جب نئے پتے نکلتے ہیں ۔ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں ۔ اروڑیوں پر کیسا گند ہوتا ہے مگر وہاں بھی جو پتہ نکلتا ہے ۔ کیسا صاف ہوتا ہے ۔ بارش کا پانی برستا ہے کیسا صاف ہوتا ہے ۔ ماں کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے ۔ کیسا مصفیٰ اور بے عیب ہوتا ہے نہ مشرک ہوتا ہے ۔ نہ بے ایمان ہوتا ہے ۔ بھینسوں اور کتیوں کے چھوٹے بچوں میں جو خوبصورتی پائی جاتی ہے وہ بڑوں میں نہیں پائی جاتی ۔ اگر یہ آنکھیں نہ ہوں ۔ کیسی دقت ہو ۔ کان سے کیسی باتیں سنتے ہیں ۔ زبان سے کیسی پاک باتیں نکلتی ہیں ۔ خدا کے یہاں سے سب چیزیں پاک آتی ہیں ۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ ہر چیز اللہ کی پاکیزگی بیان کر رہی ہے ۔

میرے پاس کوئی ایسا چاقو نہیں جس سے مَیں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھلا سکوں ۔ کہ مجھے قرآن سے کس قدر محبت اور پیار ہے ۔ قرآن کا ایک ایک حرف کیسا عمدہ اور پیارا لگتا ہے ۔ مجھے قرآن کے ذریعہ سے بڑی بڑی فرشتوں کے مقام پر پہنچایا جاتا ہے ۔ دنیا میں جتنی حکمتیں بنی ہوئی ہیں ۔ سب اسی حکیم کی بنائی ہوئی ہیں ۔

(بدر ۱۵ ر مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۷)

۳- لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾

وہ ایک ایسا بادشاہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے ۔ ہر گھڑی میں پیدا بھی ہو رہے ہیں اور مر بھی رہے ہیں ۔ کوئی ایسا نہ پیدا ہوا ۔ جو موت کی دوا کرے ۔ یا کسی انسان کو پیدا ہی کر سکے ۔ موت سے بچنے کیلئے بادشاہوں نے فوجیں رکھیں ۔ ہتھیار اور قلعے بنائے ۔ دوائیں اور منتر اور ختم اور انتظام بنائے یہ سب کچھ ہوا ۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی اس سے بچا ہو ۔ (بدر ۱۵ رمئی ۱۹۱۲ء صہ۲)

۴۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۴﴾

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ کے معنے یہ ہیں کہ جیسا کہ ایک مخلوق اپنی ابتداء میں اُس کا محتاج ہے ویسا ہی بقاء و انتہاء میں بھی اس کا محتاج ہے ۔ یہ معنے غلط ہیں کہ وہ مخلوق کے پہلے تھا اور جب کل مخلوق فنا ہو جائے گی ۔ تب وہی ہوگا اس سے توجنت کی حقیقت فانی ہی رہ جاتی ہے ۔

(بدر ۲ر نومبر ۱۹۱۱ء صہ۳)

اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں ہر وقت رہتی ہیں ۔ اللہ اوّل ہے اور جس وقت وہ اوّل ہے اُسی وقت آخر بھی ہے اور ظاہر بھی اور باطن بھی ۔ هُوَ الْاَوَّلُ کے یہ معنی غلط کئے گئے ہیں کہ ایک وقت میں خدا اکیلا تھا ۔ پھر جہان بنایا ۔ دیانندیوں نے بھی غلطی کی ہے کہ کہا کہ چار ارب سال ہو گیا ۔ حالانکہ اگر جہان سنکھ کو جہان سنکھ میں دفعہ بھی ضرب دیں ۔ تب بھی خدا کی ہستی کا پتہ نہیں لگ سکتا ۔ مگر قربان جائیے الحمد شریف کے جس نے رب العٰلمین فرما کر فیصلہ کر دیا ۔ سب لوگوں نے جہان کی تاریخیں لکھیں ۔ مگر قرآن نے ان کو چھوڑ دیا ۔ عیسائی بڑے بے ہنگم مؤرخ ہیں ۔ سات آٹھ ہزار سے نیچے ہی رہتے ہیں ۔ پانڈوؤں کی لڑائی مسیحؑ سے چار ہزار برس پہلے ہوئی ۔ قرآن کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے بنانے کی کوئی تاریخ نہیں بتائی ۔ دراصل کوئی ہے ہی نہیں ۔ آج بھی اللہ اوّل ہے اور آج ہی آخر بھی ہے جس وقت وہ مجھ کو بنا رہا تھا ۔ نطفہ سے بھی پہلے بقول ؎

ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

کے جبکہ اناج تھا ۔ پھر روٹی بنی ۔ خون بنا ۔ نطفہ بنا ۔ غرض کہ جس وقت وہ بنا رہا تھا ۔ جتنا حصہ

میرا بن چکا تھا۔ ان سب وقتوں میں میری حفاظت فرماتا رہا۔ وہ ہر چیز کے بنانے کے وقت اس کی ابتداء۔ اوسط اور انتہاء میں موجود ہوتا ہے۔

اوّل : لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْئٌ (جس سے پہلے کوئی شئے نہ تھی)

آخر : لَيْسَ بَعْدَهُ شَيْئٌ (جس کے بعد کوئی شئے نہیں)

الظاہر: لَيْسَ فَوْقَهُ شَيْئٌ (اس پر کسی وقت کوئی حکمران نہیں)

الباطن: لَيْسَ دُوْنَهُ شَيْئٌ

اللہ کی ربوبیت۔ رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت۔ اس سے کوئی الگ چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس پر اللہ کی ان صفات کا تسلط نہ ہو۔ لوگوں نے اس بات پر ہنسی اڑائی ہے کہ تم ہمیشہ کلبہشت کس طرح لوگے جبکہ صرف خدا ہی پیچھے رہ جائے گا۔ ربّ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک۔ یہ چاروں صفتیں کبھی خالی نہیں رہتیں۔ زمانہ ہر وقت فنا ہوتا رہتا ہے۔ ماضی مر گیا۔ مستقبل دنیا پر آیا نہیں حال کا کوئی زمانہ ہی نہیں۔ یہ زمانہ جو ہر وقت فنا ہوتا ہے۔ اس کے اوّل۔ آخر خدا ہی ہے۔ ہر آن میں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ معنی سوائے قرآن کریم کے اور کسی کو نہیں آتے۔ (بدر ۱۵ر مئی ۱۹۱۳ء صـ۲۷)

ایک عیسائی کے اعتراض

"قرآن نے خدا کا نام ظاہر یا تو صرف قافیہ بندی کیلئے لیا ہے یا ویدانتیوں کی مَث مخلوق کو خدا کہا ہے"

کے جواب میں فرمایا:

"اس آیت میں پہلا نام الاوّل ہے اور دوسرا نام الآخر۔ یہ دونوں نام یسعیاہ ۴۴ باب ۶ میں موجود ہے۔ ربّ الافواج فرماتا ہے" میں اوّل اور آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں" تیسرا نام اس آیت میں الظاہر ہے اور چوتھا الباطن ہے۔

ظاہر کے معنی لغت عرب میں غالب اور بڑے زور والے کے ہیں۔ اور ظاہر اونچے کو بھی کہتے ہیں اور باطن مخفی کو۔ اب دیکھو ٹھیک انہی الفاظ کے مرادف معنی ایوب ۱۱ باب ۸۔ وہ تو آسمان سا اونچا ہے تو کیا کر سکتا ہے؟ اور پاتال سے نیچے ہے تو کیا جان سکتا ہے؟"

اور حدیث صحیح میں اس آیت کی تفسیر خود افصح العرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے هُوَ الْاَوَّلُ۔ لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْئٌ یعنی جب مخلوق میں سے کسی موجود چیز کو دیکھو تو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات اس موجود مخلوق سے پہلے موجود ہے۔ مخلوقات سے کوئی ایسی چیز نہیں جو خدا سے پہلے ہو۔ هُوَ

اَلْاٰخِرُ لَیْسَ بَعْدَهٗ شَیْءٌ یعنی ہر چیز کی فنا اور زوال کے بعد اُس کی ذات پاک موجود ہے۔
هُوَ الظَّاهِرُ لَیْسَ فَوْقَهٗ شَیْءٌ یعنی ہر چیز سے اُوپر اور غالب وہی ہے۔ اُس کے اُوپر اور غالب کوئی شَے نہیں۔
هُوَ الْبَاطِنُ لَیْسَ دُوْنَهٗ شَیْءٌ وہی پوشیدہ ہے۔ سوا اس کے کوئی چیز نہیں ہے۔
یہ تفسیر خوب واضح کرتی ہے کہ زبانِ عرب میں ان الفاظ کا مفہوم اور مراد یہ ہے۔ اور وہی معتبر ہے
(فصل الخطاب حصہ اوّل طبع دوم ص ۱۳۹-۱۴۰)

میں نے یہ دو آیتیں قائلین وحدۃ الوجود سے استدلال میں سُنی ہیں۔
اوّل: وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذٰریٰت : ۲۲) ....
دوسری آیت شریف: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

مگر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ جس چیز کے اوّل و آخر وُہ ہو۔ وہ چیز آپ کیا ہوئی؟ اور جس چیز کا ظاہر و باطن وہ ہو۔ وہ خود کیا ہوئی؟ تو عوام مدعیان وحدۃ الوجود ساکت رہ جاتے ہیں۔ ہاں البتہ وید میں مسئلہ وحدتِ وجود کی بنیاد مستحکم رکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ آریہ ورت میں وحدت وجود کے مسئلہ کو ویدانت کہتے ہیں۔ اور خود یہ لفظ ہی ظاہر کئے دیتا ہے کہ اس کی اصل کہاں سے ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے شحنۂ حق اور سُرمہ چشم آریہ کے جواب میں ایک میرٹھ کے آریہ صاحب جو چھاؤنی نصیر آباد ضلع اجمیر کی عدالت میں سر رشتہ دار ہیں۔ اپنی کتاب "تنقیہ" میں فرماتے ہیں۔

" وہی پرماتما اپنی اِچھا سے بہو روپ ہو گیا۔ یعنی سب شکلوں میں ظاہر ہوا۔ یہ تیسرے اپنشد کا بچن ہے۔" (انتہیٰ تنقیہ ۳)

پھر صفحہ نمبر ۸ میں کہا ہے۔
" اس تمام عالم مجسّم کا ظہور نمت کارن پر کرتی یعنی علت فاعلی پرمیشر سے ہے" (انتہیٰ)
پھر صفحہ نمبر ۲۷ میں لکھا ہے۔
" یہ بھی واضح ہو کہ ویدانتی یعنی آریوں کے فلاسفر پرمیشر کو واحد الوجود مانتے ہیں یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی اللہ ہے۔ ماسوا کچھ نہیں۔
صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے۔
" ارجن سرشٹی کا آد (ابتداء) - اور مدّہ (اوسط) - اور انت (آخر) مَیں ہوں۔ ودیاؤں (علم) میں برہم ودیا (عرفان الٰہی) چرچا (تذکرہ) کرنے والوں میں یاد مَیں ہوں"
مدّہ کا لفظ جس کے معنے اوسط کے ہیں۔ بہت ہی توجہ کے قابل ہے۔

" صرف پرمیشر ہی یہ تمام دنیا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہی تھا۔ اور جو کچھ ہوگا وہی ہوگا "
رگ وید بھاگ ۲ سکت ۹۰

منتر دوم سُیُن اچارج کہتے ہیں " جو کچھ گزشتہ زمانوں میں تھا۔ پرمیشور تھا۔ جو کچھ اب موجود ہے پرمیشر ہے آدمیوں کے جسم جو اب موجود ہیں اور گزشتہ زمانوں میں زندہ تھے۔ تمام پرمیشور ہیں اور تھے۔ جو کچھ آئندہ زمانوں میں ہوگا وہ بھی پرمیشر ہے۔ وہ دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ اس چیز سے جو لوگ کھاتے ہیں وہ نشوونما پاتا ہے اور دنیا بھی اس کے ساتھ بڑھتی ہے۔ مایا کے سبب سب چیزیں مختلف نظر آتی ہیں۔ لاکن دراصل ہر ایک شئی پرمیشر ہے۔ برہم کے تین حصے اس دنیا سے پرے ہیں۔ اس کا ایک حصہ تمام دنیا ہے۔ یہی تمام ہے جو اس کے ایک حصہ سے بنا ہے منتر ۴ "

پھر سنو! تنقیہ دماغ کا مصنف آریہ کیا کہتا ہے :۔

" بموجب قرآن کے صرف اس قدر توحید ہے۔ کہ پیدا کرنے والا ایک ہے۔ دو نہیں ہیں۔ مگر بمقابلہ خدا کے دوسری موجودات مخلوق کے وجود سے انکار نہیں کیا گیا۔ گو اس نے ہی گھڑے پیدا کئے ہوں۔ مگر اس کے مقابلہ میں اسے علیحدہ موجود ہونا اور تا ابد موجود رہنا اہل اسلام کے یہاں ثابت ہے۔ جب اسے علیحدہ دوسری چیز کا موجود ہونا ثابت وظاہر ہے۔ تو پھر توحید کہاں؟ یہ تو دوئی ہوگئی " تنقیہ صہ ۲۸

اب میں ان دونوں آیات کا مطلب سناتا ہوں۔ مگر بیان شروع کرنے سے قبل مختصر سی تمہید کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جب دو یا کئی چیزیں باہم کسی امر میں شریک ہوتی ہیں اور کسی امر میں مختلف ہوتی ہیں تو ظاہر ہے۔ کہ امر مشترک کے احکام میں ان مشترکہ اشیاء کو اتحاد ہوگا۔ اور جن جن باتوں میں ان چیزوں کو باہمی اختلاف ہوتا ہے ان باتوں میں جو جو احکام ہوں گے ان میں بھی اختلاف ہوگا۔ مثلاً حیوانات ونباتات جسمیت اور نمو میں باہم شریک ہیں۔ مگر حیوانات تحرک بالارادہ۔ خورد۔ نوش وغیرہ اوصاف میں نباتات سے ممتاز ہیں۔ پس حیوانات ونباتات کو جسمیت اور نمو کے احکام میں بھی شرکت ہوگی۔ مگر خورد۔ نوش۔ جماع وغیرہ احکام میں حیوانات اور نباتات میں اشتراک نہ ہوگا بلکہ حیوانات کو ان باتوں اور ان کے احکامات میں امتیاز وخصوصیت ہوگی۔ اسی طرح انسان وحیوان کے درمیان کھانے پینے۔ جماع کی خواہش میں جس قدر اشتراک ہے اسی قدر کھانے پینے۔ جماع کے احکام میں بھی اشتراک ہوگا۔ مگر انسان، ترقی سطوت، جبروت، نئے علوم وفنون کی تحصیل اور نئے علوم کو اپنے ابنائے جنس کے سکھلا دینے میں حیوان سے ممتاز ہے۔ ان اشیاء کے احکام میں بھی حیوان سے ممتاز ہوگا۔ ایسے ہی ہادی، رسولوں اور عامۃ آدمیوں میں گو عام احکام بشریت کے لحاظ سے اشتراک ہوتا ہے۔ رسولوں کا گروہ بخلاف اور آدمیوں کے، الٰہی مُلہم، مصلح قوم، مویّد من اللہ ہوتا ہے۔ اس

لئے عام احکام بشریت میں اگرچہ عامۂ بشر سے اشتراک رکھتے ہیں۔ لیکن اپنی خصوصیت رسالت۔ نبوت۔ اصلاح قوم کے احکام میں عامہ خلائق سے ضرور جدا ہوتے ہیں۔ بلا تشبیہ ایک مفتوح ملک کی رعایا کے ساتھ ایک فاتح اور حکمران گورنمنٹ کا سپہ سالار یا مجاز حاکم اپنی گورنمنٹ کے حکم سے کوئی معاہدہ کرے اور اس رعایا کو اپنی گورنمنٹ کے احکام سُنا دے۔ تو اگر اس مفتوح رعایا کے لوگ ان معاہدات اور احکام کی تعمیل نہ کریں۔ تو ضرور وہ رعایا اس گورنمنٹ کی مجرم۔ باغی۔ غدار۔ نافرمان ٹھہرے گی۔ مگر وہی سپہ سالار اور گورنمنٹ کا ماتحت حکمران اس رعایا کو کوئی اپنا ذاتی کام بتا دے۔ اور اپنے طور پر ان رعایا میں سے کسی سے کوئی معاہدہ کرے اور اس رعایا کا آدمی اس سپہ سالار اور اس حاکم کی بات نہ مانے یا معاہدہ کا خلاف کرے تو یہ شخص جو اس سپہ سالار اور گورنمنٹ کے ماتحت حکمران کے معاہدہ اور حکم کا مخالف ٹھہرا ہے۔ گورنمنٹ کی بغاوت کا مجرم نہ ہوگا کیونکہ پہلی قسم میں اس سپہ سالار اور حاکم کے احکام۔ فاتح گورنمنٹ کے احکام ہوا کرتے ہیں۔ اور اس سپہ سالار کی زبان فاتح گورنمنٹ کی زبان۔ اس کی تحریر فاتح گورنمنٹ کی تحریر ہوا کرتی ہے۔ غور کرو۔ ایک قاتل کو مجاز حاکم کے حکم سے قتل کرنے والے یا پھانسی دینے والے کے ہاتھ اسی گورنمنٹ کے ہاتھ ہوتے ہیں جس کے حکم سے قاتل کو قتل کرنے والے اور پھانسی دینے والے نے قتل کیا اور پھانسی دیا۔ درصورت دیگر وہی پھانسی دینے والا کسی اور ایسے آدمی کو جس پر اس گورنمنٹ نے موت کا فتویٰ نہیں دیا۔ قتل کر کے دیکھ لے۔ کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بھی دو حالتیں ہیں۔ اور دو جہتیں ہیں ایک حالت وجہت میں وہ آدمی ہیں بشر ہیں۔ اور دوسری حالت انکی رسالت و نبوت کی ہے۔ جس کے باعث وہ رسول ہیں نبی ہیں۔ الٰہی احکام کے مظہر اور احکام رساں ہیں جس کے باعث ان کو پیغامبر کہتے ہیں پہلی حالت وجہت سے اگر وہ حکم فرما دیں تو اس حکم کا منکر باغی۔ منکرِ رسول نہ ہوگا۔ جس کو شرعی اصطلاح میں کافر۔ فاسق۔ فاجر کہتے ہیں اور دوسری حالت وجہت سے اگر کوئی ان کے حکم کو نہ مانے تو ضرور ان کے نزدیک اس پر بغاوت۔ انکار کا جرم قائم ہوگا اور ضرور وہ کافر، فاسق، فاجر کہلاوے گا اس جہت سے چونکہ وہ خداوندی احکام کے مظہر ہیں اور جس سے معاہدہ کرتے ہیں اس سے خدا کے حکم سے معاہدہ کرتے ہیں۔ اور معاہدہ کنندہ جو معاہدہ ان سے کرتا ہے۔ وہ اصل میں باری تعالیٰ سے معاہدہ کرتا ہے۔ پس اگر معاہدہ کنندہ معاہدہ کے خلاف کرے تو باغی و منکر بلکہ کافر ہوگا۔ نبیٔ عرب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت و نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول بتایا۔ اب ان کو جن لوگوں نے نبی و رسول مانا اور ان کے احکام کو الٰہی احکام یقین کیا۔ لامحالہ آپؐ سے ان کا معاہدہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے معاہدہ ہوگا۔ ہاں جو احکام اور مشورے اس عہدہ رسالت کے علاوہ فرما دیں ان احکام کی خلاف ورزی

میں کفر و فسق نہ ہوگا۔ صحابہ کرام آپؐ کے عہدِ سعادت مہد میں یہ تفرقہ عملاً دکھاتے تھے۔ بریرہ نام ایک غلام عورت تھی۔ جب وہ آزاد ہو گئی۔ وہ اپنے خاوند سے جو ایک غلام تھا بیزار ہو گئی۔ مگر اس کا شوہر اس پر فدا تھا۔ اور اسکی علیحدگی کو گوارا نہ کرتا تھا۔ وہ اس پر سخت کبیدہ خاطر ہوا۔ اور آنجناب کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس امر کی شکایت کی۔ آپؐ نے بریرہ سے اس کے ساتھ مصالحت کر لینے کو ارشاد فرمایا۔ بریرہ نے جواب دیا۔ آپ یہ وحی سے فرماتے ہیں یا عہدہ نبوت سے علاوہ بطور مشورہ کے فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں رسالت کے لحاظ سے یہ حکم نہیں دیتا۔ اپنی ذاتی رائے سے تجھے کہتا ہوں۔ اس نے نہ مانا اور کہا مجھے اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح اَنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف : ۱۱۱) اس آیت میں شرک سے ممانعت اور اس امر کا بیان ہے کہ میں ایک بشر ہوں بشریت میں تمہاری مثل ہوں۔ خبردار کبھی شرک نہ کرنا۔ مجھے خدا نہ کہہ بیٹھنا۔ نہ میری عبادت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور ایسا ہی ان آیاتِ کریمہ میں غور کرنے والا یقین کر سکتا ہے کہ اسلام کہاں تک شرک سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۳ تا صفحہ ۲۲۵)

۲۲۔ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۲﴾

دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف اور بہشت کی جس کا پھیلاؤ ہے جیسے پھیلاؤ آسمان اور زمین کا۔ رکھی گئی ہے ان کے واسطے جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے۔ دیوے اس کو جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۳۱)

جنت کے متعلق عام طور سے یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ آسمان پر ہے لیکن وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ پر غور کریں تو بالجزم ایسا نہیں کہہ سکتے کیونکہ

جب جنت کی چوڑائی زمین و آسمان دونوں کو ملا کر پوری ہوتی ہے۔ تو پھر اس کا صرف آسمان پر ہونا کیونکر اس آیت کے مطابق ہو سکتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷)

۲۶۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۶﴾

اختلافات سے گھبرانا بھی مومن کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اختلافات کے رفع کیلئے یہ آیت فرمائی ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس ...... یعنی اختلاف رفع ہوتے ہیں کتاب سے اور پھر میزان سے، جس میں علم مناظرہ شامل ہے، پھر لوہا بھی فیصلہ کرتا ہے۔ جو پچھلے زمانہ میں اگر بصورت تلوار فیصلہ کن تھا۔ تو اس زمانہ میں بصورت قلم۔ غرض اسلام نے ہر مشکل کے حل کرنے کیلئے طریق سکھایا ہے۔ مبارک وہ جو قرآن شریف پر عمل کرتے ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۱۳۸)

۲۸۔ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

وَرَهْبَانِیَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ ، اور ایک دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا۔ ہم نے نہیں لکھا تھا یہ ان پر۔

فرقے یہود کے خلوت نشین اور مجتی ستی جنگلوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عیسائی پوپوں کی طرح خداداد انعامات سے محروم تھے۔ اس بے جا تشدد کو وَرَهْبَانِیَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ فرما کر مٹادیا اور قدرتی انعامات سے متمتع ہونے کیلئے الآیۃ

كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (مومنون : ۵۲)

اے لوگو۔ کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا۔

اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف : ۳۲)

(تو کہہ کس نے منع کیا ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی)

کا فرمانِ راحت عنوان جاری فرمایا۔ (فصل الخطاب حصہ دوم ص۱۲۴)

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۴- وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا
قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ
ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ④

اس میں عرب کی ایک رسم کا ابطال فرمایا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صـ ۴۸۴)
جو لوگ اپنی بیبیوں کو ماں کہہ بیٹھے۔ اور انہیں الگ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اس بات پر نادم ہوئے ان پر لازم ہے۔ کہ بی بی کے پاس جانے سے پہلے غلام آزاد کریں وغیرہ وغیرہ۔
(تصدیق براہین احمدیہ صـ ۲۸۳)

۶- اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا
كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوتے ہیں۔ ردّ کئے جائیں گے۔ جیسے کہ پہلے ردّ ہوئے۔ اور ہم کھلے کھلے نشان اتار چکے ہیں۔ ان کے منکروں کیلئے اہانت کا عذاب ہے۔ گویا ایک سبب ذلت کا اللہ اور اس کے فرستادہ کی (خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو) مخالفت ہے اور خدا کے کھلے کھلے نشانوں کا انکار۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ ۵ صـ ۳۹۳)

۹ تا ۱۱ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ
حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ
وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۰﴾
اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَـيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

تارک اسلام آریہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔

" عیسائیوں سے زیادہ تم طاقتور نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی اسلام کے معدوم کرنے میں ناکام ہیں۔ جن تدابیر پر تم چل رہے ہو اور تمہارے چھوٹے بڑے دھرماتما پارٹی اور گریجوایٹ۔ ج۔ وکیل وغیرہ جس راہ سے اسلام پر حملہ آور ہیں۔ یہ راہ کامیابی کی نہیں۔ تم سے پہلے مدینہ کے یہود نے اسی راہ کو اختیار کیا تھا اور ان کی مخفی کمیٹیاں استیصالِ اسلام کیلئے بجان توڑ کر کوشش کر رہی تھیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب میں یوں آیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ —

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف کہ منع کئے گئے مخفی کانا پھوسی سے پھر باز نہیں آتے۔ اور کمیٹیاں کئے جاتے ہیں ۔اور فرمایا۔ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا یہ کانا پھوسی اور مشورہ اللہ سے دور ہلاک ہونے والی خبیث روح شیطان سے ہے۔ کہ غم میں ڈالے مومنوں کو اور یہ لوگ کچھ بھی مومنوں کو ضرر نہیں دے سکیں گے۔ پہلے سپارے میں بھی ایسی مخفی مجالس کا ذکر ہے۔ مگر دیکھ لو وہ تمام ممبران اور گریند ماسٹر خائب وخاسر ہو گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ سمیع بصیر علیم و خبیر ہے۔ اپنی مخلوق (کے) حرکت وسکون جانتا ہے۔ (نورالدین طبع سوم صہ ۲۵۱)

ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا ؛ جو انہوں نے بات کی اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ پھر کہہ دیتے ہیں (تشحیذالاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صہ ۴۸۴)

انسان کے دکھوں میں اور خیالات ہوتے ہیں۔ سکھوں میں اور۔ اور کامیاب ہو تو اور طریق ہوتا ہے۔ ناکام ہو تو اور طرز۔ طرح طرح کے منصوبے دل میں اٹھتے ہیں اور پھر ان کو پورا کرنے کیلئے وہ کسی کو محرم راز بناتے ہیں۔ اور جس کے بہت سے ایسے محرم راز ہوتے ہیں تو پھر انجمنیں بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا تو نہیں مگر یہ حکم ضرور دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۞ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۞

ایمان والو! ہم جانتے ہیں کہ تم منصوبہ کرتے ہو۔ انجمنیں بناتے ہو مگر یاد رہے کہ جب کوئی انجمن بناؤ تو گناہ سرکشی اور رسول کی فرماں برداری کے بارے میں نہ ہو۔ بلکہ نیکی اور تقویٰ کا مشورہ ہو۔

بنی اسرائیل جب مصر کی طرف گئے تو پہلے پہل ان کو یوسف علیہ السلام کی وجہ سے آرام ملا۔ پھر جب شرارت پر کمر باندھی تو فراعنہ کی نظر میں بہت ذلیل ہوئے۔ مگر خدا نے رحم کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کو نجات ملی۔ یہاں تک کہ وہ فاتح ہو گئے۔ اور وہ اپنے تئیں نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ سمجھنے لگے۔ لیکن جب پھر ان کی حالت تبدیل ہو گئی۔ ان میں بہت ہی حرامکاری شرک اور بدذاتیاں پھیل گئیں تو ایک زبردست قوم کو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کر دیا۔ (بدر ۴ر فروری ۱۹۰۹ء صہ ۳)

۱۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي
الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

اللہ ایمان داروں اور پاک علوم کے عالموں کو ہی درجات پر پہنچاتا ہے۔
(تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۷۸)

۱۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ
فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳﴾

فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ : یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ فرض نہ تھا کیونکہ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ فرمایا۔ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا کے ساتھ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فرمایا۔ یعنی پہلے ہی اللہ رجوع برحمت کرچکا ہے۔ کہ یہ حکم واجب نہ ٹھہرایا بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ اب بھی صلحاء امت حدیث پوچھنے سے پہلے صدقہ کر لیتے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صـ۴۸۴)

۲۰۔ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ
ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

نبی کریمؐ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرام تمام مخالفوں کے سامنے مظفر منصور بامراد رہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ بات نہ ہوتی تو اس کے خلاف ہوتا اور یہ بات مجنون کی بڑ بن جاتی۔ مخالفوں کے حق میں فرمایا أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ یہ مخالف شیطانی گروہ ہے۔ خبردار رہو۔ بے ریب شیطانی گروہ ناکام رہے گا۔ (نورالدین طبع سوم صـ۲۳۹)

۲۳۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ
كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ
وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ
أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۳﴾

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ : یہی لوگ خدا کی جماعت ہیں۔ اور یاد رکھو خدا کی جماعت مظفر و منصور ہے (نورالدین طبع سوم صـ۱۹۸)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

اِس سورۃ نے سنی و شیعہ کے جھگڑے دربارہ فدک کا فیصلہ کر دیا۔ کہ یہ وراثت میں آ ہی نہیں سکتا۔ یہ مال فئے سے ہے۔ جس کے مصارف بتا دیئے۔ مدینہ کے یہود نے بہت شرارتیں کیں۔ کئی قتل کر دیئے نبی کریمؐ کو اپنے محلہ میں بلا کر اوپر سے پتھر گرانے کی تجویز کی۔ حضورؐ نے ان کو خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ (اوّل الحشر) پھر حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں وہاں سے بھی نکالے گئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۹ نمبر ۲ صفحہ ۴۸۴)

٢،٣۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٣﴾

تورات میں بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سچے نبی سے ڈریں۔ لیکن ان لوگوں نے کفارِ مکہ کی طرح نبی برحق کی مخالفت کی۔ وعیدِ الٰہی سے نڈر ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نضیر (بنی اسرائیل) ویران اور تباہ ہو کر مدینے سے نکل گئے۔ (فصل الخطاب حصہ دوم طبع دوم صفحہ ۳۳)

بُت پرست قومیں اسلام کے مقابلہ سے ہار کر بُت پرستی کے دعوے سے باز آ رہی ہیں اور بالکل اس مسئلہ میں صلح جُو ہو رہی ہیں۔ کیونکہ انڈیا میں کچھ برہمو ہو گئے ہیں اور کچھ آریہ سماج۔ ادھر یورپ و امریکہ میں یونی ٹیرین فری تھنکروں کا سمندر موج مار رہا ہے۔ اور کیا خوب ہوا۔ حضرت مسیحؑ کی خدائی تثلیث و نابود ہو رہی ہے۔ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ مخلوق اسلام کے مقدس مذہب میں آ رہی ہے۔ (نورالدین طبع سوم صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

وہ عیسائیت کی عمارت حسین کو ہاتھ لگانے سے خود ہمارے ابتدائی عمر کے زمانہ میں لوگ خوف کھاتے تھے آج خود عیسائی قومیں اس مذہب کے عقائد سے متنفر ہو کر اسکے برخلاف کوشش میں ایسے سرگرم ہیں کہ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ کے مصداق بن رہے ہیں اور شرک کے ناپاک عقائد سے بھاگ کر ان پاک اصولوں کی طرف اپنا رُخ کر رہے ہیں جن کے قائم کرنے کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ سب واقعات قرآن شریف کی اس پیشگوئی کی صداقت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ تحقیق ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (بدر ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۹)

۱۱۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے دین کے سچے خادموں جو صحابہ، اولیاء، اصفیاء، اتقیاء ابدال کے رنگ میں آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔ ان کے واسطے بھی بوجہ ان کے حُسنِ خدمات کے جن کی وجہ سے انہوں نے بعد رسول اکرمؐ ہم پر بہت بھاری احسانات اور انعامات کئے۔ ان کے واسطے بھی دعا کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی اس گروہ پاک کی مخالفت کریگا۔ اور اس کو نظرِ عزت سے نہ دیکھے گا۔ ان کے احکام اور فیصلوں کی پرواہ نہ کرے گا۔ تو وہ فاسق ہوگا۔ بلکہ وہاں تک جہاں تک تعظیم الٰہی اور تعظیم کتاب اللہ اور تعظیم رسول اللہ اجازت دیتی ہو۔ اس گروہ کا ادب و عزت کرنی اور اس

خیلِ پاک کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ آیتِ ذیل میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

غرض اپنے پہلے بزرگوں اور خادمانِ اسلام و شریعتِ محمدیہ کے واسطے دعائیں کرنا اور انکی طرف سے کوئی بُغض و کینہ۔ غل و غش دل میں نہ رکھنا۔ یہ بھی ایمان اور ایمان کی سلامتی کا ایک نشان ہے پس انسان کو مرنج و مرنجان ہونا چاہیئے۔ اور خدا کی باریک در باریک حکمتوں اور قدرتوں پر ایمان لانا چاہیئے۔ اور کسی سے بغض و کینہ دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ خدا کی شانِ ستّاری سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہنا چاہیئے۔

(الحکم ۶ر اپریل ۱۹۰۸ء صہ ۴)

۱۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اور ہر ایک جی کو چاہیئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کیلئے کیا کیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں۔ ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کیلئے نہ ہوگا۔ تو وہ سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ لیکن جو اللہ کیلئے ہے۔ تو وہ ہمہ قدرت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے اس کو مفید اور مثمر بثمراتِ حسنہ بنا دیتا ہے۔

(الحکم ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۲ء صہ ۱۳)

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر نفس کو چاہیئے کہ دیکھتا رہے کہ کل کیلئے اس نے کیا کیا اور تقویٰ اپنا شعار بنائے۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس سے خوب آگاہ ہے۔

غرض دنیا و عقبیٰ میں جس کامیابی کا ایک گُر بتایا کہ انسان کل کی فکر آج کرے۔ اور اپنے ہر قول و فعل میں یہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ میرے کاموں سے خبردار ہے۔ یہی تقویٰ کی جڑھ ہے۔ اور یہی ہر کامیابی کی رُوحِ رواں ہے۔ برخلاف اس کے انجیل کی یہ تعلیم ہے جو (متی) باب ۶ آیت ۳۲ میں مذکور ہے بایں الفاظ کہ

" کل کیلئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کرے گا آج کا دُکھ آج کیلئے کافی ہے "

اگر ان دونوں تعلیموں پر غور کریں تو صرف اسی ایک مسئلہ سے اسلام و عیسائیت کی صداقت کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ ایک نیک دل پارسا طالبِ نجات، طالبِ حق خوب سمجھ لیتا ہے ۔ کہ عملی زندگی کے اعتبار سے کون سا مذہب احق بالقبول ہے ۔

اگر انجیل کی اس آیت پر ہم کیا، خود انجیل کے ماننے والے عیسائی بھی عمل کریں تو دنیا کی تمام ترقیاں رک جائیں اور تمام کاروبار بند ہو جائیں ۔ نہ تو بجٹ بنیں ۔ نہ ان کے مطابق عمل درآمد ہو ۔ نہ ریل گاڑیوں اور جہازوں کے پروگرام پہلے شائع ہوں ۔ نہ کسی تجارتی کارخانے کو اشتہار دینے کا موقعہ ملے ۔ نہ کسی گھر میں کھانے کی کوئی چیز پائی جائے ۔ اور نہ غالباً بازاروں سے مل سکے ۔ کیونکہ کل کی تو فکر ہی نہیں ۔ بلکہ فکر کرنا گناہ ہے ۔
برخلاف اس کے قرآن مجید کی تعلیم کیا پاک اور عملی زندگی میں کام آنیوالی ہے ۔ اور لطف یہ ہے کہ عیسائیوں کا اپنا عمل درآمد بھی اسی آیت پر ہے ۔ ورنہ آج ہی سے سب کاروبار بند ہو جائیں ۔ اور کوئی نظامِ سلطنت قائم نہ رہے ۔ قرآن پاک کی تعلیم وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ پر عمل کرنے سے انسان نہ صرف دُنیا میں کامران ہوتا ہے بلکہ عقبیٰ میں بھی خدا کے فضل سے سرخرو ہو گا ۔ ہم کبھی آخرت کیلئے سرمایۂ نجات جمع نہیں کر سکتے جب تک آج ہی سے اس دارالقرار کیلئے تیاری نہ شروع کر دیں ۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸)

چاہیئے کہ ہر ایک نفس دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا تیاری کی ہے ۔ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہوا ہے ۔ جو ہر وقت مبدّل ہے ۔ کیونکہ جسم انسانی ہر وقت تحلیل ہو رہا ہے ۔ جب اس نفس کے واسطے جو ہر وقت تحلیل ہو رہا ہے ۔ اور اس کے ذرات جُدا ہوتے جاتے ہیں ۔ اس قدر تیاریاں کی جاتی ہیں ۔ اور اس کی حفاظت کے واسطے سامان مہیّا کئے جاتے ہیں ۔ تو پھر کس قدر تیاری اس نفس کے واسطے ہونی چاہیئے جس کے ذمہ موت کے بعد کی جواب دہی لازم ہے ۔ اس آنی فنا والے جسم کے واسطے جتنا فکر کیا جاتا ہے کاش کہ اتنا فکر اس کے نفس کے واسطے کیا جاوے جو کہ جواب دہی کرنے والا ہے ۔

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے ۔ اس آگاہی کا لحاظ کرنے سے آخر کسی نہ کسی وقت فطرتِ انسانی جاگ کر اسے ملامت کرتی ہے ۔ اور گناہوں میں گرنے سے بچاتی ہے ۔ (بدر ۱۳ ، دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۹)

مومن کو چاہیئے کہ جو کام کرے اس کے انجام کو پہلے سوچ لے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا ۔ انسان غضب کے وقت قتل کر دینا چاہتا ہے ۔ گالی نکالتا ہے ۔ مگر سوچے کہ اس کا انجام کیا ہو گا ۔ اس اصل کو مدِّ نظر رکھے تو تقویٰ کے طریق پر قدم مارنے کی توفیق ملے گی ۔ نتائج کا خیال کیونکر پیدا ہو ۔ اس لئے اس بات پر ایمان رکھے

کہ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو کام تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ انسان اگر یہ یقین کرے کہ کوئی خبیر و علیم بادشاہ ہے۔ جو ہر قسم کی بدکاری، دغا، فریب، سُستی اور کاہلی کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا بدلہ دے گا۔ تو وہ بچ سکتا ہے۔ ایسا ایمان پیدا کرو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے فرائض نوکری۔ حرفہ۔ مزدوری وغیرہ میں سُستی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو تقویٰ کی توفیق دے۔ (الحکم ۲۱، ۲۸ مئی سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶)

۲۰۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۲۰

ایسے لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جن کی نسبت فرمایا۔ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی جنہوں نے اس رحمت اور پاکی کے سرچشمہ قدوس خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی شرارتوں۔ چالاکیوں۔ نا عاقبت اندیشیوں غرض قسم قسم کی حیلہ سازیوں اور رُوباہ بازیوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ مشکلات انسان پر آتی ہیں۔ بہت سی ضرورتیں انسان کو لاحق ہیں۔ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ دوست بھی ہوتے ہیں۔ دشمن بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام حالتوں میں متقی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ خیال اور لحاظ رکھتا ہے۔ کہ خدا سے بگاڑ نہ ہو۔ دوست پر بھروسہ ہو۔ ممکن ہے وہ دوست مصیبت سے پیشتر دنیا سے اُٹھ جاوے یا اور مشکلات میں پھنس کر اس قابل نہ رہے۔ حاکم پر بھروسہ ہو تو ممکن ہے کہ حاکم کی تبدیلی ہو جاوے اور وہ فائدہ اس سے نہ پہنچ سکے اور اُن احباب اور رشتہ داروں کو جن سے امید اور کامل بھروسہ ہو کہ وہ رنج اور تکلیف میں امداد دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کے وقت ان کو اس قدر دُور ڈال دے کہ وہ کام نہ آسکیں۔ پس ہر آن خدا سے تعلق نہ چھوڑنا چاہیئے۔ جو زندگی موت کسی حالت میں ہم سے جدا نہیں ہو سکتا۔

پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے خدا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دُکھوں سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔ اور سکھ نہ پاؤ گے۔ بلکہ ہر طرف سے ذلت کی مار ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ وہ ذلت تم کو دوستوں ہی کی طرف سے آجاوے۔ ایسے لوگ جو خدا سے قطع تعلق کرتے ہیں وہ کون ہوتے ہیں؟ وہ فاسق۔ فاجر ہوتے ہیں!۔ اُن میں سچا اخلاص اور ایمان نہیں ہوتا! یہی نہیں کہ وہ ایمان کے کچے ہیں۔ نہیں ان میں شفقت علیٰ خلق اللہ بھی نہیں ہوتی! (الحکم ۱۰ فروری ۱۸۹۹ء صفحہ ۸-۹)

۲۳- هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ، عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

وہ ذاتِ پاک جس کا نام ہے اللہ۔ تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف۔ تمام برائیوں سے پاک۔ وہی جس کے سوا کوئی بھی پرستش و فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ اپنی ذات کو جو تمام غیبوں کا غیب ہے۔ آپ ہی جانتا ہے تمام ان اشیاء کو جو موجود ہو کر فنا ہو گئیں یا اب تک ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں صرف اس کے علم میں ہی ہیں اور تمام موجودات کو جانتا ہے۔ وہ رحمان بُروں بَھلوں سب کا روزی رساں ۔ بن مانگے فضل کرنیوالا۔ وہ رحیم جو بھلوں کو اپنے فضل و رحم سے بخشے اور کسی کے سوال و محنت کو ضائع نہ کرے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۴)

۲۴- هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ، اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

اسلام کا اصلی سرچشمہ اور اس کا حقیقی منبع اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے جس کا نام السَّلَام ہے۔ قرآن کریم میں اس مبارک نام کا مبارک ذکر اس کلمہ طیبہ میں آیا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ.....

یعنی وہی اللہ ہے۔ کوئی معبود اور کاملہ صفات سے موصوف اس کے سوا نہیں۔ وہ حقیقی بادشاہ ہر ایک نقص سے منزّہ و بے عیب و سلامت ہے۔ اور اسلام کا حقیقی ثمرہ دارالسلام ہے۔ جس کا آسمان و زمین اور در و دیوار اور اس کے تمام یار و غمگسار طیب ہوں گے۔ اور ان کے میل جول میں سلامتی و سلام ہی ہوگا۔

جیسے فرمایا۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (یونس: ۱۱) (نورالدین طبع سوم صفحہ ۲)

قرآن مجید نے بھی اللہ تعالیٰ کو اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ فرما کر اہلِ اسلام کو یقین دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک الزام سے پاک ہے۔ مگر دیانندی آریہ کہتے ہیں۔ خدا ارواح کا خالق نہیں۔ اگر رزق دیتا ہے تو یہ صرف ارواح کے اعمال کی مزدوری ہے اور وہ بایں کہ ارواح کا خالق نہیں۔ مگر ان کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ اس کی دست بُرد سے انہیں کبھی ابدی نجات نہ ہوگی۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۵۹-۱۶۰)

وہی اللہ جس کے سوا کوئی دوسرا پرستش و فرماں برداری کے لائق نہیں۔ اَلْمَلِكُ پورا مالک اشیاء کی خلق و بقاء پر۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ تمام ان اسباب عیوب سے پاک جن کو حس دریافت کر سکے۔ یا خیال تصور کر سکے یا وہم اس طرف جا سکے۔ یا قلبی قوی سمجھ سکیں۔ اَلسَّلَامُ تمام عیوب سے مبرا۔ سلامتی کا دینے والا۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ امن کا بخشنے والا۔ اپنے کمالات و توحید پر دلائل قائم کرنے والا۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ سب کے اعمال کا واقف سب کا محافظ۔ اَلْعَزِيْزُ۔ بے نظیر۔ سب پر غالب۔ ذرہ ذرہ پر متصرف۔ اَلْجَبَّارُ۔ سنوارنے والا ہمارے بگاڑوں پر اصلاح کے سامان پیدا کرنے والا۔ اصلاح کی توفیق دینے والا۔ اَلْمُتَكَبِّرُ۔ تمام مخلوق عیوب اور مخلوق کے اوصاف سے مبرا۔ تمام چھوٹوں بڑوں آسمانی اور زمینی شریک اور ساجھی سے اسکی ذات بلند۔

(تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۵۴، ۲۵۵)

۲۵- هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۵﴾

هُوَ: وہ خود بخود موجود جس کا نام ہے اللہ۔ اَلْخَالِقُ۔ ہر ایک چیز کا کامل حکمت کے ساتھ اندازہ کرنے والا۔ اَلْبَارِئُ۔ ہر ایک چیز کو اس کے اندازہ کے مطابق بے نقص و تفاوت ظاہر کرنیوالا۔ اَلْمُصَوِّرُ اسی اندازہ اور عمدگی سے صورتوں اور شکلوں کا عطا کرنے والا۔ اسی کے ایسے نام ہیں کہ تمام خوبیوں پر شامل ہوں۔ اسی کی تسبیحیں کرتی اور اسی کی پاک اور کامل ترین ہستی کو تمام وہ چیزیں جو آسمان و زمین میں ہیں ثابت کرتی ہیں۔ وہ غالب جس کے تمام کام حکمتوں پر مبنی ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۵۵)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ: اللہ تعالیٰ ہے اندازہ کرنے والا خلق کے معنے لغت عرب میں تقدیر کے بھی آئے ہیں۔ اسی واسطے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ (بقرہ ۳۰، بلفظ ماضی صحیح ہے) وجود بخشنے والا اور رنگ برنگ صورتیں عطا کرنے والا۔ تمام صفات کاملہ سے موصوف تمام نقصوں سے منزہ۔ نیست سے ہست کرنے والا۔ کیونکہ یہ ایک کمال ہے اور خدا کو سب کمالات حاصل ہیں خدا کو انسان اپنے پر قیاس نہ کرے۔ کیونکہ اُنہیں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ ہے۔

(نور الدین طبع سوم صـ۲۸ دیباچہ)

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ
عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ
كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ
وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۗ اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۗ
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ
وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ﴿۲﴾

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ؛ اور جو کوئی یہ کام کرے تم میں سے وہ بھولا سیدھی راہ ۔ (فصل الخطاب حصہ دوم ص ۱۵۶)

۸۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ
الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۗ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۗ وَ
اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸﴾

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ کچھ عجیب نہیں کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تمہیں

عداوت ہے۔ ایک وقت دوستی پیدا کردے اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔ اس کے متعلق کلام نبوت میں نہایت عمدہ نصیحت فرمائی۔ اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا وَابْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا۔ کسی سے دوستی کرو تو اس قدر نہ بڑھ جاؤ اور یہاں تک اسے اپنا راز دار نہ بنالو کہ اگر وہ تمہارا دشمن ہو جائے تو تمہیں نقصان پہنچا سکے اور اگر کسی سے دشمنی کرو تو اس قدر نہ بڑھو کہ اگر وہ تمہارا دوست بن جائے تو پھر تمہیں اپنی باتوں پر شرمسار ہونا پڑے۔ کیا پاک تعلیم ہے۔ دنیا میں ہزاروں مثالیں ایسی موجود ہیں۔ بظاہر موجودہ صورت حالات نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اب ان شخصوں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر کچھ ایسے واقعات پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے۔ اس وقت ناکردنی و ناگفتنی سلوکوں کی یاد کیا تکلیف پہنچاتی ہے۔ پس انسان کو چاہئیے کہ پہلے ہی معتدلانہ روش اختیار کرے تاکہ بعد میں شرم یا ندامت پیش نہ آئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۵ صفحہ ۲۲۸)

۹۔ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

جو لوگ تم سے مذہبی عداوت پر نہیں لڑتے۔ اور نہ انہوں نے تم کو جلاوطن کیا۔ اُن سے سلوک اور انصاف کے برتاؤ سے اللہ تعالیٰ کبھی منع نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے منصف تو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پیارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی محبت و دوستی سے تم کو منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے مذہبی جنگ کی اور اسلام کے باعث تم سے لڑے اور تم کو جلاوطن کیا۔ اور تمہاری جلاوطنی میں تمہارے دشمنوں کے مددگار ہوئے۔ اور جو ایسے دشمنوں سے پیار کریں وہی ظالم ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۷۶)

تارک اسلام آریہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ قرآن کہتا ہے "مشرک اور کافر ناپاک ہیں ان سے دوستی مت لگاؤ"

فرمایا "منوادھیائے ۲ شلوک ۱۳۔ جو شخص وید کے احکام کو بذریعہ علم منطق سمجھ کر وید شاستر کی توہین کرتا ہے۔ وہ ناستک یعنی کافر ہے۔ اس کو سادہ لوگ اپنی منڈلی سے باہر کر دیں۔ کافر کا لفظ بعینہٖ مطبوع نول کشور میں ہے پھر ستیارتھ پرکاش سملاس ۱۰ صفحہ ۳۵۲ فقرہ ۶ میں ہے۔ کبھی

ناستک ۔ شہوت پرست ۔ دغاباز ۔ دروغ گو ۔ خودغرض ۔ فریبی ۔ حیلہ باز وغیرہ بُرے آدمیوں کی صُحبت نہ کرے ۔ آپت (اہلِ کمال) یعنی جو سچ بولنے والا دھرماتما اور دوسروں کی بہبودی جن کو عزیز ہے ۔ ہمیشہ ان کی صحبت کرنے کا نام سرلیشٹ آچار (پاکیزہ چلن) ہے ۔

ستیارتھ پرکاش ص۲۰، ستیارتھ ص۲۱۱ فقرہ ۵۳ ۔ منو ۷ ۔ ۱۹۵ ' ۱۹۶ ۔ دشمن کو چاروں طرف محاصرہ کر کے رکھے اور اس کے ملک کو تکلیف پہنچا کر چارہ ۔ خوراک ۔ پانی اور ہیزم کو تلف و خراب کردیوے ۔ دشمن کے تالاب شہر کی فصیل اور کھائی کو توڑ پھوڑ دیوے ۔ رات کے وقت ان کو خوف دیوے اور فتح پانے کی تجاویز کرے اونادان ۔ کیا ناپاک اور بے ایمان اور منکر سے پاک اور ایماندار اور حق کے ماننے والے دِلی تعلق پیدا کرسکتے ہیں ۔ چیت رامیوں ۔ الکھوریوں ۔ ناستکوں سے اب تجھے تعلق ہوسکتا ہے اور کیا سعید وشقی ۔ بُرے بھلے دیوا سرین سنگرام (جنگ) چاہیئے ۔ یا باہم پریم ۔ اے سچائی سے دانستہ دشمنی کرنیوالے ۔ فلاح سے کوسوں بھاگنے والے کبھی تو غور سے کام لے ۔ کیا یہ تیرے اعتراض کچھ بھی راستی اپنے اندر رکھتے ہیں ۔ اور اظہارِ حق کیلئے ایک اور آیت جو تمہارے اعتراض کی بیخ کنی کردے ۔ تجھ کو سناتا ہوں ۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

(نورالدین طبع سوم ص۲۱۲-۲۱۳)

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ؛

احسان کرو تم ان سے اور انصاف کرو طرف ان کے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنیوالوں کو ۔

یہ آیت کسی بے قابو مجذوب کا قول نہیں ہے نہ کسی فلسفی کا خام خیال ہے ۔ بلکہ یہ اس شخص کا فرمودہ ہے جو ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا ۔ جو اتنی قدرت رکھتی تھی ۔ اور جس کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جیسے اصول کو چاہتی نافذ کرسکتی تھی ۔ اور فرقوں اور اشخاص نے دین میں بھی اور سیاست مدن میں بھی مذہبی آزادی بخشنے کی ترغیب دی ہے مگر اس کے عمل درآمد کی تاکید صرف اس وقت تک کی ہے ۔ جب تک وہ خود بے قابو اور کمزور رہے ہیں ۔ لیکن شارع اسلام نے مذہبی آزادی کی ترغیب ہی نہیں دی بلکہ اُس کو احکام شریعت میں داخل کردیا ہے رسول اللہ نے بنی حارث اور بنی نجران کے بڑے اسقف اور اساقفہ کو اور اُن کے مریدوں اور راہبوں کو

بایں مضمون لکھا۔
کہ ہر چیز قلیل وکثیر جس حیثیت سے اب تمہارے کنائس اور خانقاہوں میں ہے۔اُسی حیثیت سے وہ تمہارے پاس باقی رہے گی۔ اور تم اُسے اسی طرح کام میں لاؤ۔ جس طرح اب لاتے ہو۔خود خداوندِ عالم اور اس کا رسول عہد کرتا ہے۔کہ کوئی اُسقفِ اعظم اپنی عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور کوئی اُسقف اپنے عہدے سے برخاست نہیں کیا جاوے گا۔ اور ان کی حکومت اور حقوق میں کچھ تغیر وتبدل نہ کیا جائے گا۔ اور نہ اُس بات میں کچھ تغیر کیا جاوے گا۔ جو اُن میں مرسوم و مروّج ہو اور جب تک وہ صلح و تدین کو اپنا شعار رکھیں گے۔اُن پر کسی قسم کا جَور نہ کیا جاوے گا۔ نہ وہ کسی پر جَور وظلم کرنے پائیں گے۔
جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔اُس زمانہ میں مختلف قوموں کے باہمی فرائض کو کوئی جانتا بھی نہ تھا،کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔جب مختلف قومیں یا قبیلے باہم لڑتے بھڑتے تھے۔تو نتیجہ یہ ہوتا تھا،کہ ضعیف آدمی تہ تیغ بے دریغ کئے جاتے اور بے گناہ لونڈی غلام بنائے جاتے اور قوم فاتح قوم مفتوح کے معبودوں یعنی بُتوں کو لُوٹ لے جاتی تھی۔ تیرہ سو برس کے عرصے میں رومیوں نے ایک ایسا سلسلۂ قوانین اختراع کیا تھا۔جو وسیع بھی تھا اور مضامینِ عالیہ سے مملو بھی تھا۔مگر اُس اخلاق اور اُس انسانیت ومروّت کو جو ایک قوم کو دوسری قوم سے کرنی چاہیئے۔رومی خاک بھی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ فقط اس غرض سے لڑایاں لڑتے تھے۔کہ گرد و نواح کی قوموں کو مغلوب ومقہور کریں۔اُن کے نزدیک عہد و پیمان کا نقض کر دینا کچھ بڑی بات نہ تھی بلکہ مصالح وقت پر مبنی تھی۔
دینِ مسیحی کے جاری ہونے سے بھی اُن خیالات میں کچھ تغیر وتبدل نہ ہوا۔عیسائیوں کے زمانہ میں بھی لڑائی میں وہی بے رحمیاں اور وہی قتل اور لوٹ مار ہوتی تھی۔جو رومیوں کے عہد میں ہوتی تھی۔ اور فاتحین مفتوحین کو بلا تکلف لونڈی غلام بنا ڈالتے تھے اور عہد و پیمان کر کے پھر توڑ ڈالنا بے ایمان سردارانِ فوج کی رائے پر موقوف تھا۔
الغرض دینِ مسیحی نے قومی اخلاق کا کچھ تصفیہ نہ کیا اس زمانہ کے محققین مسیحی نے اس قومی اخلاق کے فقدان کو اپنے دین میں ایک نقصِ عظیم نہیں قرار دیا ہے۔حالانکہ یہ نقص اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ ان کا دین ناقص اور ناتمام چھوڑ دیا گیا تھا۔
مذہب پروٹسٹنٹ نے جب فروغ پایا تب بھی علمائے مسیحی کی مذہبی تعدی میں کچھ فرق نہ آیا۔ ہالم صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ" اس مہذب دین (پروٹسٹنٹ) کے مختلف شعبوں اور فرقوں سے اعظم معاصی، یہ معصیت سرزد ہوئی کہ بندگانِ خدا پر دین میں جبر و اکراہ کرتے ہیں۔اور یہ گناہ ایسا ہے کہ ہر ایک

ایماندار آدمی جتنی زیادہ کتب کی سیر کرتا ہے۔ اتنی ہی اس کو ان سے کدورت اور نفرت ہوتی جاتی ہے۔"

الغرض عیسائیوں کے جدید فرقوں میں باہم یا کلیسائے روم سے اعتقادات مذہبی میں کیسا ہی اختلاف عظیم ہو۔ مگر اس باب خاص میں وہ سب متفق الرائے ہیں کہ جو قومیں دینِ مسیحی کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اُن سے کوئی سلسلہ مواجب و حقوقِ مشترکہ کا قائم رکھنا یا کسی قسم کا فرض اُن کی نسبت بجا لانا حرام مطلق ہے برخلاف دینِ مسیحی کے یہ بات اسلام کی طینت میں داخل نہیں کہ اور اہلِ مذاہب سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ اس زمانۂ جاہلیت میں جبکہ نصف دنیا پر اخلاقی اور تمدنی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے وہ اصول تمام بنی آدم کی مساوات کے تعلیم فرمائے۔ جن کی قدر اور مذہبوں میں بہت کم کی جاتی تھی۔ چنانچہ وہ لائق مؤرخ (ہالم صاحب) جس کا قول ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ " دین اسلام بندگانِ خدا پر عرض کیا گیا مگر کبھی ان سے جبراً نہیں قبول کرایا گیا۔ اور جس شخص نے اس دین کو بطیب خاطر قبول کیا۔ اس کو وہی حقوق بخشے گئے۔ جو قوم فاتح کے تھے۔ اور اس دین نے مغلوب قوموں کو ان شرائط سے بری کر دیا۔ جو ابتدائے خلقتِ عالم سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ہر ایک فاتح نے مفتوحین پر قائم کئے تھے۔"

ہم اس امر کا قطعی انکار کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے کبھی لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا چاہا ہو۔ بلکہ اسلام نے فقط اپنی ذات کی حفاظت کیلئے تلوار پکڑی اور اسی غرض سے شمشیر بکف رہا۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل (ایڈیشن دوم)، صفحہ ۸۴-۸۶)

۱۳- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

ایک اور غلطی ہے وہ اطاعت در معروف کے سمجھنے میں ہے۔ کہ جن کاموں کو ہم معروف نہیں سمجھتے

اس میں اطاعت نہ کریں گے۔ یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی آیا ہے۔ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ اب کیا ایسے لوگوں نے حضرت محمدؐ رسول اللہ کے عیوب کی بھی کوئی فہرست بنائی ہے۔ اسی طرح حضرت صاحب نے بھی شرائط بیعت میں طاعت در معروف لکھا ہے۔ اس میں ایک بھید ہے۔

(بدر ۲۱؍اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۱)

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۷۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ
التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ
اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے۔ اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تورات اور خوش خبری سُناتا ایک رسول کی جو آوے گا مجھ سے پیچھے۔ اس کا نام ہے احمد

اس بشارت کو یوحنا نے اپنی انجیل میں لکھا ہے۔ دیکھو یوحنا ۱۴ باب ۱۵۔۱۷۔ میرے کلموں پر عمل کرو۔ میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

قرآن نے کہا ہے۔ مسیحؑ نے احمدؐ کی بشارت دی اور یہ بشارت نبیؐ عرب نے عیسائیوں کے سامنے پڑھکر سنائی اور کسی کو انکار کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ زمانہ دراز کے بعد جب قرآنی محاورات سے بے خبری پھیلی پادریوں نے کہہ دیا۔ یہ بشارت انجیل میں نہیں۔

پیشتر زمانے میں اناجیل کے باب اور درس نہ تھے۔ وَاِلاَّ پرانے اہلِ اسلام نشان دیتے۔ فارقلیط اور پرکلیطاس یا پرکلیطوس پر بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ مَیں کہتا ہوں یوحنا ۱۴ باب ۱۵ میں ہے۔ دوسرا تسلی دینے والا۔ اور عرب کی کتب لغت میں حمد کے مادے میں دیکھ جاؤ۔ اَلْعَوْدُ اَحْمَدُ۔ دوسرے آنیوالے کو احمد کہتے ہیں۔ اور یہ بات بطور مثل عرب میں مشہور و معروف تھی۔ یہ بشارت قرآنیہ یوحنا ۱۴ باب ۱۵ کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ یوحنا ۱۶ باب ۱۲۔ "میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر اب تم اسکی برداشت نہیں کر سکتے۔ لاکن جب وہ رُوحِ حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔ اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔ لاکن جو

کچھ وہ سنے گی سو کہے گی۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگی۔اور وہ میری بزرگی کرے گی۔ اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پاوے گی۔ اور تمہیں دکھلائیگی۔ سب چیزیں جو باپ کی ہیں۔ میری ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ وہ میری چیزوں سے لے گی اور تمہیں دکھاوے گی۔ یوحنا ۱۶ باب ۱۲۔

لاعن فارقلیط روح القدس وہ جسے مَیں باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ روح حق جو باپ سے نکلتی ہے تو وہ میرے لئے گواہی دے گی اور تم بھی گواہی دو گے۔ کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔ میں نے تمہیں یہ باتیں کہیں کہ تم ٹھوکر نہ کھاؤ (یوحنا ۱۵ باب ۲۶ و ۱۶ باب ۱۔ اس بشارت پر غور کرو۔ صاف صاف نبی عرب کے حق میں ہے۔

روح القدس اور روح الحق ہی قرآن لائے۔ دیکھو۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (نحل: ۱۰۳)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (مومن: ۱۶)

بلکہ قرآن نے بڑے زور، ہاں نہایت بڑے زور سے کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم اور حق ہیں۔ غور کرو۔

۱۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: ۸۲)

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (فتح: ۱۱)

۳۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال: ۱۸)

عیسائی خوش اعتقاد جیسے الوہیت مسیحؑ اور کفارے پر یقین کر بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی خیال و وہم کرتے ہیں کہ یہ بشارت مسیح کے حق میں اور یا روح الحق کے حق میں ہے۔ جو حواریوں پر اتری۔

حالانکہ یہ خیال عیسائیوں کا نہایت غلط ہے۔

اوّل تو اس لئے۔ مسیحؑ فرماتے ہیں میرے وصایا کو محفوظ رکھو۔ پھر اس رُوح کی خبر دیتے ہیں۔ پس اگر وہ روح مراد ہوتی جو حواریوں پر اتری تو اسکی نسبت ایسی تاکید ضروری نہ تھی۔ کیونکہ جس پر نازل ہوتی ہے۔ اُسے اشتباہ ہی کیا ہوتا ہے۔ حواری تو نزول رُوح کے عادی تھے۔

دوم یوحنا باب ۷، میں اس رُوح کی تعریف میں لکھا ہے۔ وہ روحِ پاک میرے نام سے ہر بات تم کو سکھلادیگی۔ اور یاد دلائے گی تم کو وہ باتیں جو مَیں نے کہی ہیں۔ اعمال حواریوں سے معلوم نہیں ہوتا کہ مسیحؑ کے فرمانے سے حواری کچھ بھول گئے تھے۔ اور اس روح القدس نے جو حواریوں پر اتری۔ حواریوں کو کچھ یاد دلایا۔

ہاں نبیؐ عرب نے بہت کچھ یاد دلایا۔ عیسائی مسیحؑ کی خالص ہاں صرف انسانیت بھول گئے تھے۔ عام بُت پرستوں کی طرح الوہیت کو انسانیت سے ملا دیا تھا۔ مسیحؑ کو معبود بنا رکھا تھا۔ اسی کو کفارہ اپنے معاصی کا بنا رہے تھے۔ نبیؐ عرب نے سب کچھ یاد دلایا اور سیدھا راستہ بتایا۔

سوم۔ یوحنا ۱۵ باب ۲۶ و ۱۶ باب ۱ میں ہے وہ روح میرے لئے گواہی دیگی۔ اور تم بھی گواہی دیتے ہو حواری تو مسیحؑ کو خوب جانتے تھے۔ انہیں گواہی کی حاجت نہ تھی اور اوروں کو اس روح نے جو حواریوں پر اتری۔ گواہی دی نہیں۔ اور روح القدس نے کوئی گواہی دی ہے تو وہی گواہی ہے جو حواریوں نے دی۔ اُس رُوح القدس نے حواریوں سے علیحدہ ہرگز کوئی گواہی نہیں دی۔

چہارم۔ مسیحؑ نے فرمایا۔ میرا جانا بہتر ہے۔ مَیں جاؤں تو وہ آئے۔ یوحنا ۱۶ باب ۷۔ صاف عیاں ہے مسیحؑ کے وقت وہ روح نہ تھی۔ حالانکہ روح القدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے وقت سے مسیح کیساتھ تھی

پنجم۔ یوحنا ۱۶ باب ۷ میں ہے۔ وہ سزا دیگی اور بالکل ظاہر ہے۔ وہ روح جو حواریوں پر اتری بلکہ خود مسیحؑ اور مسیحؑ والی روح سزا دینے کیلئے نہ تھی۔ دیکھو یوحنا ۱۲ باب ۴۷

ششم۔ یوحنا ۱۶ باب ۱۲ میں ہے۔ مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ پر اب تم برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ روح جس کی بشارت ہے۔ سب کچھ بتائیگی۔ یہ فقرہ بڑی سخت حجت عیسائیوں پر ہے۔ کیونکہ جو روح القدس حواریوں پر اتری۔ اُس نے کوئی سخت اور نیا حکم نہیں سنایا۔ تثلیث اور عموم دعوت غیر قوموں کی بلاہٹ تو بقول عیسائیوں کے خود مسیحؑ فرما چکے تھے۔ اور پولوس کی کارستانیوں نے تو کچھ گھٹایا ہے بڑھایا نہیں۔ ہاں اس رُوح القدس اس رُوح الحق نے جس کو فارقلیط کہیئے پرکلیٹاس۔ پاراکلیطوس کہیئے، محمدؐ کہیئے۔ احمدؐ بولیئے۔ عبداللہ اور آمنہ کے گھر جنم لے۔ صدہا احکام حِلّت و حُرمت اور عبادات اور معاملات کے قوانین مسیحی تعلیم پر بڑھا دئے۔ فِدَاہُ اُبِیْ وَاُمِّیْ!

ہفتم: یوحنا ۱۶ باب ۱۳۔ وہ اپنی نہ کہے گی اور یہی مضمون قرآن میں محمدؐ بن عبداللہ کی نسبت ہے
مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم: ۵،۴)
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ (انعام: ۵۱)
قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ (یونس: ۱۶)
(فصل الخطاب حصہ دوم طبع دوم صفحہ ۷۷)

۱۰۹- یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٩ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝١٠

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کی روشنی اپنے مُنہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے بُری مانیں منکر۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سُوجھ لیکر اور سچا دین کہ اس کو غالب کرے اوپر تمام دینوں کے اور پڑے بُرا مانیں مشرک۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صـ٦٦)

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

٢ تا ٦ - يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ
الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي
الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۚ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٥﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ
حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ
اَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦﴾

یہ ایک سورۂ شریفہ ہے اور ایسی مہتم بالشان سورۃ ہے کہ مسلمانوں میں جمعہ کے دن پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد، صحابہ، تابعین تبع تابعین کے زمانہ تک سنائی جاتی تھی۔ اور اب تک بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس سے تم اندازہ کرلو کہ کس قدر مسلمان گزرے ہیں اور آج تک کس قدر جمعے پڑھے گئے ہیں۔ اور پھر اس سورہ شریف کو پڑھ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اتباع کیا ہے اور اس سورۃ کو جمعہ کے دن خصوصًا پڑھ کر لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ پھر جمعہ ہی کو نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ

التحیۃ والتسلیم جمعرات کو بھی عشاء کی پہلی رکعت میں اس کو پڑھا کرتے تھے۔ پس ہر ہفتہ میں دو بار جہری قرأت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو پہنچایا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اہتمام اس سورۃ کی تبلیغ میں تھا۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ اس سورۃ شریف پر بہت غور و فکر کریں اور میں تمہیں پکار کر کہتا ہوں کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ؟

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس التزام اور اہتمام پر نظر کر کے اس سورہ شریف پر خاص غور کی ہے۔ یوں تو قرآن شریف میری غذا اور میری تسلی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک ہر روز اس کو کسی مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا۔ مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔ بچپن ہی سے میری طبیعت خدا نے قرآن شریف پر تدبر کرنے والی رکھی ہے۔ اور میں ہمیشہ دیر دیر تک قرآن شریف کے عجائبات اور بلند پروازیوں پر غور کیا کرتا ہوں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قدر اہتمام اس کی تبلیغ میں کیا ہے۔ اس نے مجھے اس سورۂ شریف میں بہت ہی زیادہ غور اور فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا اور میں نے دیکھا ہے کہ اس سورۂ شریف میں قیامت تک کے عجائبات سے آگاہ کیا گیا ہے۔

بڑے بڑے عظیم الشان مقاصد جو جمعہ میں رکھے گئے ہیں اُن سے آگاہ کیا ہے۔ میرا اپنا خیال نہیں ... نہیں ایمان بلکہ اس سے بھی بڑھ کر میں کہتا ہوں۔ میرا یقین ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکریں جو اس عظیم الشان جمعہ (منجملہ ان کے مسیح موعود کے نزول کا مسئلہ بھی ہے) میں لوگوں کو لگی ہیں۔ اسی عدم تدبر کی وجہ سے لگی ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس التزام پر عمیق نگاہ کی جاتی۔ اور اس سورۃ پر تدبر ہوتا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت کم مشکلات ان لوگوں کو پیش آتیں۔

غرض یہ سورۃ اپنے اندر لاانتہا حقائق اور عجائبات رکھتی ہے اور قیامت تک کے واقعات کو بیان کرتی ہے۔ جن پاک الفاظ سے اس کو شروع کیا گیا ہے۔ اگر کم از کم اُن الفاظ پر ہی غور و فکر کی جاتی تو مجھے امید ہوتی ہے کہ اسماء الٰہی میں تو کم از کم ٹھوکر نہ لگتی۔ وہ پاک الفاظ جن سے اس سورۃ کا شروع ہوتا ہے۔ یہ ہیں یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس اللہ کی جو اَلْمَلِك ہے اَلْقُدُّوْس ہے اَلْعَزِيْز ہے اور اَلْحَكِيْم ہے۔

تسبیح کیا ہوتی ہے؟ سورۃ بقرۃ کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی زبان سے بتایا ہے۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ: ۳۱) قرآن شریف میں جہاں تسبیح کا لفظ آیا ہے۔ وہاں کچھ ایسے احسان اور انعام مخلوق پر ظاہر کئے ہیں۔ جن سے حمد الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اُن احسانات اور

انعامات پر غور کرنے کے بعد بے اختیار ہو کر انسان حمدِ الٰہی کرنے کیلئے اپنے دل میں ایک جوش پاتا ہے۔ ہمارے پاک سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرمایا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (بنی اسرائیل: ۲) اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی (الاعلیٰ: ۲) غرض جہاں جہاں ذکر آیا ہے خدا تعالیٰ کے محامد۔ بزرگیاں اور عجیب شان کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس سورۃ کو جو یُسَبِّحُ لِلّٰہِ سے شروع فرمایا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محامد اور انعامات اور احسانات اور فضلِ عظیم کا تذکرہ یہاں بھی موجود ہے۔ ہر چیز جو زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ یہ ایک بدیہی اور صاف مسئلہ ہے۔ نادان دہریہ یا حقائق الاشیاء سے ناواقف سوفسطائی اس راز کو نہ سمجھ سکے تو یہ امر دیگر ہے مگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ کس طرح پر ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح بیان کر رہا ہے۔ دیکھو ایک نوجو زمین سے نکلتی ہے۔ بلکہ میں اس کو وسیع کر کے یوں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پتہ جو بول و براز میں نکلتا ہے۔ کیسا صاف شفاف ہوتا ہے۔ کیا کوئی وہم و گمان کر سکتا تھا۔ کہ اس گندگی میں سے اس قسم کا لہلہاتا ہوا سبزہ جو آنکھوں کو طراوت دیتا ہے۔ نکل سکتا ہے۔ اس پتہ کی صفائی نزاکت اور لطافت خود اس امر کی زبردست دلیل اور شہادت ہے کہ وہ اپنے خالق کی تسبیح کرتا ہے۔ اس طرح پر ذرا اور بلند نظری سے کام لو اور دیکھو کہ انسان کے جس قدر عمدہ کام ہیں وہ روشنی میں کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے جتنے عجائبات ہیں وہ سب پردہ میں ہوتے ہیں اور پھر کیسے صاف۔ کیسے دل خوش کن اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والے ہوتے ہیں۔ ایک انار کے دانہ کو دیکھو۔ کیسے انتظام اور خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتا؟ اسی طرح آسمان اور آسمان کے عجائبات اور اجرام کو دیکھو۔ نیچر کے عجائبات سے ناواقف تو عجائبات نیچر کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہہ دیتا ہے کہ فلاں امر خلافِ نیچر ہے۔ مگر میرا یقین یہ ہے۔ کہ جس جس قدر سائنس اور دوسرے علوم ترقی کرتے جائیں گے۔ اسی قدر اسلام کے عجائبات اور قرآن شریف کے حقائق اور معارف زیادہ روشن اور درخشاں ہوں گے اور خدا کی تسبیح ہو گی۔

غرض یہ سچی بات ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر ایک ذرہ گواہی دیتا ہے کہ وہ خالق ہے اور اسی کی ربوبیت اور حیات اور قیومیت کے باعث ہر چیز کی حیات اور قائمی ہے۔ اسی کی حفاظت سے محفوظ ہے۔

پھر یہ بھی کہ وہ اَللّٰہُ الْمَلِکُ ہے۔ وہ مالک ہے۔ اگر سزا دیتا ہے تو مالکانہ رنگ میں۔ اگر پکڑتا ہے تو جابرانہ نہیں بلکہ مالکانہ رنگ میں تاکہ ماخوذ شخص کی اصلاح ہو۔ پھر وہ کیسا ہے! اَلْقُدُّوْسُ ہے

اُس کی صفات و حمد میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نقصان کا موجب ہو ۔ بلکہ وہ صفاتِ کاملہ سے موصوف اور ہر نقص اور بدی سے منزہ اَلْقُدُّوْسُ ہے ۔

قرآن شریف پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے کہو ۔ یا اسماء الہٰی کی فلاسفی نہ سمجھنے کی وجہ سے ۔ غرض یہ ایک غلطی پیدا ہوگئی ہے کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ کے کسی فعل یا صفت کے ایسے معنے کرلئے جاتے ہیں ۔ جو اُس کی دوسری صفات کے خلاف ہوتے ہیں ۔ اس کیلئے میں تمہیں ایک گُر بتاتا ہوں ۔ کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھو ۔ کہ کبھی کوئی معنے ایسے نہ کئے جاویں جو صفاتِ الہٰی کے خلاف ہوں اسماء الہٰی کو مدنظر رکھو ۔ اور ایسے معنے کرو اور دیکھو کہ قدوسیت کو بٹہ تو نہیں لگتا ۔ لغت میں ایک لفظ کے بہت سے معنے ہوسکتے ہیں اور ایک ناپاک دل انسان کلامِ الہٰی کے گندے معنے بھی تجویز کرسکتا ہے اور کتابِ الہٰی پر اعتراض کر بیٹھتا ہے ۔ مگر تم ہمیشہ یہ لحاظ رکھو کہ جو معنے کرو ۔ اس میں دیکھ لو کہ خدا کی صفتِ قدوسیت کے خلاف تو نہیں ہے ؟ اللہ تعالیٰ کے سارے کلام حق و حکمت کے بھرے ہوئے ہوتے ہیں جس سے اس کی اور اس کے رسول اور عامۃ المومنین کی عزت و بڑائی کا اظہار ہوتا ہے ۔

لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنٰفقون : ۹) مومنوں کو معزز کرتا ہے اور پھر ان سے بڑھ کر اپنے رسولوں کو عزت دیتا ہے ۔ اور سچی محبت اور بڑائی حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے ۔ غرض ہر قول و فعل میں مومن کو لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کا خیال کرے کیونکہ وہ اَلْعَزِیْزُ ہے ۔

ظالم طبع انسان کی عادت ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے تو وہ اس میں اپنی طرف سے نکتہ چینی کرنے لگتا ہے ۔ آدم کی بعثت پر نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کہنے والے اپنی کمیٔ علم اور ناواقفی کی وجہ سے اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرہ : ۳۱) پکار اُٹھے ۔ مگر چونکہ یہ گروہ صاف طینت تھا ۔ آخر اُس نے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (البقرہ : ۳۱) کہہ کر اللہ تعالیٰ کے اس فعل خلافتِ آدم کو حکمت سے بھرا ہوا تسلیم کرلیا ۔ مگر وہ لوگ جو خدا سے دور ہوتے ہیں ۔ وہ عجائباتِ قدرت سے ناآشنا محض اور اسماءِ الہٰی کے علم سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے خیال اور تجویز کے موافق کچھ چاہتے ہیں ۔ جو نہیں ہوتا ۔ جیسا ہمارے سردار سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کہہ اُٹھے ۔ لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف : ۳۲) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اَلْحَكِیْمُ نہیں مانتے ۔ ورنہ وہ اس قسم کے اعتراض نہ کرتے ۔ اور یقین کرلیتے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام : ۱۲۵) اسی طرح شیعہ نے خلافتِ خلفاء پر بعینہٖ وہی اعتراضات کئے جو کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کئے ۔

حکیم کے معنی ہی ہیں اپنے محل پر ہر ایک چیز کو رکھنے والا ۔ اور مضبوط و محکم رکھنے والا۔ پھر اگر الحکیم صفت پر ایمان ہو تو بعثتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کیوں اپنے ایمان کو ضائع کرتے ۔غرض اللہ تعالیٰ یہاں بتاتا ہے ۔کہ اس کے قول و فعل میں سراسر حکمت ہوتی ہے اس لئے اس کے انکار سے بچنے کیلئے یہی اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو الحکیم مانو۔

پس جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس اللہ کی جو اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ہے ۔ زمین و آسمان کے تمام ذرات اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ان صفات پر گواہ ہیں پس زمینی علوم یا آسمانی علوم جس قدر ترقی کریں گے ۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات کی زیادہ وضاحت زیادہ صراحت ہوگی ۔میں اپنے ایمان سے کہتا ہوں کہ مَیں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ علوم کی ترقی اور سائنس کی ترقی قرآن شریف یا اسلام کے مخالف ہے ۔ سچے علوم ہوں وہ جس قدر ترقی کریں گے ۔قرآن شریف کی حمد اور تعریف اُسی قدر زیادہ ہوگی۔

اس سورۃ شریف کو ان پاک الفاظ سے شروع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا ایک انعام پیش کرتا ہے ۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

اُس اللہ نے (جس کی تسبیح زمین و آسمان کے ذرات اور اجرام کرتے ہیں ۔ اور ہر شئے جو اُن میں ہے ۔ وہ اللہ جو اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ہے) اُمیوں میں (عربوں میں) ان میں ہی کا ایک رسول اُن میں بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ۔ اور ان کو پاک صاف کرتا ہے ۔ اور ان کو الکتاب اور الحکمۃ سکھاتا ہے ۔ اور اگرچہ وہ اس رسول کی بعثت سے پہلے کھُلی کھُلی اور خدا سے قطع تعلق کر دینے والی گمراہی میں تھے [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ والوں میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور حمد کا ایک بیّن ثبوت ہے کیونکہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ...... اہلِ دنیا اس رشتہ سے جو انسان کو اپنے خالق کے ساتھ رکھنا ضروری ہے ۔ بالکل بے خبر اور نا آشنا تھے ۔ ہزاروں ہزار مشکلات اس رشتہ کے سمجھنے ہی میں پیدا ہو گئی تھیں ۔ اُس کا قائم کرنا اور قائم رکھنا تو اور بھی مشکل تر ہو گیا تھا ۔ کتبِ الٰہیہ اور صُحفِ انبیاء علیہم السلام میں تاویلاتِ باطلہ نے اصل عقائد کی جگہ لے لی تھی ۔ اور پھر ان کی خلاف ورزی مقدرت سے

---

[1] الحکم ۳۱ راگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۱ ، صفحہ ۱۱ ، صفحہ ۱۲

باہر تھی۔ دنیا پرستی بہت غالب ہوئی ہوئی تھی۔ ان کے بڑے بڑے سجادہ نشین احبار اور رُہبان کو اپنی گدیاں چھوڑنا محال نظر آتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے لوگوں کا ذکر کیا۔ کیونکہ اُس سے چھوٹوں کا خود اندازہ ہو سکتا تھا ..... اگر ہم ایک نمبردار کی حالت بیان کریں کہ ایک قحط میں اُس پر فاقہ کشی کی مصیبت ہے تو اس سے چھوٹے درجے کے زمیندار کا حال خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف نے نہایت جامع الفاظ میں فرمادیا ہے۔ کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم ۴۲) جنگلوں اور سمندروں میں غرض ہر جگہ پر فساد نمودار ہو چکا ہے۔ وہ جو اپنے آپ کو ابراہیم کے فرزند کہلاتے تھے اُن کی نسبت قرآن ہی نے خود شہادت دی ہے۔ اَكْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ (التوبہ ۸۰) ان میں اکثر لوگ فاسق تھے۔ اور یہاں تک فسق و فجور نے ترقی کی ہوئی تھی کہ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (المائدۃ ۶۱) یہ اُس وقت کے لکھے پڑھے علماء سجادہ نشین خدا کی کتاب مقدس کے وارث لوگوں کا نقشہ ہے کہ وہ ایسے ذلیل اور خوار ہیں۔ جیسے بندر۔ اور ایسے شہوت پرست اور بے حیا ہیں جیسے خنزیر۔ اس سے اندازہ کرو۔ ان لوگوں کا جو لکھے پڑھے نہ تھے۔ جو کتاب مقدس کے وارث نہ تھے۔ جو موسیٰ کی گدی پر نہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر یہ تو ان کے اخلاق۔ یہ عاداتِ بد یا عزت و ذلت کی حالت کا نقشہ ہے۔ اگرچہ ایک دانش مند اخلاقی حالت اور عُرفی حالت کو ہی دیکھ کر روحانی حالت کا پتہ لگا سکتا ہے۔ مگر خود خدا تعالیٰ نے بھی بتادیا کہ روحانی حالت بھی ایسی خراب ہو چکی تھی۔ کہ وہ عبدة الطاغوت بن گئے تھے۔ یعنی حدود الٰہی کے توڑنے والوں کے عبد بنے ہوئے تھے۔ اُن کے معبود طاغوت تھے۔

اب خیال کرو کہ اخلاقی حالت پر وہ اثر، رُوح پر یہ صدمہ، عزّت کی وہ حالت، یہ ہے وہ قوم جو نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہنے والی تھی۔ اس سے چھوٹے درجہ کی مخلوق کا خود قیاس کرلو۔ یہ نقشہ کافی ہے عقائد کے سمجھنے کیلئے۔ یہ کافی ہے عزّت و آبرو کے سمجھنے کیلئے کہ جو بندر کی عزت ہوتی ہے۔ پھر یہ نقشہ کافی ہے اخلاق کے معلوم کرنے کے لئے جو خنزیر کے ہوتے ہیں کہ وہ سارا بے حیائی اور شہوت کا پتلا ہوتا ہے۔

جب ان لوگوں کا حال میں نے سنایا جو نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ ۱۹) کہتے، جو ابراہیمؑ کے فرزند کہلاتے تھے۔ تو عیسائیوں پر قیاس کرلو، اُن کے پاس تو کوئی کتاب ہی نہ رہی تھی، اور کفارہ کے اعتقاد نے ان کو پوری آزادی اور اباحت سکھادی تھی۔ اور عربوں کا حال تو ان سب سے بدتر ہوگا جن کے پاس آج تک کتاب اللہ پہنچی ہی نہ تھی۔ اور پھر یہ خصوصیت سے عرب ہی کا حال نہ تھا۔ ایران میں آتش پرستی ہوتی تھی۔ سچے خدا کو چھوڑ دیا ہوا تھا، اور اہرمن اور یزدان دو جُدا جُدا خُدا مانے گئے تھے۔ ہندوستان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی جہاں پتھروں، درختوں کی پُوجا اور پرستش سے تسلّی نہ پاکر آخر عورتوں اور مردوں کے شہوانی قوٰی تک پرستش جاری ہو چکی تھی۔ غرض جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو، جدھر نگاہ، دوڑاؤ، دنیا کیا بلحاظ

اخلاقِ فاضلہ اور کیا بلحاظ عبادات اور معاملات ہر طرح ایک خطرناک تاریکی میں مبتلا تھی اور دنیا کی یہ حالت بالطبع چاہتی تھی کہ ع

مردے از بروں آید و کارے بکند

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک رسول کو عربوں میں مبعوث کیا جیسا کہ فرمایا :

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیہ

یہ رسولؐ صرف عربوں ہی کیلئے نہ تھا باوصفیکہ عربوں میں مبعوث ہوا۔ بلکہ اس کی دعوت عام اور کل دنیا کیلئے جیسا کہ اس نے کل دنیا کو مخاطب کر کے سنایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۹)

اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں ۔ اور پھر ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۸)

یعنی ہم نے تم کو تمام عالموں پر رحمت کیلئے بھیجا ہے ۔ اسی لئے وہ شہر جہاں سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور پایا۔ ام القریٰ ٹھہرا ۔ اور وہ کتاب مبین جس کی شان ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ وہ ام الکتاب کہلائی۔ اور وہ لسان جس میں ام الکتب اتری۔ ام الالسنہ ٹھہری۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو آدم زاد پر ہوا۔ اور بالخصوص عربوں پر! اس رسول نے آکر کیا :

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

پہلا کام یہ کیا کہ ان پر خدا کی آیات پڑھ دیں۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ۔ پھر نرے پڑھ دینے سے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسرا کام یہ کیا وَيُزَكِّيْهِمْ ان کو پاک صاف کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظیم شان اور بلند مرتبہ ہے ۔ دوسرے کسی نبی کی بابت یہ نہیں کہا کہ يُزَكِّيْهِمْ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قوتِ قدسی اور قوتِ تاثیر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے عربوں اور دوسری قوموں پر کیا اثر ڈالا ۔ عرب کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اُس کی کایا پلٹ دی۔ ان کے اخلاق ، عادات اور ایمان میں ایسی تبدیلی کی جو دنیا کے کسی مصلح اور ریفارمر کی قوم میں نظر نہیں آتی۔ جو شخص اس ایک ہی امر پر غور کریگا۔ تو اُسے بغیر کسی چون و چرا کے ماننا پڑے گا۔ کہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوتِ قُدسی اور تاثیر قوی اور افاضۂ برکات میں سے سب نبیوں سے بڑھ کر اور افضل ہیں اور یہی ایک بات ہے جو قرآن شریف اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت دوسری تمام کتابوں اور نبیوں کے مقابلہ میں بدیہی ثبوت ہے۔

عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کی شان میں غلو اس قدر کیا کہ (باوجودیکہ وہ اپنی عاجزی اور بے کسی کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے اور کبھی خدائی کا دعوٰی نہ کیا) ان کو خدا بنادیا۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جاوے کہ اس خدا نے دنیا میں آکر کیا کیا؟ تو میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ کوئی قابلِ اطمینان جواب اس قوم کے پاس نہیں ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ جب مسیحؑ آئے اُس وقت یہودیوں کی ایمانی اور اخلاقی حالت بہت گری ہوئی تھی لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے اخلاق اور عادات اور ایمان میں کیا تبدیلی کی؟ جبکہ وہ اپنے حواریوں کا بھی کامل طور پر تزکیہ نہ کرسکے۔ تو اوروں کو تو کیا فیض پہنچا؟

یہی موجودہ انجیل جو اس قوم کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ چند لالچی اور ضعیف الایمان آدمیوں کے سوا وہ کوئی جماعت جو اپنے تزکیہ نفس میں نمونہ ٹھہر سکے۔ دنیا کے سامنے پیش نہ کرسکے! جو ہمیشہ اپنے مرشد و امام کے ساتھ بے وفائی کرتے رہے! حتّٰی کہ بعض ان میں سے اس کی جان کے دشمن ثابت ہوئے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف نے دعوٰی کیا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ اور اس دعوٰی کا ثبوت بھی دیا۔ جبکہ ان میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کردی۔ وہ قوم کہ جو بُت پرستی میں غرق تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والی ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ توحید کو جوش اور صدق سے انہوں نے قبول کیا کہ تلواروں کے سایہ میں بھی اس اقرار کو نہیں چھوڑا۔ ملک و مال۔ احباب رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کیا۔ مگر اس چھوٹی ہوئی بُت پرستی کو پھر منظور نہ کیا۔

اپنے سید و مولیٰ رسولؐ کے ساتھ وہ وفاداری اور ثباتِ قدم دکھایا جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔ یہاں تک کہ غیر قوموں کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ واقعات ہیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اس لئے مجھے ضرورت نہیں کہ میں ان پر کوئی لمبی بحث کروں۔ میرا مطلب اور مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ دوسرا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ان کا تزکیہ کیا کہ انکی حالت یہاں تک پہنچی کہ

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

وہ روتے ہوئے ٹھوڑی کے بل گر پڑتے ہیں اور انکو فروتنی میں ترقی ملتی ہے

اور يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ۶۵) اپنے خدا کے سامنے راتیں سجدہ اور قیام میں کاٹ دیتے ہیں تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدۃ: ۱۷) راتوں کو اپنی خواب گاہوں اور بستروں سے اُٹھ اُٹھ کر خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں پھر یہاں تک اُن کا تزکیہ کیا کہ آخر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (المائدۃ: ۱۲۰) کی

سند انکو مل گئی۔ کسی ہادی اور مصلح کی ایسی سچی تاثیر اور تزکیہ کا پتہ دو۔

میں نے ہزاروں ہزار کتابیں پڑھی ہیں اور دنیا کے مختلف مذاہب کو ٹٹولا اور تحقیق کیا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی حیرت انگیز تبدیلی، کوئی ہادی، پیغمبر، نبی، رسول، اپنی قوم میں نہیں کر سکا جو ہمارے سرکار نے کی!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

یہ چھوٹی سی بات نہیں۔ یہ بہت بڑی عظیم الشان بات ہے۔ اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر افاضۂ برکات کا ایک زندہ نمونہ موجود ہے جس سے آپؐ کی شان اور ہمت اور علو مرتبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ وہ تیرہ سو سال کے بعد بھی اپنی تاثیریں ویسی ہی زبردست اور قوی رکھتا ہے جس سے ہم ایک اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کی تاثیریں ابدی ہیں اور وہ ابدالآباد کیلئے دنیا کا ہادی اور رسول ہے۔ اس وقت ہمارا امام زندہ نمونہ ہے ان برکات اور فیوض کا۔ جس نے آکر ان فیوض اور برکات اور قدسی تاثیروں کا ثبوت دیا ہے۔ جو صحابہ کی کامیاب قوم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضِ صحبت سے ہوئیں۔ اگر دنیا میں کسی اور نبی کی برکات اور فیوض اس قسم کے ہیں تو پھر ہم ان کے ماننے والوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنی قوم کا تزکیہ کیا تھا تو اس کے ثبوت کے لئے آج کوئی مزکّی نفس پیش کرو! اوروں کو جانے دو۔ یسوع مسیح کو خدا بنانے والی قوم اس کی خدائی کا کوئی کرشمہ اب ہی دکھائے۔ مگر یہ سب مُردہ ہیں۔ جو ایک مُردہ کی پرستش کرتے ہیں۔ اس لئے وہ زندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

غرض دوسرا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ وہ آیات جو آپؐ نے پڑھ کر سنائیں۔ اپنے عمل سے اور اس کی تاثیروں سے بتا دیا کہ اسکا منشاء کیا ہے؟ منشاء بھی بتا دیا اور عمل کرا کر بھی دکھا دیا۔ کیونکہ کتاب کا پڑھنا اور اس کے مطالب و منشاء سے آگاہ کر دینا کوئی بڑا کام نہیں۔ جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو کہ عمل کرنے کی رُوح پیدا ہو جاوے۔ کتاب کا پڑھنا بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ جب کہ کوئی سننے کیلئے تیار نہیں۔ جب تک پڑھنے والا خود نہیں سمجھتا۔ دوسروں کو سمجھا نہیں سکتا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ پہلے تعلیمات صحیحہ آجاویں۔ پھر ان کو پہنچایا جاوے اور سمجھایا جاوے کہ کیسے عمل درآمد ہوتا ہے۔ یا خود کر کے دکھایا جاوے۔ یہ ضروری مسئلہ ہے۔ غور کر کے دیکھو۔ کہ کیا یہود کے سامنے ایک بڑا بھاری انبار کتابوں کا نہ تھا۔ کیا مجوس کے پاس کتابیں نہ تھیں۔ کیا عیسائی اپنی بغل میں کتابِ مقدس مارے نہ پھرتے تھے۔ اور کیا ان میں عمدہ باتیں بالکل نہ تھیں؟ تھیں اور ضرور تھیں۔ مگر ان میں اگر کچھ نہ تھا تو صرف یہی نہ تھا کہ ان پر عمل کرا دینے

والا کوئی نہیں تھا۔ جب تک ایک روح اس قسم کی نہ آوے جو ان کو مزکّی بنادے اس وقت تک انسان ان تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔[1]

مَیں بیرونی مذاہب کو چھوڑ کر اندرونی فرقوں کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ کیا یہی قرآن شریف جو ہمارے سرور عالم سیّد ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ اس وقت سُنیوں، شیعوں، خوارج اور اَور بہت سے فرقوں کے پاس نہیں ہے! کیا واعظ، امام، قاری اور دوسرے لوگ ان میں نہیں ہیں؟ مگر سب دیکھیں اور اپنی اپنی جگہ غور کریں کہ کیا اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ یہ سچی بات ہے کہ جب تک کوئی مزکّی نہ ہو تو تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ یہ صدی جس میں مَیں ہوں۔ بڑی خیر و برکت کی بھری ہوئی ہے۔ اور حقیقت میں وہ صدی بڑی ہی بابرکت تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں موجود تھے اور آپ کی وساطت سے لوگ تزکیہ سے متمتع ہوتے تھے پھر آپؐ نے فرمایا کہ دوسری صدی میں بھی اس پہلی کی طرح خیر و برکت والی ہوگی۔ اور پھر تیسری پر بھی اس پہلی کا اثر پڑیگا۔ مگر اس کے بعد جھوٹ پھیل جاوے گا۔ اب غور طلب یہ امر ہے۔ کہ کیا قرآن شریف اس چوتھی صدی میں نہ رہا تھا جس میں جھوٹ کے پھیلنے کی آپؐ نے پیشگوئی فرمائی، کیا تعامل اور حدیث ان میں نہ تھی۔ پھر وہ کیا بات ہے جو یَفْشُوا الْکَذِبُ کہا؟ بات اصل یہی ہے کہ وہ مزکّی ان میں نہ رہا، مزکّی کو اُٹھے ہوئے تین سو سال گزر گئے۔ بہت سے نادانوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم مہدی یا مسیح یا امام کی کیا ضرورت رکھتے ہیں جبکہ دلائل سے نتائج تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر امام کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں نے ان سے پوچھا ہے کہ اگر تمہیں امام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اتنا بتاؤ کہ کتاب کی موجودگی میں معلم کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کہو۔ بولی کیلئے ضرورت ہے تو میں پھر کہتا ہوں۔ اچھا بولی سمجھتے ہو۔ ایک عمدہ پڑھا ہوا آدمی جس نے قرآن کو خوب پڑھا ہے اور فرض کرو۔ وہ قاری بھی ہو۔ وہ اپنی جان پر تجربہ کر کے صاف صاف بتادے کہ گھر میں لمبی قرأت کی نمازیں کس قدر پڑھتا ہے۔ اور باہر کس قدر؟ جس قدر جماعت میں التزام کیا جاتا ہے۔ کیا گھر میں بھی ویسا ہی التزام کیا جاتا ہے؟ لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ باوصفیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب نماز پڑھائے تو امام کو چاہیئے کہ مقتدیوں کا لحاظ کرے۔ ان میں کوئی ضعیف ہے۔ کوئی بیمار ہے وغیرہ۔ اس لئے ان کے لحاظ پر چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھے لیکن تنہائی میں نمازوں کو لمبا کرے۔ مگر غور کر کے دیکھ لو کہ معاملہ بالکل اس کے برخلاف اور قضیہ بالعکس ہے۔ مَیں نے بہت ٹٹولا ہے اور دیکھا ہے

---

[1] الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷ تا ۹

کہ جبکہ یہ حدیث صحابہ تک پہنچتی ہے۔ اور کذب کا کوئی احتمال نہیں رہتا تو پھر عمل درآمد کا نہ ہونا صریح اس امر کی دلیل ہے کہ ایک قوت اور کشش کی ضرورت ہے۔ جو نہیں پائی جاتی۔

ریل گاڑی کی گاڑیوں کو دیکھو کہ اگر ان میں باہم زنجیروں کے ذریعہ پیوند بھی قائم کیا گیا ہو لیکن سٹیم انجن ان کو کھینچنے والا نہ ہو تو کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وہ گاڑیاں باہم ملاپ کی وجہ سے ہی چل نکلیں گی؟ ہرگز نہیں! اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ نِرا اتحاد بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ جب تک اس وحدت کے مفاد سے متمتع کرنے والا کوئی نہ ہو۔ غرض ہر حال میں ایک امام کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ جو کچھ آپؐ فرماتے اور تلاوت کرتے وہی کرکے دکھا دیتے اور اپنے عمل سے اس کو اور بھی مؤثر بنا دیتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ واعظ اگر خود کہہ کر عمل کرنے والا نہ ہو تو اس کا وعظ بالکل بے معنی اور فضول ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے مزکی ٹھہرے۔ کہ آپؐ جو تعلیم دیتے تھے۔ پہلے خود کرکے دکھا دیتے تھے۔ پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور خود پڑھ کر دکھا دی۔ دیکھو امام کو کس قدر التزام کرنا پڑتا ہے۔ پھر آپؐ پانچوں نمازوں کے خود امام ہوا کرتے تھے۔ اس سے قیاس کر لو کہ آپؐ کو کس قدر التزام کرنا پڑتا تھا۔ پھر ان پانچوں نمازوں کے علاوہ تہجد اور دوسرے نوافل بھی پڑھتے اور بعض وقت تہجد میں اتنی اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے۔ جس سے آپؐ کا یہ التزام بھی پایا جاتا ہے کہ عام اور فرض نمازوں سے زیادہ بوجھ آپؐ نے اپنے اوپر رکھا ہوا تھا۔

پھر روزہ کی تعلیم دی۔ آپؐ نے ہفتہ میں دو بار مہینہ میں تین بار روزے۔ اور سال بھر میں معین مہینہ روزے رکھ کر دکھا دئے۔ اور شعبان اور شوال میں بھی روزے رکھا کرتے۔ گویا قریب چھ مہینے سال میں روزے رکھ کر بتا دئے۔ حج کرکے دکھا دیا۔ خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ۔ پھر زکوٰۃ کی تعلیم دی۔ زکوٰۃ لے کر اور خرچ کرکے دکھا دی۔ اسی طرح جو تعلیم دی اُسے خود کرکے دکھا دیا۔ جس سے تزکیہ نفوس ہوا۔ ایک طرف تلاوت آیات کرتے تھے اور دوسری طرف تزکیہ نفوس کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ ابھی امام نہ تھے۔ مگر نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ کے مسائل جانتے تھے۔ امام بخاریؒ بھی امام ہونے سے پہلے نماز۔ روزہ کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعامل سے سب کچھ پہلے ہی سکھا دیا ہوا تھا۔ اگر ایک بھی حدیث دنیا میں قلمبند اور جمع نہ کی جاتی۔ تب بھی یہ مسائل بالکل صاف تھے۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل کیلئے مزکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ بڑی بڑی کتابوں والے عبدالطاغوت ہو جاتے ہیں اور جب یہ حالت پیدا ہوتی ہے اور قوم کے دماغ اور دل (علماء اور مشائخ) کی حالت بگڑ جاتی

ہے۔ اس وقت وہ مزکی آتا ہے۔ اور اصلاح کرتا ہے۔ جب قوم اور ملک ضلال مبین میں پھنس جاتا ہے تو ایک انسان خدا سے تعلیم پاکر آتا ہے۔ جو قوم کو نجات دیتا ہے۔ اور تزکیہ نفس کرتا ہے۔ خیالی ریفارمروں اور جھوٹے دعویداروں اور خدا تعالیٰ کے مامور و مرسلوں میں بھی امتیاز اور فرق یہی ہوتا ہے۔ کہ اول الذکر کہتے ہیں۔ پر کرکے نہیں دکھاتے۔ اور تزکیہ نفس نہیں کرسکتے۔ مگر خدا کے مامور اور مرسل جو کہتے ہیں۔ وہ کرکے دکھاتے ہیں۔ جس سے تزکیہ نفوس ہوتا ہے۔ ان کے قلوب صافیہ سے جو کچھ نکلتا ہے۔ وہ دوسروں پر مؤثر ہوتا ہے۔ ان میں جذب اور اثر کی قوت ہوتی ہے جو دنیادار ریفارمروں میں نہیں ہوسکتی۔ اور نہیں ہوتی۔ اور نہیں ہوئی۔ پس اس نافہم کے سوال کا جواب اس سے بخوبی حل ہوسکتا ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے ؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مامور کے آنے کا وقت صاف بتادیا ہے جبکہ فرمایا۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اس کی آمد اور بعثت سے پہلے ایک کھلی گمراہی پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور میں نے ابھی تمہیں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کی کیا حالت تھی اور پھر کس طرح آپؐ نے آکر اصلاح کی اور تزکیہ نفوس فرمایا۔ جو لوگ علم تاریخ سے واقف ہیں۔ ان پر یہ امر بڑی صفائی کیساتھ منکشف ہوسکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر تزکیہ نفوس کا کیا ثبوت مل سکتا ہے۔ کہ آپؐ نے کوئی موقع انسان کی زندگی میں ایسا جانے نہیں دیا جس میں خداپرستی کی تعلیم نہ دی ہو۔ میں ایک چھوٹی سی اور معمولی سی بات پیش کرتا ہوں۔ پاخانہ کیلئے جانا ایک طبعی تقاضا اور ضرورت ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس وقت کے لئے کسی ہادی اور مصلح نے کوئی تعلیم انسان کو نہیں دی۔ مگر ہمارے ہادیٔ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی انسان کو ایک لطیف اور بیش قیمت سبق خداپرستی کا دیا ہے۔ جس سے آپؐ کے اُن تعلقاتِ محبت کا جو خدا سے آپؐ کے تھے صاف پتہ لگ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ انسان کو کس بلند مرتبہ پر پہنچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے اس وقت تعلیم دی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ یعنی جس طرح پر ان گندگیوں کو تو نکالتا ہے۔ دوسری گندگیوں سے جو انسان کی روح کو خراب کرتی ہیں بچا۔ جیسے پاخانہ جاتے وقت دعا تعلیم کی ویسے ہی پاخانہ سے نکلتے وقت سکھایا ہے۔ غُفْرَانَكَ غور تو کرو کہ کس قدر تزکیہ نفس کا خیال ہے۔ حضرت ابو الملۃ ابو الحنفاء ابراہیم علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے ہیں وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (البقرہ: ۱۳۰) پھر اگر مزکی کی ضرورت نہ تھی۔ تو اس دعا کی کیا ضرورت؟ تلاوت کو اس لئے مقدم رکھا کہ علم تزکیہ کے مراتب سکھاتا ہے اور تزکیہ کو بعد میں اس لئے رکھا ہے کہ بدوں تزکیہ علم کام نہیں آتا

اسی لئے کتاب کے بعد تزکیہ کا ذکر کر دیا۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ اور پھر دوسری اور تیسری صدی کو خیر القرون کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ثُمَّ یَفْشُو الْکَذِبُ۔ اب ایک نادان اور خدا کی سنت سے ناواقف کہہ سکتا تھا کہ آپ کی قوتِ قدسی معاذ اللہ ایسی کمزور تھی۔ کہ تین صدیوں سے آگے مؤثر نہ رہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے کور باطن کے جواب کیلئے فرمایا؛ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ آپؐ کی قوتِ قدسی ایسی مؤثر اور نتیجہ خیز ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی ویسا ہی تزکیہ کر سکتی ہے چنانچہ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کا وعدہ فرمایا یعنی ایک اور قوم آخری زمانہ میں آنے والی ہے جو بلاواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اور برکات حاصل کریگی۔ اور ایک بار اور ہم اسی رسول کی بعثت بروزی کریں گے۔ وہ بعثت بھی اسی کے ہم رنگ ہوگی جو فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا کے وقت تھی۔

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ امت کے اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے جاتے ہیں۔ پس سوچو کیسی تڑپ آپؐ کو پیدا ہوئی ہوگی۔ جب آپؐ کو بتایا گیا ہوگا کہ اس قسم کے حاشیے چڑھائے جاتے ہیں۔ جن سے امرِ حق کو شناخت کرنا قریباً محال ہو گیا ہے اور وہ باتیں داخلِ اسلام کر لی گئی ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اس معلم کو دوبارہ بھیج دیں گے۔ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا کی بعثت کریں گے۔ اسکی توجہ ان پر ڈالیں گے جو لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کے مصداق ہیں یعنی ابھی نہیں آئے۔ آنے والے ہیں [1]

یہ سنت اللہ اور استمراری عادت اللہ ہے۔ کہ جب دنیا میں بدی پھیلتی ہے۔ بدی کیسی ؟ لکھے پڑھے بھی بندر اور سؤر اور عبد الطاغوت ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دلوں سے اُٹھ جاتا ہے اور انسانیت مسخ ہو کر حیوانیت اور بہیمیت سی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے تباہ شدہ مخلوق کی دستگیری کیلئے ایک مامور دنیا میں بھیجتا ہے۔ جو آکر ان کی گم شدہ متاع پھر ان کو دیتا ہے۔ اور خبیثوں اور طیب لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کو مدنظر رکھ کر صاف اشارہ ملتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کس وقت معلم اور مزکی کو بھیجتا ہے؟ اس کی شناخت کا کیا طریق اور نشان ہونا چاہیئے ؟ یہ بڑی بھاری غلطی پھیلی ہوئی ہے۔ کہ جب کوئی مامور دنیا میں آتا ہے تو ناواقف اور نادان انسان اپنے کمزور خیال کے پیمانہ اور معیار سے اس کو پرکھنا چاہتے ہیں حالانکہ اس کو پرکھنے کیلئے وہ معیار اختیار کرنا چاہیئے جو راست بازوں کیلئے ہمیشہ ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم، ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۹

گورداسپور میں ایک موقع پر ایک شخص حضرت امام علیہ السلام کے متعلق مجھ سے کچھ سوال کرنے آیا۔ میں نے جب اس سے یہ کہا کہ تم وہ معیار پیش کرو جس سے تم نے کسی کو راست باز مانا ہے۔ تو وہ خاموش ہی ہوگیا۔ اور سلسلہ کلام کو آگے نہ چلا سکا۔ یہ بڑی پکی اور سچی بات ہے کہ راست باز ہمیشہ ایک ہی معیار پر پرکھے جاتے ہیں۔ اور ان میں کوئی نرالی اور نئی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہمارے ہادیٔ کامل فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشادِ الٰہی یوں ہوا۔ قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًامِّنَ الرُّسُلِ۔ کہہ دے میں کوئی نیا رسول دنیا میں نہیں آیا ...... دنیا میں مجھ سے پہلے رسول آتے رہے ہیں۔ تم نے اگر کسی کو راست باز اور صادق مانا ہے۔ تو جس قاعدہ اور معیار سے مانا ہے۔ تو وہی قاعدہ اور معیار میرے لئے بس ہے۔

مَیں نے قرآن شریف کے اس استدلال کی بناء پر بارہا۔ ان لوگوں سے جو حضرت میرزا صاحب کے متعلق سوال اور بحث کرتے ہیں۔ پوچھا کہ تم نے کبھی کسی کو دنیا میں راستباز اور صادق تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ اگر کیا ہے تو وہ ذریعے اور معیار کیا تھے؟ جن ذریعوں سے تم نے صادق تسلیم کیا ہے۔ پھر میرا ذمہ ہوگا کہ اس معیار پر اپنے صادق امام کی راست بازی اور صداقت ثابت کر دوں۔ میں نے بارہا اس گُر اور اصول سے بہتوں کو لاجواب اور خاموش کرایا ہے۔ اور یہ میرا مجرّب نسخہ ہے۔ اس راہ سے اگر چلو تو تمام مباحث کا دو لفظوں میں فیصلہ کر دو۔ گورداسپور کا جو واقعہ میں نے بیان کیا ہے۔ جو لوگ میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے دیکھا ہے کہ باوجودیکہ سوال کرنے والا بڑا چلبلا اور چالاک آدمی تھا۔ مگر میرے اس سوال پر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا بعض آدمیوں نے اس کو کہا بھی کہ تم کسی کا نام لے دو۔ اس نے یہی کہا کہ مَیں نام لیتا ہوں تو مرتا ہوں (یعنی ماننا پڑتا ہے اور لاجواب ہوں گا)

غرض یہ ایک سنت اللہ ہے۔ خدا کا اٹل قانون ہے۔ کہ جب دنیا پر ضلالت کی ظلمت چھا جاتی ہے اور بے دینی اور فسق و فجور کی رات اپنی انتہاء تک پہنچ جاتی ہے۔ تو اسی قانون کے موافق جو ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ رات کے آخری حصہ میں آسمان پر صبح صادق کے وقت روشنی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ کوئی آسمانی نور اترتا ہے اور دنیا کی ہدایت اور روشنی کا موجب ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب امساکِ باراں حد سے گزرتا ہے۔ جس کا نام عام لوگوں نے ہفتہ رکھا ہے کہ سات سال سے زیادہ نہیں گزرتا تو سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ اب بارش ضرور ہوگی۔

اس قسم کے نشانات خدا تعالیٰ کے ایک اٹل اور مستقل قانون کا صاف پتہ دیتے ہیں۔ اگر آنکھ بالکل بند نہ ہو۔ اگر دل بالکل سویا ہوا نہ ہو تو اس بات کا سمجھ لینا کہ روحانی نظام بھی اسی طرح واقع ہے کچھ مشکل نہیں مگر یہ آنکھ کی بصیرت اور دل کی بیداری بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل پر موقوف ہے۔ مَیں غور کرتے کرتے اس

نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مامور من اللہ اور راست باز کی شناخت کیلئے ہر قسم کے دلائل مل سکتے ہیں۔ اَنفُسی اور آفاقی دونوں قسم کے دلائل ہوتے ہیں۔ یعنی اندرونی اور بیرونی دلائل۔ اندرونی دلائل میں سے ایک عقل بھی ہے پھر اسی کے ساتھ نقل کا پتہ لگا سکتے ہیں اور اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر اپنی عقل یا نقل کافی نہ ہو تو دوسرے عقیل اور فہیم لوگوں سے سُن کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

بارہا میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ عقل مقدم ہے یا نقل؟ اور کیا ان دونوں میں کوئی تعارض اور تناقض تو نہیں؟ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سماعی چیزوں پر بھی عقل فیصلہ دیتی ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ اور پھر عقلِ صریح اور نقلِ صحیح میں ہرگز کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ دونوں کا ایک ہی فیصلہ ہے۔ اور عقل مقدم ہے۔ کیونکہ انسان مکلّف نہیں ہو سکتا۔ جب تک سوچنے اور سمجھنے نہ لگے۔ پس اب ہم اس مدّعی کے دعوے کے امتیاز کیلئے عقلی اور نقلی دلائل سے اگر فیصلہ چاہیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ واقعی یہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے۔

عقل سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا۔ کہ کیا اس وقت کسی کے آنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ تو جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا مستقل اور اٹل قانون ہمیں بتاتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے وقت پر مامور آتے ہیں اور آنے چاہئیں۔ اور پھر جب ہم نقل سے اسکا موازنہ کرتے تو نقلِ صحیح ہم کو بتاتی ہے کہ یہ وقت خدا کے ایک مامور کے آنے کا ہے۔ تمام کشوف اور رؤیا اور الہام اس پر شہادت دیتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ چودھویں صدی سے آگے نہیں۔ ہر صدی پر مجدّد کے آنے کا وعدہ بجائے خود ظاہر کرتا ہے۔ کہ ایک عظیم الشان مجدّد اس وقت ہونا چاہیئے اور چونکہ صلیبی فتنہ کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اس صدی کے مجدّد کا نام بہرحال کاسر الصلیب ہی ہوگا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں کاسر الصلیب جس کا نام رکھا گیا ہے۔ وہ وہی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں مسیح موعود کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح سے خدا تعالیٰ کے پاک کلام پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو اور بھی صفائی کے ساتھ یہ بات کھل جاتی ہے کہ اُس نے وعدہ کیا کہ اسی اُمّت میں سے خلفاء کا ایک سلسلہ اُسی نہج اور اسلوب پر قائم ہوگا۔ جیسے بنی اسرائیل میں ہوا اور پھر یہ بھی کھول کر بیان کیا گیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعویٰ اور پیشگوئی کے مطابق جو استثناء کے باب ۱۸ میں کی گئی تھی مثیلِ موسیٰ ہیں۔ اور قرآن نے خود اس دعویٰ کو لیا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل ۱۶)

اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ٹھہرے اور خلفاءِ موسویہ کے طریق پر ایک سلسلہ خلفاء محمدیہ کا خدا تعالیٰ نے قائم کرنے کا وعدہ کیا جیسا کہ سورۂ نور میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۶)

پھر کیا چودھویں صدی موسوی کے خلیفہ کے مقابل پر چودھویں صدی ہجری پر ایک خلیفہ کا آنا ضروری تھا یا نہیں، اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا جاوے اور اس آیت وعدہ کے لفظ کَمَا پر پورا غور کر لیا جاوے تو صاف اقرار کرنا پڑے گا کہ موسوی خلفاء کے مقابل پر چودھویں صدی کا خلیفہ خاتم الخلفاء ہوگا اور وہ مسیح موعود ہوگا۔

اب غور کرو کہ عقل اور نقل میں تناقض کہاں ہوا؟ عقل نے ضرورت بتائی۔ نقلِ صحیح بھی بتاتی ہے کہ اس وقت ایک مامور کی ضرورت ہے اور وہ خاتم الخلفاء ہوگا۔ اس کا نام مسیح موعود ہونا چاہیئے۔

پھر ایک مدعی موجود ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں۔ اس کے دعوے کو راست بازوں کے معیار پر پرکھ لو۔ مَیں اب ایک اور آسان ترین بات پیش کرتا ہوں۔ جو عقل اور نقل کی رُو سے اس امام کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن شریف میں چاند اور سورج کی سنّت کے متعلق فرمایا ہے۔

قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (یونس: ۶)

سورج اور چاند کے نظام اور قانون پر نظر کر کے بہت سے حساب سمجھ سکتے ہو۔ جنتریاں بنا سکتے ہو جیسے دوؔ اور دوؔ چارؔ ایک یقینی بات ہے۔ اسی طرح پر یہ نظام بھی حق ہے۔ اب اگر کوئی شخص میرزا صاحب کے دعوے کے متعلق پہلے دعوے کے وقت نقلِ صحیح سے کام لیتا تو یہ عقدہ کیسی آسانی سے حل ہو جاتا تھا۔ تیرہ سو برس پیشتر کہا گیا تھا کہ اس مہدی کے وقت رمضان میں کسوف و خسوف ہوگا اور اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا بُت پرست قوم بھی سال سے پہلے جنتری لکھ دیتی ہے۔ مسلمانوں کو غیرت کرنی چاہیئے تھی اور معلوم کرنا چاہیئے تھا کہ کس سال میں اجتماع ممکن ہے؟ ہندو جاہل جب پتری بنا کر کسوف خسوف کے پتے دیتا ہے تو ایک مسلمان کو جس کی کتاب میں لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ لکھا ہے۔ سوچنا چاہیئے تھا۔ کہ وہ وقت کب ہوگا۔ اور جب اسے وقت کا پتہ ملتا تو وہ تلاش کرتا کہ مدعی ہے یا نہیں؟ اگر وہ مدعی کو پا لیتا تو سوچ لیتا کہ آسمان کی بات میرے یا کسی کے تعلق میں نہیں ہے۔ نقل میں موجود ہے۔ کہ اس کے وقت کسوف خسوف ہوگا اور عقل بتاتی ہے کہ یہ اجتماع کسوف و خسوف فلاں وقت ہوگا۔ اور وہ وقت آگیا ہے اور مدعی موجود ہے۔ جب ان امور پر غور کرتا تو بات بالکل صاف تھی اور وہ مان سکتا تھا اور بڑی سہل راہ سے سمجھ سکتا تھا۔ اگر اتنی عقل اور سمجھ نہ تھی تو دعوے کے وقت ہی حدیث کو دیکھ لیتا اور سُن لیتا اور سوچتا کہ یہ حدیث کیسی ہے اور پھر کسی ہندو سے دریافت کرتا کہ یہ موقع کب ہوگا اور جب وہ اُسے بتاتا کہ فلاں سنہ میں ہوگا اور پھر جب وقوع میں آتا تو تسلیم کر کے اپنے تزکیہ کیلئے چلا جاتا۔ غرض یہ کیسی صاف اور روشن بات تھی لیکن اگر آسمان کی طرف نہیں

دیکھ سکتا تھا۔ اور اسکی نگاہ اتنی اونچی نہ تھی تو زمین میں ہی دیکھتا کہ اس کے لئے کیا نشان ہیں اور اس امر پر غور کرتا کہ قرآن تو اس لئے آیا ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ اب اس دعویٰ کے موافق اس وقت کوئی اختلاف ہے یا نہیں۔ اور پھر قرآن شریف اس اختلاف کے مٹانے کیلئے بس ہے یا نہیں، پہلی بات پر نظر کرکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ سب سے پہلا اختلاف تو ہمیں اپنے ہی اندر نظر آتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صداقتیں ہمارے اندر ہیں۔ جن کو ہم ایمانیات یا عقائد کہتے ہیں اور پھر کچھ اعمال ہیں جو یا نیک ہوتے ہیں یا بد۔ اب مطالعہ کرتے کہ کیا وہ اعمال ان مسلّمہ نیکیوں اور صداقتوں کے موافق ہیں یا مخالف ہیں۔ اگر اس کی مانی ہوئی نیکیاں اور ہیں اور نیک اعمال فی نفسہٖ اور ہیں تو اس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی کہ یہ پہلا اختلاف مٹنا چاہیئے۔

پھر اس اختلاف کے بعد اگر اور بلند نظری سے کام لے تو اس کو بہت بڑا اختلاف ان لوگوں میں نظر آئے گا جو بخیالِ خویش و بزعم خود اکابرین ملت اور علماء اُمت بنے ہوئے ہیں۔ ان کے باہمی اختلاف کو چھوڑ کر اگر خود ان کی حالت پر نظر کی جاوے۔ تو ان کے قول اور فعل میں بُعدِ عظیم پایا جائے گا۔ اسی کو زیرِ نظر رکھ کر ایک پارسی شاعر نے کہا ہے ؎

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

یہ واعظ۔ یہ معلّم الخیر ہونے کے مدّعی۔ صوفی اور سجادہ نشین چرا خود توبہ کمتر می کنند کے مصداق ہیں۔ یہاں تک تو وہ شاعر عقل و دانش کی حد کے اندر ہے۔ اس سے اور آگے چل کر کہتا ہے۔ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آن کارِ دیگر می کنند

یہ گواہی جو اس پارسی زبان شاعر نے دی ہے کوئی مخفی شہادت نہیں بلکہ واعظوں۔ صوفیوں۔ سجادہ نشینوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کی مجلسِ وعظ یا مجلسِ وجد و حال و قال کیلئے اس کے شعر مخزن ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان جو کبھی کبھی اپنی مشکلات اور مصائب میں پھنس کر بے قرار ہوتا ہے تو بد قسمتی سے اسی لسان الغیب کا فال لینے کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور یوں اپنے اوپر اس دو رنگی اور اختلاف کا جو واعظوں اور معلّم الخیر کے مدّعیوں میں ہے ایک گواہ ٹھیرا تا اور اپنے اوپر حجتِ ملزمہ قائم کرتا ہے۔ اب ان ساری باتوں

۱؎ الحکم ۱۷؍ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴، ۱۵

کو یکجائی نظر سے دیکھو اور غور کرو کہ کیا یہ علمی اور عملی یا ایمانی اور عملی اختلاف کسی قال اور قُمر کے ذریعہ مٹ سکتا ہے یا خود بخود؟ اور قرآن شریف جو اختلاف مٹانے کا مدعی ہے اور سچا مدعی ہے۔ اس نے کیا راہ بتائی ہے۔

مَیں بڑے دردِ دل سے اُن مباحث اور لیکچروں کو پڑھا کرتا ہوں جو اسی زمانہ میں مسلمانوں کے تنزل کے اسباب پر دئے جاتے ہیں۔ اسبابِ تنزل اور اسبابِ ترقی کے بیان کرنے میں ہمارے ریفارمر (خود ساختہ) اور مصلح قرآن شریف کو مَس نہیں کرتے اور تفرقہ کے دور کرنے کے لئے قرآن شریف میں علاج نہیں ڈھونڈتے۔

مَیں نے ان لیکچروں اور سپیچوں کو پڑھ کر دردِ دل سے یہی لکھا ہے۔

يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان: ۳۱)

غرض مَیں اس عظیم الشان اختلاف کو ابھی پیش کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ یہ کیونکر دور ہو سکتا ہے؟ دیکھو ایک چیز ہے جس کا نام ایمان ہے۔ اور ایک کا نام عمل ہے۔ ان دونوں کا باہم مقابلہ کرو اور سوچ کر بتاؤ کہ کیا ان میں موافقت ہے؟ کیا حال اور قال یکساں ہے؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں!! تو پھر کیوں صاف دل کے ساتھ یہ اقرار نہیں کیا جاتا کہ ایک مزکی کی ضرورت ہے۔ جو انسان کو اس نفاق سے جو اس کے اندر ایمان اور عمل کی عدمِ موافقت سے پیدا ہو رہا ہے۔ دُور کرے۔ اگر نرا علم کوئی چیز ہوتا۔ معرفتِ صحیحہ کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اگر اس قوت اور کشش کی حاجت نہ ہوتی جو انسان پر اپنا عمل کرکے اس کے دل کو صاف کرنے میں معاون اور مددگار ٹھیرتی ہے۔ جو مزکی کی تاثیر صحبت اور پاک انفاس کی برکت سے ملتی ہے۔ جس کی طرف كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کہہ کر مولیٰ کریم نے توجہ دلائی ہے۔ تو مَیں پوچھتا ہوں کہ پھر اسی پارسی لسان الغیب کو کیا حاجت اور ضرورت تھی جو وہ بول اٹھا کہ

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پُرس!

اس ایمانی اور عملی اختلاف کے ماوراء اور اختلاف ہے جس نے قوم کے شیرازہ کو پراگندہ اور منتشر کر دیا ہے اور وہ رُوح قوم میں نہ رہی جو

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران: ۱۰۴)

میں رکھی گئی تھی۔ یعنی مختلف فرقے، شیعہ، سُنّی، خوارج، مقلد، غیر مقلد، جبریہ، قدریہ وغیرہ کے بکھیڑوں اور قضیوں پر نگاہ کرو تو عظیم الشان تفرقہ نظر آئے گا۔ مَیں نے اکثر لوگوں سے پوچھا ہے کہ یہ فرقہ بندیاں کیوں ہیں اکثروں نے کہا ہے کہ سب فرقے قرآن ہی سے استدلال کرتے ہیں۔ میں نے نہایت تعجب اور افسوس کیساتھ اس قسم کی دلیری اور جرأت کو دیکھا ہے۔ اور سُنا ہے۔ قرآن شریف تو اختلاف مٹانے کو آیا ہے۔ اور یہی اس کا دعویٰ ہے جو بالکل سچا ہے۔ پھر یہ اختلاف اسکے ذریعہ کیسے ہو سکتا ہے؟

میرے اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کیا مَعَاذَ اللّٰہِ قرآن شریف موم کی ناک ہے کہ جدھر چاہے پھیر دی یا وہ اپنے اس دعویٰ میں معاذ اللہ سچا نہیں جو اس نے اختلاف مٹانے کا کیا ہے؟ پھر یہ ایمان کیوں رکھتے ہو۔

میری سُنو! قرآن شریف آیاتِ محکمات ہے۔ وہ لاریب اختلاف مٹانے کیلئے حَکَم ہے مگر اس پر مسلمانوں نے توجہ نہیں کی اور اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنی نزاعوں کو قرآن شریف کے سامنے عرض نہیں کرتے۔

مجھے ایک بار لاہور کے شیعوں کے محلہ میں وعظ کرنے کا اتفاق ہوا۔ مَیں نے کہا شیعوں سنیوں کے اختلاف کا قرآن سے فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ توجہ کرتے۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ قرآن سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ قرآن موجود ہے۔ آپ ہی بتادیں کہ کہاں سے استدلال کیا ہے۔

غرض قرآن کو ہرگز حَکَم اور فیصلہ کُن نہیں مانتے۔ اگر اس پر ایمان ہوتا تو بڑی صفائی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی کہ سچی توجہ کیلئے ایک کامل الایمان مزکّی اور مطہّر کی ضرورت ہے جو اپنی قدسی قوّت کے اثر سے دلوں کے زنگ کو دُور کرے۔ بدوں مزکّی کے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی! اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے۔ بلکہ وسیع نظارۂ قدرت میں اس کے نظائر موجود ہیں!

دیکھو! ایک درخت کی ٹہنی جب تک درخت کے ساتھ پیوند رکھتی ہے۔ وہ سر سبز ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کو جو پانی کی غذائیت ملتی ہے۔ وہ بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اب اگر اس کو دیکھ کر ایک نادان اس کو کاٹ کر پانی کے ایک گڑھے میں ڈال دے کہ لے تو اب جس قدر پانی چاہے جذب کر اور اپنے دل میں خوش ہو کہ یہ بہت جلد بار آور ہو جائے گی تو اس کی حماقت اور نادانی میں کیا شک رہ جائے گا۔ جب وہ ڈالی بہت جلد خشک ہو کر سڑ گل جائے گی۔ اور اس کو بتادے گی کہ میں سرسبز نہیں رہ سکتی۔ اس درخت سے الگ ہو کر!

اسی طرح یہ نظارۂ قدرت عام اور وسیع ہے۔ اس سے صاف سبق ملتا ہے کہ ایک مزکّی کی ضرورت ہے جس کے ساتھ پیوند لگا کر انسان اپنے تزکیہ کا حصہ لے سکتا ہے۔ ورنہ مزکّی سے الگ رہ کر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنی اصلاح اور تزکیہ کرے گا۔ یہ غلط ہے اور محض غلط ہے بلکہ ؏

ایں خیال است و محال است و جنوں

اور وہی مشکلے دارم کا سچا مسئلہ۔

اندرونی اختلاف اور تفرقہ اگر کچھ ایسا نہ تھا کہ اس کے دل پر اثر انداز ہو سکتا۔ اور اس کو صرف جزئی اختلاف قرار دیتا تھا تو پھر ضرور تھا کہ غیر قوموں کے اعتراضوں ہی کو دیکھتا جو اسلام پر کئے جاتے ہیں اور دیکھتا کہ وہ کون سا ذریعہ ہے جو اسلام کے نابود کرنے اور اس پر اعتراض کر کے اس کو مشکوک بنانے میں غیر قوموں نے

چھوڑ رکھا ہے؟ ذرا عیسائیوں ہی کو دیکھو کہ کس کس رنگ میں اسلام پر حملہ ہے۔ شفاخانوں کے ذریعہ اخبار دلی اور رسالوں کے ذریعہ ہفتہ وار۔ روزانہ اور ماہواری ٹریکٹوں اور اشتہاروں کے ساتھ، فقیروں اور جوگیوں کے لباس میں۔ مدرسوں اور کالجوں کے رنگ میں، تاریخ اور فلسفہ کی شکل میں۔ غرض کوئی پہلو نہیں جس سے اسلام پر حملہ نہ کیا جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر وہ حملہ کہ بپتسمہ دیتے وقت کہا جاتا ہے۔ واحد لاشریک باپ۔ واحد لاشریک بیٹا واحد لاشریک روح القدس۔ تین واحد لاشریک نہ کہو۔ بلکہ ایک واحد لاشریک۔

باپ قادر مطلق۔ بیٹا قادر مطلق۔ روح القدس قادر مطلق۔ تین قادرِ مطلق نہ کہو بلکہ ایک قادرِ مطلق!

باپ ازلی۔ بیٹا ازلی۔ روح القدس ازلی۔ تینوں ازلی نہ کہو۔ بلکہ ایک ازلی!

اب غور تو کرو کہ یہ توحید پاک پر کیسا خوفناک اور بیباک حملہ ہے۔ یہ کیا اندھیر ہے۔ اسی طرح اس کے اسماء، افعال اور صفات پر مختلف پیرایوں اور صورتوں میں حملہ کیا جاتا ہے۔ اور غرض اسلام کو نابود کرنا ہے اب اس اختلاف کو کون دور کرے۔ اور کون اس مرض کا مداوا کرے۔ وہی جو مزکی ہو۔

مجھے نہایت ہی افسوس اور درد دل کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ عیسائیت کے اس پُرآشوب فتنہ کو فرو کرنے کی بجائے مسلمانوں نے مدد دی ہے۔ اور اس آگ پر پانی کی بجائے تیل ڈال دینے کا کام کیا ہے۔ جب اپنے عقائد میں ان امور کو داخل کرلیا جو عیسائیت کی تقویت کا موجب اور باعث ہوئے ہیں۔[1]

یہ فیصلہ بالکل آسان اور صاف تھا۔ اگر ذرا تدبر اور غور سے کام لیا جاتا۔ مگر رونا تو اسی بات کا ہے کہ عقل سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں غور نہیں کیا جاتا۔

یہ کیسی صاف بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور انسانی مخلوق کبھی برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو کچھ انسان بناتا ہے۔ خدا وہ کبھی نہیں بناتا! اور جو اللہ تعالیٰ بناتا ہے انسان وہ ہر گز نہیں بنا سکتا! مثلاً ایک تنکا ہی لو۔ ساری دنیا کے صناع اور فلاسفر مل جاویں اور کوشش کریں۔ ساری عمر جدّوجہد کریں کبھی ممکن ہی نہیں کہ ایک تنکا بنا سکیں۔ گھاس کا تنکا یا دانہ کا فتہ نہیں بنتا۔ پھر یہ خیال کرلینا اور مان لینا کہ مسیح بھی خدا تعالیٰ جیسی مخلوق بنا سکتا تھا۔ کیسی بے ہودگی ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ غلّہ انسان نہیں بنا سکتا۔ انسان اپنی صنعت سے روٹی بناتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی پسند نہیں کر سکتی۔ کہ وہ درختوں سے روٹیاں نکالے۔ کپڑے خدا تعالیٰ نے نہیں بنائے اسی طرح روٹی انسان نہیں بنا سکتا۔

---

[1] الحکم ۲۴؍نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۰

اس سے کیمیاگروں کی حماقت اور فریب کا ایک ثبوت ملتا ہے اور کس طرح واضح طور پر انکی تکذیب ہوتی ہے۔ سونا چاندی اور چاندی سونا نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲)

کیا کوئی ہاتھی کے بچہ کو چوہا کہہ سکتا ہے؟ اور کیا ہو سکتا ہے کہ مکھی کے انڈے سے گھوڑا نکل آوے؟ ان امور کا سمجھنا آسان نہیں۔ گو یہ بدیہی باتیں ہیں مگر ایک مزکی جب تک موجود نہ ہو۔ وہ انسان کو اس قسم کے شرک سے نجات نہیں دے سکتا۔

ایک وقت آئے گا کہ لوگ کہیں گے کہ کیا وفاتِ مسیحؑ کا مسئلہ بھی کوئی اہم مسئلہ تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی اہمیت کس قدر ہے؟ ایک دنیا کو اس نے تباہ کر دیا ہے۔ اور رب العالمین کے عرش پر ایک عاجز ناتواں انسان کو بٹھایا گیا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور افعال کے متعلق سچا علم بخشنا اُس شخص کا کام ہوتا ہے۔ جو آیات اللہ کی تلاوت کرے اور اپنی قدسی تاثیر سے تزکیہ کرے اور سچی توحید پر قائم کرے۔ جب تک مزکی نہ ہو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا رب العٰلمین ایک ہے۔ اور اس کا کوئی بیٹا نہیں جس کے بغیر نجاتِ عالم ہی نہ ہو سکتی ہو جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے تعجب ہے کہ وہ خلقِ عالم تو اللہ تعالیٰ کی صفت مانتے ہیں۔ پھر اس مخلوقِ عالم کو کیا مشکل تھا کہ نجات بھی دے دیتا؟ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چونکہ عادل ہے اس لئے مخلوق کے گناہوں کو بحیثیت عادل ہونے کے بغیر سزا کے نہیں چھوڑ سکتا تھا اور رحیم بھی ہے۔ اس لئے بیٹے کو پھانسی دیا۔ یہ کیا خوب عدل اور رحم ہے کہ گناہ گاروں کے بدلے ایک بے گناہ کو پکڑ لیا اور بے گناہ پر رحم بھی نہ کیا۔

پھر اور بھی ایک تعجب ہے کہ یہودیوں کو نجات نہ ملی۔ حالانکہ پہلے نجات کے وہی مستحق تھے جنہوں نے نجات کے فعل کی تکمیل کی کوشش کی یعنی صلیب دلوانے کی۔ ان کا فعل تو گویا عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق خدا کے ارادہ اور منشا سے توارد رکھتا تھا۔ پھر وہ غضب کے نیچے کیوں رہے؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کو نجات ملی، کیا مجوسیوں کو ملی، کس کو ملی؟

نجات تو پھر بھی محدود ہی رہی۔ کیا فائدہ اس پھانسی سے پہنچا؟ تو پھر شیطان کا سر جب کچلا گیا تو اب کیوں گناہ ہوتا ہے؟ پھر پوچھا گیا ہے کہ گناہ کا بد اثر جسم پر ہوتا ہے یا روح پر۔ اگر روح پر ہوتا ہے تو آدم سے کہا گیا کہ محنت سے روٹی کھائے گا۔ اور عورت دردِ زہ سے بچہ جنے گی۔

اور اگر جسم پر پڑتا ہے تو عیسائی آتشک اور سوزاک وغیرہ امراض میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں اور کیا عیسائی

عورتیں دردِ زہ سے بچہ جنتی ہیں یا نہیں؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ نجات کے آثار پائے نہیں جاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مزکّی کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی! ان خیالی باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا! اس کفارہ کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ دنیا میں فسق و فجور اور اباحت پھیل گئی اور خدا کا خوف اُٹھ گیا۔ اب جس مزکّی کی ضرورت ہے وہ ایسی خاصیت اور قوت کا ہونا چاہیے جو اس فتنہ کو دور کرے۔ اور اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ مزکّی اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں؟ ایک ایک اصل جو اس نے پیش کی ہے۔ اس کے ذریعہ مذاہب باطلہ کو اس نے ہلاک کر دیا ہے!!

ایک عیسائی نے مجھ سے پوچھا کہ اس نے آکر کیا کیا ہے؟ مَیں نے کہا کہ تم کو لاجواب کر دیا ہے![1]

امرتسر میں پندرہ روز تک مباحثہ ہوا۔ اگر رحیم کریم نہ ہوتا تو ایک ہی منٹ میں ختم کر دیتا! ایک ہی اصل اس نے پیش کی تھی جس کا جواب عیسائی اور دوسری قومیں ہرگز ہرگز نہیں دے سکتیں اور قیامت تک نہ دے سکیں گی!! پھر وہ اصل ایسی اصل نہیں ہے کہ اسے یونہی ردّ کر دیا جاوے۔ بلکہ ہر سلیم الفطرت دانشمند انسان کو ماننا پڑے گا کہ بڑی پکی اصل ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ ہر مذہب کی الہامی کتاب کا یہ خاصہ ہونا چاہیئے کہ جو دعویٰ وہ کرے۔ اس کی دلیل بھی اُسی میں ہو۔ یعنی دعویٰ بھی وہی کرے اور دلیل بھی وہی دے۔ مثلاً عیسائی کہتے ہیں۔ کہ یسوع خدا ہے۔ تو چاہیئے کہ انجیل میں پہلے وہ یہ دعویٰ دکھائیں کہ یسوع خدا ہے۔ پھر اس کے دلائل دیں۔ مگر یہ اصل انجیل میں کہاں؟ عیسائی مجبور ہو گئے اور ان کو اس حصہ کو چھوڑنا پڑا۔ اس راہ پر وہ ایک منٹ بھی چل نہ سکتے تھے۔ مباحثہ کی روئیداد موجود ہے۔ جو چاہے دیکھ لے!

میں تو اُسی وقت جب اس کے منہ سے یہ لفظ نکلا تھا۔ سمجھ گیا اور مان چکا تھا کہ یہ کسرِ صلیب میں کامیاب ہو گیا! اس اصل سے اُس نے قرآن شریف کی وہ عزّت اور عظمت ظاہر کی کہ میرا ایمان ہے کہ تیرہ سو برس کے اندر کسی نے نہیں کی! اس نے کل مباحثہ میں اپنے اس طرز اور اصل کو نہیں چھوڑا۔ جو دعویٰ بیان کرتا قرآن شریف سے اور جو دلیل بیان کرتا وہ بھی کتاب اللہ سے دیتا۔ اور پندرہ دن تک برابر اسی کا التزام رکھا! اب بتاؤ کہ یہ طرزِ بیان مزکّی کے سوا حاصل ہو سکتا ہے؟ مَیں نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ جس قدر تم اس وقت موجود ہو۔ تم سب سے زیادہ مَیں کتابیں پڑھ چکا ہوں اور کتاب میری ہر وقت کی رفیق ہے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس طرز پر مباحثہ کی بنیاد کوئی نہیں ڈال سکا اور ایسی طرز کہ مخالف پہلا ہی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ جو چاہے آزما کر دیکھ لے! مَیں نے تو آج بھی اس اصل سے فائدہ اٹھایا۔ ایک شخص

---

[1] الحکم ۳۰؍نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴-۵

نے اعتراض کیا۔ مَیں نے اسے بھی کہا کہ اصل کو مدِّ نظر رکھو!

مجھ پر اعتراض کیا گیا کہ روزہ کیوں رکھا جاتا ہے اور پھر رمضان ہی میں کیوں رکھا جاتا ہے؟ میں نے اسکو اوّل یہی جواب دیا کہ تم بتاؤ تمہاری کس کتاب نے منع کیا کہ روزہ نہ رکھو؟ اور پھر اس منع کے دلائل کیا دیئے ہیں؟ میں تو بتاؤں گا کہ روزہ کیوں رکھنا چاہیئے اور رمضان میں کیوں فرض کیا گیا۔ اُسے کچھ جواب نہ بن پڑا مَیں نے اس مضبوط اور محکم اصل کو لے کر کہا کہ دیکھو ہماری کتاب قرآن شریف روزہ کا حکم دیتی ہے تو اسکی وجہ بھی بتاتی ہے۔ کہ کیوں روزہ رکھنا چاہیئے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ روزہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم دکھوں سے بچ جاؤگے اور سکھ پاؤگے۔ رمضان ہی میں کیوں رکھیں؟ اس کی وجہ بتائی شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ ۱۸۶) چونکہ اس میں قرآن نازل ہوا یہ برکاتِ الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے۔ اسی لئے وہ اصل غرض جو لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں ہے، حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جس امر کو لو یا جس نہی کو لو۔ قرآن نے اس کے اسباب اور نتائج کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اور نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ ان کے نتائج سے بہرہ مند کرکے دنیا کو دکھا دیا ہے۔ آخرت کے وعدے تو آخرت میں پورے ہوں گے۔ اور ضرور ہوں گے مگر اس دنیا میں اُن سے حصّہ دیا اور ایسا حصّہ دیا کہ اربعہ متناسبہ کے قاعدہ کے موافق وہ آخرت پر بطور دلائل اور حجج کے ٹھیرے۔ جن کو دیکھ کر اب کوئی آخرت کا انکار نہیں کرسکتا۔ صحابہؓ ہی تک وہ فیض اور فضل محدود اور مخصوص نہ تھا۔ اب بھی اگر کوئی قرآن شریف پر عمل کرنے والا خلوص سے اللہ تعالیٰ کی طرف آوے۔ وہ ان انعامات اور فضلوں سے حصّہ لیتا ہے۔ اور ضرور لیتا ہے۔ اس وقت بھی لیتا ہے۔ دیکھو ہمارا امام ان وعدوں اور فضلوں کا کیسا سچا نمونہ اور گواہ موجود ہے!

غرض سب کچھ قرآن میں ہے مگر مزکّی کے بغیر، معلّم کے بغیر وہ تزکیہ اور تعلیم نہیں ہوتی۔ مزکّی اپنی کشش اور اثر سے تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان انعامات کا مورد بنانے میں، اپنی دعا، عقد ہمّت، توجہ تام سے کام لیتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتی ہے۔

ایک بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ وفاتِ مسیح پر اس قدر زور کیوں دیا جاتا ہے۔ ثابت ہوگیا کہ وہ مرگیا۔ اب اس کی کیا ضرورت ہے کہ بار بار اسی کا تذکرہ کیا جاوے؟ مَیں نے اسکو کہا کہ یہی وہ سِرّ ہے جس سے یہ مسیح موعود بنایا گیا۔ اور جو کسرِ صلیب کا تمغہ لیتا ہے۔ تم اور مَیں اور اَور اس قابل نہیں ہوئے۔ یہ ثبوت ہے اس کے خدا کی طرف سے ہونے اور اس کے کامیاب ہوجانے کا۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور ایمان سے کہتا ہوں کہ میری آنکھ نے وہ دیکھا جو بہت تھوڑوں نے ابھی دیکھا ہوگا۔ مَیں دیکھ چکا ہوں کہ کسرِ صلیب ہوچکی۔ میں نے تو اسی روز اس کا مشاہدہ کرلیا تھا جب اس نے امرتسر کے مباحثہ میں وہ اصل پیش کی جس کا ابھی مَیں نے

ذکر کیا ہے۔ اس سے بھی بہت عرصہ پہلے مجھے اس کی خوشبو آرہی تھی۔ اندرباہر جہاں کہیں ہو۔ کوئی بھی مضمون ہو جس پر یہ بول رہا ہو۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خواہ وہ وفاتِ مسیح سے کتنا ہی غیر متعلق ہو مگر وفاتِ مسیح کا ذکر ضرور ہی کرے گا! یہ عزم، یہ استقلال اور عقدِ ہمّت مامور کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ملتی ہے! اور یاد رکھو۔ نہیں ملتی ہے!! تم مامور من اللہ کو اس کے عقدِ ہمّت اور توجہ تام سے بھی شناخت کر سکتے ہو۔ بیشک خدا تعالیٰ مضطر کی دعا سنتا ہے۔ جب انسان مضطر ہو تو کیوں نہ سُنے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اپنی بیماری یا دوسرے بیماروں کو دیکھتا ہوں تو مَیں مضطر ہوتا ہوں اور میرا مولیٰ میری دعا سنتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ صورت جاتی رہتی ہے تو پھر وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ اس وقت میں اپنے نفس کو کہتا ہوں کہ تو مرزا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت مرزا وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر حالت میں مسیح کی وفات کو لے آتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ مَیں قرآن پڑھایا کرتا ہوں۔ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ فرمایا۔ قرآن شریف پڑھایا کرتے ہو تو بس یہی کافی ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ پڑھا دیا کرو۔ اب غور کرو کہ کس قدر عقدِ ہمّت ہے۔ کیسی توجہ ہے۔ ساری نصیحتوں میں اُسے یہی ایک ضروری معلوم ہوئی ہے۔ مجھ سے اگر وہ شخص پوچھتا تو شاید سینکڑوں نصیحتیں کرتا اور وہ بظاہر ضروری بھی ہوتیں۔ مگر نہ کرتا تو یہی نہ کرتا اور یہی سب سے اہم ہے یا کسی اَور سے وہ پوچھتا تو وہ اپنی جگہ سوچ لے کر کیا وہ یہی نصیحت کرتا جو اس مرزا نے کی؟ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہرگز نہ کرتا۔ یہ اسی کا کام ہے۔ دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا اور یہی تو بتاتا ہے کہ یہ کسرِ صلیب کیلئے آیا ہے۔[1]

یہ یقین رکھو کہ جب تک خدا تعالیٰ کے فضل کے جذب کرنے کیلئے اضطراب اور سچا اضطراب نہ ہو۔ کچھ نہیں بنتا۔ مسیح کی موت معمولی بات نہیں۔ یہ وہ موت ہے جو عیسوی دین کی موت کا باعث ہے!

اس قوم کو اگر کوئی جیت سکتا ہے تو اس کیلئے یہی ایک گُر ہے۔ اب غور کرکے دیکھ لو کہ اس کیلئے اس نے کس قدر دعائیں کی ہوں گی۔ دل میں کس قدر جوش اُٹھتے ہوں گے۔ ہم تو ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے کہ ایک آدمی مرگیا، بس مرگیا، بات کیا ہے، مرا ہی کہتے ہیں، مگر نہیں۔ اس کے حل سے سب کچھ حل ہے۔ یہ فہم جو اسے دیا گیا ہے، یہ فہم مامور من اللہ کے سوا دوسرے کو نہیں ملتا۔ یہ اضطراب اور جوش دوسرے کا حصہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے تو خیالِ باطل اور وہم محال ہے!

پھر اختلاف اندرونی اور بیرونی پر نظر کرو کہ کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک کہتا ہے بائبل میں یہ ہے، دوسرا

---

[1] الحکم ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵

کہتا ہے۔ قرآن میں یہ ہے۔ حضرت صاحب مثال دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے مداری کے تھیلے کی سی بات کر رکھی ہے۔ جیسے وہ چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے۔ ویسے ہی یہ بھی جو روایت اپنے مطلب کی چاہتے ہیں نکال کر پیش کر دیتے ہیں اور یہ اختلاف اس شدت سے پھیلا ہوا ہے کہ اسکا بیان کرنا بھی آسان نہیں۔ صداقت اس طرح چھپ جاتی ہے جب تک مامور من اللہ خدا تعالیٰ سے لطیف فہم لے کر نہیں آتا۔ صداقت بیج کی طرح رہتی ہے۔ جیسے بارش آسمان سے گرتی ہے تو خواہ ساری دنیا زور لگائے کہ بیج نشوونما نہ پائے۔ وہ اُگنے سے نہیں رہتا۔ اسی طرح پر جب مامور من اللہ آتا ہے تو خواہ کوئی کچھ ہی کرے وہ صداقت کو ضرور ہی نکال لیتا ہے۔ اسکی پہچان یہی ہوتی ہے کہ جو کام وہ کرتا ہے عقلِ صحیح اور نقلِ صریح اور تائیدات سماوی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

اس وقت آزادی کی راہیں کھلی ہیں۔ اسلام پر وہ اعتراض کئے جاتے ہیں کہ پہلے کسی نے کبھی سُنے بھی نہ تھے۔ میں نے بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ پہلے بھی اعتراض کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں یہ بالکل غلط اور جھوٹ بات ہے۔ پہلے کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ اسلامی سلطنت کی سَطوت و جبروت کے مقابلہ میں کون اعتراض کر سکتا تھا۔ یہ سب کچھ اس صدی کا کرشمہ ہے۔ اور اسی انڈیا میں اس کو ترقی ہے جو چاہے کوئی کردے۔ اخبارات و رسالہ جات میں زور و شور سے مخالفت کی جاتی اور اعتراض کئے جاتے ہیں کوئی نہیں روکتا۔

فسق و فجور نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ شراب جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع الاثم کہا ہے اسی پر قیاس کر لو کہ کیا حالت ہے۔ لنڈن ایک شہر میں اس کی یہ حالت ہے کہ صرف شراب فروشوں کی دوکانوں کو الگ ایک لائن میں رکھا جاوے تو پچہتر ۷۵ میل سے زیادہ تک جاتی ہیں۔ اور کل کارخانے اتوار کو بند رہیں، مگر شراب کی دکانیں اتوار کو بھی کھلنی ضروری ہیں۔ اس سے اندازہ اور قیاس کر لو دوسری حالتوں کا۔

عورتوں کی بابت آیا ہے کہ وہ حبائل الشیطان ہیں یعنی عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ حقیقت میں جس قدر ابتلاء ان عورتوں کے ذریعے سے آتے ہیں اور جس طرح شیطان ان رسیوں کے ذریعہ سے اپنا کام کرتا ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہ کسی سے پوشیدہ ہو۔

مشنری عورتوں اور مشنریوں سے جو خرابیاں اکثر اوقات پیدا ہوتی ہیں۔ اور آئے دن اس قسم کی خبریں سننے میں آتی ہیں۔ کہ فلاں گھر میں ایک مشنری عورت آتی تھی اور وہاں سے فلاں عورت کو نکال لے گئی۔ اسکا پتہ نہیں وغیرہ۔ پھر اس سے ذرا اور آگے بڑھو۔ ولایت میں جو لوگ پڑھنے کے واسطے جاتے ہیں۔ اور کوئی ان کے حال کا پُرسان اور نگران نہیں ہوتا۔ پھر جو کچھ وہاں وہ کر گزریں تھوڑا ہے۔ مذہب کی رسمی قیود بھی

بمبئی تک ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر کوئی مذہب نہیں۔ الّا ماشاء اللہ! ایک معزز ہندو نے نواب محمد علی خان صاحب کے مکان پر بیان کیا کہ یہ مت پوچھو کہ ولایت میں کیا کیا کھایا؟ بلکہ یہ پوچھیئے کہ کیا نہیں کھایا؟

غرض حبائل الشیطان کی وہ حالت جامع الاثم کا وہ زور وشور۔ سلطنت کا رعب وسطوت وجبروت الگ۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔ گو ویسے کچھ نوہی ظاہر کر دیا گیا ہو کہ مقدمات میں تبدیلی مذہب نجات کا موجب ہو گئی اور مجسٹریٹ نے لکھ دیا کہ عیسائی مذہب کی وجہ سے خلاف گواہی دی گئی یا مقدمہ بنایا گیا

ایک آدمی بجائے خود ذلیل اور کسمپرسں ہوتا ہے لیکن مشنریوں کے ہاں جا کر اسے روزگار مل جاتا ہے۔ یا کسی کو ممانعتِ روزگار ہوئی۔ مشنریوں نے پادری بنا دیا۔ اس قسم کے واقعات موجود ہیں۔ یہ خیالی یا فرضی باتیں نہیں ہیں۔ مشنریوں کی بعض رپورٹوں تک سے واقعات کھل جاتے ہیں اگر ان پر زیادہ غور کی جاوے۔

یہ تو ان لوگوں کی آزادی کے اسباب ہیں جنہوں نے مذہب کی پرواہ نہیں کی۔ اس کے علاوہ مصنفوں اور ماسٹروں کا اثر پڑھنے والوں پر اندر ہی اندر ایک مخفی رنگ میں ہوتا چلا جاتا ہے۔ تصنیف کا ایسا خوفناک اثر ہوتا ہے کہ دوسروں کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور شاید پڑھنے والا بھی اسے جلدی محسوس نہ کر سکے۔ مگر آخر کار وہ ایسا متاثر ہوتا ہے کہ خود اس کو جرأت ہوتی ہے۔ شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے بھی اس اثر کے متعلق لکھا ہے اور مَیں چونکہ بہت کتابوں کا پڑھنے والا ہوں۔ مَیں نے تجربہ کیا ہے اور علاوہ بریں علم طب کے ذریعہ مجھے اس راز کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔ میر حسنؔ کی مثنوی پڑھ کر ہزاروں ہزار لڑکے اور لڑکیاں زانی اور بدکار ہو گئی ہیں۔ اور یہ ایسی بیّن اور ظاہر بات ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ تصانیف کا اثر طبائع پر پڑتا ہے۔ اور ضعیف طبیعتیں بہت جلد اس اثر کو قبول کرتی ہیں تو آجکل تصانیف کے ذریعہ جو زہر مشنری گروہ نے پھیلایا ہے اس کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر رنگ میں فلسفہ تاریخ، طبّ وغیرہ ہر شاخِ علم اور ہر کتاب میں مذہب سے مغائرت اور آزادی کا سبق پڑھایا جاتا۔ اور اسلام کی پاک تعلیم پر کسی نہ کسی رنگ میں حملہ کیا جاتا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کا جادو کچھ ایسا کارگر ہوا ہے کہ ہر شخص بلا سوچے سمجھے کہ اس کے بچے کو کس قسم کی تعلیم مفید اور کارآمد ہو سکتی ہے۔ اپنے لڑکوں کو سکول اور کالج میں بھیجتا ہے۔ جہاں حفاظتِ دین کے اسباب بہم نہیں پہنچائے جاتے۔ وہاں قسم قسم کی فصیح وبلیغ تقریروں والے اور بڑی بڑی لمبی داڑھیوں والے عجیب غریب باتیں سناتے ہیں اور یورپین اقوام کی ترقیوں اور صناعیوں پر لیکچر دے دے کر نوجوانوں کو اس طرف مائل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیدھے سادھے نوجوان جو اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل کورے اور صاف ہوتے ہیں۔ مذہب کو ایک آزادی کی مانع چیز سمجھنے لگتے ہیں اور انسانی ترقیوں کا مانع اسے قرار

دیتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں سمجھا دیئے جاتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض علماء کے سامنے کئے جاتے ہیں تو ان پر کفر کے فتوے جڑے جاتے ہیں۔

ان اعتراضوں کا جو بُرا اثر پڑتا ہے اس کے متعلق میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔ مگر یاد رکھو کہ مَیں قصہ گو نہیں۔ بلکہ دردِ دل کے ساتھ تمہیں اسلام کی حالت دکھانی چاہتا ہوں۔ میری غرض کسی پر نکتہ چینی کرنا نہیں ہے اور نہ ہنسانا مقصود ہے۔ بلکہ اصلیت کا بیان کرنا مدّ نظر ہے۔

میں ایک بار ریل میں سفر کر رہا تھا۔ جس کمرہ میں مَیں بیٹھا ہوا تھا۔ اسی کمرہ میں ایک اور بڈھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ایک اَور شخص جو مجھے مولوی صاحب کہہ کر مخاطب کرنے لگا۔ تو اس دوسرے شخص کو بہت بُرا معلوم ہوا اور اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال لیا۔ وہ شخص جو مجھ سے مخاطب تھا اس کے بعض سوالوں کا جواب جب مَیں نے دیا تو اس بڈھے نے بھی سر اندر کر لیا اور بڑے غور سے میری باتوں کو سُننے لگا اور وہ باتیں مؤثر معلوم ہوئیں۔ پھر خود ہی اس نے بیان کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مَیں نے کیوں سر باہر کر لیا تھا۔ مَیں نے کہا۔ کہ نہیں اس نے بیان کیا کہ مجھے مولویوں کے نام سے بڑی نفرت ہے۔ اس شخص نے جب آپ کو مولوی کرکے پکارا تو مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ لیکن جب آپ کی باتیں سُنیں تو مجھے اُن سے بڑا اثر ہوا۔ میں نے پوچھا کہ مولویوں سے تمہیں کیوں نفرت ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے لدھیانہ میں ایک مولوی صاحب کا وعظ سُنا! اس نے دریائے نیل کے فضائل میں بیان کیا۔ کہ وہ جَبَلُ الْقَمَر سے نکلتا ہے۔ اور اس کے متعلق کہا کہ چاند کے پہاڑوں سے آتا ہے۔ مَیں نے اس پر اعتراض کیا تو مجھے بُرا کہا گیا۔ اس وقت مجھے اسلام پر کچھ شکوک پیدا ہو گئے۔ اور میں عیسائی ہو گیا اور بہت عرصہ تک عیسائی رہا۔ پھر ایک دن پادری صاحب نے مجھے کہا کہ ایک نئی تحقیقات ہوئی ہے۔ دریائے نیل کا منبع معلوم ہو گیا ہے۔ اور اس نے بیان کیا۔ کہ جبل القمر ایک پہاڑ ہے وہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ میں اس کو سُن کر رو پڑا۔ اور وہ سارا واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ ایک عیسائی نے مجھے مسلمان بنا دیا۔ اور ایک مولوی نے مجھے عیسائی کیا۔ اس وجہ سے میں ان لوگوں سے نفرت کرتا تھا۔ مگر آپ اُن میں سے نہیں ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کی یہ کہانی سُن کر میرے دل پر سخت چوٹ لگی کہ اللہ! مسلمانوں کی یہ حالت ہے۔ غرض اس وقت مسلمانوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے اور اس پر بھی ان کو کسی مزکّی کی ضرورت نہیں!؎

غرض یہ حالت اس وقت اسلام کی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ مزکّی کی ضرورت نہیں! قرآن موجود ہے

؎ الحکم ۱۷؍ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳-۱۴

مَیں پوچھتا ہوں۔ اگر قرآن ہی کی ضرورت تھی تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن شریف کے آنے کی کیا حاجت تھی؟ کسی درخت کے ساتھ لٹکا یا مل جاتا۔ اور قرآن شریف خود کیوں یہ قید لگاتا ہے۔ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَیُزَکِّیْھِمْ وغیرہ۔ مَیں سچ کہتا ہوں۔ کہ معلم اور مزکّی کے بدون قرآن شریف جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت غیر مفید ہوتا۔ آج بھی غیر مفید ہوتا!

خدا تعالیٰ نے ہمیشہ سے یہ طریق پسند فرمایا ہے۔ کہ وہ انبیاء و مرسلین کے ذریعہ ہدایت بھیجتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ ہدایت تو آجاوے مگر انبیاء و مرسلین نہ آئے ہوں!

پس اس وقت جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں۔ اور مختلف پہلوؤں سے مَیں نے دکھایا ہے ضرورتیں داعی ہو رہی ہیں کہ ایک مزکّی اور مطہّر انسان قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان کر کے اس ہدایت کو لوگوں تک پہنچاوے۔ جو قرآن شریف میں موجود ہے۔ یہ کام اس کا ہے کہ وہ ہدایت کی اشاعت کرے!

جب یہ ضرورت ثابت ہے تو پھر اس امر کا پتہ لگانا کچھ بھی مشکل نہیں ہو سکتا کہ وہ مزکّی آیا ہے یا نہیں؟ مَیں کہتا ہوں کہ وہ مزکّی آگیا! اب اس کی صداقت جانچنا باقی رہتا ہے! اس کیلئے قرآن شریف اور منہاجِ نبوت کامل معیار ہے۔ اس سے دیکھ لو۔ اس کی سچائی خود بخود کھل جاویگی اور عقلی دلائل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ اور تائیدات سے اسے شناخت کرلو۔

کسوف و خسوف کا کس قدر عظیم الشان نشان موجود تھا مگر دیکھنے والوں میں سے سب نے فائدہ اٹھایا؟ ہرگز نہیں! اس کے پورا ہونے سے پہلے تو اسے صحیح قرار دیتے تھے مگر جب وہ پورا ہو گیا۔ تو روایت کی صحت میں شبہ کرنا شروع کر دیا۔ حقیقت میں جب انسان تعصب اور ضد سے کام لیتا ہے اور ایک بات ماننی نہیں چاہتا تو اس کی بہت سی توجیہیں نکالتا ہے اور اپنے خیال کے موافق عذرات تراش لیتا ہے۔ چونکہ انسان کی قوتیں دن بدن آگے بڑھتی ہیں۔ اس لئے وہ خیالات ترقی کرتے جاتے ہیں۔ دیکھو میں کل جس عمر کا تھا آج اُس سے ایک دن بڑا ہوں۔ اسی طرح دیکھ لو۔ پچھلے حصۂ زندگانی پر جس قدر غور کرو گے اور جتنا پیچھے جاؤ گے۔ اُسی قدر تمہیں نمایاں فرق نظر آئے گا کہ کمزوری بڑھتی گئی ہے۔ دیکھو پہلے بول نہ سکتا تھا۔ پھر بولنے لگا اور اپنی مادری زبان میں کلام کرنے لگا اور پھر یہانتک ترقی کی کہ اردو بولنے لگا اور پھر یوماً فیوماً اس میں بھی ترقی کی۔ یہاں تک کہ اب اپنی زبان میں مسلسل دو چار فقرے بھی ادا نہیں کر سکتا۔ ایک بار حضرت امام علیہ السلام نے مجھے پنجابی زبان میں وعظ کرنے کا حکم دیا۔ میں دو چار فقروں کے بعد ہی پھر اردو بولنے لگا۔

اسی طرح دیکھ لو کہ ہر صورت میں انسان ترقی کرتا ہے۔ بچپن کے زمانہ میں جو کپڑے کام آتے تھے اور خوبصورت اور ٹھیک معلوم ہوتے تھے۔ آج مَیں ان کو نہیں پہن سکتا۔ یہی نہیں کہ وہ میرے بدن پر نہیں آسکیں

گے بلکہ بہت ہی بُرے ہوں گے!!

جہاں تک غور کرتے جاؤ۔ انسان ترقی کرتا جاتا ہے! اسی اصول کے موافق وہ نیکیوں اور بدیوں میں بھی ترقی کرتا ہے اور رسم و رواج لباس وغیرہ امور میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ مردوں کے پاجامے گلبدن کے ہوتے تھے اور وہ دوہری پگڑیاں پہنا کرتے تھے۔ اور بھدی تلواریں ہوتی تھیں اور کچھ بدنما ڈھالیں۔ مگر آج دیکھو کہ وہ طرز لباس ہی نہیں رہا۔ ان تلواروں اور ڈھالوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس اس قسم کی توپیں اور بندوقیں آئے دن ایجاد ہو رہی ہیں کہ دشمن اپنے ہی مقام پر ہلاک کر دیا جاتا ہے تو اُسے خبر ہوتی ہے!

فنونِ حرب میں اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ میری غرض اس وقت زمانہ کی ایجادات اور فنون کی ترقیوں پر لیکچر دینا نہیں ہے۔ بلکہ مَیں اس اصل کو تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ انسان ترقی کرتا ہے اور وہ جس حالت میں ہو۔ اُس میں رہ نہیں سکتا۔ غرض پھر اس حکومت کے دَور دَورہ میں جہاں اور ترقیاں ہوئیں۔ لباس میں بھی ترقی ہونے لگی۔ پھر اُلٹی وضع کی پگڑیوں کے بجائے پگڑیوں کا طَور بدلا۔ ٹوپیوں کا رواج شروع ہوا۔ بال رکھتے تھے۔ یہ سوچا کہ سر دھونے کی تکلیف ہوتی ہے۔ بال چھوٹے کٹے جاویں۔ بالوں پر اثر پڑا۔ پھر ڈاڑھیوں کی صفائی شروع ہوئی پھر جوتوں کی طرف دیکھا کہ پرانی وضع کے جوتے بھدے اور بدنما ہیں اس لئے ان میں ترمیم کرنی چاہیئے اور اس قسم کے ہونے چاہئیں جیسا کہ پاؤں کا نمونہ نیچر نے رکھا ہے۔ پس بوٹ کی طرف توجہ ہوئی اور فرغل چغہ کی بجائے کوٹ نکلے۔ یہاں تک تو خیر تھی۔ لباس سے آگے اثر شروع ہوا اور ایک تہ بند گزار کو نماز بھی چھوڑنی پڑی۔ کیونکہ نماز پڑھنے میں ایک قیمتی پوشاک خراب ہوتی ہے۔ وضو کرنے سے کالر اور نیکٹائی وغیرہ کا ستیاناس ہوتا ہے اور کفیں خراب ہو جاتی ہیں۔ یہ انسان کی ترقی کی ایک بات ہے۔ اور یہی معنے ہیں میری نظر میں۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ!

موجودہ زمانہ میں بھی اثر ہوا ہے۔ قوم کی حالت اسی طرح بگڑی ہے۔ بعض کو فلسفہ نے تباہ کر دیا ہے وہ بعض اور مشکلات اور حالتوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ میری طبیعت فلسفہ کو پسند کرتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے قرآن جیسا مجھے فلسفہ دیا ہے اور پھر ایک اپنا امام مجھے عطا کیا ہے کہ جس کی قوتِ قدسی اور تاثیر صحبت سے یہ فلسفہ مجھے بہت ہی عزیز اور کامل تر فلسفہ ملا۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ آجکل کے نوجوان جو انگریزی فلسفہ کی چند کتابیں پڑھتے ہیں جس پر بجائے خود بیسیوں نہیں سینکڑوں اعتراض ہیں۔ بڑے فخر سے مِل۔ سپنسر کے نام لیتے ہیں اور ناز کرتے ہیں کہ پلیٹو نے فلسفہ میں یہ لکھا ہے اور فیثاغورث نے یہ کہا ہے۔ ان باتوں نے ان پر کچھ ایسا اثر کیا ہے کہ اب وہ

مذہب پر ہنسی کرتے ہیں اور اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے ہیں۔ مذہب کی حالت تو یوں بدتر ہوئی۔ پھر سوسائٹی کی طرف دیکھو۔ ادنیٰ سے اعلیٰ تک کو مَیں نے دیکھا ہے۔ کہ جب ان سے کوئی بات پوچھو تو ان کے نزدیک گویا حرام ہے کسی مسلمان کا نام لینا۔ وہ سوسائٹی کے اصولوں کو بیان کرتے ہوئے بڑے خوش ہوتے ہیں اور انگریزوں کے نام لیتے ہیں اور ان کی کتابوں کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دنیا الگ معبود ہو رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے جو اثر ہو رہا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ بچے یوں مبتلا ہیں۔ مدارس میں مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں! اور مسلمان کر نہیں سکتے! گورنمنٹ برداشت نہیں کر سکتی کہ ہر مذہب کے معلّم مدرسوں میں اپنی گرہ سے قائم کرے۔ کیونکہ مذہبی تعلیم دینا خود مسلمانوں کا اپنا فرض ہے! اور اصل تو یہ ہے کہ خود مسلمانوں کی حالت ایسی ہے کہ جہاں جہاں انہوں نے بظاہر دینی تعلیم کا انتظام کیا بھی ہے، وہاں بھی یہ حالت ہے کہ دینی تعلیم اصل مقصد نہیں بلکہ دنیوی علوم کے ساتھ برائے نام الیسا رکھا گیا ہے!

مَیں اپنے یہاں دیکھتا ہوں۔ دوسرے مدرسوں کی نسبت یہاں دینیات کی طرف توجہ ہے۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ لڑکے مسجد میں بھی انگریزی کتابوں کے ہجے یاد کرتے رہتے ہیں! مجھے تعجب ہی ہوا ہے۔ عربی اور قرآن شریف کی طرف وہ توجہ نہیں پاتا ہوں جو انگریزی اور اس کے لوازمات کی طرف ہے۔

غفلت جس قدر مسلمانوں پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اسکا تو ذکر ہی نہ پوچھو۔ اعمال میں یہ حالت ہے کہ گھر میں تو اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ (الکوثر: ۲) بھی گراں گزرتی ہے۔ لیکن اگر امام ہوں تو سورۂ بقرۃ بھی کافی نہیں! حدود اللہ میں یہ غفلت ہے کہ اپنی ہی سستی اور کمزوری سے تمام حدود اٹھ گئی ہیں۔ کسی کو جھوٹ یا چوری یا دوسری خلاف ورزیوں کی سزا نہیں ملتی ہے!

ان باتوں کا اگر ذکر نہ بھی کریں اور مختصر الفاظ میں کہیں تو یہ ہے کہ مذہب سے ناواقفی ہو گئی ہے۔ مہذب جماعت نے مذہب کا ذکر ہی خلافِ تہذیب سمجھ رکھا ہے۔ مذہبی مباحثوں کو وہ اس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی کچھ حد ہی نہیں۔ انکی مجلس میں اگر اسلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کی نسبت سخت الفاظ میں حملے کئے جاویں تو ان کو سُن کر خاموش ہو رہنا اور کسی قسم کا جواب نہ دینا فراخ حوصلگی اور مرنج و مرنجاں کا ثبوت ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ مذہب کا تعلق صرف دل سے ہے۔ زبان سے یا اعمال سے یا مال سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے!

جہاں تک نظر دوڑاؤ۔ مخلوق کو عجیب حالت میں مبتلا پاؤ گے۔ باوجود اس حالت کے آزادی یہاں تک ہے کہ شاکتِ مذہب کے متعلق تک بھی کتابیں شائع ہو گئی ہیں اور گپت پرکاش کے نام سے ان کے

حالات ظاہر ہوگئے ہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس وقت دنیا میں موجود ہو اور اس کے عقائد اور متعلقات پبلک کے سامنے نہ آئے ہوں۔ جب یہ حالت ہے تو پھر میں مسلمانوں سے خطاب کر کے پوچھتا ہوں کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف: ۱۰) کا وقت کب آئے گا؟ اور علامات اور واقعات سے اگر تم استدلال نہیں کرتے تو مجھے اس کا جواب دو کہ مذاہب مختلفہ کا ظہور تو اب ہو چکا ہے وہ رسول اس وقت کہاں ہے۔ جس نے اسلام کو جمیع ملل پر غالب کر کے دکھانا ہے؟

الغرض انسان کی اپنی ضرورتیں، پس وپیش کی ضرورتیں، اعمال کا مقابلہ، عقل اور فطرت کے ساتھ عقلاء کی گواہیاں، راست بازوں کی گواہیاں، اپنے نفس کی گواہیاں، موجودہ ضروریات کیا کافی نہ تھیں یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ یہ زمانہ امام کا زمانہ ہے۔

بے شک یہ ساری شہادتیں کافی ہیں کہ یہ امام کا زمانہ ہے! اور یہ سچ ہے کہ کوئی درخت جڑھ کے سوا۔ کوئی کام ایک مخزن کے سوا نہیں چلتا۔ آخر خدا ہی کا فضل ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔[1] اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضلوں کا مالک ہے۔ یہ اسی کا فضل ہے کہ وہ کس کے زمانہ میں امام، معلّم، مزکّی، تالی بھیج دیتا ہے۔ اور کوئی قوم کا درد مند انسان مبعوث فرما دیتا ہے!

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے فضل اور رحم کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا۔ آپؐ کی بعثت اللہ تعالیٰ کی رحمانی صفت کے انتہائی تقاضے کا نتیجہ تھی۔ اسی نے فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء: ۱۰۸) محمد وہی ہوتا ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ آپؐ کے نام ہی میں رحمانیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تعریف اسی کی کی جاتی ہے جو بلا مزدوری کام آئے اور شفقت فرمائے۔ اگر مزدوری بھی لے تو تعریف کیسی؟ بے وجہ عنایت فرما کی ہی تعریف ہوتی ہے اور بے مانگے دینے والا رحمٰن ہوتا ہے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمٰن کا مظہر ہوئے۔ اس قسم کے رحیم و کریم عنایت فرما کے احکام کی خلاف ورزی ایک شریر النفس اور ناپاک فطرت انسان کا کام ہے۔ کیونکہ فطرتی طور پر بمصداق جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا محسن کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کا شدید تقاضا اس کی اتباع ہے۔ اس لئے فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲)

جو چاہتا ہے کہ وہ مولیٰ کریم کا محبوب ہو۔ اس کو لازم ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے اور

---

[1] الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳-۴

سچی اتباع کامل محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت محسن کے احسانوں کی یاد سے بڑھتی ہے۔ جو شخص اس محسن اور عنایت فرما کی خلاف ورزی کرتا ہے جو بلاوجہ اور بلا مزد مروّت و احسان کرتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ سزا کا مستحق ہوتا۔ اسی لئے ابوالخلفاء کے منہ سے قرآن شریف میں اَب آذر کو یہ کہلوایا۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ (مریم ۴۶) یعنی جس نے بلاوجہ تم پر احسان کیا۔ تیرا قلب اچھا ہوتا تو اس کی محبت میں تو ترقی کرتا۔ برخلاف اس کے تُو نے بتوں کی پرستش کی۔ پس اس رحمانی صفت کے انکار کی وجہ سے عذاب بھی شدید آئے گا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پہلو سے بھی رحمانیت کے مظہر تھے۔ کہ آپؐ قرآن جیسی رحمت شفاء۔ نور۔ امام کتاب لے کر آئے۔ اور قرآن کا نزول رحمانی صفت ہی کا اقتضاء تھا۔ جیسے فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن کا نزول چونکہ اس صفت کے نیچے تھا۔ آپؐ جب معلّم القرآن ہوئے تو اسی صفت کے مظہر بن کر باوجود اس کے کہ اُن سے دُکھ اٹھائے۔ مگر دُعا، توجہ، عقدِ ہمت اور تدبیر کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ آخر آپؐ کامیاب ہو گئے۔ پھر جن لوگوں نے آپؐ کی سچی اور کامل اتباع کی ان کو اعلیٰ درجہ کی جزا ملی اور انکی تعریف ہوئی۔ اس پہلو سے آپؐ کا نام احمد ٹھہرا۔ کیونکہ دوسرے کی تعریف جب کرتا ہے جب فائدہ دیتا ہے۔ چونکہ آپؐ نے عظیم الشان فائدہ دنیا کو پہنچایا، اس لئے آپکی تعریف بھی اسی قدر ہوئی اس سے بڑھ کر کیا فائدہ ہوگا کہ ابدالآباد کیلئے خلافت کا سلسلہ آپؐ کے کامل متبعین میں رکھ دیا۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ (النور : ۵۶) اسی وعدہ حقہ اور صادقہ کے موافق آج بھی خدائے تعالیٰ نے خاتم الخلفاء کو بھیجا ہے!

غرض خدا میں جو رحمٰن و رحیم کی صفات تھیں، محمد و احمد میں وہ جلوہ گر ہوئیں۔ اس لئے وہ اپنے سچے غلاموں میں دونوں باتیں پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ دیکھا گیا ہے کہ جس قدر مصلحان اسلام میں ہوئے ہیں وہ یا اسم محمدؐ کے نیچے تھے یا اسم احمدؐ کے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ علماء ایک بڑی بھاری غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جبکہ وہ تمام مختلف پیشگوئیاں جو مختلف اشخاص کے حق میں ہوئی ہیں۔ ایک ہی آدمی میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ کی آیت بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ موعود خلیفے ایک سے زیادہ ہوں گے۔ پھر کیوں سعی کی جاتی ہے کہ سب کا مصداق ایک ہی ہو۔ مختلف مہدی ہوئے اور اپنے اپنے وقت پر ہو گزرے۔ مسیح بھی ایک مہدی ہے اور وہ اب موجود ہے۔ مگر ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ جس کو چاہتا ہے فضل دیتا ہے!

اگر کہو کہ اس وقت بہت سے سلسلے گدی نشین اور سجادہ نشین اور کیا کیا ہیں۔ تو سنو! مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ اسفار ان بڑی کتابوں کو کہتے ہیں جن سے کشفِ حقائق ہوجاتا ہے۔ مگر کوئی بتائے کہ ان انکشافات کے اسباب سے گدھا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ گدھا جس کی عقد ہمت اور توجہ اس سے پرے نہیں کہ دانہ اور گھاس مل جاوے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اچھی اروڑی مل جاوے۔ اور طویلہ کا آخری حصہ ہو جو خاکروب نے اچھی طرح صاف نہ کیا ہو۔ رات کو جھول اور پالان مل جاوے۔ مقدرت سے زیادہ بوجھ نہ ہو۔ اصل غرض اس کی تھوڑی سی نفس پرستی ہے!
اسی مثال کو اللہ تعالیٰ یہاں بیان کرتا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس انکشافِ حقائق کے اسباب ہوتے ہیں مگر وہ ان سے اس قدر فائدہ صرف اٹھاتے ہیں۔ جس قدر گدھا دانے، گھاس، جھل، پالان اور تھوڑی سی رتی یا اروڑی سے! پس جن کی اصل غرض دنیا ہوتی ہے۔ وہ ان اسباب انکشافِ حقائق سے اسی مقدار دنیا طلبی کے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں!

اس وقت ایک قوم دنیا میں موجود ہے۔ جس نے ۲۷سو زبان میں ایک کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اور پھر ترجمہ در ترجمہ کرکے بھی کہتے ہیں کہ وہ کلام اللہ ہے! اگر پوچھو کہ اس پر عمل کرنا شرط ہے۔ یا نہیں؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ شرط نہیں۔ کیونکہ شریعت لعنت ہے! پر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر بوجھ کیونکر اٹھایا ہے؟ اس کی غرض ترجمہ کنندہ کی غرض روپیہ ہے۔ پریچر کی غرض اتنی ہی ہے کہ تنخواہ مل جاوے! یہ قوم اس کی مصداق ہے يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا...... (البقرة : ۸۰)

یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قدر زبانوں میں مسیح نے کلام نہیں کیا۔ مگر پھر بھی وہ اس کا نام کلام اللہ کتابِ مقدس رکھا جاتا ہے۔ پریچروں کو کلامِ الٰہی کے خادم کہا جاتا ہے۔ اس سے کس صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ يَتْلُوْا کی صفت نہیں رہی! یہ تو ہے غیر مذہب کے لوگوں کا حال۔ [1]
اپنے گھر میں غور کرو۔ کثرت کے ساتھ وہ لوگ جو علماء کہلاتے ہیں۔ ایسے ملیں گے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ تَبَارَكَ الَّذِيْ یاد ہے۔ اور کچھ نمازِ جنازہ آجاوے۔ گویا سارے قرآن میں ان کو اتنی ہی ضرورت ہے کہ مُردے یا نئے تعلق نکاح وغیرہ سے کچھ مل جاوے۔ قرآن کی غرض وغایت ان کے نزدیک صرف اتنی ہی ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ مصنفوں کو دیکھو۔ کتابیں لکھتے ہیں۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ کچھ فائدہ ہو۔ ان اسفار

[1] الحکم ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸

کا نتیجہ گدھے کی طرح ہے۔ جو فوائد قلیلہ کے لئے اس قدر بوجھ اٹھاتا ہے۔ کیا بُری مثال ہے۔ وہ جامع اخلاق انسان جو صفاتِ عالیہ کا وارث ہوسکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کا وارث بن سکتا ہے۔ وہ انسان جس کا خدا اللہ ہے اور بچھڑا نہیں۔ وہ اس بات پر ایمان لاتا ہے کہ اخلاقِ فاضلہ کے حاصل کرنے اور منشاء زندگی کو معلوم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی معلم آئے جو مزکّی ہو اور تالی آیات اللہ کا ہو۔ مجھے اس آیت نے بارہا متاثر بنایا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰهٰ: ۹۰) وہ معبود کیسا ہوسکتا ہے جو کسی کی بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اگر وہ کسی ایک سے بھی بولتا تو کم از کم یہ الزام اُٹھ جاتا جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب کسی سے کلام نہیں کرتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ بچھڑے خدا پر ایمان لائے ہیں نہ کہ متکلم خدا پر! وہ ہرگز نہیں مانتے کہ وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (الفاتحہ: ۲ تا ۴) خدا ہے۔ ایک نیچری کہتا ہے کہ دعاؤں کا کچھ نتیجہ اور اثر نہیں۔ اس قسم کا اعتقاد رکھنے والا بھی خدا کو بچھڑا ہی مانتا ہے۔ اسلام کے خدا پر وہ یقین نہیں لاتا۔ جس کی بات یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ اللہ وہی ہے جس نے یہ سچ فرمایا۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن: ۶۱)

غرض انسان اسفار سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ جب تک معلم۔ مزکّی موجود نہ ہو۔ اگر ساری دانش اور قابلیت کتابوں پر منحصر ہوتی تو میں سچ کہتا ہوں کہ میں سب سے بڑھ کر تجربہ کار ہوتا! کیونکہ جس قدر کتابیں مَیں نے پڑھی ہیں۔ بہت تھوڑے ہوں گے جنہوں نے اس قدر مطالعہ کیا ہو! اور بہت تھوڑے ہوں گے جن کے پاس اس قدر ذخیرہ کتب کا ہوگا! مگر مَیں یہ بھی سچ کہتا ہوں کہ وہ ساری کتابیں اور سارا مطالعہ بالکل رائیگاں اور بے فائدہ ہوتا۔ اگر مَیں امام کے پاس اور اسکی خدمت میں نہ ہوتا! مجرد کتابوں سے آدمی کیا سیکھ سکتا ہے جب تک مزکّی نہ ہو؟ اب میری حالت یہ ہے کہ جب کہ مَیں نے محض خدا کے فضل سے راستباز کو پالیا ہے تو ایک منٹ بھی اس سے دور رہنا نہیں چاہتا!! یہاں تک کہ ایک نے ہزار روپیہ دے کر بلوانا چاہا۔ مگر میں نے گوارا نہ کیا! پھر اس پر مجھے تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی کیونکر قادیان سے باہر جانا چاہتے ہیں۔ میں یہ باتیں صرف تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں۔ شاید کسی کو فائدہ ہو! کہ مَیں نے بہت کتابیں جمع کیں لیکن جو کچھ مجھے ملا محض اس کے فضل سے ملا! تم نہ تھے۔ کوئی دعویٰ نہ تھا اس وقت میرے دل نے مان لیا تھا کہ یہ سچا ہے! میرے لئے اس کی سچائی کی دلیل اور نشان مَیں آپ ہی تھا! پھر میرا لڑکا عبدالحی آیۃ اللہ ہے۔ محمد احمد مر گیا تھا۔ لودھیانہ کے ایک معترض نے اس پر اعتراض کیا میرے غافل قلب نے اس کی پرواہ نہ کی اور حقیقت میں میری یہ حالت ہے کہ میں محض اولاد کا خواہشمند نہ تھا۔

مَیں اسی مجلس میں ایک شخص کو بطور شہادت پیش کرسکتا ہوں اور وہ ایڈیٹر الحکم ہے کہ ایک طبیب نے جو اشتہاری ہے مجھے اس کی معرفت پیغام دیا کہ تم میرا علاج کرو۔ تمہارے یہاں اولاد ہو جاوے گی۔ مَیں نے اس کو یہی جواب دیا کہ مجھے محض اولاد کی ضرورت نہیں بلکہ سعادت مند اولاد کی ضرورت ہے۔ اگر اس کا کوئی نسخہ تمہارے پاس ہو تو میں کئی ہزار روپیہ دینے کو تیار ہوں۔ اس کا جواب اس نے کچھ نہ دیا!

غرض میں نے اس لدھیانوی معترض کی تحریر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ مگر میرے آقا امام نے اس پر توجہ کی تو اس کو وہ بشارت ملی جو انوار الاسلام کے صفحہ ۲۶ پر درج ہے۔ اور پھر اس کے چند برس بعد یہ بچہ جس کا نام عبدالحی ہے پیدا ہوا۔ اسی کشف کے مطابق اس کے جسم پر بعض پھوڑے نکلے جن کے علاج میں میری طبابت گرُ دھتی۔ عبدالحی کو ان پھوڑوں کے باعث سخت تکلیف تھی۔ اور وہ ساری رات اور دن بھر تڑپتا اور بے چین رہتا۔ جس کے ساتھ ہم کو بھی کرب ہوتا مگر ہم مجبور تھے۔ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ان پھوڑوں کے علاج کی طرف بھی اس کشف میں ایماء تھا۔ اور اس کی ایک جزو ہلدی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک اور دوائی تھی جو یاد نہ رہی تھی۔ ہم نے اس کے اضطراب اور کرب کو دیکھ کر چاہا۔ کہ ہلدی لگائیں آپ نے کہا۔ مَیں جرأت نہیں کرسکتا کیونکہ اسکا دوسرا جزو یاد نہیں۔ مگر ہم نے غلطی کھائی اور ہلدی لگا دی جس سے وہ بہت ہی تڑپا اور آخر ہم کو وہ دھونی پڑی۔ اس سے ہمارا ایمان تازہ ہو گیا۔ کہ ہم کیسے ضعیف اور عاجز ہیں کہ اپنے قیاس اور فکر سے اتنی بات نہیں نکال سکے اور یہ مامور اور مرسلوں کی جماعت ایک مشین اور کَل کی طرح ہوتے ہیں اُس کے چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اس کے بلائے بغیر یہ نہیں بولتے۔ غرض میرا ایمان ان نشانوں سے بھی پہلے کا ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو نشان کے بغیر نہیں چھوڑا۔ سینکڑوں نشان دکھا دئے۔ اور خود میرے ہی گھر میں نشان موجود ہے۔ جس کا میں نے ذکر بھی کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو لوگ اپنا ایمان کسی نشان سے مشروط رکھتے ہیں۔ وہ ٹھوکر کھاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو آزمانا چاہتے ہیں اور اس سُوء ادبی اور جُرأت کی سزا انکو یہ ملتی ہے کہ وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اقتراحی معجزات مانگتے ہیں۔ ان کو کوئی نشان نہیں دیا جاتا۔ مَیں نے اب بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اس قسم کے اعتراض اور جرأت کیا کرتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں فلاں قسم کا عذاب ہم پر آجائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل اور حد کے پیمانہ میں محدود کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس پر حکومت کی خواہش کرتے ہیں حالانکہ اَللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ اس کی شان ہے۔

مختصر یہ کہ ہم محتاج تھے اور قحط زدہ تھے۔ فطرتاً ہم چاہتے تھے کہ اس وقت ہماری دستگیری کی جاوے

لیکن ہماری صرف صورتِ احوال تھی۔ اگر ہم میں عقل ہوتی تو زمانہ کی حالت کو دیکھ کر آنے والے کی تلاش کرتے۔ مگر میں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل کا شکریہ کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ٹھوکر نہ کھانے دی۔ بلکہ میری حفاظت فرمائی ہے[1]

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا : اُمُّ الْقُرٰی کی طرف نسبت کرنے میں اُمّی بولتے ہیں ...... پس اُمّی کے معنے ہوئے۔ اُمّ القریٰ کا رہنے والا۔ اور امّ القریٰ مکّہ کا نام ہے۔ پس ان پڑھ کے معنے خواہ مخواہ لے لئے۔ موقع مناسب آگا پیچھا دیکھ کر معنے کرنا چاہیئے تھا اور سچ یہ ہے کہ جہاں کوئی ہادی بھیجا جاتا ہے۔ اُسی بستی کو اس ہادی کے زمانے میں اور بستیوں کا اُمّ جس کے معنے اصل کے ہیں کہا جاتا ہے ثبوت۔ يَبْعَثُ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا (القصص : ۶۰) قرآن میں ہے پھر اس لحاظ سے بھی مکّہ معظمہ کو امّ اور اُمّ القریٰ کہا گیا۔ اور ہر مامور کی بستی اُمّ ہوا کرتی ہے۔ (نور الدین طبع سوم صفحہ ۲۳)

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ : یعنی پہلے لوگوں کو احکامِ الٰہی سنائے جاویں۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی جاوے۔ پھر ان کا تزکیہ ہو۔ تین مرتبے ہیں۔

يَتْلُوْا۔ يُعَلِّمُهُمْ۔ يُزَكِّيْهِمْ۔ حدیث میں ان کو اسلام۔ ایمان۔ احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا فرماں بردار کسی کو دیکھتے تو پھر اس کیلئے دعائیں کرتے اور اسی طرح پر اللہ کا فضل خصوصیّت سے اس پر نازل ہوتا اور خدا تعالیٰ خود اس کا متولّی ہو جاتا۔

صحابہؓ میں بھی تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک معلّم۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ۔ عبد اللہ بن عمرؓ۔ انس بن مالکؓ۔ یہ جس قدر لوگ ہیں۔ احکام سناتے رہے۔

صحابہؓ میں سے بعض خواص ایسے تھے کہ ان سے بہت کم احادیث سناتے۔ جیسے خلفائے راشدین بالخصوص حضرت ابوبکرؓ۔ مگر جو حدیثیں انہوں نے سنائیں۔ وہ ایسی جامع ہیں کہ ان سے بہت سے احکام نکل سکتے ہیں۔

بعد اس کے جب لوگوں میں کمی آگئی۔ تو صحابہؓ کے آخری اور تابعین کے ابتدائی زمانہ میں بادشاہ الگ ہو گئے اور معلّم لوگ الگ۔ جو معلّم اسلام کے تھے وہ فقہاء کہلائے۔ گویا ایک طرف بادشاہ تھے اور ایک طرف فقہاء جن کے ذمہ تعلیم کتاب اور تزکیہ یا احسان کا کام تھا۔ یہی اہل اللہ تھے۔ چونکہ ایک وقت میں دو خلفاء بیعت نہیں لے سکتے۔ اس لئے ان لوگوں نے بجائے بیعت کے کچھ نشان اپنی خدمت گزاری کے مقرر کر لئے۔

---

[1] الحکم ۱۷؍ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲

مشہور پیر قافلہ جنیدؒ بغدادی ایک دفعہ بچہ ہی تھے کہ مکۂ معظمہ اولیاء کرام کی صحبت میں چلے گئے جہاں محبتِ الٰہی پر مکالمہ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے کہا۔ کہ کیوں میاں لڑکے تم بھی کچھ بولو گے تو انہوں نے بڑی جرأت سے کہا۔ کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا لَہٗ عَبْدٌ ذَاھِبٌ عَنْ نَفْسِہٖ۔ مُتَّصِلٌ بِذِکْرِ رَبِّہٖ۔ قَائِمٌ بِاَدَاءِ حَقِّہٖ اِنْ تَکَلَّمَ فَبِاللّٰہِ وَفِی اللّٰہِ وَاِنْ تَحَرَّکَ فَبِاَمْرِ اللّٰہِ۔ وَاِنْ سَکَنَ فَمَعَ اللّٰہِ۔

جس کے مختصر معنے یہ ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنا ارادہ سب چھوڑ دے۔ کام کرے مگر خدا کے حکم سے۔ ہر وقت خدا کی یاد سے اس کا تعلق وابستہ رہے۔ وہ بیوی سے صحبت کرے مگر اس لئے کہ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا حکم ہے۔ کھانا کھائے مگر اس لئے کہ کُلُوْا۔ خدا کا حکم ہے۔ یہ بڑا سخت مجاہدہ ہے۔ میں نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ آٹھ پہر میں انسان اس میں کئی بار فیل ہو جاتا ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ غرض وہ شخص اللہ کے تمام احکام ادا کرتا ہے۔ جب بولتا ہے تو خدا کی تعلیم کے مطابق۔ ہلتا ہے تو اللہ کے حکم سے ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ارشاد سے۔

یہ سن کر سب چیخ اٹھے کہ یہ عراقی لڑکا تاج العارفین نظر آتا ہے۔ ان کے اتباع بہت لوگ نظر آتے ہیں غرض معلمین میں سے ایک گروہ تو فقہاء کا تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ۔ شافعیؒ۔ مالکؒ۔ احمد بن حنبلؒ۔ داؤدؒ امام بخاریؒ۔ اسحاق بن راہویہ۔ رحمہم اللہ۔ یہ سب لوگ حامیٔ اسلام گزرے ہیں۔ انہوں نے بادشاہوں کا ہاتھ خوب بٹایا۔

دوسرا گروہ متکلمین کا ہے جن میں امام ابوالمنصور الماتریدی۔ الامام ابوالحسن الاشعری۔ ابنِ حزم۔ امام غزالی۔ امام رازی۔ شیخ یتیمیہ۔ شیخ ابن قیم رحمہم اللہ ہیں، تیسرا گروہ جنہوں نے احسان کو بیان کیا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ بڑا عظیم الشان انسان گزرا ہے۔ ان کی دو کتابیں بہت مفید ہیں۔ ایک اَلْفَتْحُ الرَّبَّانِی دوم فتوح الغیب۔ دوسرا مردِ خدا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہے۔ جنہوں نے "عوارف" لکھ کر مخلوق پر احسان کیا ہے۔ تیسرا آدمی جس کے بارے میں بعض علماء نے جھگڑا کیا ہے۔ مگر میں تو اچھا سمجھتا ہوں شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہے۔ پھر ان سے اتر کر امام شعرانیؒ ہیں پھر محمد انصاریؒ ہیں۔

ہزار صدی کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ مجدد الف ثانی ہیں۔ ان لوگوں نے دینی تصنیف پر زور دیا ہے۔ مگر صرف روحانیت سے۔ ہندوستان میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام سکھایا ہے۔ ان میں حضرت معین الدین چشتیؒ ہیں۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ حضرت فریدالدین شکر گنجؒ ہیں۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی ہیں۔ رحمہم اللہ۔ یہ سب کے سب خدا کے خاص بندے

تھے۔ان کی تصانیف سے پتہ لگتا ہے۔کہ ان کو قرآن شریف و احادیث سے کیا محبت تھی۔ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ یہ بے نظیر مخلوقات تھی۔ بڑا بدبخت ہے وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ نفار رکھتا ہے۔یہ باتیں میں نے علی وجہ البصیرت کہی ہیں۔

ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں۔کہ جس کے اظہار سے مَیں باوجود کوشش کے رُک نہیں سکا۔وہ یہ کہ مَیں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے اٹھہتر برس تک انہوں نے خلافت کی بائیس برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔یہ بات یاد رکھو کہ مَیں نے کسی خاص مصلحت اور خالص بھلائی کے لئے کہی ہے۔ (بدر ۲۷ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔
ان لوگوں کی مثال جن پر توریت اٹھوائی گئی۔ پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا گدھے کی مثال ہے جس پر کتابیں لدی ہیں۔

یاجوج و ماجوج دونوں قوموں کی نسبت بعض مصنفوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ دراز گوش ہیں اور اس فقرہ کے سمجھنے میں بہت لوگوں نے جو مقدس کتابوں کی طرزِ کلام سے بالکل ناآشنا ہیں۔کئی غلط نتیجے نکالے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ دراز گوش گدھے کو کہتے ہیں اور جو آدمی علم کے مطابق عمل نہ کرے۔اسے بھی الہامی زبان میں گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔دیکھو! قرآن میں آیا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔اور ظاہر ہے کہ روسی اور انگریز، جرمن اور ڈنمارک والے الٰہیات کے سچے علوم اور روحانی برکات سے بالکل محروم ہیں۔علم الٰہیات ان کا نہایت کمزور ہے اور مجھے پختہ یقین ہے کہ ہمارے علمی مذاق والے آریہ بھی اس کے ماننے سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۴۲-۴۳)

محرومی کے اسباب سے بچو۔ان اسباب کا علم قرآن مجید میں موجود ہے۔جو قرآن شریف پر تدبّر کرنے سے آتا ہے اور اس کے ساتھ تقویٰ کی بھی شرط ہے۔میں سچ کہتا ہوں..... یہ علوم جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں درس و تدریس سے آ ہی نہیں سکتے بلکہ وہ تقویٰ اور محض تقویٰ سے ملتے ہیں..... اگر محض درس و تدریس سے آسکتے تو پھر قرآن مجید میں مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ کیوں ہوتا؟

(الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

۷۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ

اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

کہہ دو۔ اے یہودیو! اگر تمہیں یہ ناز اور گھمنڈ ہے کہ تم اللہ کے ولی ہو۔ تو اگر اس دعویٰ میں سچے ہو تو پھر الموت کی تمنا کرو۔

یہودیوں کو اس لئے خصوصاً مخاطب فرمایا۔ کہ وہ عیسائیوں کے بالمقابل مشکلات میں نہ تھے۔ اور کتاب اللہ کے وارث تھے۔ چونکہ عمل نہ تھا اور دنیوی لذات اور شہوات پر جو عارضی اور فانی تھیں مرمٹے تھے۔ اس لئے گدھے کہلائے۔ بایں وہ اس امر کے مدعی تھے۔ کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ان کا یہ دعویٰ لوگوں کو حیرت میں ڈالتا تھا۔ اس لئے اس دعویٰ کی صحت اور عدمِ صحت کیلئے اللہ تعالیٰ اب اس طرح پر تحدی کرتا ہے۔ عیسائیوں کی طرح مشکلات میں نہ تھے اس سے یہ مراد ہے کہ عیسائی قوم اپنی کتاب کے متعلق خطرناک مشکلات میں مبتلا ہے۔ اوّل حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی کتاب ہی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ مشکل بہت ہی خطرناک مشکل ہے۔ پھر دوسری مشکل یہ ہے کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے متعلق یہ قطعی اور یقینی فیصلہ نہیں ہے۔ کہ وہ مسیح کے حواریوں کی ہی ہے۔ کیونکہ لوقا اور مرقس کی بابت تو صاف فیصلہ ہے کہ وہ حواری نہ تھے۔ اور یوحنا کی بابت بھی بہت سے اعتراض ہوتے ہیں اور ان میں الحاقی حصے پائے جاتے ہیں۔ پھر یہ دعویٰ نہیں کہ وہ خدا کے الہام اور وحی سے لکھے گئے ہیں۔ پھر تیسری مشکل اور ہے کہ ان میں باہم اس قدر اختلاف ہے جو ان کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر رہا ہے۔

علاوہ بریں بہت سی باتیں اُن میں ایسی پائی جاتی ہیں۔ جن کی کوئی اصل ہی نہیں۔ چہارم یہ مشکل ہے کہ جس زبان میں مسیح نے وعظ کیا تھا۔ وہ عبری زبان تھی۔ ان کی ماں کی بھی یہی بولی تھی۔ چنانچہ مسیح کے آخری الفاظ جو انجیل میں موجود ہیں۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ یہ بھی عبرانی ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں یونانی کو اصل سمجھا گیا۔ حالانکہ یہ زبان عبری کے مقابل میں ردّی اور کفر سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ یروشلم میں یونانی کے متعلق کسی نے فتویٰ پوچھا کہ کیا اس کو پڑھ سکتا ہوں تو اس کو یہی جواب دیا گیا کہ رات اور دن کے تمام گھنٹوں میں عبرانی پڑھو۔ پھر اس سے جو وقت بچے۔ اس میں یونانی پڑھ لو۔ اب اس سے اندازہ کر لو کہ یونانی کیسی پھیلی ہوئی تھی اور اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یوسی فس مؤرخ عبری تھا۔ وہ یونانی جانتا تھا مگر اسے یہ عُذر کرنا پڑا کہ یونانی حرام ہے۔ اچھا آدمی اس کو سیکھ نہیں سکتا۔ یوسی فس مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اور اس طرح پر گویا قوم کا کفر کیا گیا ہے۔ غرض اس قسم کی مشکلات میں عیسائی قوم مبتلا ہیں۔ سب سے بڑی مشکل جس

کا ابھی میں نے ذکر کیا۔ انجیل کی اصلی زبان کا سوال ہے۔ جس کے حل نہ ہونے کی وجہ سے اناجیل کی حقیقت بہت ہی کمزور اور بے اصل ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ پتہ ہی نہ رہا۔ کہ اصل کتاب کس زبان میں تھی؟ تو کتاب کی اصلیت میں کتنا بڑا شک پڑتا ہے؟ اور یہ ایسی زبردست زد ہے عیسائی مذہب پر کہ اس کا جواب کچھ نہیں دے سکتے۔ چونکہ اصل کتاب ہاتھ میں نہیں ہے۔ بلکہ ترجمہ در ترجمہ ہے اس لئے اور بھی غلطیاں در غلطیاں اس میں واقع ہوگئی ہیں۔ اور اس کا اندازہ کرنا ہی اب قریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ کہ یہ قوم کس قدر غلطیوں میں مبتلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کتاب کے متعلق یہی فیصلہ دیا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۔ (البقرۃ: ۸۰)

غرض عیسائی قوم تو ان مشکلات میں مبتلا تھی اور ہے۔ اس لئے اس قوم کو مخاطب کیا جس کا یہ دعویٰ تھا۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۔ (المائدۃ: ۱۹) پس انکو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہارا یہ دعوے اور زُعم ہے کہ تم خدا کے محبوب اور ابناء اور اولیاء ہو تو پھر اَلْمَوْت کی تمنا کرو۔

اولیاء اللہ نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا کہ ایسی قوم کو جو گدھے سے مشابہ ہو چکی ہے۔ اپنی طرف مضاف کرے۔ اَلْمَوْت کی تمنا کرو۔ یہ ایک قول فیصل ہے ان لوگوں کے درمیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بروز علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان۔ بہادر ہو۔ خدا کے حضور اپنے تئیں راست باز اور مقرب سمجھتے ہو تو پھر آؤ۔ میری موت کیلئے بددعائیں کرو۔ اور منصوبے باندھو کہ میں مرجاؤں۔ پھر دیکھ لوگے کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کس قدر کوششیں اور ناپاک منصوبے کئے گئے اور آپکی جان لینے کیلئے کون سا دقیقہ تھا جو باقی رکھا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) میں اَلْمَوْت کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی آرزو اور کوشش کیوں کرتا ہوں۔ اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ احمد کے مظہر نے دنیا کے تمام سجادہ نشینوں اور سیفی پڑھنے والوں کو کہا ہے کہ میرے لئے بددعا کرو اور پھر دیکھو کہ وہ کس پر اُلٹ پڑتی ہیں۔ مخالف جو بددعائیں کرتے ہیں۔ ان کی بددعائیں ان پر لوٹیں گی۔ جو موت کی آرزو کرتے ہیں۔ خود موت کا نشانہ بنیں گے اور آخر ان کو ماننا پڑے گا اور یا منافقانہ رنگ میں خاموش ہوجائیں گے اور ہِلّ ہالکہ چوہڑوں اور چماروں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔[1]

---

[1] الحکم ۱۳ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵

۸ تا ۱۱ - وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۸ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ
لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۝۱۰ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۱

یہ کبھی بھی مردِ میدان ہوکر نہ نکلیں گے اور اَلْمَوْت کی تمنا نہ کریں گے۔ مباہلہ کیلئے نہ آئیں گے۔ لوگوں کے سامنے چونکہ انکار نہیں کرسکتے۔ اس لئے ایسی شرائط اور حجتیں پیش کریں گے۔ جن کا آخری نتیجہ یہ ہو کہ مباہلہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ اپنی بداعمالیوں اور ایمانی کمزوریوں کو تو خوب جانتے ہیں۔ صرف پردہ داری کیلئے حیلے بہانے کرتے ہیں اور دنیوی مفاد اور منافقوں کو نقصان سے بچانے کی خاطر یہ بجائے خود کیسی حیرت انگیز اور عظیم الشان تحدی ہے جس میں مخالفوں کو غیرت بھی دلائی گئی ہے۔ کہ کبھی بھی مباہلہ میں نہ نکلیں گے۔ اب اگر وہ اپنی ذاتی شعور اور بصیرت سے اپنے ایمان میں قوت پاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پر نہیں سمجھتے تو پھر کونسا امر ہے جو ان کو اس تمنّی سے روک سکتا ہے؟ وہ اتنا ہی غور کریں کہ اس میدان میں نہ نکلنے سے لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا کی پیشگوئی پورا کرنے والے ٹھیریں گے۔ مگر آخر خدا تعالیٰ ہی کی باتیں سچی اور لاتبدیل ہوتی ہیں۔ یہی سچ ہے کہ وہ کبھی اَلْمَوْت کی تمنّی نہ کریں گے۔ کیونکہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔
(التغابن: ۵) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ۔ (الجمعۃ: ۹)

اللہ تعالیٰ صدور (مراکز قویٰ) کا عالم ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ یہ بھی مباہلہ ہی ہے۔ مقابلہ جو کرتے ہیں۔ اُس مقابلہ میں مباہلہ کا رنگ موجود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ موت جس سے بھاگتے ہیں۔ اُسی سے مخالف ہلاک ہوتے ہیں

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ

پھر عالم الغیب کے حضور جاؤ گے اور وہاں بھی عذاب ہوگا اور اربعہ متناسبہ کے قاعدہ کی رُو سے صحیح ثابت ہے کیونکہ جب اس جہان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق معذّب ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق وہ اُس جہان میں بھی معذّب ہوں گے۔

اب اس قوم کا فیصلہ کر کے اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کو مخاطب کرتا ہے۔ یا بہ تغیرِ الفاظ یوں کہو کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کی مصداق قوم کو مخاطب کرتا ہے اور پہلے اس قوم کا ذکر کیا کہ جنہوں نے تشابہ بالیہود کیا۔

اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کے مصداق گروہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ یعنی اے مومنو! جب تم نماز کیلئے جمعہ کے دن پکارے جاؤ۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف کوشش کر کے چلے آؤ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

مَیں نے ابھی کہا ہے کہ یہ آیت اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کے نیچے ہے۔ اور یہ بالاتفاق مانا گیا ہے۔ کہ وہ مسیح موعود و مہدی مسعود کا زمانہ ہے۔ کھلے الفاظ میں یوں کہتا ہوں کہ یہ قوم ہماری قوم احمدی قوم ہے اور تم کو اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

مسیح موعود کا زمانہ بھی حقیقت میں ایک جمعہ ہے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کی تکمیل جمعہ کی آخری ساعت میں ہوئی تھی۔ اسی طرح پر یہ ضروری تھا۔ کہ آدم ثانی کی بعثت بھی جمعہ ہی کہلائے۔ اور جس طرح پر جمعہ کے دن باقی ائمہ کو معطّل کر دیتا ہے اور مسلمانوں کو ایک مسجد میں جمع کر کے ایک ہی امام کے تابع کر دیتا ہے۔ مسیح موعود کا نام اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اسی لئے رکھا گیا ہے۔ اور حَکَم بھی اسی واسطے رکھا گیا ہے یہ باتیں مَیں محض خوش اعتقادی کی بناء پر نہیں کہتا۔ بلکہ مَیں یقین رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جہاں تک مجھے سمجھایا ہے۔ ہاں اس نے آپ سمجھایا ہے۔ قرآن شریف اسی مطلب کو ادا کرتا ہے اور قرآن شریف نے اس آیت میں نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (الکہف: ۱۰۰) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کو سورۃ جمعہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے غرض مسیح موعود کا زمانہ ایک روحانی جمعہ ہے اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا سے مراد یہی قوم ہو سکتی

ہے۔ اور ہے۔ جو مسیح موعود کو ماننے والی ہے۔ اگرچہ عام طور پر عام مسلمان بھی اس حکم کے نیچے ہیں لیکن جو باوجود مسلمان اور مومن کہلانے کے مسیح موعود کا انکار کرتے ہیں۔ وہ دراصل قرآن شریف کی اس آیت کے مصداق ہیں:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرۃ: ۸۶)

پس میں یقینی طور پر سچا مصداق اس آیت کا انہیں لوگوں کو مانتا ہوں جو کُل قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں اور عملی یا اعتقادی طور پر کسی حصّہ کا انکار نہیں کرتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ مومنوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ کہ تم ذکر اللہ کی طرف چلے آؤ۔ صلوٰۃ کیا ہے؟ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت: ۴۶)

نماز تمام بے حیائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔ پس اگر نماز پڑھ کر بھی بے حیائیاں اور بدیاں نہیں رکتی ہیں تو سمجھ لینا چاہئیے کہ ابھی تک نماز اپنے اصل مرکز پر نہیں۔ اور وہ سچا مفہوم جو نماز کا ہے وہ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے میں تم سب کو جو یہاں موجود ہیں مخاطب کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ تم اپنی نمازوں کا اسی معیار پر امتحان کرو اور دیکھو کہ کیا تمہاری بدیاں دن بدن کم ہو رہی ہیں یا نہیں۔ اگر نسبتاً ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ تو پھر یہ خطرناک بات ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب جمعہ کی نماز کیلئے بلایا جاوے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف آجاؤ۔ یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ اور بیع چھوڑ دو۔ میں نے اس کے لفظ پر غور کی ہے کہ یہ کیوں کہا۔ انسان مختلف مشاغل میں مصروف ہوتا ہے ملازمت، حرفت، زراعت وغیرہ۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ بیع کا کیوں ذکر کیا ہے؟ حقیقت میں جو لوگ قرآن شریف پر غور کرتے ہیں اور اس کے نکات اور معارف سے بہرہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو ضروری ہے کہ وہ اس کی ترتیب اور الفاظ پر بڑی گہری نگاہ سے غور کیا کریں۔ میں نے جب اس لفظ پر غور کی تو میرے ایمان نے یہ شہادت دی کہ چونکہ یہ سلسلہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے نیچے ہے اور یہ مہدی اور مسیح کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں دجّال کا فتنہ بہت بڑا ہوگا اور دجّال کے معنے کتب لغت میں جو لکھے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک فرقہ عظیمہ ہوگا جو تجارت کیلئے پھرے گا گویا یہ مشترکہ کمپنیاں تجارت کی طرف بلاتی ہوں گی۔ اور ذکر اللہ اور طرف۔ اسلئے اس بیع کے لفظ میں دجّال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] الحکم، ۱۰ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴

ایک جمعہ تو ہفتہ کے بعد پڑھتے ہیں۔ جیسے یہ جمعہ چھوٹا ہے۔ ویسے ہی اس کے مقابل تجارتیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک عظیم الشان جمعہ ہے۔ چھ ہزار برس کے بعد ساتویں ہزار کا جمعہ ہے۔ اگر اور دنوں میں جمعہ کی ضرورت ہے اور اس کے حق میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو جمعہ کی پرواہ نہیں کرتا اس کا ½ حصہ دل کا سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور دو جمعہ کے ترک سے نصف اور چار جمعہ کے ترک سے سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے اور اسی طرح پر گویا عبادت کی لذت ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر فرمایا۔ جو جمعہ سے تخلف کرتے ہیں میرے جی میں آتا ہے کہ اُن کے گھروں میں آگ لگادی جاوے۔ اور پھر فرمایا کہ اس جمعہ میں ایک وقت ہے جو قبولیتِ دُعا کا وقت ہے۔ پھر اسی جمعہ میں آدم اپنے کمال کو پہنچا اور بہشت میں داخل ہوا۔ بہشت سے باہر مخلوقات کے پھیلانے کا ذریعہ ہوا۔ اسی جمعہ میں بہت درود شریف پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ کم از کم سو بار جمعہ کی رات اور دن کو۔

اور ایک اَور عظیم الشان بات ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لیا کرو۔ اَور نہیں تو کم از کم پہلی اور آخری دس آیتیں ہی پڑھ لیا کرو۔ پہلی آیتوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ان میں لکھا ہے۔ وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (الکہف : ۵) یعنی ان کو ڈرایا جاوے جنہوں نے اللہ کا ولد تجویز کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا بیٹا تجویز کرنے میں مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ نہ ان کے پاس نہ اُن کے بڑوں کے پاس کوئی علمی دلیل ہے۔ ہاں یہ بات ہے يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ان کو اپنی صنعتوں پر ہی ناز ہے۔

اب ان تمام امور پر نظر کرو اور سوچو تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی جمعہ میں بھی فتنِ دجّال سے ڈرایا ہے۔ جمعہ میں فتنِ دجال سے ڈرانا اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے مطلع کیا ہے کہ جمعہ کے ساتھ تو عظیم الشان تعلق ہے بلکہ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ جمعہ کا وجود بھی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور آمد کیلئے ایک نشان اور پیشگوئی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ جب مسلمانوں نے معمولی جمعہ سے لاپرواہی کی اور اس کو ترک کردیا تو اُس بڑے جمعہ کی طرف آنے کی ان کو توفیق ملنی بہت مشکل ہوگئی۔

مَیں نے بڑی غور کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کی تاریخ پر فکر کی ہے۔ اور میں اس صحیح نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ یہ سلسلہ زوال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب مسلمانوں نے ترک جمعہ کو کیا۔ فتنِ دجّال سے جو جمعہ کے آداب میں ڈرایا ہے یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ دجّال کا فتنہ عظیم اُس جمعہ میں ہونیوالا ہے۔

دجّال کے مختلف معنی ہیں۔ دجّال سونے کے معنے بھی دیتا ہے اور دجّال تجارتی کمپنیوں کو بھی کہتے ہیں یہاں جملہ میں بیع کے لفظ سے بتایا ہے کہ دجّال کی پروا نہ کرو۔ اب یہ وہ جملہ آگیا ہے جس کی یاد دہانی جمعہ میں رکھی

گئی تھی۔ عجیب بات ہے کہ اس مسیح موعود کو آدم بھی کہا گیا ہے۔ اور پھر یہ اور بھی مشابہت ہے کہ جیسے آدم کی تکمیل جمعہ کی آخری گھڑی میں ہوئی تھی اسی طرح پر اس مسیح موعود کے ہاتھ پر بھی اسلام کی تکمیلِ اشاعت کا کام رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

(الصّف: ۱۰)

مفسروں نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ہے۔ کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ہوگا اور حضرت امام نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ: ۴) کے جو معنے کئے ہیں۔ وہ آپ میں سے اکثروں نے سُنے ہوں گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تکمیل سے دو قسم کی تکمیل مراد ہے۔ ایک تکمیلِ ہدایت۔ دوسری تکمیلِ اشاعت۔ تکمیلِ ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہوچکی اور تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کا یہ وقت آیا ہے۔ یعنی یہ مسیح موعود کے وقت مقدر تھی۔ چنانچہ اس وقت دیکھتے ہو۔ اشاعت کے کس قدر سامان اور اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔

اور پھر جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایک جمعہ کے ترک سے ⅓ حصہ دل کا سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر یہ بھی مسلّم بات ہے۔ کہ خدا کی وحی کے انکار سے سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل مسیح موعود کے انکار سے سلبِ ایمان ہونا یقینی ٹھہرا اور پھر جمعہ میں ایک وقت ایسا ہے جو قبولیتِ دعا کا ہے۔ اسی طرح پر جب خدا تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ اصلاحِ خلق کیلئے آتا ہے تو وہ لیلۃ القدر کا وقت ہوتا ہے۔ جس کی بابت قرآن شریف میں آچکا ہے خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ہوتی ہے۔ ان سارے امور کو اکٹھا کرو اور پھر سوچو اور دیکھو کہ کیا اب یہ وہ وقت نہیں ہے؟ مَیں ایمان سے کہتا ہوں اور پھر اس پر پورا یقین رکھتا ہوں کہ یہ وہی وقت ہے! دجّال بھی موجود ہے! اور مسیح موعود بھی ہے!!

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

دو وقت ایسے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں میں اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب کُل دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی خصوصاً عرب میں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا کے نتیجہ میں ان میں رسول مبعوث کیا اور اب آپؐ آئے۔ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد جب اسلام کی حالت پر اُمّیت غالب ہوگئی اور اخلاقی اور ایمانی اور عملی قوتیں کمزور اور مُردہ ہوگئیں اور قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ نہ رہی بلکہ وہ وقت آگیا کہ

رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان: ۳۱)

کا مصداق ہے اور قرآن آسمان پر اُٹھ گیا۔ اور ہر طرف سے اسلام اور قرآن پر حملے ہونے لگے تو خدا کے اس وعدہ کا وقت آیا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۱۰)

اس کی حفاظت کی ضرورت ہے اور چونکہ وہ آسمان پر اُٹھ گیا ہے۔ گویا اس کے دوسرے نزول کی ضرورت ہے۔ تب ہی تو اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ والی قوم تعلیم اور ہدایت حاصل کرے۔ اس لئے اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ والی قوم کا معلّم ضرور ہے کہ وہی احمدؐ ہو (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مکہ میں مبعوث ہوا تھا۔ پس اس وقت وہی احمدؐ اپنے بروزی رنگ میں آیا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں! جن کو توفیق نہیں ملی وہ نہیں دیکھ سکتے!

قرآن شریف میں یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام ذِکر بھی ہے۔ اور جیسے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا تھا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۸) اور عجیب بات ہے کہ یہی وعدہ حضرت مسیح موعود سے بھی ہوا ہے۔ ان ساری آیتوں پر غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ذکر سے مراد اس آیت میں جمعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بعثت ہے جو بروزی رنگ میں مسیح موعود کی صورت میں ہوئی۔[1]

یہ وہ ذکر ہے جو آخری خلیفہ کہلاتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جو صراطِ مستقیم ہے۔ پس اس طرف آجاؤ۔ اور اس وقت دجالی تحریکوں کی طرف نہ جاؤ۔ اس صراطِ مستقیم کی طرف آنے یا اُس ذکر کی طرف متوجہ ہونے کا اتنا ہی مطلب نہیں ہے۔ کہ مان لیا کہ وہ حق ہے اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ یہ ایمان زندہ ایمان نہیں کہلاتا جب تک اس میں عمل کی رُوح نہ ہو! یہ بالکل سچ ہے کہ ایمان بدوں عمل کے مُردہ ہے۔ مَیں نے جس وقت حضرت امام کے منہ سے یہ سنا کہ تم میں سے بہت ہیں جو اس چشمہ پر پہنچ گئے ہیں جو زندگی کا چشمہ ہے مگر ابھی پانی نہیں پیا۔ ہاں مُنہ رکھ دیا ہے! مَیں سچ کہتا ہوں کہ جس وقت سے مَیں نے یہ سُنا ہے۔ میں بہت ہی ترساں ہوں اور استغفار پڑھتا رہا ہوں کہ خدا نہ کرے۔ کہیں وہ مَیں ہی نہ ہوں!!

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کہنے میں ہم سب یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود محبوب اور مطاع نہ ہوگا۔ اور کوئی غرض و مقصد اللہ تعالیٰ کے اس راہ میں روک نہ ہوگی۔ اس امام نے اس مطلب کو

---

[1] الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳-۴

ایک اور رنگ میں ادا کیا ہے۔ کہ ہم سے یہ اقرار لیتا ہے "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" اب اس اقرار کو مدنظر رکھ کر اپنے عمل درآمد کو سوچ لو کہ کیا اللہ تعالیٰ کے احکام اوامر و نواہی مقدم ہیں یا دنیا کے اغراض و مطالب؟ اس اقرار کا منشاء یہ ہے کہ ساری جزئیں اللہ کے خوف کی اور حصول مطالب کی امید کی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ رہیں یعنی خوف ہو تو اسی سے۔ امید ہو تو اسی سے! وہی معبود ہو۔ اسی کی عظمت و جبروت کا خوف ہو۔ جس سے اطاعت کا جوش پیدا ہو۔ ایسی اطاعت اور عبادت رُوح میں ایک تذلل اور انکساری پیدا کرے گی جس سے سرور اور لذت پیدا ہوگی۔ اور عملی زندگی کو قوت ملے گی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر کامل ایمان نہ ہو تو اس ایمان میں عملی قوت پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ اس کھائے ہوئے دانہ کی طرح ہوتا ہے جس میں نشوونما پانے کی خاصیت باقی نہیں رہی۔ غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم نماز کیلئے جمعہ کے دن بلائے جاؤ تو بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔ عام جمعوں میں چھوٹی چھوٹی بیع ہے۔ لیکن مسیح موعود کا وقت چونکہ عظیم الشان جمعہ ہے۔ اس لئے اس وقت دجال کا فتنہ بہت بڑی بیع ہے اسلئے فرمایا کہ اس کو چھوڑو اور ذکر اللہ کی طرف آجاؤ۔ نتیجہ اس کا کیا ہے؟

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اگر تم کو کچھ علم ہے تو یاد رکھو کہ یہ تمہارے لئے مفید ہے۔ اس میں خیر و برکت ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ جس امر کو خیر و برکت کا موجب قرار دیتا ہے۔ اسکو ظنی یا وہمی خیال کرنا کفر ہے! انسان چونکہ عواقب الامور اور نتائج کا علم نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ بعض اوقات اپنی کمزوریٔ علم اور کمیٔ معرفت کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی صحبت میں رہنا یا اس کے پاس جانا اخراجات کو چاہتا ہے یا بعض تجارتی کاموں میں اس سے حرج واقع ہوگا۔ دوکان بند کرنی پڑے گی۔ یا کیا کیا عذرات تراشتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ یقین دلاتا ہے کہ اس کی آواز سنتے ہی حاضر ہو جانا خیر و برکت کا موجب ہے۔ اس میں کوئی خسارہ اور نقصان نہیں۔ مگر تم کو اسکا علم ہونا چاہیئے۔ پس اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے! ہاں

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو لو۔ اس کا اصل اور گُر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مظفر و منصور ہو جاؤ گے۔

خدا کی یاد ساری کامیابیوں کا راز اور ساری نصرتوں اور فتوحات کی کلید ہے! اسلام انسان کو بے دست و پا بنانا یا دوسروں کیلئے بوجھ بنانا نہیں چاہتا۔ عبادت کیلئے اوقات رکھے ہیں۔ جب ان سے فارغ ہو جاوے

پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کاروبار میں مصروف ہو کر بھی یادِ الٰہی کو نہ چھوڑے بلکہ

دست بہ کار دل بہ یار

ہو اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے اور دیکھ لے کہ آیا خلاف مرضیٔ مولیٰ تو نہیں کر رہا۔ جب یہ بات ہو تو اسکا ہر فعل خواہ وہ تجارت کا ہو۔ یا معاشرت کا۔ ملازمت کا ہو یا حکومت کا۔ غرض کوئی بھی حالت ہو۔ عبادت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امر الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے!

یہ اصل ہے جو ساری فتح مندیوں کی کلید ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس اصل کو چھوڑ دیا۔ جب تک اس پر عمل در آمد رہا۔ اس وقت تک وہ ایک قوم فتح مند قوم کی حالت میں رہی۔ لیکن جب اس پر سے عمل جاتا رہا۔ تو نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ قوم ہر طرح پستیوں میں گر گئی ؎

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ ہر جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص تم کو وعظ سنائے اور آتنا وقت ہو کہ نماز سے پہلے سُن لو۔ اس کے بعد نماز پڑھو۔ نماز کے بعد تم کو اختیار ہے کہ دنیوی کاموں میں لگ جاؤ۔ مَیں اس حکم کے مطابق تم کو نصیحت کرتا ہوں۔

اللہ نے ہم کو کچھ اعضاء دئے ہیں اور ان اعضاء پر حکومت بخشی ہے اور پھر انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ چونکہ خدا مالک ہے۔ اس لئے انسان کو بھی مالک بنایا اور اس کو بہت بڑا لشکر دیا۔ جن میں سے دو چار نوکروں کا میں ذکر کرتا ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ سب کے سب بادشاہ ہو اور تم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ ۲۔ اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ امام بھی راعی ہوتا ہے اور اس سے رعایا کی نسبت سوال ہوگا ۳۔ عورت کے بارے میں بھی فرمایا کہ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا مَیں ان بادشاہوں کا ذکر نہیں کرتا۔ جو ملکوں پر حکمرانی کرتے ہیں بلکہ اس کا ذکر کرتا ہوں جو تم سب اپنے اپنے اعضاء پر حکمران ہو۔ ان سب میں سے بڑی چیز دل ہے جس کے کچھ فرائض ہیں کچھ محرمات۔ کچھ مکروہات۔ کچھ مباحات۔

دل کے فرائض بتاتا ہوں۔ اس کا عظیم الشان فرض ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لائے۔ جب تک دل اس فرض کو ادا کرنے والا نہ ہو۔ ہلاکت میں ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا

؎ الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء صہ تا ۶

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ (البقرۃ: ۱۴۷) اور جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ (النمل: ۱۵) سے پتہ لگتا ہے کہ دل یقین کر چکے ہیں۔ پس اس یقین کے ساتھ عملی رنگ بھی ضروری ہیں۔ ۲۔ اس کے بعد فرض ہے حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ کا رسول یقین کرنا۔ جب اللہ معبود ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رسول۔ تو اللہ کے بالمقابل اب اور کسی کا حکم نہیں اور رسول کی اطاعت کے بالمقابل کوئی اطاعت نہیں۔ یہ واجبات سے ہے۔

دل کے محرمات میں سے ہے ۱۔ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا ۲۔ کبر و نخوت ۳۔ بغض و حسد ۴۔ ریاء و سمعت ۵۔ نفاق کرنا۔ شرک کی نسبت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ معاف نہ کروں گا۔ اور کبر وہ فعل ہے جس کا نتیجہ شیطان اب تک لعنت اٹھا رہا ہے۔ اور ریاء کہتے ہیں اس عمل کو جو دکھاوے کیلئے کیا جاوے اور نفاق یہ ہے کہ دل سے نہ مانے اور اوپر سے اقرار کرے۔ اس کے کچھ اور شعبے بھی ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے ۲۔ امانت میں خیانت کرے ۳۔ معاہدہ میں غداری کرے ۴۔ سخت فحش گالیاں دیں۔

دل کے فرائض سے نیچے یہ بات ہے کہ دل کو اللہ کی یاد سے طمانیت بخشے۔ آدمی پر مصائب کا پہاڑ گر پڑتا ہے۔ کسی کی صحت خطرہ میں ہے۔ کسی کی عزت کسی کی مالی حالت۔ کسی کو بیوی کے تعلقات میں مشکلات ہیں۔ کسی کو اولاد کی تعلیم میں۔ ان تمام مشکلات کے وقت خدا کی فرماں برداری کو نہ بھولے۔

ایک شخص دہلی میں ہیں جو ہمارے خیالات کے سخت مخالف ہیں۔ انہوں نے کتاب الحقوق والفرائض لکھی ہے۔ مَیں نے اسے بہت پسند کیا ہے۔ حق بات کسی کے مُنہ سے نکلے۔ مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ دوست کے منہ سے نکلے تو پھر اور کیا چاہیئے؟ حقوق و فرائض کا ہر وقت نگاہ رکھنا مومن کیلئے مستحب کام ہے! مصائب میں اللہ پر ایسا بھروسہ ہو کہ ان مصائب کی کچھ حقیقت نہ سمجھے اس کی تہہ کے اندر جو حکمتیں، رحمتیں، فضل ہیں ان تک اِنَّا لِلّٰهِ کے ذریعے پہنچے۔ ایک دفعہ مَیں جوانی میں اَلْحَمْد پڑھنے لگا۔ ان دنوں مجھ پر سخت ابتلاء تھا اس لئے مجھے جبراً پڑھنے میں تأمّل ہوا۔ کیونکہ جب دل پورے طور پر اس کلمہ کے زبان سے نکالنے پر راضی نہیں تھا۔ تو یہ ایک قسم کا نفاق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دستگیری کی اور معاً مجھے خیال آیا۔ کہ جو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ پڑھتا ہے ہم اس مصیبت کو راحت سے بدل دیتے ہیں۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے۔ کبھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اس لئے انسان شکر کرے کہ قیامت کو مؤاخذہ نہ ہوگا۔ دوم ممکن تھا اس سے بڑھ کر مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ سوم مالی نقصان کی بجائے ممکن تھا جانی نقصان ہوتا جو ناقابلِ برداشت ہے۔ چہارم۔ یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ خود زندہ رہے کیونکہ خود زندہ نہیں تو پھر تمام مال و اسباب وغیرہ کی فکر لغو ہے۔

یہ سب مضمون جب میرے دل میں آیا تو بڑے زور سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھا۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ مومن کو خوف وحزن ہوتا ہے۔ وہ تو لَا یَخَافُ وَلَا یَحْزَنُ ہوتا ہے۔

زبان کا سب سے بھاری فرض ہے ۱۔ کلمۂ توحید پڑھنا۔ نماز میں اَلْحَمْد بھی فرض ہے ۲۔ تو گویا اتنا قرآن پڑھنا بھی فرض ہوا ۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی زبان کا ایک رُکن ہے۔ اس کے محرمات ہیں۔ غیبت۔ تحقیر۔ جھوٹ۔ افتراء۔ اس زبان کے ذریعہ تمام تلاوتِ قرآن وتلاوتِ احادیث کرے۔ اور عام طور پر جو معرفت کے خزانے اللہ و رسول کی کتابوں میں ہیں۔ پوچھ کر یا بتا کر ان کی تہہ تک پہنچے۔

معمولی باتیں کرنا مباح ہیں۔ پسندیدہ باتیں اپنی عام باتوں میں استحباب کا رنگ رکھتی ہیں۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) اگر ہم حق کے شنوا ہوتے تو دوزخ میں کیوں جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حق کا سننا فرض ہے اور غیبت کا سننا حرام ہے۔ سماع کے متعلق صوفیاء میں بحث ہے۔ میرے نزدیک سماع قرآن وحدیث ضروری ہے۔ مگر ایک شیطانی سماع ہے کہ راگنی کی باریکیوں پر اطلاع ہو۔ یہ ناجائز ہے۔

ہمیں حکم ہے کہ جس پانی کی بُو خراب ہو۔ اس سے وضو نہ کریں۔ اس واسطے پانی کا سونگھنا اس وقت فرض ہوگیا۔ خصوصاً جب نجاست کا احتمال ہو۔

عید کے دن عطر لگانا مستحبات میں داخل ہے۔ ہاں اجنبی عورت کے کپڑوں اور بالوں کی خوشبو سونگھنا حرام ہے۔ اسی طرح آنکھ اور دوسرے اعضاء کے فرائض ہیں۔

..... زبان کے فرائض میں سے شکر بھی ہے۔ ناشکری کا مرض مسلمانوں میں بہت بڑھ گیا ہے۔ کسی کو نعمت دیتا ہے تو وہ حقارت کرتا ہے۔ اس سے نعمت بڑھتی نہیں۔ اگر انسان شکر کرے تو نعمت بڑھتی ہے۔

(بدر ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳، ۴)

۱۲۔ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب تجارت کے سامان مل جاتے ہیں یا کھیل تماشہ کا وقت پاتے ہیں۔ وہ تجھے چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں اور کھیل تماشوں سے بہتر ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہ حالت انسان کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ خدا تعالیٰ پر سچا اور کامل یقین نہیں رکھتا۔ اور اس کو رازق نہیں سمجھتا۔ یوں ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ جب کامل ایمان ہوتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کیلئے سب کچھ چھوڑنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔

بعض لڑکوں سے مَیں نے پوچھا ہے کہ تم جو گھر جاتے ہو۔ کیوں؟ کیا لَہْو کے واسطے۔ اگر یہ غرض ہے تو پھر یہ خدا کے ارشاد کے نیچے ہے۔ لَہْوًا اور تِجَارَۃً کو گویا خدا تعالیٰ پر مقدم کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔

اللہ کو خَیْرُ الرَّازِقِیْن یقین کرو۔ اور مت خیال کرو۔ کہ صادق کی صحبت میں رہنے سے کوئی نقصان ہوگا کبھی ایسی جرأت کرنے کی کوشش نہ کرو کہ اپنی ذاتی اغراض کو مقدم کر لو۔ خدا کیلئے جو کچھ انسان چھوڑتا ہے اُس سے کہیں بڑھ کر پالیتا ہے۔ تم جانتے ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا چھوڑا تھا اور پھر کیا پایا۔ صحابہؓ نے کیا چھوڑا ہوگا۔ اس کے بدلہ میں کتنے گنے زیادہ خدا نے ان کو دیا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے جو نہیں ہے؟ لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ! تجارتوں میں خسارہ کا ہو جانا یقینی اور کاروبار میں تباہیوں کا واقع ہو جانا قرینِ قیاس ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے لئے کسی چیز کو چھوڑ کر کبھی بھی انسان خسارہ نہیں اُٹھا سکتا۔[1]

غرض اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ ساری تجارتوں سے بہتر ہے۔ وہ خیر الرازقین ہے۔ مَیں نے بہت سے ایسے بے باک دیکھے ہیں جو کہا کرتے ہیں ؎

اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم ؎ اے دیانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم

ایسے شوخ دیدہ خود ملعون ہیں جو دیانت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ پس خدا کیلئے ان ذریعوں اور راستوں کو چھوڑ دو جو بظاہر کیسے ہی آرام دہ نظر آتے ہوں لیکن ان کے اندر خدا کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ مَیں نے بسا اوقات نصیحت کی ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ پر عمل کرنے کے واسطے ضروری ہے۔ یہاں آکر رہو۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ تجارت یا ملازمت کے کاموں سے فرصت نہیں ہوتی لیکن مَیں ان کو آج یہ سناتا ہوں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تمام تجارتوں کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف آجاؤ! وہ اس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں؟ کیا ہم کنبہ قبیلہ والے نہیں؟ کیا ہماری ضروریات اور ہمارے اخراجات نہیں ہیں؟ کیا ہم کو دنیوی عزت یا وجاہت بُری لگتی ہے؟ پھر وہ کیا چیز ہے۔ جو ہم کو کھینچ کر یہاں لے آئی؟ مَیں شیخی کیلئے نہیں کہتا بلکہ

---

[1] الحکم ۲۸؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ مَیں اگر شہر میں رہوں تو بہت روپیہ کما سکوں لیکن میں کیوں ان ساری آمدنیوں پر قادیان کے رہنے کو ترجیح دیتا ہوں؟ اس کا مختصر جواب مَیں یہی دوں گا کہ مَیں نے یہاں وہ دولت پائی ہے جو غیر فانی ہے۔ جس کو چور اور قزاق نہیں لے جا سکتا! مجھے وہ ملا ہے۔ جو تیرہ سو برس کے اندر آنے والوں کو نہیں ملا! پھر ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر میں چند روزہ دنیا کیلئے مارا مارا پھروں؟ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر اب کوئی مجھے ایک لاکھ کیا ایک کروڑ روپیہ یومیہ بھی دے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہے۔ میں نہیں رہ سکتا! ہاں امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں! پھر خواہ مجھے ایک کوڑی بھی نہ ملے! پس میری دولت میرا مال، میری ضرورتیں اسی امام کے اتباع تک ہیں! اور دوسری ساری ضرورتوں کو اس ایک وجود پر قربان کرتا ہوں!

میرے دل میں بارہا یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ صحابہؓ کو جو مہاجر تھے کیوں خلافت ملی۔ اور مدینہ والے صحابہؓ کو جو انصار تھے اس سے حصہ نہیں ملا۔ بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ انصار کی جماعت نے ایسے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی جب آپؐ مکہ سے تکالیف برداشت کرتے ہوئے پہنچے۔ مگر اس میں بھید یہی ہے کہ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے چھوڑا نہیں۔ اس کی نصرت کیلئے خدا نے ان کو بہت کچھ دیا۔ مگر مہاجر جنہوں نے اللہ کیلئے ہاں محض اللہ ہی کے لئے اپنے گھر بار بیوی بچے اور رشتہ داروں تک چھوڑ دیئے تھے۔ اور اپنے منافع اور تجارتوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ خلافت کی مسند پر بیٹھے۔ میں سقیفہ کی بحث پڑھتا تھا اور مِنکُم اَمِیۡرٌ وَّمِنَّا اَمِیۡرٌ پر مَیں نے غور کی ہے۔ مجھے خدا نے اس مسئلہ خلافت میں یہی سمجھایا ہے کہ مہاجرین نے چونکہ اپنے گھر بار تعلقات چھوڑے تھے ان کو ہی اس مسند پر اوّل جگہ ملنی ضرور تھی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا پس ایسے عذر بے فائدہ اور بیہودہ ہیں۔ اس وقت دنیا خطرناک ابتلاء میں پھنسی ہوئی ہے۔ پہلی بلا جہالت کی ہے۔ تدبّر سے کتاب اللہ کو نہیں پڑھتے اور نہیں سوچتے۔ جب تدبّر ہی نہ ہو۔ تلاوت ہی نہ ہو تو اس پر عمل کی تحریک کیسے پیدا ہو۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اسکی جگہ بہت بڑا وقت قصّوں کہانیوں اور لغویات میں بسر کیا جاتا ہے۔

دوسرا نقص یہ ہے کہ فسق و فجور بڑھ گیا ہوا ہے۔ بد معاملگی ہے۔ جہالت ہے۔ گندگی اور ناپاکی کو مقدم کر لیا گیا ہے۔ پھر اس کے ساتھ کبر ہے۔ وہ کبر کہ یہ برداشت نہیں رہی کہ کوئی نصیحت کرے تو صبر کے ساتھ اس نصیحت کو سن لیں! اور اس کے ساتھ اور مصیبت یہ ہے کہ اپنے دُکھ سے ناآشنا ہیں۔ مرض کے حالات سے ناواقف ہیں۔ اسے محسوس نہیں کرتے! طبیب کی تشخیص پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور اسے ہی مجنون ٹھہراتے ہیں!

غرض یاد رکھو۔ کہ اب زمانہ بہت نازک آگیا ہے۔ ایک راست باز دنیا میں آیا ہے۔ جس کیلئے آسمان نے گواہی دی۔ اس وقت کہ جب خدا ایک بچھڑا سمجھا گیا تھا۔ خداوند نے اپنے کلام سے بتایا کہ وہ زندہ اور متکلم خدا ہے اور اس نے اپنے برگزیدہ بندہ کو بھیج کر حجت پوری کی مگر پھر بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس کی مخالفت کی جاتی اور اسکے خلاف منصوبہ بازیاں ہوتی ہیں۔ مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ یہ لوگ آخر خائب و خاسر ہونے والے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ مخالف منصوبے بناتا ہے۔ کوشش کرتا ہے۔ سفر کرکے خرچ کرکے فتویٰ تیار کرتا ہے۔ کہ یہ کافر ہے اور زور لگا کر کہتا ہے کہ میں ان کو گراؤں گا مگر اس کے سارے اخراجات، ساری محنتیں اور کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ خود گرتا ہے اور جس کو گرانے کا ارادہ کرتا تھا وہ بلند کیا جاتا ہے۔ جس قدر کوشش اس کے معدوم کرنے کی کی جاتی ہے اسی قدر وہ اور بھی ترقی پاتا اور بڑھتا ہے!

یہ خدا تعالیٰ کے ارادے ہیں۔ ان کو کوئی بدل نہیں سکتا! اس کے مخالف ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً (الانفال: ۳۷) کے مصداق ہوجاتے ہیں! پس یاد رکھو۔ اس وقت ضرورت ہے۔ ایسے امام کی جو حق کا سنانے والا، سمجھانیوالا اور پھر تزکیہ کرنے والا ہو۔ بڑے ہی بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس نور سے حصہ نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تم کو توفیق دے کہ ہم جنہوں نے اس نور سے حصہ لینے کی سعی کی اور اس چشمہ کے پاس پہنچے ہیں۔ پوری روشنی حاصل کرسکیں۔ اور سیراب ہوں اور یہ ساری باتیں حاصل ہوتی ہیں جب بصیرتِ معرفت اور عقل عطا ہو۔ اور یہ خدا ہی کے فضل سے ملتی ہے! پس جب کسی کو صادق کا پتہ لگ جائے تو ساری تجارتوں اور بیع و شرا کو چھوڑ کر اس کے پاس پہنچ جانا چاہیئے۔ اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ: ۱۱۹) پر عمل کرنا ضروری سمجھا جاوے!

بعض لوگ جو یہاں آتے ہیں اور رہتے ہیں ان کو ایسی مشکلات پیش آتی ہیں جو ان کی اپنی پیدا کردہ مشکلات سمجھنی چاہئیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مجھے چارپائی نہیں ملی یا روٹی کے ساتھ دال ملی۔ میں ایسی باتوں کو جب سنتا ہوں تو اگرچہ مجھے ان لوگوں پر افسوس ہوتا ہے۔ جو ان خدمات کے لئے مقرر ہیں۔ مگر ان سے زیادہ افسوس ان پر ہوتا ہے جو ایسی شکایتیں کرتے ہیں! میں ان سے پوچھوں گا۔ کہ کیا وہ اس قدر تکالیف سفر کی برداشت کرکے روٹی یا چارپائی کیلئے آتے ہیں؟ یا ان کا مقصود کچھ اور ہوتا ہے؟ میرے ایک پیر شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں رہا کرتے تھے۔ ایک شخص ہجرت کرکے مدینہ میں آیا۔ پھر اس نے ان سے کہا کہ میں یہاں نہیں رہتا۔ کیونکہ لوگ تنگ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس کو کہا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آئے تھے یا عربوں کے واسطے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آئے تھے۔ تو وہ تو ویسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے یقین کیا تھا اور اگر عربوں کیلئے آئے تھے تو وہ بیشک ایسے ہی ہیں جیسا کہ

تم سمجھتے ہو! پس مَیں بھی اُن احمقوں سے یہی کہوں گا جو اسی قسم کی شکایتیں کرتے ہیں کہ اگر تم اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے معلم کے لئے آئے تھے تو وہ اپنے خُلقِ عظیم کے ساتھ ویسا ہی موجود ہے! اور اگر ہمارے لئے آئے ہو تو ہم ایسے ہی ہیں! کیا کھانا کپڑا، چارپائی گھر میں نہیں ملتی تھی جو اس قدر تکلیف اٹھا کر اسی روٹی کے واسطے یہاں آئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو لوگ آتے تھے۔ ان کیلئے جانتے ہو کوئی مہمان خانہ تجویز ہوا ہوا تھا یا کوئی لنگر خانہ جاری تھا؟ کوئی نہیں! پھر بھی لوگ آتے تھے اور کوئی شکایت نہ کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آتے تھے اور وہی انکی غرض ہوتی تھی!

غرض یہاں آؤ! نہ اس لئے کہ روٹی یا بستر ملے! بلکہ اس لئے کہ تمہاری بیماریوں کا علاج ہو۔ تم خدا کے مسیح اور مہدی سے فیض حاصل کرو!!

ہماری بابت کچھ بھی خیال نہ کرو۔ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا؟ ہم اگر بڑے تھے تو گھر رہتے! پاکباز تھے تو پھر امام کی ہی کیا ضرورت تھی! اگر کتابوں سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا تو پھر ہمیں کیا حاجت تھی! ہمارے پاس بہت سی کتابیں تھیں! مگر نہیں۔ ان باتوں سے کچھ نہیں بنتا!

دیکھو ایک دردِ سر کا بیمار ایک کھانسی والے بیمار کے پاس ہو اور وہ ساری رات کھانستا ہے اور اس کو تکلیف ہو اور اس کی شکایت کرے تو یہ شکایت بے جا ہوگی۔ وہ خود مریض ہے۔ اسی طرح پر ہم جس قدر یہاں ہیں۔ اپنے اپنے امراض میں مبتلا ہیں اگر ہم تندرست ہو کر کسی مریض کو دُکھ دیں تو البتہ ہم جواب دہ ٹھہر سکتے تھے لیکن جبکہ خود مبتلائے مرض ہیں اور یہاں علاج ہی کیلئے بیٹھے ہیں تو پھر ہماری کسی حرکت سے ناراض ہونا عقلمندی نہیں ہے! پس ہمارے سبب سے ابتلاء میں مت پڑو! جو لوگ ابتلاؤں سے گھبراتے ہیں۔ مَیں سچے دل سے کہتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے نہ آیا کریں! اور اگر ہماری کوئی تقریر ان کو پسند نہ آوے، تو وہ یہ سمجھیں کہ ہم مامور نہیں! صادق مامور ایک ہی ہے۔ جو مسیح اور مہدی ہو کر آیا ہے!! پس خدا سے مدد مانگو! ذکر اللہ کی طرف آؤ! جو فحشاء اور منکر سے بچانے والا ہے۔ اسی کو اسوہ بناؤ۔ اور اسی کے نمونہ پر چلو۔ ایک ہی مقتداء اور مطاع اور امام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اسی سے پیوند کریں! آمین

(الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲-۳)

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲﴾

بہت سے آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم جانتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارا رسول ہے۔ لیکن ہم قسم کھاتے ہیں کہ یہ لوگ جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں تو یہ صریح جھوٹے ہیں اور منافق ہیں۔ کیونکہ ان کا عمل درآمد ان کے دلی ایمان کے خلاف ہے۔ اور جو باتیں یہ زبان سے کہتے ہیں۔ اُن کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے۔

(الحکم ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

۹- يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾

میں نے بارہا سنایا ہے کہ جب مامور من اللہ آتا ہے تو لوگوں کو اس کی مخالفت کا ایک جوش مارتا ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے اعزاز کیلئے تُل جائے۔ اس کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ مدینہ طیبہ میں ایک رأس المنافقین کا ارادہ ہوا۔ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچیں گے تو ایک ذلیل گروہ کو معزز گروہ نکال دیگا۔ جناب الٰہی نے فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ معزز تو اللہ ہے اور اُس کا رسول اور اس کی جماعت بمنافقوں

کو یہ کبھی سمجھ نہیں آتی۔ آخر ایام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بھی منافق نہ رہا۔ بلکہ یہ فرمایا۔

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (احزاب: ۶۲)

اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ تیری مجاورت میں بھی نہ رہیں۔ (الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۱ء صلا)

عزت اللہ کیلئے اور اس کے رسول کیلئے اور مومنوں کیلئے۔ منافقین ایسی باتوں سے بے علم ہیں پس مومن اور پھر ذلیل۔ یہ غیر ممکن ہے۔ مومن تو اسی دنیا میں بہشت پالیتا ہے۔ صحابہؓ کرام نے جب جاہلیت کے عقائدِ فاسدہ سے توبہ کی اور اسلام کے پاک عقائد اختیار کئے تو سب سے پہلی جنت ان کیلئے یہی تھی پھر جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی، تو یہ بھی ان کیلئے جنت ہی تھی۔ پھر جب ملک پر ملک فتح کئے تو ایک دنیا کے فاتح کہلائے تو یہ بھی ان کیلئے جنت تھی۔ پھر جب دنیا سے کوچ کرنے پر پہلی منزل قبر (قبر وہ ہے جہاں انسان اپنے اعمال کے بدلہ میں بعد الموت رہتا ہے) بھی رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ہو گئی!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیاں جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے۔ دراصل آپ ان جاہلوں کو یہ سمجھاتے تھے۔ کہ دیکھو اللہ تعالیٰ مجھے ذلیل نہیں کرتا۔ ورنہ جنگ کیسے خطرہ کا موقعہ ہے اور دستور کے لحاظ سے بیبیوں کا قید میں پڑ جانا اور اَور طرح ذلیل ہونا ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ میرا حامی و ناصر ہے۔ وہ مومن کے اعداء کو کوئی ایسا موقعہ نہیں دیتا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷، ۴ صفحہ ۱۷۵)

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲/۳ - يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

لوگ یا تو اس واسطے کسی کی فرماں برداری کرتے ہیں کہ وہ پاک اور مقدس ہے ۔ یا اس لئے کہ وہ بادشاہ ہے اگر نافرمانی کریں گے تو سزا دیگا یا اس واسطے کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ ہم پر انعام کرتا ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی طرف اپنی انہی تین صفتوں کا ذکر فرما کر بلاتا ہے ۔ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ ملک بھی اسی کا، اور سب خوبیوں کا سرچشمہ بھی وہی اور ہر چیز پر قادر بھی وہی، وہی پیدا کرنے والا، وہی نگرانِ حال۔ پس عبادت کے لائق بھی وہی۔ اگر تم کسی کی اس لئے اطاعت کرتے ہو کہ وہ حسن رکھتا ہے۔ تو یاد رکھو تمام کائنات کے حسن کا سرچشمہ تو وہی ذاتِ بابرکات ہے ۔ کوئی خوبی اگر کسی میں ہے ۔ تو اس کا پیدا کرنیوالا وہی اللہ ہے ۔ اسی طرح اگر تم کسی کی اس لئے اطاعت کرتے ہو کہ وہ محسن ہے۔ تو سب محسنوں سے بڑا محسن تو اللہ ہے ۔ جس نے تمہارے محسن کو بھی سب سامان اپنی جناب سے دیا۔ اور پھر اس سامان سے تمتع حاصل کرنے کا موقعہ اور قویٰ بھی اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کی طاعت اس لئے کرتے ہو کہ وہ بادشاہ حکمران ہے ۔ تو تم خیال کرو۔ اللہ وہ احکم الحاکمین ہے جس کا احاطہ سلطنت اس قدر وسیع ہے ۔ کہ تم اس سے نکل کر کہیں باہر نہیں جا سکتے ۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ يٰمَعْشَرَ

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن ۳۴) یہ دنیا کے حاکم تو یہ شان نہیں رکھتے۔ جب انکی اطاعت کرتے ہو تو پھر اس احکم الحاکمین کی اطاعت تو ضروری ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۵ ص ۲۲۹)

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١

٢- يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ
لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا
تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝٢

اے نبی۔ جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو اُن کی عدّت پر اور گنتے رہو عدّت اور ڈرو اللہ سے۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صـ٥٠)

لِعِدَّتِهِنَّ: ایک وقت میں ایک طلاق دے۔ حیض میں نہ دے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ٨ ر ٩ صـ٤٨٤)

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ: اور مت نکالو اُن کے گھروں سے اُن کو۔ اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جو کریں صریح بے حیائی۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صـ٤٩)

٣،٤- فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا

ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ
يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳

پھر جب پہنچیں اپنے وعدے کو تو رکھ لو ان کو دستور سے یا چھوڑ دو ان کو دستور سے۔
(فصل الخطاب حصہ اول صفحہ ۵۰)

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ، جب عدت گذرنے کو ہو۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۴)

تقویٰ عظیم الشان نعمت اور فضل ہے جسے ملے۔ انسان اپنی ضروریاتِ زندگی میں کیسا مضطرب اور بے قرار رہتا ہے خصوصاً رزق کے معاملہ میں۔ لیکن متقی ایسی جگہ سے رزق پاتا ہے کہ کسی کو تو کیا معلوم ہوتا ہے۔ خود اس کے بھی وہم گمان میں نہیں ہوتا۔ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ پھر انسان بسا اوقات بہت قسم کی تنگیوں میں مبتلا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ متقی کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے۔ جیسے فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ انسان کی سعادت اور نجات کا انحصار علومِ الٰہیہ پر ہے۔ کیونکہ جب تک کتاب اللہ کا علم ہی نہ ہو۔ وہ نیکی اور بدی اور احکامِ رب العالمین سے آگاہی اور اطلاع کیونکر پا سکتا ہے..... انسان اپنے دشمنوں سے کس قدر حیران ہوتا ہے۔ اور ان سے گھبراتا ہے۔ لیکن متقی کو کیا خوف؟ اس کے دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (الحکم ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴-۱۵)

انسان کو بہت ضرورت ہے اس بات کی کہ کھائے۔ پئے۔ پہنے۔ اللہ تعالیٰ متقی کیلئے فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ انسان جب متقی بن جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی رزق کا طالب ہے تو اس پر واضح ہو کہ رزق کے حصول کا ذریعہ بھی تقویٰ ہے۔

۲۔ انسان جب مصیبت میں حوادثِ زمانہ سے پھنس جاتا ہے اور اس کی بے علمی اسے آگاہ نہیں ہونے دیتی کہ کس سبب سے تمسک کرکے نجات حاصل کرے تو وہ خبیر جو ذرہ ذرہ کا آگاہ ہے۔ فرماتا ہے۔ متقی

کو ہم تنگی سے بچائیں گے۔ (بدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء صٔ)

ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اُسے رزق ملے۔ اور وہ کھائے پیئے۔ دوا وعلاج اور تیمار دار۔ غرض بہت سی ضروریات کا محتاج ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ متقی کو بشارت دیتا ہے۔ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ متقی کو ایسے طریق پر رزق ملتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر انسان مشکلات میں پھنستا ہے اور ان سے نجات اور رہائی چاہتا ہے۔ متقی کو ایسی مشکلات سے وہ آپ نجات دیتا ہے۔ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا۔ ہر قسم کی تنگی سے وہ آپ نجات دیتا ہے۔ یہ متقی کی شان ہے۔

(الحکم ۲۱، ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء صہ۲۶)

۵۔ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۵

یُسر کو بھی انسان بہت پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا گویا سُکھ بھی متقی ہی کا حصہ ہے۔ تاریخ کے صفحوں کو اُلٹ جاؤ اور دیکھو کہ متقیوں کے مقابلہ میں بڑے بڑے بادشاہ۔ باریک در باریک تدبیریں کرنے والے، مال خرچ کرنے والے، جتھوں والے آئے مگر وہ بھی ان متقیوں کے سامنے ذلیل وخوار ہوئے۔ (بدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء صٔ)

ہر قسم کے دُکھوں کو سُکھوں سے تقویٰ ہی بدل دیتا ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا پھر جب متقی انسان ان ثمرات کو پاتا ہے تو میرے دوستو! سب کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ رزق کے لئے تنگی سے نجات کیلئے تقویٰ کرو۔ سُکھ کی ضرورت ہے۔ تقویٰ کرو..... (وہ) دُکھوں سے نکال کر سُکھوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ (الحکم ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء صہ۲۶)

۷۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ

حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝۶

اَسْكِنُوْهُنَّ: گھر دوان کو رہنے کو جہاں سے آپ رہو۔ اپنے مقدور سے اور ایذا نہ چاہو اُن کی یا تنگ پکڑو ان کو۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صنہ ۵۰)

۹- وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۹

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پہلی بستیوں کو دیکھو جنہوں نے خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تھی۔ ان پر کیسا عذاب آیا تھا۔ کتُب الٰہیہ کو پڑھنے اور پہلی قوموں کے حالات کے مطالعہ سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ کفر و شرک اور انبیاء علیہم السلام کو نہ ماننا ضرور ایک ایسی چیز ہے جس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہوتا ہے لیکن شوخی اور بے باکی اور شرارت بہت ہی بُری شے ہے اور اسکا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو شوخ آدمی کبھی پسند نہیں۔ اور ہر ایک شہر میں کوئی نہ کوئی ایسا نظارہ ضرور ہوتا ہے۔ اَور نہیں تو کسی بڑے امیر کبیر کے مکانات کے کھنڈرات ہی ہوتے ہیں۔ لاہور میں شاہی قلعہ دیکھنے والے کو وعظ کر رہا ہے ہر ایک بستی اور گاؤں کے نزدیک کوئی نہ کوئی کھیڑا ضرور ہوتا ہے۔ دہلی کے حالات پر غور کرو تغلق آباد کیسے آباد کیا گیا تھا۔ اس کی چھتوں پر لکڑی نہ ڈالی گئی تھی مگر اب کیسا بے نشان پڑا ہے۔ یہاں بھی قریب ہی ایک تغل والا گاؤں موجود ہے جہاں کہ تغل لوگ رہتے تھے۔ لکھنؤ کے خرابوں اور ویرانوں پر غور کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ انسان کی کیا ہستی ہے۔ بقطرۂ آبے موجود و بہ خروج بادے معدوم۔ پھر حیرت و تعجب کی بات ہے کہ انسان کس ہستی پر غرور کرتا ہے۔ موت کے سامنے کوئی طاقت نہیں چلتی۔ دیکھو سکندر جب تمام فتوحات کر کے بابل میں پہنچا تو موت آگئی اور کچھ پیش نہ گئی۔ بغداد میں اس قدر مخلوق تھی کہ شہر

کی حفاظت کے واسطے پانچ لاکھ فوج یا کشتی تھی۔ مگر جب خدا کا عذاب آیا تو اٹھارہ لاکھ اس معرکہ میں قتل کیا گیا۔ جن لوگوں سے ملک پر دعوے دار ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ کہتے ہیں ان کے ایک ہزار آدمیوں کی قطار کھڑی کر کے دیوار میں چُن دئے گئے۔ غرض خداوند تعالیٰ کا جب عذاب آتا ہے تو اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا اسی عذاب کا اس آیت میں ذکر ہے۔

پہلے رسولوں کے مخالفین کا یہ حال ہوا تو تم کیونکر بچ سکتے ہو؟ یہی حال تمہارا بھی ہونے والا ہے!

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۱۱، ۱۲۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۱ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۲

اِتَّقُوا اللّٰهَ: تقویٰ اختیار کرو

اُولِي الْاَلْبَابِ: عقل مند

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: عقل مند وہی جو ایمان لائے۔

ذِكْرًا: خدا تعالیٰ نے ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس پر عمل کرنے سے تمہارا ذکر پھیلے۔ وہ تمہاری عظمت اور جبروت کا باعث ہونے والی ہے۔

رَسُوْلًا: اگر تم دیکھنا چاہو کہ اس تعلق کا کیا فائدہ ہے تو رسول کا نمونہ دیکھو۔ جو اللّٰہ تعالیٰ کی آیات تم پر پڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُسے کیا عزّت عطا کی ہے۔

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ: اس رسول کی اطاعت اور اس کلام پر عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ تم تاریکی

سے نکل کر نور میں داخل ہو جاؤ گے۔ ظلمت پانچ قسم کی ہے۔

۱۔ ظلمتِ فطرت۔ انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی جاہل ہوتا ہے۔

۲۔ ظلمتِ عادت۔ بد عادات انسان کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام اسی واسطے آتے ہیں کہ عاداتِ بد کو دنیا سے مٹا دیں۔

۳۔ ظلمتِ رسم۔ رسم و رواج سے بھی بڑے بڑے نقصان مترتب ہوتے ہیں۔ بعض رسمیں اس وقت شروع ہوئیں جبکہ مسلمان امیر اور بادشاہ ہوتے تھے۔ لیکن اب حالتِ فقر میں بھی ان پر چلنا چاہتے ہیں۔

۴۔ ظلمتِ جہل۔ جاہل و نادان۔ بہ سبب جہالت کے اپنے آپ کو عجیب عجیب تکالیف میں مبتلا کر لیتے ہیں۔

۵۔ ظلمتِ عدمِ استقلال۔ بعض آدمی بڑے بڑے وعدے اور ارادے کرتے ہیں اور کام شروع کرتے ہیں مگر آخر نباہ نہیں سکتے۔

جَنّٰتٍ: فرمایا۔ وہ جنت جس کے نیچے ندیاں بہتی ہیں۔ ایمان اور عملِ صالح سے مل سکتی ہے۔

اس سورۂ شریف میں طلاق کے نہایت ضروری مسئلہ کو حل کیا ہے۔ یہود طلاق کے معاملہ میں بہت سختی کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر طلاق دیتے تھے۔ اور عیسائیوں کے درمیان سوائے زنا کے طلاق نہ ہو سکتی تھی۔ افراط اور تفریط رد کیا گیا۔ اور ایک درمیانی راہ سکھلائی گئی۔ اور عورتوں کے حقوق قائم کئے گئے۔ جن سے پہلی قومیں ناآشنا ہیں بلکہ اس وقت یورپ کا قانون لندن تک خاموش ہے۔

اس سورہ شریفہ میں بار بار تقویٰ پر زور دیا گیا ہے۔ لوگ عورتوں کے معاملہ میں تقویٰ سے دور جا پڑے ہیں۔ بعض لوگ اپنی عورتوں کو نہ آباد کرتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں۔ بعض مارتے ہیں، تنگ کرتے ہیں۔ بداخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ یہ بہت بڑی ظلم کی باتیں ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۳۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۳﴾

اَحَاطَ: کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کے دائرہ سے خارج نہیں۔ ایک صوفی کہتا ہے ؎

زمرلیست زسر قدرتش کُن فیکُون ۔ بادانشِ اُو یکیست بیرون و درون
درغیب و شہادت ذرۂ نتواں یافت ۔ از دائرہ قدرت و علمش بیروں

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

ایک آریہ کے اعتراض کہ "سات آسمان باطل ہیں" کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"اس کا جواب نمبروار دیتے ہیں۔ اوّل" سات آسمان اور سات زمینوں کی ہر کسی عالم بلکہ اہلِ علم۔ ماہر تواریخ و ہیئت وجغرافیہ نے نمبروار تردید کی ہے" مرد آدمی! ان کا نام ہی لکھ دیا ہوتا؟ سنئے۔ آپ کو ہم بتادیں۔ آپ نے تو منکرِ اہلِ علم کا نام نہیں لیا۔ ہم ماننے والوں کے نام سناتے ہیں۔ یوگ۔ پاتنجل۔ کرت سوتر ۲۵، ویاس منی کی بھاس، ادھیا سوم۔ سورج دھارنا کی نرتی میں لکھا ہے۔ بھُوَ کی اوپر بھُوَرْ سُوَرْ مَہرْجَنْ تپ انترکھ سَتْ ۔ یہ سات آسمانی طبقات ہیں۔ جو زمین کے اوپر ہیں۔ لور مہیاتل۔ رساتل۔ اتل۔ ستل۔ وتل۔ تلاتل۔ پاتال۔ یہ سات طبقات زمین کے نیچے ہیں۔ اب بتلائیے یہ آریہ ورتی اہلِ علم اور ہیئت دان اور جیاگرفی کے ماہر تھے۔ یا نہ تھے؟ مگر یہ تو بتاؤ جنبو دیپ کے گرد لون سمندر اور شاک دیپ کے گرد اکھیورس سمندر (شہد) کشن دیپ کے گرد سورا سمندر (شراب)۔ کرونج دیپ کے گرد سرپی سمندر (گھی) شال مل دیپ کے گرد دودھی سمندر۔ گیؤمید دیپ کے گرد۔ کہیر سمندر پشکر دیپ کے گرد جل سمندر۔ ان دیپوں کا بیان اور تشریح کسی جیاگرفی دان سے پوچھیں؟

پھر مَیں کہتا ہوں کہ زمین اور آسمان کا سات سات حصص پر منقسم ہونا بھی تقسیم ہے جو سراسر حق ہے اس کے ماننے میں بُطلان ہی کیا ہے۔ کہ قرآن کریم نے اس کا ابطال نہیں کیا۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں سبع ارضین کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر یاد رہے۔ موجودات مُرکّبہ کی تقسیم کئی طرح ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمادی تو بُطلان کیا ہوا؟

اب ہم ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کے سننے سے کسی منصف آریہ کو قرآن کریم کے سَبْعَ سَمٰوٰت کہنے میں انکار کی جگہ نہیں۔ زمین سے لے کر جہاں تک فوق میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس مخلوق کو اللہ نے ایک تقسیم میں سات حصّوں پر تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک آسمان جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے۔ ان کا بیان آیات ذیل میں موجود ہے۔

اوّل وہ مقام جس میں ہمارے لئے کھانے کا سامان رکھا ہے۔ جیسے فرمایا ہے۔ وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریٰت: ۲۳) اور آسمان ہی میں تمہارے لئے رزق یعنی کھانے پینے کا سامان رکھا ہے اور وہ چیز ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا۔

دوم : وہ مقام جس کے اندر جانور اُڑتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ (الملک : ۲۰)
کیا یہ لوگ پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسی صفیں باندھے آسمانی فضا میں موجود ہیں۔
سوم : وہ مقام جس میں اولے بنتے ہیں اور کھیتوں اور باغوں کو ویران کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔
فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (البقرہ : ۶۰)
پھر ہم نے اتارا بدکاروں پر ان کی بدکاری کے بدلہ آسمان سے عذاب
چہارم : وہ مقام جس میں سے مینہ آتا ہے جیسے فرمایا۔
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (البقرہ : ۲۳)
اور اُس نے آسمانوں یعنی بادلوں سے پانی اتارا اور اس کے درمیانی ہونے سے پھل نکالے جو تمہارے لئے رزق یعنی کھانے اور پینے کا سامان ہیں۔
پنجم : وہ مقام جس میں ستارے اور نیازک گرتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔
وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (الملک : ۶)
ششم : وہ مقام جس میں ستارے ہیں۔ جیسے فرمایا
جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (الحجر : ۱۷)
ہفتم : وہ حصہ ان سب سے اوپر ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے بہشتوں کو رکھا ہے کہ ان مشہود ستاروں سے اوپر بھی کوئی مقام ہے جیسے فرمایا۔
جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران : ۱۳۴)
(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۳۲۱ تا ۳۲۳)

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲، ۳۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

اس سورۃ کے شروع میں بھی پچھلی سورۃ کے شروع کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ مگر حکم عام سب کیلئے ہے۔

لِمَ تُحَرِّمُ: تو کیوں حرام کرتا ہے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی حلال چیز کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کا پتہ احادیث سے دو جگہ سے ملتا ہے۔ ان دو میں سے کسی ایک کو یہاں سمجھ لو۔

۱۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد پیا تھا۔ تو ایک بیوی نے کہا۔ آپؐ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ آپؐ نے خیال فرمایا کہ اگر شہد کا پینا کسی بیوی کو ناپسند ہے تو ہم نہیں پیتے۔ شہد کے پینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۲۔ دوسری بات حدیثوں میں یہ لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ان کے کسی معاملہ پر ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی تھی اور چند روز تک ایک علیحدہ مکان میں رہے تھے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ بہرحال ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے یا کوئی اور امر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ جس کے سبب سے یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک میں مشکلات تھے۔ اگر وہ قائم رہتا تو مسلمان اسے ایک سنت بنا لیتے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹؍ نومبر ۱۹۱۱ء)

ہاں مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سورہ تحریم کی پہلی چند آیات کی تفسیر لکھ دوں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بی بی زینبؓ کے گھر میں شہد پیا عائشہؓ اور حفصہؓ نے زینبؓ پر غیرت کی۔ اور رسولِ خدا سے عرض کیا کہ آپؐ کے مُنہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں نے زینب کے گھر میں شہد پیا ہے۔ اب پھر شہد نہ پیوں گا۔ یہ بات اس لئے کہی کہ جب عورتوں کو شہد کی بُو سے نفرت ہے تو اس کا پینا کیا ضرور؟ معاشرت میں نقص آتا ہے؟ باری تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ حلال اشیاء کا ترک کرنا اور اس پر حلف کرنا کیوں۔ ایسے امور میں عورتوں کی رضامندی ضرور نہیں۔ قسم سے بچ رہنے کیلئے سورہ مائدہ میں کفارے کا حکم ہے۔ اس پر عمل کرو۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ میں فَرَضَ ماضی کا صیغہ ہے۔ حال یا استقبال نہیں۔ یہ زینبؓ کا قصہ اور اس پر آیت کا نازل ہونا بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی اعلیٰ کتابوں میں موجود ہے۔ اور قرآن کی تفسیر یا خود قرآن سے یا لغتِ عرب سے یا قرآن کی تفسیر صحیح احادیث سے تفسیر کا اعلیٰ درجہ ہے۔

بعض مفسر لوگوں نے زینبؓ کے بدلے میں ماریہ قبطیہ کا نام لیا۔ اِلَّا ماریہ بھی رسولِ خدا کی بی بی ہیں۔ اور ایک بیٹے کی ماں۔ اس بیٹے کی ماں ہیں جس نے لڑکپن میں انتقال کیا۔ تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اِلَّا یہ مفسرین کا قول حدیث کے مقابلہ میں التفات کے قابل نہیں۔ بلکہ محققین نے ماریہ کے وجود پر بھی انکار کیا ہے۔"

(فصل الخطاب حصہ اوّل طبع دوم صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸، ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ رنومبر ۱۹۱۱ء)

فَرَضَ اللّٰہُ عام حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا ہے کہ ایسی قسموں پر قائم نہ رہا کریں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ رنومبر ۱۹۱۱ء)

۴۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا۔ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ

اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات اپنی کسی بیوی کو کہی تھی۔ اُس نے کسی اَور کے آگے ذکر کردی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہامِ الٰہی کے ذریعے معلوم ہوگیا۔ کہ اس بیوی نے اس راز کی بات کو آگے ذکر کردیا ہے۔

شیعوں نے کہا ہے کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے اور سنّی کہتے ہیں کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مقیّد نہیں کیا اور بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا بات تھی۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ یہ بات تھی یا وہ بات تھی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء)

اَسَرَّ النَّبِیُّ، محبت بڑھانے کیلئے اپنی بیوی سے مخفی بات بھی بعض اوقات کہہ دینی چاہیئے لیکن اگر وہ ظاہر کردے تو جتلا دینا چاہیئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ر ۹ صفحہ ۴۸۴)

۵۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۵

صَغَتْ: جھکے ہوئے ہیں۔ تمہارے دل تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ کجی کا ترجمہ کرنا یہاں غلط ہے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا: اگر تم ایک دوسرے کی پیٹھ بھرو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء)

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا: توبہ کرو تو یہی تم سے توقع ہے۔ کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی سے ایسے ہیں کہ وہ جنابِ الٰہی میں جھکے ہوئے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ر ۹ صفحہ ۴۸۵)

۶۔ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ

سَيِّحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

تبدیلی کا اختیار دیا گیا۔ مگر تبدیلی کوئی نہیں ہوئی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب صفات جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ نبی کو خدا ایسی بیبیاں دے گا۔ وہ انہی بیبیوں میں موجود تھیں! اور اگر کچھ کمزوریاں تھیں۔ تو وہ خداوند تعالیٰ نے دور کر دیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

۷۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

اوپر عورتوں کا ذکر ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ تاکید فرماتا ہے۔ کہ اپنے اہلِ خانہ کو وعظ و نصیحت کرتے رہو۔ اور انہیں نیک باتوں کی طرف متوجہ کرتے رہو۔ تاکہ وہ بھی عذاب سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) مرد عورتوں کے مؤدب ہوا کرتے ہیں کہ ان کو ہر قسم کے آداب شرعیہ و اسلامیہ سکھا دیں۔

۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

نَصُوْحًا : خالص توبہ۔ نصوح کے معنے ہیں ۔خالص رجوع۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا مومن کا کام ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ خالص توبہ کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم پچھلی بدیوں کے بُرے نتائج سے محفوظ رہو گے اور آئندہ بدیوں کے جوش کو دبا سکو گے اور ایک نور تمہیں دیا جائے گا جس کی روشنی میں تم چلوگے اور ہر قسم کی ٹھوکر اور لغزش سے محفوظ رہو گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

۱۰۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾

اس آیت میں منافقوں سے جہاد کا حکم ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ منافق ظاہر ہو چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو معلوم تھے۔ اگر ظاہر نہ ہوتے تو ان کے ساتھ جہاد کیونکر ہو سکتا تھا۔ اگر شیعوں کے کہنے کے مطابق عمرؓ منافق تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لازم تھا بلکہ ان پر فرض تھا کہ اس آیت کے ماتحت ان کے ساتھ جہاد کرتے۔ مگر انہوں نے نہیں کیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

۱۱۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۱﴾

اِمْرَاَتَ نُوْحٍ : حضرت نوحؑ کی بیوی کا نام علمۃ تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مثال دو عورتوں کے ساتھ بیان کی ہے۔ جیسے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں تھیں مگر چونکہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اس واسطے ظاہری تعلق اور رشتہ کام نہ آیا بلکہ ان کی بدگوئی اور مخالفت کی وجہ سے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوگئیں۔

فَخَانَتٰهُمَا : یہاں خیانت سے مراد انبیاء کی بدگوئی اور عداوت ہے۔ فسق و فجور کے واسطے جو لفظ آتا ہے وہ خُبث ہے۔ یہ خبیثہ نہ تھیں بلکہ کافرہ تھیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

۱۲،۱۳۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ
فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ
فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ
رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۳﴾

مومن دو ۲ قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک امرأۃ فرعون کی مانند اپنے جذباتِ نفس میں مقید ہیں۔ اس حالت سے نکلنے کے واسطے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے مریم بنت عمران کی طرح ہیں جو اپنے نفس کو پاک کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی رُوحِ صدق ان میں پھونکی جاتی ہے اور وہ مسیحی نفس بن جاتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ: اسی امت میں ابن مریم پیدا ہونے کی بشارت حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو مریم بھی فرمایا۔ مطلب یہ کہ گناہوں سے پاک ہوں۔ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۹ ۔ ۲ صفحہ ۴۸۵)

اس کی تفسیر میں ایک مفصل بیان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی کتاب کشتی نوحؑ میں لکھا ہے جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

خُدا نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بشارت دی کہ اس امت کے بعض افراد انبیاء گزشتہ کی نعمت بھی پائیں گے نرے یہودی ہی نہیں یا عیسائی نہیں اور ان قوموں کی بدی تو لے لیں مگر نیکی نہ لے سکیں۔ اسی کی طرف سورۃ تحریم میں بھی اشارہ کیا ہے۔ کہ بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی۔ تب اس کے رحم میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی گئی۔ اور عیسیٰ اس سے پیدا ہوا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس امت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا پھر اس میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی جاوے گی۔ تب مریم میں سے

عیسٰی نکل آئے گا۔ یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسٰی ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ ابنِ مریم کہلائے گا۔ جیسا کہ براہینِ احمدیہ میں اوّل میرا نام مریم رکھا گیا۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے الہام صفحہ ۲۲۹ میں اور وہ یہ ہے کہ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا یعنی اے مریم تو نے یہ نعمت کہاں سے پائی اور اسی کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۲۲۶ میں یعنی اس الہام میں کہ ھُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَۃِ یعنی اے مریم کھجور کے تنا کو ہلا۔ اور پھر اس کے بعد صفحہ ۴۹۶ براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے۔ یَامَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ نَفَخْتُ فِیْکَ مِنْ لَّدُنِّیْ رُوْحَ الصِّدْقِ یعنی اے مریم تو مع اپنے دوستوں کے جنّت میں داخل ہو۔ مَیں نے تجھ میں اپنے پاس سے صدق کی رُوح پھونک دی۔ خدا نے اس آیت میں میرا نام روح الصدق رکھا۔ یہ اس آیت کے مقابل پر ہے کہ نَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا پس اس جگہ گویا استعارہ کے رنگ میں مریم کے پیٹ میں عیسٰی کی رُوح جا پڑی جس کا نام روح الصدق ہے پھر سب کے آخر میں صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ میں وہ عیسٰی جو مریم کے پیٹ میں تھا۔ اس کے پیدا ہونے کے بارہ میں یہ الہام ہوا۔ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اس جگہ میرا نام عیسٰی رکھا گیا۔ اور اس الہام نے ظاہر کیا کہ وہ عیسٰی پیدا ہو گیا جس کی رُوح کا نفخ صفحہ ۴۹۶ میں ظاہر کیا گیا تھا۔ پس اس لحاظ سے میں عیسٰی بن مریم کہلایا۔ کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی۔ دیکھو صفحہ ۴۹۶ اور صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ۔ اور اسی واقعہ کو سورۃ تحریم میں بطور پیشگوئی کمال تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسٰی ابن مریم اس امت میں اس طرح پیدا ہو گا کہ پہلے کوئی فرد اس اُمّت کا مریم بنایا جائے گا اور پھر بعد اس کے اس مریم میں عیسٰی کی رُوح پھونک دی جائے گی۔ پس وہ مریمیت کے رحم میں ایک مدّت تک پرورش پاکر عیسٰی کی روحانیت میں تولّد پائے گا۔ اور اس طرح وہ عیسٰی بن مریم کہلائے گا۔ یہ وہ خبر محمدی ابنِ مریم کے بارہ میں ہے جو قرآن شریف یعنی سورہ تحریم میں اس زمانہ سے تیرہ سَو برس پہلے بیان کی گئی ہے۔ اور پھر براہین احمدیہ میں سورۃ التحریم کی ان آیات کی خدا نے خود تفسیر فرما دی ہے۔ قرآن شریف موجود ہے۔ ایک طرف قرآن شریف کو رکھو اور ایک طرف براہین احمدیہ کو اور پھر انصاف اور عقل اور تقویٰ سے سوچو کہ وہ پیشگوئی جو سورہ التحریم میں تھی یعنی یہ کہ اس امت میں بھی کوئی فرد مریم کہلائے گا اور پھر مریم سے عیسٰی بنایا جائے گا۔ گویا اس میں سے پیدا ہو گا۔ وہ کسی رنگ میں براہین احمدیہ کے الہامات سے پوری ہوئی۔ کیا یہ انسان کی قدرت ہے۔ کیا یہ میرے اختیار میں تھا اور کیا مَیں اس وقت موجود تھا جبکہ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا۔ میں عرض کرتا کہ مجھے ابنِ مریم بنانے کیلئے کوئی آیت اُتار دی جائے اور اس اعتراض سے مجھے

سبکدوش کیا جائے کہ تمہیں کیوں ابن مریم کہا جائے۔ اور کیا آج سے بیس بائیس برس پہلے بلکہ اس سے بھی زیادہ میری طرف سے یہ منصوبہ ہو سکتا تھا کہ مَیں اپنی طرف سے الہام تراش کر اوّل اپنا نام مریم رکھتا اور پھر آگے چل کر افتراء کے طور پر یہ الہام بناتا کہ پہلے زمانہ کی مریم کی طرح مجھ میں بھی عیسیٰ کی روح پھونکی گئی۔ اور پھر آخر کار صفحہ ۵۵۶ براہین احمدیہ میں یہ لکھ دیتا کہ اب مَیں مریم میں سے عیسیٰ بن گیا۔ اے عزیزو! غور کرو اور خدا سے ڈرو۔ ہرگز یہ انسان کا فعل نہیں۔ یہ باریک اور دقیق حکمتیں انسان کے فہم اور قیاس سے بالاتر ہیں۔[1] اگر براہین احمدیہ کی تالیف کے وقت جس پر ایک زمانہ گزر گیا۔ مجھے اس منصوبہ کا خیال ہوتا تو مَیں اسی براہینِ احمدیہ میں یہ کیوں لکھتا کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا۔ سو چونکہ خدا جانتا تھا کہ اس نکتہ پر علم ہونے سے یہ دلیل ضعیف ہو جائے گی۔ اس لئے گو اس نے براہینِ احمدیہ کے تیسرے حصّہ میں میرا نام مریم رکھا۔ پھر جیسا کہ براہینِ احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفتِ مریمیت میں مَیں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصّہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے۔ مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصّہ چہارم صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے۔ مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے مَیں ابن مریم ٹھہرا اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت میں اس سرِّ مخفی کی مجھے خبر نہ دی۔ حالانکہ وہ سب خدا کی وحی جو اس راز پر مشتمل تھی۔ میرے پر نازل ہوئی اور براہین احمدیہ میں درج ہوئی۔ مگر مجھے اس کے معنوں اور اس ترتیب پر اطلاع نہ دی گئی۔ اسی واسطے مَیں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو۔ وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا۔ مخالفوں کیلئے قابلِ استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں۔ جب تک کہ خود خداتعالیٰ مجھے نہ سمجھادے۔ سو اس وقت تک حکمتِ الٰہی کا یہی تقاضا تھا کہ براہین احمدیہ کے بعض الہامی اسرار میری سمجھ میں نہ آتے۔ مگر جب وقت آ گیا۔ تو وہ اسرار مجھے سمجھائے گئے۔ تب میں نے معلوم کیا کہ میرے اس دعویٰ مسیح موعود ہونے میں کوئی نئی بات نہیں یہ وہی دعویٰ ہے جو براہین احمدیہ میں بار بار بتصریح لکھا گیا ہے۔ اس جگہ ایک اور الہام کا بھی ذکر کرتا ہوں اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہ الہام اپنے کسی رسالہ یا اشتہار میں شائع کیا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ صدہا لوگوں کو مَیں نے سنایا تھا۔ اور میری یادداشت کے الہامات میں موجود ہے۔ اور وہ اس زمانہ کا ہے۔ جب کہ

---

[1] ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ نومبر ۱۹۱۱ء

خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخ روح کا الہام کیا۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا فَاَجَاءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَالَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے۔ دردِ زِہ کھجور کی طرف لے آئی۔ یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا۔ جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا۔ تب مریم نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ یہ اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتداء میں مولویوں کی طرف سے بحیثیت مجموعی پڑا اور وہ اس دعویٰ کو برداشت نہ کرسکے۔ اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انہوں نے فنا کرنا چاہا۔ تب اس وقت جو کرب اور قلق ناسمجھوں کا شور و غوغا دیکھ کر میرے دل پر گزرا۔ اس کا اس جگہ خدا تعالیٰ نے نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اور اس کے متعلق اور بھی الہام تھے جیسا لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا اور پھر اس کے ساتھ کا الہام براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۱ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ تَمْتَرُوْنَ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ سطر ۱۲ و ۱۳ (ترجمہ) اور لوگوں نے کہا کہ اے مریم تو نے یہ کیا مکروہ اور قابل نفرین کام دکھلایا جو راستی سے دور ہے۔ تیرا باپ اور تیری ماں تو ایسے نہ تھے مگر خدا ان تہمتوں سے اپنے بندہ کو بری کرے گا۔ اور ہم اس کو لوگوں کیلئے ایک نشان بنادیں گے اور یہ بات ابتداء سے مقدر تھی اور ایسا ہی ہونا تھا۔ یہ عیسیٰ بن مریم ہے جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ یہی قول حق ہے۔ یہ سب براہین احمدیہ کی عبارت ہے اور یہ الہام اصل میں آیاتِ قرآنی ہیں جو حضرت عیسیٰ اور انکی ماں کے متعلق ہیں۔ ان آیتوں میں عیسیٰ کو لوگوں نے ناجائز پیدائش کا انسان قرار دیا ہے۔ اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس کو اپنا نشان بنائیں گے اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اس کو نشان بنادیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنیوالا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے۔ اور شک محض نافہمی سے ہے جو خدا کے اسرار کو نہیں سمجھتے اور صورت پرست ہیں حقیقت پر ان کی نظر نہیں۔

(منقول از ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ نومبر ۱۹۱۱ء)

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝۲

تَبٰرَكَ : بہت برکت والا ۔ دائمی خیر والا ۔ پاک ذات ہے ۔ بابرکت والا ہے ۔ ملک و دولت کا مالک ہے ۔ سب چیزوں پر قادر ہے ۔ کسی پارلیمنٹ کے ماتحت نہیں ۔ کسی مجلس شوریٰ کے قوانین ماننے پر مجبور نہیں ۔ ایسے مالک کی حکومت کا ماننا ہمارے واسطے ضروری ہے اور مفید ہے ۔ انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ طاقت ور اور بڑے کی بات کو مان لیتا ہے ۔ خدا تعالیٰ نے قدرت کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے بڑے بڑے فلاسفر ایک ایک ذرے کی تحقیقات میں بھی حیران رہ جاتے ہیں ۔

اس سورۂ شریفہ کو نہایت پرشوکت الفاظ سے شروع کیا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی طاقت سلطنت عزت و عظمت و جبروت کا اظہار ہوتا ہے ۔ اسکے قبضۂ قدرت میں سب حکومتیں ہیں ۔

یہ سورۃ مکی ہے ۔ ایسے وقت میں نازل ہوئی ۔ جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور مشرکین کا زور تھا اس میں ایک پیشگوئی ہے ۔ کہ سلطنت اصل میں خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ اور وہ اب کفار سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سلطنت کا مالک بنائے گا ۔ دنیاداروں کی نگاہ میں یہ بات دُور از قیاس ہے ۔ مگر خدائے تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۳۔ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۳

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ : خدا تعالیٰ نے موت اور زندگی بنائی ۔ اس دنیا کو چھوڑنا اور پھر ہمیشہ

زندہ رہنا۔

جس چیز کا تقاضا اور خواہش انسان میں ہے۔ اسکا سامان بھی ضرور موجود ہو جاتا ہے۔ انسان کی یہ فطری خواہشات سے ہے کہ وہ فنا نہ ہو۔ تو اس کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے۔ مرنے کے بعد روح قائم رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موت بھی بنائی ہے۔ یہ بھی اس کی بڑی غریب نوازی ہے۔ موت کے ساتھ دنیا کی سب تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور موت کے بعد پھر ترقیات کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ موت انسان کے واسطے اس طرح ضروری ہے جس طرح ہر اس لڑکی کے واسطے جو کسی کے گھر میں پیدا ہو۔ یہ ضروری ہے کہ اس کے ماں باپ بصد محبت اُسے پال پوس کر اور ہر طرح سے اس کی تعلیم و تربیت کر کے بالآخر ایک دن اسے اپنے گھر سے رخصت کر کے دوسرے گھر میں پہنچا آویں۔ کیونکہ اس میں ایک جوہر خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ جس کی شگفتگی سوائے اس کے نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس گھر کو چھوڑ کر اُس گھر میں چلی جاوے۔ خواہ اس کے ماں باپ اور خویش و اقرباء اس کی جدائی کے صدمہ سے روئیں اور غم کھائیں اور آنسو بہائیں۔ پر ضرور ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اُسے رخصت کریں۔ جس طرح وہ جدائی کی گھڑی سخت ہے اسی طرح موت کی ساعت بھی سخت ہے۔ مگر اس کے بعد آرام و راحت کا ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے۔

اس موت و حیوٰۃ کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قوموں کی روحانی موت اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دوبارہ زندگی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کی تمام قوموں پر روحانی مُردگی وارد ہو چکی تھی۔ اور بر و بحر ہلاک ہو چکے تھے۔ اسی کی طرف قرآنِ مجید میں دوسری جگہ اشارہ فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ

(انفال: ۲۵)

اے مومنو! اللہ اور رسول کی بات مانو۔ جبکہ وہ تمہیں بلاوے تاکہ تمہیں زندگی عطا کرے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان، ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء)

لِیَبْلُوَکُمْ: تاکہ تمہیں انعام دے۔ انعام امتحان کے بعد ہوتا ہے۔ امتحان کے معنے ہیں۔ محنت میں ڈالنا۔ جس کسی کو ایک محنت اور بلاء میں اور مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے کامیاب نکلتا ہے تب وہ انعام پاتا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے دیکھیں کہ محنت کا نتیجہ کیا ہے۔ اور وفاداری کا پھل کس طرح ملتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔

بعض نادانوں نے اس لفظ پر اعتراض کیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کیوں کرتا ہے۔ کیا وہ اپنے علم غیب سے نہیں جانتا کہ انسان کس حالت میں ہے۔ قرآن شریف میں تو آزمائش کا لفظ ہی نہیں آیا وہاں تو بلاء کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنے انعام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ حالتیں موت اور زندگی کی اس واسطے بنائی ہیں کہ ہمیں انعام عطا کرے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے افعال کو قانونِ قدرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک شئے پر ایک محنت کرنی پڑتی ہے اور یہی امتحان ہے۔ دانہ زمین میں چھوڑا جاتا ہے خس و خاشاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ پھر پانی سے اُسے اس مٹی میں تر کیا جاتا ہے۔ تب وہ پھٹتا ہے اور اس میں سے نرم پتیاں نکلتی ہیں۔ جو ہوا۔ آندھی۔ دھوپ کی شدت اور قسما قسم کے حالات سے گزر کر آخر پھلتا ہے۔ یہی امتحان ہے محنت کے بعد پھل ملتا ہے۔ آریوں نے بھی جنم لینے کا مسئلہ ایجاد کیا ہے۔ اور انجیل میں بھی لکھا ہے کہ ٹھوکروں کا آنا ضروری ہے۔

امتحان کے معنے ہیں۔ کسی سے محنت لینا اور اس پر مزدوری دینا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (حجرات : ۴)
اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے ایک امتحان میں ڈالا۔ جس سے وہ کامیاب ہوئے اور مغفرت اور اجر عظیم انہوں نے حاصل کیا۔

عَزِيزٌ : پیاری باتوں کو پیار کرنے والا۔ غالب۔ بڑی عزت والا ہے۔ اور بندوں سے غلطیاں ہوئی ہیں تو وہ استغفار کریں۔ وہ معاف کرنے والا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۴۔ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ ﴿۴﴾

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ : سات آسمان چھوٹے بڑے سیاروں اور ستاروں کے آسمان پر سات طبقات ہیں
طِبَاقًا : کے دو معنے ہیں ۱۔ بہت جوڑے جوڑے ۲۔ ایک دوسرے کے اوپر یا ایک دوسرے کے بعد۔

آسمان کے ذکر میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انسانی زندگی کے لوازمات کی بہت سی اشیاء

آسمان سے وابستہ ہیں۔ آسمان سے پانی آتا ہے۔ تو کھیتی بنتی ہے۔ اور سورج کی دھوپ سے وہ پکتی ہے آسمان سے بارش نہ ہو۔ تو کنوئیں اور دریا ہی خشک ہو جانے لگتے ہیں۔ جب ظاہری ضروریات کے واسطے انسان آسمان کا محتاج ہے تو روحانی فیوض کے واسطے تم کیوں آسمانی وحی و الہام کی قدر نہیں کرتے۔

خَلْقِ الرَّحْمٰنِ : رحمانی تقاضا سے جو اشیاء مفت میں مل گئی ہیں۔ ان کی شکر گزاری کرو۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ سورج برابر روشنی دئے جاتا ہے۔ پھر ضرورتِ نبوّت میں کیوں فرق کے قائل بنتے ہو۔

تَفَاوُتٍ : اضطراب کو بھی کہتے ہیں اور اختلاف کو بھی کہتے ہیں۔ اضطراب یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں کی کہیں ڈال دی جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ اور نہ ایسا اختلاف اور گڑبڑ ہے کہ مثلاً آگ کی خاصیت پانی میں جا پڑے اور پانی کی خاصیت آگ میں جا پڑے۔ تفاوت نقصان کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حق و حکمت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ انسان کی تحقیقات میں نقصان ہو۔ ورنہ خدا کے کاموں میں کوئی نقصان نہیں۔

فُطُوْرٍ : شق

فَارْجِعِ الْبَصَرَ : بار بار چیزوں کو دیکھو۔ تحقیقات کرو۔ نقص نہ پاؤ گے۔ پھر۔ پھر غور کرو۔ تمہاری آنکھیں دیکھتے دیکھتے تھک جائیں گی۔ مگر کوئی بھی نقص نہ ملے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ ، نومبر ۱۹۱۱ء)

۶۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾

سَمَآءَ الدُّنْيَا : ورلا آسمان

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس ورلے آسمان کو عجیب در عجیب چراغوں سے روشن کیا ہے اور ان میں ایسے بھی ستارے ہیں جو شریروں کو دور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سے جب احکام صادر ہوتے ہیں۔ تو بڑے فرشتے چھوٹے فرشتوں کو پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ بات وہاں تک پہنچتی ہے جہاں بادلوں کا طبقہ ہے اور وہاں تک شیطانوں کا دخل ہے۔ کیونکہ ارواحِ خبیثہ کے بھی مدارج ہوتے ہیں۔ بعض وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں بادلوں کا آسمان ہے۔

شَيٰطِيْنِ : منجمین اور کاہن بھی انہیں میں سے ہیں جو کہ رجماً بالغیب کرتے ہیں۔ آئندہ کی باتیں بیان

کرتے ہیں اور ستاروں کو دیکھ کر تکہ بازیاں کرتے ہیں۔ یہ ستارے ان کے واسطے تکہ بازی کا ایک ذریعہ بن گئے ہیں۔ جوتشی اور رمال لوگ ایسا کرتے ہیں۔

رَجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ...... مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند ایسے صاف اور بدیہی امور کو بیان کر دوں۔ جن کے ملحوظ رکھنے سے آیات نمبر ۲ اور ۳ کے فہم میں بہت سہولت ہو۔ کیونکہ اس سوال پر آجکل بہت زور دیا جاتا ہے اور عام کالجوں کے لڑکے اور وہاں سے نکل کر بڑے عہدوں پر ممتاز اور ان کے ہم صحبت ایسی باتوں پر بہت تمسخر کرتے ہیں۔ پس چند امور بدیہی کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوا۔

اوّل: مناظر قدرت کو دیکھنے والے مختلف الاستعداد لوگ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً دوسرے کی آنکھوں کو ایک بچہ بھی دیکھتا ہے جو مصنوعی اور اصلی آنکھ میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پھر ایک عقلمند بھی دیکھتا ہے۔ گو وہ اصلی اور مصنوعی میں فرق کر لیتا ہے۔ مگر آنکھ کے امراض سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کی خوبیوں اور نقصانوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ پھر شاعر دیکھتا ہے جو اس کے حسن و قبح پر سینکڑوں شعر لکھ مارتا ہے۔ پھر طبیب و ڈاکٹر دیکھتا ہے۔ جو اس کی بناوٹ اور امراض پر صدہا ورق لکھ دیتا ہے۔ پھر موجدین دیکھتے ہیں۔ جیسے فوٹوگرافی کے موجد نے دیکھا اور دیکھ کر فوٹوگرافی جیسی مفید ایجادیں کیں۔ پھر اس کے اور دو بھائی دیکھتے ہیں جنہوں نے عجیب در عجیب ٹیلی سکوپ وغیرہ ایجاد کئے۔

پھر ان سے بالاتر صوفی دیکھتا ہے۔ اور اس سے بھی اوپر انبیاء و رسل دیکھتے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر اللہ کریم دیکھتا ہے۔ غرض اسی طرح پر ہزاروں ہزار نظارہ ہائے قدرت ہیں اور ان کے دیکھنے والے الگ الگ نتیجے نکالتے ہیں۔

اب ہم شہاب ثاقبوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ شہاب وہ چیزیں ہیں جنہیں انگریزی میں میٹئرز[1] کہتے ہیں یہ تو بچہ۔ عامی۔ شاعر۔ حکیم سب یکساں دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ شہب گاہ گاہ نظر آتے ہیں۔ اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اب یہ بات کہ کیوں گرتے ہیں۔ اس پر خداداد عقل والے بھی غور کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ کیوں گرتے ہیں اور نیز یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام لغو اور بے حکمت نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم میٹئرز کے متعلق عامیوں کے بے فائدہ نظارہ کو چھوڑ کر پہلے حکماء کا نظارہ بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ میٹئرز آسمان میں سے کرہ ہوائی میں داخل ہو کر روشن ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہر روز بیس ملین ہوا میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹے اور عام اور روزانہ ہیں۔ رات کے پچھلے حصہ میں پہلے کی نسبت تین گنے زیادہ

---

[1] METEORS

ہوتے ہیں۔ میٹئرز کی فوج دورے کے ساتھ آتی ہے۔ یہ دَورہ صدی میں تین بار ہوتا ہے۔ عموماً نومبر کے مہینہ میں اور بڑے بڑے دورے مفصلہ ذیل ہیں۔

سنہ ۱۲۰۲ء، سنہ ۱۱۳۵ء ۱۹ جنوری، سنہ ۱۱۰۱ء، سنہ ۱۰۰۲ء، سنہ ۹۳۱ء، سنہ ۹۰۲ء، سنہ ۶۱۰ء مئی، سنہ ۵۹۹، سنہ ۲۸۶، سنہ ۱۸۶۶ء، سنہ ۱۸۳۲ء، سنہ ۱۷۹۹ء، سنہ ۱۶۹۸ء، سنہ ۱۶۰۲ء، سنہ ۱۵۳۳ء (میں حیرت بخش رمی ہوئی) سنہ ۱۵۲ء ۱۰ مارچ، سنہ ۱۳۱۲ء ۶، سنہ ۱۸۷۲ء بعض میٹئرز سورج کے گرد شکل کانک سکشن (انقطاع خرطومی) میں دَورہ کرتے ہیں۔

میٹئرز کامٹ کے گرد بہت ہوتے ہیں۔ وہیں سے آتے ہیں۔ جن دنوں کامٹ نمودار ہوتا ہے ان دنوں میں یہ بھی کثرت سے گرتے ہیں۔ خود کامٹ بھی ایک میٹئرز ہے۔ کیمیکل (کیمیاوی) امتحان سے معلوم ہوتا ہے کہ مفصلہ ذیل اشیاء میٹئرز میں پائے جاتے ہیں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

لوہا۔ ایلومینیم۔ میگنیشیم۔ پوٹاشیم۔ سلیکون۔ سوڈیم۔ آکسیجن۔ کیلشیم۔ نکل۔ آرسینک۔ کوبالٹ فاسفورس۔ کرومیم۔ نائیٹروجن۔ میگنیسی۔ سلفر۔ کلورائن۔ کاربن۔ ٹیٹینیم۔ ہائیڈروجن۔ ٹین۔ تانبا۔

تمام مقامات جن میں میٹئرز جمع کئے گئے ہیں۔ یورپ میں وی آنا، پیرس لندن۔ برلن اور امریکہ میں نیوہیون۔ ایمہرسٹ۔ لوسٹرول۔ یہ پتھر عموماً بڑے نہیں ہوتے۔ عجائب خانہ میں ایک سو پونڈ سے زیادہ وزن کے پتھر کم ہی پائے جاتے ہیں۔ ایسی بارش ان پتھروں کی شاذ و نادر ہی ہوئی ہوگی۔ جس میں کل پتھروں کا وزن ہزار پونڈ تک پہنچا ہو۔ مقام پلٹسک کے نو سو پچاس سالم پتھر پیرس کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا اوسط وزن ۷۶ گرام ہے یعنی ۲½ اونس سے بھی کم ہے۔ سٹاک ہولم کے عجائب خانہ میں ایک پتھر کا وزن ایک گرین سے بھی کم ہے۔ مقام ایمٹ کی بارش میں ایک پتھر قریباً ۵۰۰ پونڈ کا گرا تھا۔

میٹی ارک آیرن۔ اس قسم کا ایک ٹکڑا ۱۶۳۵ پونڈ وزنی ییل کالج میوزیم میں موجود ہے۔ قریباً اتنے ہی حجم کا ایک ٹکڑا پیرس کے میوزیم میں ہے۔ اس سے کسی قدر چھوٹا ٹکڑا شہر واشنگٹن کے نیشنل میوزیم میں ہے۔ اور ان سے ایک بہت بڑا ٹکڑا برٹش میوزیم میں ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ ہم اس مذہب کی تحقیق بیان کرتے ہیں جس کو پال نے مذہب اسلام سے اور یقین کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام سے وہ مذہب اچھا ہے۔ اس کی آخری تحقیقات کی کتاب مکاشفات کے باب ۱۲ میں ہے۔

ایک بڑا سرخ اژدہا جس کے سات سر اور دس سینگ اور اس کے سروں پر سات تاج تھے۔ ظاہر

ا؎ COMET

ہوا اور اسکی دُم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچے اور انہیں زمین پر ڈالا۔ اور اسی باب میں ہے ۔ پھر آسمان پر لڑائی ہوئی ۔ میکائیل اور اسکے فرشتے اژدہے سے لڑے ۔ اور اژدہا اور اس کے فرشتے لڑے ۔ پھر متی ۲۴ باب ۲۹ آیت ۔ ستارے گریں گے ۔ اور بروج کے متعلق مسیحی کتابوں میں ہے ۔ دیکھو ایوب ۳۸ باب ۳۲ آیت۔

" کیا تجھ میں قدرت ہے کہ منطق البروج ایک ایک اس کے موسم پر پیش کرے "

اور شہابوں کے بارے ان میں لکھا ہے۔ دیکھو ایوب ۳۸ باب ۳۶ آیت میں ہے " یا کس نے شہابوں کو فہید عطا کی " اس سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ شہابوں کو بھی فہمید ہے ۔ پر آگے بیان نہیں کیا کہ کیا فہمید ہے اور اس فہمید سے کیا کام لیتے ہیں ۔ اور زبور ۱۰۴ میں ہے " وہ اپنے فرشتوں کو روحیں بناتا ہے اور اپنے خدمت گزاروں کو آگ کا شعلہ "

اب تک ہم نے یہ باتیں بیان کی ہیں ۔ کہ میٹر ز ۔ الکایات ۔ شہاب ثاقب اور شعلہ ہائے نار آسمان سے گرتے نظر آتے ہیں اور کتب یہود اور مسیحیوں نے بھی نہیں بتایا کہ کیوں گرتے ہیں ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ فعلِ الٰہی ہے ۔ اس لئے لغو بھی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ عادت اللہ کے موافق اس میں بڑی حکمتیں ہوں ۔

اب تیسرا امر جو اس مضمون میں مجھے بیان کرنا ہے ۔ یہ ہے کہ الہامی مذاہب قائل ہیں کہ دیوتا ۔ ملک اور فرشتے موجود ہیں اور ان کا ماننا ضروری ہے کیونکہ الٰہی کلام میں ان کا ذکر ہے ۔ اور شیاطین اور جن بھی ہوتے ہیں اور انکی مخالفت کرنا ضروری ہے ۔ مَیں بھی الہامی مذہب اسلام کا معتقد ہوں اور اسکی پاک کتاب میں پاتا ہوں ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (البقرہ ، ۲۸۶)

ترجمہ : رسول ایمان لایا اس پر جو اتارا گیا اس کی طرف اس کے رب سے اور مومن بھی سب کے سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر ۔

اس لئے میں فلاسفروں ۔ سائنس دانوں ۔ برہموؤں اور آریہ سماجیوں کے لئے ایک دلیل وجودِ ملائکہ پر اور ان پر ایمان لانے کی ضرورت کی وجہ بیان کرتا ہوں ۔ شاید کوئی رشید اور سعادتمند اس پر توجہ کرے ۔

سب سے پہلے میرے نزدیک ہزاروں ہزار انبیاء و رسول جو راست بازی میں ضرب المثل تھے اور ان کے مخلص اتباع کا اعتقاد اس بارے میں کہ ملائکہ اور شیاطین ہیں بہت بڑی دلیل ہے ۔ مگر ایک دلیل مجھے بہت پسند آئی ہے جسے مَیں پیش کرتا ہوں اور دلیری سے پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے بار بار

کے تجارب میں آچکی ہے اور وہ یہ ہے۔

تمام عقلاء میں یہ امر مسلّم ہے۔ کہ اس زمین کا کوئی واقعہ بدوں کسی سبب کے ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صوفیائے کرام اور حکمائے عظام اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی امر حقیقت میں اتفاقی نہیں ہوا کرتا۔ تمام امور علل اور حکم سے وابستہ ہوتے ہیں۔

اب مَیں پوچھتا ہوں کہ تنہائی میں بیٹھے بیٹھے نیکی کا خیال بدوں کسی تحریک کے کیوں اٹھتا ہے۔ بلکہ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اردگرد بدکار بدیوں کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ بدی کے عین ارتکاب و ابتلاء میں ان کو نیکی کی تحریک اور رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی بتائے۔ کہ اس تحریکِ نیک اور رغبتِ پسندیدہ کا وقوع کیوں ہوا؟ آیا بلا سبب اور اتفاقی طور پر؟ یہ تو باطل ہے۔ کیونکہ تجارب نے اسکو باطل ٹھہرایا ہے۔ پس لامحالہ نیکی کا محرک ضرور ہے۔ اسی نیکی کے محرک کو اسلامی کتب اور شریعت میں مَلَکْ کہتے ہیں۔ اور ان کے اس تعلق و تحریک کو لِمَّۃُ الْمَلَکْ کہا گیا ہے۔ وہ ملک لطیف اور پاک روحیں ہیں جنہیں قلوبِ انسانی سے تعلق ہوتا ہے اور ہر وقت قلوب کی تحریک میں لگے رہتے ہیں۔ اور ان کے مدمقابل اور انکی تحریک کے مخالف شیاطین اور ابلیسوں کی روحیں ہیں۔ جو بدی اور بدکاری کی محرک ہیں۔ ان کے اس تعلق کا نام لِمَّۃُ الشَّیْطَان ہے۔

ایمان بالملائکہ کے معنے اور اس کا فائدہ

شریعت اسلام میں حکم ہے کہ فرشتوں پر ایمان لاؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جب وہ تم کو نیکی کی تحریک کریں تو معاً اسی وقت اس نیکی کو کر لو تا کہ اس نیکی کے محرک کا تعلق تم سے بڑھے اور وہ زیادہ نیکی کی تحریک دے بلکہ اس کی جماعت کے اور ملائکہ بھی تمہارے اندر نیکی کی تحریکیں کریں اور اگر اس تحریک کو نہ مانوگے۔ تو اس ملک نیکی کے محرک کو تم سے نفرت ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ملائکہ سے تعلق بڑھاؤ تا کہ نیکی کی تحریک بڑھے اور آخر وہ تمہارے دوست بن جاویں۔ قرآن کریم میں اس نکتہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱-۳۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے[۱] پھر اس اقرار پر پختہ ہو گئے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں

---

[۱] ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶؍ نومبر ۱۹۱۱ء

یہ کہتے ہوئے کہ نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو۔ اور خوشی مناؤ اس جنت کی کہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ ہم دنیا میں اور آخرت میں تمہارے ساتھی ہیں اور فرمایا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (انفال:۲۵)

اور یقین جانو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان روک ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔

اور ان ملائکہ کے مدمقابل یا ضد ظلمت وہلاکت۔ دوری اور عدم کے فرزند شیاطین اور ارواح خبیثہ ہیں۔ ان کے تعلقات سے ان کی جماعت دوست بنتی ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں۔ ملائکہ۔ دیوتا یا اہرمن ارواح خبیثہ۔ اسر شیاطین کے تعلقات سے ان مظاہر قدرت سے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر آخر کار اچھے لوگوں کو اور اچھے لوگوں سے پیوستگی ہو جاتی ہے۔ اور بُروں کو اور بُروں سے۔ بلکہ یہ تعلقات اس قدر ترقی پذیر ہوتے ہیں کہ ذراتِ عالم میں اچھے ذرات کا اچھوں سے تعلق ہوتا ہے۔ اور بُرے موذی دُکھ دائک ذرات کا بُروں سے۔

کیا کوئی شخص تاریخی مشاہدات اور تجارب صحیحہ سے ہمیں بتا سکتا ہے کہ آتشک اور خاص سوزاک جذام اور گھناؤنے اور گندے گندے امراض اور جان گداز ناکامیاں ماموروں، مرسلوں اور ان کے پاک جانشینوں کو لاحق ہوتی ہیں یا ان کے مخالفوں کو؟ قرآن کریم کیسے زور سے دعویٰ فرماتا ہے کہ مقبولان و مقربانِ الٰہی کے یہ سچے نشان ہیں۔ اسی واسطے کوئی صحابی حضرت خاتم النبیین بہرہ نہیں ہوا۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلۃ:۲۳)

ترجمہ: یہی لوگ خدا کی جماعت ہیں اور یاد رکھو۔ خدا کی جماعت مظفر و منصور ہے۔

اور فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (منافقون:۹)

ترجمہ: اور غلبہ سدا اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کیلئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

اور فرمایا:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ

(مومن: ۵۲)

ترجمہ: ہم ضرور کامیاب کرتے ہیں اپنے رسولوں اور مومنوں کو دنیا کی زندگی میں اور پیش ہونے والوں کے پیش ہونے کے دن میں۔

اس جنگ اور اولیاء اللہ کی کامیابی کے متعلق جسے ڈیو ۔ اسر سنگرام کہتے ہیں ۔ ہم نے اس رسالہ میں بہت جگہ تذکرہ کیا ہے ۔

چوتھا امر : قابلِ بیان یہ ہے کہ وسائل و وسائط کو تمام دنیا کے مذاہب ضروری تسلیم کرتے ہیں ۔ کافر و مومن ۔ جاہل و عالم ۔ بت پرست و خدا پرست ۔ سوفسطائی ۔ دہریہ ۔ جناب الہٰی کا معتقد غرض سب کے سب وسائل و وسائط کو عملاً مانتے ہیں ۔ کون ہے جو بھوک کے وقت کھانا ۔ پیاس کے وقت پینا ۔ سردی کے وقت کوئی دوائی یا گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ اختیار نہیں کرتا ۔ مقامِ مطلوب پر جلدی پہنچنے کیلئے ریل ٹرین یا سٹیمر کو پسند نہیں کرتا ۔ اگر مومن صرف حضرت حق سبحانہٗ کی مخلصانہ عبادت کرتا اور شرک اور بدعت اور اہواء سے پرہیز کرتا ہے ۔ تو غرض اس کی اسے ذریعہ قربِ الہٰی بنانا ہوتا ہے ۔ اور بُت پرست اگرچہ حماقت سے بُت پرست ہے مگر کہتا وہ بھی یہی ہے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر۔۴) ہم تو ان کو خدا کے قرب کا ذریعہ سمجھ کر پوجتے ہیں ۔ اگرچہ یہ ان کا کہنا اور اس کا عمل درآمد غلط ہی ہے ۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب صحیحہ بھی ہوتے ہیں اور ایسے اسباب بھی ہیں جن کا مہیا کرنا مومن کا کام ہے اور ایسے بھی جن کا مہیا کرنا عام عقلمندوں اور داناؤں کا حصہ ہے اور ایسے بھی ہیں ۔ جن کو سبب ماننا باعثِ شرک ہے اور ایسے بھی ہیں جن کو سبب خیال کرنا جہالت اور وہم اور حماقت ہے ۔

تعجب انگیز بات ہے کہ بہت سے فلاسفر ۔ سائنس دان اور حکماء عللِ مادیہ اور اسبابِ عادیہ پر بحث کرتے کرتے ہزارہا نکاتِ عجیبہ اور دنیوی امور میں راحت بخش نتائج پر پہنچ جاتے ہیں ۔ مگر روحانی ثمرات پر ہنسی ٹھٹھے کر جاتے ہیں ۔

جنوب شمال کو قطب اور قطب نما کی تحقیق میں اور اس پر مشرق و مغرب کو چھان مارا ہے اور سورج اور چاند کی کرنوں سے اور روشنیوں سے بے شمار مزے لوٹے ہیں ۔ لیکن اگر کسی کو انہیں نظاموں سے ہستی باری تعالیٰ پر بحث کرتا دیکھ لیں تو اس کے لئے مذہبی جنون اور اس کو مجنون قرار دیتے ہیں ۔ کیسا بے نظیر نظارہ ہے جس کو ایک اسلام کا حکیم نظم کرتا ہے ؎

اشقیاء در کارِ عقبیٰ جبری اند ۔۔۔ اولیاء در کار دنیا جبری اند

علم ہندسہ جس کی بناء پر آج انجینئرنگ اور اسٹرانومی معراج پر پہنچ گئی ہے ۔ سوچ لو ۔ کیسے فرضی امور سطح مستوی اور نقطہ سے جس کو سیاہی سے بناتے ہیں اور قلم کے خط سے شروع ہوتا ہے ۔ خطِ استوائی جدی ۔ سرطان ۔ افق نصف النہار وغیرہ سب فرضی باتیں ہیں ۔ مگر اس فرض سے کیسے حقائقِ مادیہ تک پہنچ گئے ہیں ۔ لیکن اگر ان بدنصیبوں کو کہیں کہ مومن بالغیب ہو کر دعاؤں اور نبیوں کی راہوں پر چل کر دیکھو تو

کیا ملتا ہے۔ تو ہنس کر کہتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں وحشی بنانا چاہتے ہیں۔

مَیں نے بارہا ان مادیوں کو کہا ہے۔ تندرست آنکھ بدوں اس خارجی روشنی کے اور تندرست کان بدوں اس روشنی کے اور تندرست کان بدوں خارجی ہوا کے اور ہمارا نطفہ بدوں ہم سے خارج رحم کے۔ بہت دُور کی اشیاء بدوں ٹیلی سکوپ کے باریک در باریک اشیاء بدوں مائیکروسکوپ کے۔ دُور دراز ملکوں کے دوستوں کی آوازیں بدوں فونوگراف کے اور ان کی شکلیں بدوں فوٹوگرافی کے نہیں دکھائی دیتیں۔

اب جبکہ تم ان وسائط کے قائل ہو اور اضطراراً قائل ہونا پڑتا ہے تو روحانی امور میں کیوں وسائط کے منکر ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کو مان کر بھی تم مَلَک اور شیاطین کے وجود پر کیوں ہنسی کرتے ہو۔ افسوس اس کا معقول جواب آج تک کسی نے نہیں دیا ناظرین جس طرح سچے وسائط ہمارے مشاہدات میں ہیں۔ اسی طرح سچے وسائط مکشوفات میں بھی ہیں۔ جس طرح مشاہدات میں الٰہی ذات وراء الورا ہے اور ضرور ہے۔ اسی طرح الٰہی ذات روحانیات میں بھی وراء الورا ہے - اگر روحانیات میں بھی بعض وسائط غلط اور وہم ہیں تو مشاہدات بھی اس غلطی اور وہم سے کب خالی ہیں۔

فرشتے آسمان اور آسمانی اجرام اور ان کے ارواح کے لئے بطور جان کے ہیں۔ شیاطین بھی ہلاکت ظلمت اور جناب الٰہی سے دُوری اور دُکھوں کے پیدا کرنے کیلئے بمنزلہ اسٹیم کے اسٹیم انجن کیلئے ہیں۔

خلاصہ امور چہارگانہ مذکور

۱۔ مظاہر قدرت کے دیکھنے والے اعلیٰ بھی ہوتے ہیں۔ اور ادنیٰ بھی۔ ادنیٰ کو اعلیٰ کی رویّت کا انکار مناسب نہیں۔

۲۔ الکاپات۔ مٹی ارز۔ شعلے ایک عظیم الشان کارخانہ ہے اور اس میں اس قدر مواد ہوتے ہیں۔ کہ اسلحہ کے بنانے والوں نے درستیا تھوا لے نے جو ہتھیار لکھے ہیں۔ ان میں اتنے مواد مشتعل نہیں ہوتے۔ پس کیا وہ صرف اس لئے گرتے ہیں کہ چند عجائب خانوں میں پڑے رہیں۔ اور خدا کا یہ عظیم الشان فعل لغو ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

۳۔ فرشتے۔ ملک۔ اسر۔ شیاطین۔ اہرمن اُسر ہیں اور ان کا باہم عداوت کا رشتہ ہے۔ ان کی جنگ نور و ظلمت بلکہ عدم و وجود کی جنگ ہے۔

۴۔ اگر وسائط غلط اور بُرے ہیں تو وسائل صحیحہ اور عمدہ بھی ہیں۔

اب ہم آیات کا ترجمہ لکھتے ہیں جن میں اس جنگ کا تذکرہ ہے۔ اور پوچھتے ہیں۔ انصاف سے

بتاؤ کہ آریو۔ کیا تمہارا کام تھا کہ تم انکار کرتے۔

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ۔ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ۔ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ

(الحجر، ۱۷ تا ۱۹)

ضرور ہم نے ہی بنائے آسمان میں روشن اجرام۔ اور خوبصورت بنایا انہیں دیکھنے والوں کیلئے اور محفوظ رکھا ہم نے انہیں ہر ایک خدا سے دور یا ہلاک شوندہ۔ متکبر باز یا مردود سے۔ ہاں اگر کوئی چھپ کر سننا چاہے تو اس کے پیچھے لگتے ہیں۔ شہاب ثاقب۔ مٹی ارز۔ الکایات۔

۲۔ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ۔ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ۔ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ۔ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ۔ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (الصّٰفّٰت: ۶ تا ۱۰)

ترجمہ: ہم ہی نے خوش نما بنایا اس ورے آسمان کو کواکب کی زینت سے اور محفوظ کر دیا ہم نے اسے ہر ایک خدا سے دُور یا ہلاک ہونے والے متکبر ضدی سے۔ ملاء اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر جانب سے دھکیلے جاتے ہیں۔ دھتکارے جاتے اور ان کیلئے دائمی دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ ہاں اگر کوئی جھپٹ مارے تو اس کے پیچھے لگتے ہیں شہاب ثاقب بیٹی ارز۔ الکایات۔

۳۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (الملک، ۶)

ہم ہی نے مزین کیا اس ورلے آسمان کو روشن چراغوں سے اور کر دیا ہم نے انہیں مار شیاطین کیلئے اور تیار کر دیا ہم نے ان کیلئے جلنے کا عذاب۔

۴۔ إِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا (الجن، ۱۰)

تحقیق ہم بیٹھتے تھے بیٹھنے کی جگہوں میں سننے کیلئے۔ پس اب اگر کوئی بات سننا چاہے۔ پاتا ہے اپنے لئے شہاب انتظار میں۔

تم ہندیوں اور عام یورپ والوں سے تو طائف کے عرب نمبردار ہی اچھے نکلے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے عہد ۶۱۱ء سعادت مہد میں مٹی ارز غیر معمولی بکثرت نظر آئے تو عام طور پر لوگوں نے خیال کیا کہ آسمان تباہ ہو چلا۔ اس لئے لگے اپنے مویشیوں کو ذبح کرنے۔ تب ان کے نمبردار عبدیالیل

نے کہا کہ اگر وہ ستارے نظر آتے ہیں۔ جن سے تم لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہو تو جہان خراب نہیں ہوگا۔ یہ ابن ابی کبشہ (ہمارے نبی کریمؐ کی طرف اشارہ کرتا ہے) کے ظہور کا نشان ہے۔

ابن کثیر میں ہے اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ کے نیچے ہی ابن جریر کہتا ہے۔ اس آیت کے نیچے کہ آسمان کی حفاظت دو باتوں کے وقت ہوتی ہے۔ یا عذاب کے وقت جب ارادۂ الہٰی ہو کہ زمین پر اچانک عذاب آجاوے یا کسی مصلح راہ نمائی کے وقت۔ اور یہی معنے ہیں اس آیتِ شریفہ کے۔

اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن: ۱۱)

یعنی ستاروں کے گرنے کو دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آیا زمین والوں کیلئے تباہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یا ان کے ربّ نے انہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے۔

خدائے تعالیٰ کی عادت ہے کہ مصلح کے تولد۔ ظہور اور اس کی فتحمندی پر حزب الرحمان اور حزب الشیطان کی جنگ پہلے اوپر ہوتی ہے۔ پھر زمین پر۔

آیت کریمہ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (النازعات: ۶) اور فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (الذّٰریات: ۵) اور آیت اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق: ۵) کے نیچے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے مفصل لکھا ہے کہ فرشتے بروج پر اثر ڈالتے ہیں اور ان سے ایک اثر ہوا اور دیگر اشیاء پر پڑتا ہے۔ اور ملائکہ کا اثر شہب میں بھی نفوذ کرتا ہے۔

۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء میں ۲۷ اور ۲۸ نومبر کی درمیانی رات میں غیر معمولی کثرت سے شہب گرے تو اس وقت ہمارے امام ہمام علیہ السلام کو اس نظارہ پر یہ وحی بکثرت ہوئی۔ دیکھو صفحہ ۲۳۸ براہین احمدیہ)

يَا اَحْمَدُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ ۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

اور اسی کے بعد دُمدار ذوالسنین نظر آیا اور ۱۸۷۲ء کی رمی شہب غیر معمولی تھی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پس یہ اور کل کواکب زینت سماء الدنیا ہیں اور روحانی عجائبات کی علامات ہیں اور نیز ان سے راہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ یہی تین فائدے بخاری صاحب نے اپنی صحیح میں بیان فرمائے ہیں۔ اب اس سوال کا جواب ختم کرتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ ختم کریں۔ آیات ذیل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (الشعراء: ۲۱۱ تا ۲۱۳)

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (الشعراء: ۲۲۳)

اللہ سے دور ہلاک ہونیوالی خبیث روحوں کے ذریعہ یہ کلام الٰہی نازل نہیں ہوا۔ اور ان کے مناسب

حال بھی نہیں اور ایسا کلام لانے کیلئے وہ طاقت ہی نہیں رکھتے۔ بے ریب ایسا کلام سننے سے وہ الگ کئے گئے ہیں۔ کیونکہ تمام شیطانی کاموں کا قرآن مجید میں استیصال ہے۔ بھلا شیطان اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتا ہے؟ شیاطین تو ہر ایک کذاب۔ مفتری۔ بہتانی۔ بدکار پر نازل ہوا کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶؍نومبر ۱۹۱۱ء، نورالدین طبع ثالث صفحہ ۱۹۴ تا صفحہ ۲۰۱)

۱۱- وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾

رُوح کی بیماریوں کے علاج کا ایک ہی نسخہ ہے جس کا نام قرآن شریف ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ بدکار لوگ کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ کہ اگر ہم خدا کے فرستادوں کی باتوں کو کان دھر کر سُنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ یہ حسرت ان کو کیوں ہوگی۔ صرف اس لئے کہ وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب پھر ہاتھ نہیں آسکتا۔ پس رُوح کی بیماری کا یہی علاج ہے۔ کہ وقت کو ہاتھ سے نہ گنوا دے اور اس نور اور شفا کتاب قرآن شریف پر عملدرآمد کرے۔ اپنے حال اور قال اور حرکت اور سکون میں اُسے دستور العمل بنا دے۔

(الحکم ۲۴؍جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۳)

اگر ہم حق کے شنوا ہوتے تو دوزخ میں کیوں جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حق کا سُننا فرض ہے اور غیبت کا سننا حرام ہے۔ سماع کے متعلق صوفیا میں بحث ہے۔ میرے نزدیک سماع قرآن و حدیث ضروری ہے مگر ایک شیطانی سماع ہے کہ راگنی کی باریکیوں پر اطلاع ہو۔ یہ ناجائز ہے۔

(بدر ۳۰؍نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۴)

۱۳- اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

يَخْشَوْنَ: ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے۔ ڈرنے والوں کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ اسی کے متعلق دوسری جگہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن: ۴۷)۔ جو

اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے وقت کے متعلق ڈرتا ہے۔اس کے واسطے دو جنت ہیں۔ بے خوف اور بے باک آدمی اصل میں خوف میں ہے۔خوف سے امن میں وہ ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَا تَخَافُوْا مژدہ ترسندہ است ٭ ہر کہ می ترسد مبارک بندہ است

خوف وخشیت خاصِ دانایاں بود ٭ ہر کہ دانا نیست کے ترساں بود

ترسگاری رستگاری آورد ٭ ہر کہ درد آرد عوض درمان درد

۱۵- اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۵﴾

مَنْ خَلَقَ، کس نے پیدا کیا؟ اس میں آریاؤں کے اس عقیدہ کا ردّ ہے جو کہتے ہیں۔ کہ خدا مادہ اور روح کا پیدا کرنے والا نہیں ہے دلیل دی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ (الحج: ۶۴) کسی شئے کے پیدا کرنے کے واسطے اس شئے کا کامل علم لازم ہے۔ خدا لطیف۔ خبیر ہے۔ رُوح اور مادہ کے متعلق اُسے کامل علم ہے کہ وہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے اور پھر اسے قدرت بھی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے کوئی ذرہ اور رُوح پیدا ہی نہیں کیا۔ تو اس کے متعلق کامل علم کیوں کر رکھ سکتا ہے

(ضمیمہ اخبار بدر ۲۳ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۱۶- هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۶﴾

ذَلُوْلًا ، وہ خدا جس نے زمین کو تمہارے ماتحت کیا ہے۔

فَامْشُوْا ، ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاؤ۔ یہ صحابہؓ کو حکم ہے کہ جہاں یہ سمجھو کہ اس جگہ ہمارا دین قائم نہیں رہتا۔ اس جگہ کو چھوڑ دو۔

ذَلُوْلٌ، اس اونٹنی کو بھی کہتے ہیں جس سے لادنے وغیرہ کا ہر قسم کا کام لیا جائے ۔ وہ جانور جو باربرداری کا کام دیں۔ زمین بھی چلتی ہے اور تمام انسانوں اور مکانوں کو اپنے ساتھ اٹھائے پھرتی ہے

اس آیت میں آریاؤں کا ایک ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ پہلے جنم اور تناسخ کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خدا نے تمہیں زمین دی اور اسے تمہارے لئے مسخر کردیا۔ بتلاؤ یہ تمہارے

کس عمل کے نتیجہ میں تمہیں ملی ہے۔

١٧۔ ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾

یَخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ ؛ تمہیں ذلیل کردے۔ اس میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔
تَمُوۡرُ ، زمین کانپ رہی ہے کیونکہ عمائد مر گئے ہیں۔
مَّنۡ فِی السَّمَآءِ ، پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ خدا آسمان میں ہی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی خاص مکان تجویز نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۵) فرمایا ہے۔ ہاں اس آیت میں جو فِی السَّمَآءِ کا لفظ آیا ہے۔ یہ ایک محاورہ عربی زبان ہے۔ اور اس سے مراد ہے۔ ایک اٹل بات۔ اور چونکہ آسمان بلندی پر ہے۔ اور سب بلندیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے بغرض اظہار عظمتِ خداوندی یہ محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔

١٨۔ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۸﴾

حَاصِبًا ؛ اس میں غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے جس میں مکہ والے مدینہ والوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

٢٠۔ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۲۰﴾

اَلطَّیۡرُ ؛ مُردار خوار جانور۔ پیشگوئی ہے کہ تم شکست کھاؤ گے۔ اور یہ جانور تمہاری لاشیں کھائیں گے

یہ گدھ جو آسمان میں پھرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رُکے ہوئے ہیں ورنہ یہ تم کو نوچ نوچ کر کھا جاتے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۱۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ؀۲۱

جُنْدٌ : یہ تمہارے لشکر تمہارے کسی کام نہ آویں گے اور خدا کے عذاب کو ٹال نہ سکیں گے۔
مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ : رحمان کے مقابلہ میں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۲۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ؀۲۲

اَمْسَكَ : اس میں پیشگوئی ہے کہ جب قحط پڑے گا تو پھر کون تمہاری امداد کرے گا؟ مکہ میں ایک دفعہ شدید قحط پڑا تھا۔ جس میں لوگوں نے ہڈیاں پیس پیس کر کھائی تھیں۔
لَجُّوْا : اڑ رہے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۳۔ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀۲۳

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ کہ دیکھو یہ شخص تم میں ہے جو بڑی دور اندیشی سے سیدھا ہو کر چلتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ اس کی راہ کو تم بھی اختیار کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ ورنہ وہ تم پر فتح یاب ہوگا۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں تم تو منہ کے بل گرے ہوئے ہو۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۲۴- قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے تمہیں کان۔ آنکھ اور دل دیا۔ اگر آدمی کے ناک کی نوک ایک ماشہ بھر کٹ جائے تو وہ مجلس میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہتا۔ ہمارے سامنے اندھے موجود ہیں، لیکن ہم آنکھوں والے اپنی آنکھوں کی قدر نہیں کرتے۔ انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرے کہ اس نے کس قدر احسان ہم پر کئے ہیں۔

۲۶- وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

مَتٰی: کفار سوال کرتے ہیں، یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ ہم پر کب عذاب آئے گا۔ یہ تو اس دنیا کی بات ہے۔ تم تاریخ مقرر کرو!

۲۸- فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۸﴾

فرمایا۔ عذاب آئے گا۔ اور تم رُوسیاہ ہو جاؤ گے
تَدَّعُوْنَ: وہ عذاب جس کو تم زور سے مانگتے تھے۔

۲۹- قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۹﴾

بہت لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ الہام ہوا تھا۔ کیوں پورا نہیں ہوا۔ فرمایا۔ تم پر عذاب ضرور آئے گا خواہ میرے سامنے آئے۔ خواہ میرے بعد آئے۔ تم نجات نہیں پا سکتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر۔ قادیان ۲۳؍ نومبر ۱۹۱۱ء)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲تا۷۔ نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۲﴾ مَآ اَنْتَ
بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ
مَمْنُوْنٍ ﴿۴﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ فَسَتُبْصِرُ وَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿۶﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۷﴾

دوات اور قلم اور وہ عظیم الشان صداقتیں جن کو لوگ لکھتے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ (ان کے مطالعہ کا نتیجہ تو یہی ہوگا) کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں کیونکہ وہ تمام تحریریں تیری صداقت کی گواہ رہیں گی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تیری محنت و کوشش کا بدلہ۔ اجر اس کی مزدوری تیرے لئے غیر منقطع ابدی ہے اور ظاہر ہے کہ مجنون کی محنت و کوشش کا تو کوئی اجر ہی نہیں ہوا کرتا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مجنون تو خلیق نہیں ہوتے۔ اور تو خُلق پر کیا خُلقِ عظیم پر ہے۔ آپؐ کی مقناطیسی جذب اور آپؐ کے اخلاق ہی تھے کہ ارب عرب آپ کے حکم پر اپنے خون کو پانی کی طرح بہاتے تھے اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ مجنون کے افعال واقوال مثمر ثمراتِ خیر اور منتج کسی نیک نتیجہ کے نہیں ہوا کرتے اور تیرے اقوال اور تیرے افعال کا نتیجہ تو بھی دیکھ لے گا۔ اور دوسرے لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ اور یہ کیسی سچی پیشگوئی نکلی۔ دنیا میں صرف آپ ہی اکیلے ایسے کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ ۴:) کی آواز اپنی زندگی میں اپنے کانوں سے سنی اور رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر ۳) کا نظارہ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ فَاِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اس پر بھی نہ ماننے والوں نے نہ مانا۔ پر نہ مانا۔ (نور الدین طبع سوم صفحہ ۴۹-۵۰)

دنیا میں انسان ایک معجون ہے۔ اس نے زمین کو پھاڑا - پہاڑوں کو چیرا۔ سمندر کی تہہ سے موتی

نکالے۔ ہوا۔ سمندر، روشنی پر حکومت کرتا ہے۔ باوجود اس کے کمال کے کسی اور کے نمونہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے تاجر۔ کسی بڑے تاجر۔ اور سپاہی کسی بڑے کمان افسر کی طرح بننا چاہتا ہے۔ راولپنڈی کے ایک دربار میں پرنس آف ویلز[1] کی شان و شوکت دیکھ کر ایک احمق نے مضمون لکھا کہ کاش میں ہی پرنس ہوتا! ایک میرا دوست مرض جذام میں گرفتار یہاں آیا۔ مجھے کہنے لگا۔ آپ عقلمند نہیں معلوم ہوتے۔ آپ مجھے اجازت دیں میں کوشش کروں۔ فوراً آپ کو زمین کے بڑے مربعے دلا سکتا ہوں۔ آپ بادشاہ بن جائیں گے! میں نے اسے کہا کہ تم نہیں جانتے۔ خوشی اور شے ہے۔ تم مجھے زمین دلواتے ہو۔ خود تو بڑے زمیندار ہو۔ مگر دیکھو۔ تم میں ایسی بیماری ہے کہ تمہارے رشتہ دار بھی تم سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر وہ زمین کس کام؟ غرض ہر شخص کسی نمونہ کو سمجھنے کا خواہشمند ہے۔ کوئی حسن و جمال کا شیدا۔ کوئی ناموری چاہتا ہے۔ کوئی حکومت کو پسند کرتا ہے۔ کوئی کسی اور بڑائی کا حریص ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ دوات اور قلم ہو۔ اور اس سے جو کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سیاسی لوگ سیاست پر کتب لکھتے، ناولسٹ ناول لکھتے اور مختلف لکھنے والے مختلف اشیاء پر لکھتے اور انکی تحریریں جمع کرو۔ یہ ثابت ہوگا کہ محمدؐ رسول مجنون نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ خلقت کے سامنے پیش کیا۔ وہ حق و حکمت سے پُر۔ اور اس نے جو تحریر پیش کی ہے اس کا مقابلہ کوئی تحریر دنیا بھر کی نہیں کر سکتی۔ تمام تعلیمات جن پر عمل کر کے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ مجنون کے نہ رونے کی کسی کو پرواہ ہے نہ اس کے ہنسنے کی کسی کو خواہش ہے۔ اسکی طاقت کی قدر نہیں ہو سکتی وہ سارا دن سوئے۔ جاگے۔ بیٹھے۔ سردی میں ننگا۔ گرمی میں لحاف لے۔ اس کی محنت کا بدلہ نہیں۔ لیکن اے نبی! تیری محنتوں کا ثمرہ غیر ممنون ہے۔ اس کا خاتمہ نہیں۔ ہم نے خود تجربہ کیا ہے۔ آنحضرتؐ کے ہر کام کا پھل ہمیشہ قائم ہے۔ پھر مجنون کے اخلاق نہیں ہوتے۔ وہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا لیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اخلاق اعلیٰ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن لائف آف محمدؐ ہے۔ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔ پھر فرمایا۔ دیکھو اے مخالفو! اس کے مقابلہ میں کسی کا زور نہ چلے گا۔ یہ بھی دیکھے گا اور تم بھی دیکھو گے کہ کون فتح مند ہوتا ہے۔ عرب اور عجم کوئی اس کے بالمقابل کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہ اسکی صداقت کی دلیل ہے۔

اگر تم کوئی نمونہ اعلیٰ چاہتے ہو اور وعدہ خداوندی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ علم کے لئے قرآن شریف اور عملی زندگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد بس ہے.....

---

[1] یعنی جارج پنجم۔ مرتب

آج تک جس نسخہ کو آزمایا وہ یہی کہ فتح اور نصرت اور کامیابی کے حصول کا ایک ہی نسخہ قرآن شریف ہے۔
(بدر ۱۰ ؍اکتوبر ۱۹۱۲ء صـــ ۳)

نٓ۔ دوات

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ : تو مجنون نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کا ردّ کیا ہے۔ کہ نعوذ باللہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں۔ اور اس پر دلائل دیئے ہیں۔ فرمایا قلم دوات کو لو اور جو علوم دنیا میں پیدا ہوئے ہیں سب کو جمع کرو اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو لو اور ان کو ایک جگہ جمع کرو۔ اور پھر اس کلام (قرآن) کے ساتھ مقابلہ کر کے غور کرو کہ کیا یہ مجنون کا کلام ہے۔

بلکہ فرمایا۔ قلم اور دوات کے ساتھ جو کچھ آئندہ بھی کبھی لکھا جاویگا۔ اس سے ہمیشہ یہی ثابت ہوتا رہے گا۔ کہ یہ خیال جو اس نبیؐ کے متعلق کیا گیا ہے بالکل باطل ہے۔ ہر ایک نیا علم جو دنیا میں نکلے گا۔ جو خداوند تعالیٰ سے محبت اور مخلوق پر شفقت کے متعلق ہوگا۔ وہ اسکی صداقت اور علم وعقل کے کمال کو ثابت کرتا رہے گا۔ وہ تمام بحثیں اور تحریریں جو آئندہ ہوں گی وہ کوئی ایسا دینی مسئلہ پیدا نہ کر سکیں گی جو انسان کی بہبودی کے واسطے ضروری ہو اور اس پاک کلام میں نہ پایا جاتا ہو۔ پھر ایسی کتاب کا لانے والا کیونکر مجنون ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اب قلم و دوات کا زمانہ آنے والا ہے جبکہ ہر شے لکھی جائے گی اور صحائف بہت کثرت سے ہوں گے۔ اور بڑے علوم کا زمانہ خیال کیا جاوے گا۔ اس وقت بھی قرآن شریف کی شریعت صحیح اور غیر متبدل ثابت ہوگی۔ اور دنیا کو ماننا پڑے گا۔ کہ ایسے مستحکم۔ معقول۔ مدلل کا لانے والا بجز ایک کامل نبی کے کوئی ہو نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ وہ دیوانہ ہو۔

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ : غیر منقطع۔ چونکہ یہ کلام ایسا ہے کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البيّنة: ۴) اس میں مضبوط کتابیں شامل ہیں جو قائم رہنے والی ہیں۔ اس واسطے یہ علوم ہمیشہ سچے ثابت ہوتے رہیں گے اور ان سے دنیا میں ہمیشہ نور پھیلتا رہے گا اور اس طرح تیرا ثواب جاری رہے گا کیونکہ یہ ابدی شریعت ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجنون نہ ہونے کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ پاگل جو ہوتا ہے۔ نہ اس کے کاموں میں کوئی ترتیب اور نظام ہوتا ہے اور نہ اس کے کاموں پر نتائج مترتب ہوا کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام منتظم تھے۔ اور ان سے بڑے بڑے اہم اور مفید نتائج پیدا ہوئے۔

اس میں اہلِ عرب کو اور آئندہ تاریخ زمانہ پر نگاہ کرنے والوں کو سمجھایا ہے۔ کہ دیکھو ہمارا رسول بھی ایک کام کر رہا ہے اور اس کے بالمقابل تم بھی ایک کام کر رہے ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مکہ کو کون فتح کرتا ہے اور غیر منقطع اجر کس کو ملتا ہے۔ کون عاقل ثابت ہوتا ہے اور کون دیوانہ۔

ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاگل نہ ہونے کی اس جگہ بیان فرمائی ہے۔ فرمایا جو شخص خلقِ عظیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کو پاگل کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ پاگل کے اخلاق اچھے نہیں ہوا کرتے۔ کیا وہ شخص جو عاقبت اندیشی۔ شجاعت۔ مروت۔ جود و سخا۔ استقامت۔ بلند ہمتی۔ عفت حیا۔ زہد۔ اتقا۔ ریاضت۔ فصاحت۔ بلاغت۔ عفو۔ کرم۔ رحم۔ حلم۔ توکل۔ امانت۔ دیانت۔ غرض تمام اخلاقِ فاضلہ کا سرچشمہ ہو۔ کیا وہ مجنون ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ خلق نرمی۔ حلیمی اور انکسار کا نام نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انسان کے اندر بمقابلہ ظاہری قوٰی کے جو باطنی کمالات کی کیفیات ہیں۔ ان سب کا نام خُلق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ سب پائی جاتی تھیں۔ اسی پر قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب : ۲۲)

کہ اخلاق کے واسطے یہ رسول کامل نمونہ ہے۔ اس کی سنت کو اختیار کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خُلق کے متعلق سوال ہوا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ آپؐ کا خُلق قرآن تھا۔ قرآن مجید میں جو اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے اس سارے کے عمل کا آپؐ نمونہ تھے۔ جو لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمریاں تلاش کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ جناب صدیقہ کے اس قول کی طرف توجہ کریں۔

دنیاداروں کی ہمیشہ عادت چلی آتی ہے کہ خدا کے محبوب مجذوب لوگوں کا نام دیوانہ رکھتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سلطان روم کو اس کے اراکین کی خراب حالت کی طرف توجہ دلائی تو آپؑ کو بھی کہا گیا کہ تو مجنون ہے۔ جس پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں عرض کی ؎

آنکس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند ؎ با فرِّ تو فرِّ خسرواں چہ کند

چوں بندہ شناخت بداں عزّ و جلال ؎ بعد از جلالِ دیگراں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ؎ دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

اسی خُلق عظیم کی طرف اشارہ ہے۔ جہاں گزشتہ انبیاء کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام : ۹۱) انبیاء سابقین میں جو خاص باتیں منفرد طور پر

مخصوص تھیں۔ ان تمام اَخلاقِ متفرقہ کو اپنی ذات میں جمع کر لے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۳ر نومبر ۱۹۱۱ء)

حدیث میں آیا ہے اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میری بعثت اس غرض کے واسطے ہے کہ تمام اَخلاقِ حسنہ کو اپنے کمال تک پہنچا دوں۔

اسی پر شاعر نے کہا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ. بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ : یہ پیشگوئی ہے کہ لے نبیؐ وہ زمانہ قریب ہے جبکہ تو بھی دیکھ لے گا۔ اور یہ تیرے مخالف بھی دیکھ لیں گے کہ کس کی بات سچی نکلتی ہے۔ اور کون مجنون ثابت ہوتا ہے۔ فتح مکّہ نے بہت جلد کفّار پر ثابت کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا وہی سچ اور حق تھا۔

مجنون اسباب صحیحہ کے مہیاء نہ کر سکنے کے سبب ناکام رہتا ہے۔ انبیاء ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۸۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۸﴾

اللہ تعالیٰ ناکامیابی اور کامیابی اندھادھند نہیں دیا کرتا بلکہ مومن کو کامیاب کرتا ہے اور منکر کو ناکامی حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۹﴾

مکذّبین کا کہنا نہ مانو۔

مباحثہ کے وقت مخالف کے مقدّمات کو مان نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ مخالف جو باتیں پیش کرتا ہے وہ غالب دعاوی ہی ہوتے ہیں جنکہ دے کر ان سے دلائل پوچھنے چاہئیں۔

۱۰۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

وہ چاہتے ہیں کہ تو اُن سے چکنی چپڑی باتیں کرے اور وہ بھی تیرے ساتھ ایسی ہی باتیں کریں اور اپنے مذہب پر پکے رہیں۔

حق کے منکرین ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ مذہب کے معاملہ میں ان کے ساتھ گفتگو نہ کی جائے اور جو عیب ان میں ہے وہ کبھی ان کو نہ جتلایا جائے اور باہمی میل جول ہوتا رہے۔ یہ بات خداوند تعالیٰ کو پسند نہیں۔

ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ عمائدِ قریش جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپس میں صلح جوئی اختیار کریں اور اس کی راہ یہ ہے کہ اگر آپ کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم بہت سامال جمع کر دیتے ہیں اور اگر عیش و عشرت مقصود ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپؐ کیلئے بہم پہنچا دیویں۔ غرض ہر طرح سے لالچ دیا گیا مگر آپؐ نے فرمایا کہ میں ان اشیاء میں سے کسی کا بھی آرزومند نہیں ہوں۔ میں تو صرف تمہاری بہتری چاہتا ہوں تاکہ تم ہلاک ہونے سے بچ جاؤ۔ مروی ہے کہ وہ لوگ جو ایسا پیغام لائے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ ولید بن مغیرہ ابو جہل، اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق۔

مدارات جائز ہے۔ مداہنہ جائز نہیں۔ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مدارات اور مداہنہ میں باریک سا فرق ہے۔ مدارات اس کو کہتے ہیں کہ اپنے دین کی سلامتی اور حفاظت کے واسطے چشم پوشی کی جائے یا اس چشم پوشی میں اپنے بھائی مسلمان کی اصلاح مدنظر رکھی جائے اور مداہنت وہ ہے کہ اپنے حظِ نفس۔ خواہشِ نفسانی اور سلامتی جاہ کیلئے چشم پوشی کی جاوے۔

۱۱۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾

حَلَّافٍ: جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ بات بات پر واللہ۔ باللہ۔ کہتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کا نام بے فائدہ لیتے ہیں۔ اور لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (البقرۃ: ۲۲۵) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔

مَّهِينٍ: قلیل الفہم۔ پست ہمت۔ سست رائے۔ خفیف العقل۔

۱۲۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾

هَمَّازٍ: طعنہ دینے والا۔ لوگوں کی برائیاں بیان کرنے والا۔

مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ : چغل خور۔ سخن چینی کے واسطے لوگوں کے درمیان آمدورفت کرنے والا۔
حدیث شریف میں آیا ہے۔ سب سے بہتر وہ بندگانِ خدا ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ اور سب سے بدتر وہ ہیں جو لگائی بجھائی کرکے دوستوں میں جدائی ڈلواتے اور پاک لوگوں کے عیب تلاش کرتے پھرتے ہیں

۱۳۔ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ﴿۱۲﴾

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ : نیکی سے منع کرنے والا۔
خیر کے معنے مال کے بھی ہیں۔ ولید بن مغیرہ اپنے بیٹوں اور اقارب کو کہا کرتا تھا کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی متابعت کرے گا وہ میرے مال سے محروم رہے گا۔
اس کی بہت سی مثالیں اس زمانہ میں بھی موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنی اولاد کو مسلمان ہوجانے کے سبب محروم الارث کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بہتر مال عطا کرے گا۔
اَثِيمٍ : بدکار

۱۴۔ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾

عُتُلٍّ : جھگڑے میں سخت۔ اجڈ
زَنِيمٍ : ولدالزنا۔ نطفۂ بے تحقیق جو کسی قوم کا نہ ہو اور اپنے آپکو اس قوم کا بتلائے۔

۱۷۔ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

جس امر میں وہ عزت چاہتا ہے۔ اسی پر اس کو بے عزت کیا جاوے گا۔
خرطوم سے مراد ناک ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی ناک کٹ جاوے گی۔ بے عزت ہوگا۔ ذلیل ہوگا۔
یہ ایک پیشگوئی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ ہوا۔

۱۸، ۱۹۔ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۹﴾

بَلَوْنٰهُمْ : ہم نے ان کو امتحان میں ڈالا۔

یہاں ایک قوم کا حال بطور مثال کے بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا کیا تھا۔ مگر انہوں نے خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ کر کے مساکین کو حصہ نہ دینا چاہا۔ بخل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام باغ جل کر سیاہ ہو گیا۔ اور ان کے ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔

اس مثال سے اہلِ مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہیں جو ریاست و دولت دی گئی ہے۔ اس سے نیک فائدہ اٹھاؤ۔ یہ ایک ابتلاء ہے کہ مال وجاہ والا ہو کر تم پیغمبرِ وقت کی اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

یَسْتَثْنُوْنَ ؛ استثناء سے مراد شکرِ نعمت اللہ کا بجا لانا ہے اور انشاء اللہ کہنا ہے۔ اہلِ محاورہ بولتے ہیں۔

حَلَفَ فُلَانٌ یَمِیْنًا لَیْسَ فِیْهَا اِسْتِثْنَاءٌ

انسان کو چاہیئے کہ اپنے ہر ارادے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اس کے علم اور قدرت سے سہارا لے۔ اور انشاء اللہ کہے۔ مگر اس مقدس کلمہ کو وعدہ پورا نہ کرنے کا بہانہ نہ بنائے جیسا کہ فی زمانہ بعض لوگوں کی عادت ہو گئی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۰۔ فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۲۰﴾

طَآئِفٌ ؛ پھر جانے والا عذاب۔

رات کے وقت اس قوم پر عذاب آیا تھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۶۔ وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿۲۶﴾

قٰدِرِیْنَ : لپک کر چلنے والے۔ مساکین کے نہ دینے کا اندازہ کرنے والے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۳۳۔ عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۳﴾

معلوم ہوتا ہے کہ انکی سرشت اچھی تھی کیونکہ پھر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا عزم ان میں پیدا

ہوا۔ جو شخص نقصان پر صبر کرتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے بہتر و برتر عنایت کرتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اولم خم شکست و ہر کہ بریخت ؂ من نگفتم کہ ایں زیانم کرد
صد خم صافی از پئے آں ؂ حوضم داد و شادمانم کرد

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۳۵۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۵﴾

مُتَّقِيْنَ ، اوپر کی آیات میں منکرین کا بیان ہے۔ اب متقین کا ذکر ہے کہ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت اختیار کی۔ وہ کامیاب اور بامراد ہوں گے۔ ان کیلئے جنّٰت النعیم ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ یہ ایک پیشین گوئی ہے جو کہ اس جہاں میں بھی پوری ہوگی اور اگلے جہاں میں بھی۔

۳۶۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۶﴾

مُجْرِم ، قطع تعلق کرنے والا۔
مُسْلِم : سچا فرماں بردار۔ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا۔
فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نہیں مانتے اور رسول کا انکار کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ برابر نہیں ہو سکتے جو قطع تعلق کرنے والے ہیں۔

۳۹۔ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۹﴾

تَخَيَّرُوْنَ ، جو تم پسند کرو۔
کیا جو تم پسند کرتے ہو وہ شریعت بن سکتی ہے ؟ خیالات کے ساتھ واقعات وابستہ نہیں ہو سکتے۔ یہ بہت مشکل بات ہے کہ انسان کی تمام خواہشات پوری ہوتی جائیں۔

۴۰،۴۱۔ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ،

اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۴۰﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ : قیامت کے معاملہ میں۔

زَعِيْمٌ : ذمہ دار (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۴۴،۴۳،۴۲۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ

وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ : یہ ایک محاورہ عربی زبان کا ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ جب حقیقت کھل جائے گی یا جب بہت گھبراہٹ ہوگی۔

بعض تفاسیر کے بیان کردہ معانی کی بناء پر اس آیت پر آریوں اور عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے جو کہ بمعہ جواب درج ذیل ہے۔

" مکذب براہین نے تکذیب کے صفحہ ۶۹ میں قرآن شریف کی آیت يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کو صانع عالم کی ہستی کی دلیل سمجھ کر یہ اعتراض کیا ہے " خدائے بے چون وچرا محمدیوں کو کہتا ہے۔ میں قیامت کے روز تم کو دیدار دوں گا اور تم نہیں مانوگے۔ اور پھر مَیں تمہارے اصرار کرنے پر پنڈلی سے جامہ اٹھا کر بتلاؤں گا تب تم سجدہ میں گروگے۔ جائے تعجب اور حیرت ہے۔ خداتعالیٰ بسبب زود رنجی کے جامہ سے باہر ہوا جاتا ہے۔ اور نہیں شرماتا "

مُصدِّق : تمام اعتراض از سرتاپا۔ افترا وبہتان۔ اور راستی سے بے نام ونشان ہے۔ اوّل اس لئے کہ اگر معترض ہی کا وہ ترجمہ مان لیا جاوے جو خود معترض نے اس آیت کے نیچے لکھا ہے "جس روز جامہ اٹھایا جاوے گا پنڈلی سے اور بلائے جاویں گے لوگ واسطے سجدہ کرنے کے بس نہ کرسکیں گے " (تکذیب صفحہ نمبر ۶۸) جب بھی اس ترجمہ سے وہ باتیں نہیں نکلتیں جو مکذّب براہین نے اپنے اعتراض میں بیان کی ہیں۔ مثلاً نمبر۱ "تم کو دیدار دوں گا " نمبر۲ " اور تم نہیں مانوگے " نمبر۳ " پھر میں تمہارے اصرار پر " نمبر۴ " تب تم سجدہ میں گروگے " نمبر۵ " زود رنجی " نمبر۶ " نہیں شرماتا "۔ تعجب وحیرت ہے فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کے معنے مکذّب نے یہ لکھے ہیں۔

"پس نہ کر سکیں گے" اور اعتراض میں مکذب نے لکھا ہے "تب تم سجدہ میں گرو گے" آریہ صاحبان! انصاف کرو اور سچ کے اختیار کرنے میں دیر نہ کرو۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اب میں آپ کو اس آیت کی بقدرِ ضرورت تشریح سناتا ہوں اور آیت کا مابعد بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہوں

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۔ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ

جس وقت سخت اضطراب کا وقت ہوگا۔ اور سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے۔ پس انکو سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اُن کی آنکھیں (مارے ضعف و دہشت) کے بے نور ہو گئی ہوں گی۔ ذلت نے انہیں ڈھانک رکھا ہوگا۔ اور (اس حالت سے پہلے) جب بھلے چنگے تھے۔ سجدہ کیلئے بلائے جاتے تھے۔

السّاق: عربی میں شدّت اور تکلیف کو کہتے ہیں اور کشف السّاق شدّت اور تکلیف کا ظہور ہے۔ پس يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے معنے ہوئے۔ جب شدّت اور تکلیف کا ظہور ہوگا ان معنوں کا ثبوت علاوہ لغتِ عرب کے قرآنِ کریم سے دیا جاتا ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۔ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ۔ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِالْمَسَاقُ ۔ (الدھر، ۲۷ تا ۳۱)

ایسا نہ ہوگا جس وقت سانس ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے۔ کون افسوس کرنے والا ہے (جو اسے اب بچالے) اور (مریض) یقین کرتا ہے کہ اب جدائی کا وقت ہے اور سخت گھبراہٹ اس پر طاری ہوتی ہے۔ اس وقت چلنا تیرے رب کی طرف ہے

راجز عرب کے نامی شاعر کا قول ہے۔

عَجِبْتُ مِنْ نَفْسِيْ وَمِنْ اِشْفَاقِيْ　　وَمِنْ طِرَادِي الطَّيْرَ عَنْ اَرْزَاقِهَا

فِيْ سَنَةٍ قَدْ كَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا!

"تعجب ہے کہ قحط کے دنوں میں جب شدّت سے اضطراب واقع ہوا۔ میں بھوکوں مرنے کے خوف سے پرندوں کو انکی روزی کھانے سے روکتا تھا"

اور جب جنگ کی شدّت ہوتی ہے تو کہتے ہیں كَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یعنی گھمسان کا رن واقع ہوا۔ اب اس تحقیق پر آیت شریف کا یہ مطلب ہوا کہ جب عبادت کے کمزور کو مرضِ موت کی شدّت انتہا درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور بڑا بوڑھا یا ناتواں زار و نزار ہو جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ

ؐ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ نومبر ۱۹۱۱ء

کی عبادت کی طرف بلانے والے مؤذن نے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کا کلمہ اونچے منار سے بلند آواز کے ساتھ پکار سنایا ۔ اور وہ میٹھی آواز سلیم الفطرت ناتواں کے کان میں پہنچی۔ اب اس کا دل مسجد کو جانے کیلئے تڑپتا ہے ۔ مگر اس وقت وہ مرنے کی حالت میں مبتلا ۔ اچھی طرح ہل جل بھی نہیں سکتا اور دل میں کڑھتا ہے مگر اب اس کڑھنے سے قوی نہیں ہو جاتا ۔ اسی آیتِ شریف میں وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ کے پیچھے وَهُمْ سَالِمُوْنَ کا کلمہ ان معنے کا قرینہ موجود ہے ۔ جس کے معنی ہیں "اور تحقیق وہ لوگ بلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف جبکہ بھلے چنگے تھے" ان معنی کی تصدیق تفسیر کبیر کے جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ سے بخوبی ہو سکتی ہے ۔

دوسری توجیہہ ۔ اس آیت شریف کی اَلسَّاقُ ذَاتُ الشَّیْءِ وَحَقِیْقَۃُ الْاَمْرِ کیا معنی ہیں ساق کا لفظ عربی زبان میں کسی چیز کی ذات اور اس کی اصل حقیقت کو کہتے ہیں ۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے معنے یہ ہوئے ۔ جس دن اشیاء کی اصل حقیقت ظاہر ہو گی ۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے منکر اپنی نافرمانیوں کا بدلہ دیکھیں گے ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ، دسمبر ۱۹۱۱ء)

اس وقت اتماماً للحجۃ پھر سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے مگر پہلی نافرمانی کا بد نتیجہ یہ ہو گا کہ اس وقت سجدہ نہ کر سکیں گے ۔

تیسری توجیہہ اس آیت شریف کی یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی پہچان مختلف اسباب سے ہوا کرتی ہے مثلاً کوئی شخص ایک آدمی کو اس کا منہ دیکھ کر پہچان سکتا ہے اور سابقہ جان پہچان والا ادنیٰ نشان جیسے قدم اور ساق کو دیکھ کر پتہ لگا سکتا ہے ۔ اسی طرح ایک سمجھدار ۔ صحیح الفطرت ۔ صاحبِ دانش ادنیٰ ادنیٰ امور سے باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی ہستی کا پتہ حاصل کر سکتا ہے ۔ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ؎ ہر ورقے دفترِ معرفتِ کردگار

اور کم فہم مریض الفطرت کو عمدہ عمدہ دلائل سے بھی معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اسی طرح ہنگامہ محشر کے وقت جو اسی موجود دنیا کا نتیجہ ہے ۔ جب الٰہی صفات کا ظہور ہو گا تو ناسمجھ اپنی کمی معرفت اور نقص عرفان کے باعث بخلاف سمجھ داروں کے سجدہ سے محروم رہ جاویں گے ۔ اور اسلام والے اپنے عرفان اور ایمانی نور کے باعث ادنیٰ ظہورِ صفات پر جسے کشفِ ساق کہتے ہیں ۔ جو کشفِ درجہ سے کم ہے سجدہ میں گریں گے اور منافقوں نافہموں کی پیٹھ اس وقت طبق واحد ہو جائے گی ۔

چوتھی توجیہہ جو بالکل میرے مسلک پر ہے یہ ہے ۔ ساق اور اسکا کشف باری تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات کا معاملہ ایسا ہے کہ ان کی حقیقت ہمیشہ بلحاظ اپنے موصوف کے بدل جایا کرتی ہے

مثلاً بیٹھنا ہماری صفت ہے جس سے ہم ہر روز مُتّصف ہوتے ہیں۔ مگر ایک بڑے ساہوکار یا کسی امیر کا عروج کے بعد بیٹھ جانا ہمارے روز مرّہ کے بیٹھ جانے سے نرالا ہوگا۔ برسات کے دنوں میں مینہ کے زور سے دیوار کا بیٹھ جانا پہلے بیٹھنوں سے بالکل الگ ہوگا۔ اور ایک بادشاہ کا تخت پر بیٹھ جانا کوئی اور ہی حقیقت رکھے گا۔ ان مثالوں میں دیکھ لو۔ بیٹھنا ایک صفت ہے مگر بلحاظ تبدّل موصوفین کے اس صفت کی ایک قسم دوسری قسم سے بالکل علیحدہ ہے۔ اب ان سب سے ایک لطیف بیٹھنا سُنو! جس کی حقیقت ان تمام بیٹھنوں سے بالکل الگ ہے وہ بیٹھنا کیا ہے۔ کسی کی محبّت کا کسی کے دل میں بیٹھ جانا اور کسی کی عداوت کا کسی کے دل میں بیٹھ جانا۔ کسی کے کلام کا کسی کے دل میں گھر کر لینا یا بیٹھ جانا۔ جب اہلِ اسلام نے باری تعالیٰ کو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشورٰی: ۱۲) انوپم - بے مانند مانا ہے تو اس بات کا تسلیم کرنا ہر عاقل منصف کا فرض ہے کہ وہ اسکی تمام صفات بھی اس پاک موصوف کی طرح لَيْسَ كَمِثْل اور انوپم۔ بے مانند مانتے ہوں گے۔ اسکی قدرت۔ اسکی طاقت اسکا علم۔ اسکی حیات۔ اسکا موجود ہونا۔ اس کا ازلی ہونا۔ اس کا ابدی ہونا۔ اس کا یَد۔ اس کا وَجہ اسکی ساق۔ اس کا کشف۔ اسکا عرش پر بیٹھنا سب بے مثل ہوگا۔ چونکہ ہم اس کی ذات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ اس لئے ہماری کوئی صفت اسکی کسی صفت سے مشابہ نہ ہوگی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء، تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۰۷)

۴۵- فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ذَرْنِيْ ، یہ ایک محاورہ ہے۔ ہمارے ملک میں بھی کہتے ہیں۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں ذرا اسکی خبر لے لوں۔ زبان انگریزی میں بھی اس قسم کا محاورہ لفظ LET سے استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۷- اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۷﴾

یہ بھی اس نبی کی صداقت کا ثبوت ہے کہ وہ تمہاری خیر خواہی میں رات دن مصروف ہے اور اس کے عوض میں تم سے کچھ مزدوری نہیں چاہتا۔

۴۸۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۸﴾

غَيْبٌ : دیکھو غیب کی پیشگوئیاں خدا تعالیٰ سے خبر پاکر کون کر رہا ہے؟ کیا ایسی زبردست پیشگوئیاں کوئی مفتری یا مجنون کر سکتا ہے۔ جو برابر پوری بھی ہو رہی ہیں اور بڑی بڑی فتوحات پر مشتمل ہیں۔ اگر یہ رسول خدا کی طرف سے نہیں ہے تو یہ غیب اُسے کہاں سے مل گیا۔

۴۹۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ

اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۹﴾

صَاحِبِ الْحُوْت : تیزی والا غضب والا۔
حُوت مچھلی کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے ترجمہ ہوا۔ مچھلی والا۔ تب اشارہ ہوا اِلْتَقَمَهُ الْحُوْتُ کی طرف۔
فرمایا اے نبیؐ تو منکرین کی تکلیف دہی پر صبر کر۔ یہ تکالیف اور مصائب تیرے لئے غم زدہ ہونے کا موجب نہ ہوں۔ وقت قریب ہے کہ تیری کامیابی ظاہر ہوگی۔ اور تیری صداقت سب پر کھل جائے گی۔

۵۲۔ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

يُزْلِقُوْنَكَ : تجھے گھورتے ہیں۔

۵۳۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۳﴾

ذِكْرٌ : شرافت۔ بڑائی
اس کتاب پر عمل کرنے والے تاریخی لوگ ہو جائیں گے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ، ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء)

سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۱۰۔ اَلْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
الْحَآقَّةُ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۵﴾
فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۶﴾ وَاَمَّا عَادٌ
فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۷﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ
سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا
صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۸﴾ فَهَلْ تَرٰى
لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۹﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَ
الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۱۰﴾

اَلْحَآقَّةُ : سچ مچ ہو جانے والی۔ ایک عظیم الشان شُدنی امر۔ جو اٹل ہے۔ اور یقیناً واقعہ ہونے والا ہے۔ اس سے مراد آپؐ کے سخت اعداء کی تباہی ہے۔ جس کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور وہ پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت اور منکرین کی ہلاکت کے متعلق کیں۔ کہ وہ ضرور پوری ہونے والی ہیں۔

ان آیات میں پہلے انبیاء علیہم السلام اور انکی اُمتوں کی مثال دی ہے اور بطور عبرت کے ان کا واقعہ پیش کیا ہے کہ وہ بھی مجھ سے پہلے انبیاء و رُسل۔ نبی و رسول نبی تھے۔ اگر ان کے نہ ماننے والوں نے سُکھ نہیں پایا تو تم کیوں سُکھ پاؤ گے۔ عاد اور ثمود کی قوم کا حال دیکھو کہ کیا ہوا اور خداوند تعالیٰ

سے ڈرو کہ کہیں تمہارا بھی وہی حال نہ ہو۔

قارعۃ : ٹھونک کر سمجھانے والی۔

بالطاغیۃ : بہ سبب حد سے بڑھی ہوئی نافرمانی کے وہ ہلاک ہوئے۔

عاتیہ : قابو سے نکلنے والی۔ حد سے بڑھی ہوئی۔

مُؤتَفِکٰتِ : جن پر پہاڑ گرا تھا۔ سڈوم و گمارا کے لوگ۔

بِالْخَاطِئَۃِ : ان کی خطا کاریوں کے سبب۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء)

سارا جہان یہاں تک کہ درخت بھی قانونِ الہٰی کے سب پابند ہیں۔ گائے بھینس۔ بیل۔ بکری وغیرہ کو دیکھو کہ وہ گھاس کو جھٹ جھٹ اپنے دانتوں سے کاٹ کر نگل جاتے ہیں۔ پھر آرام سے بیٹھ کر اس کو اپنے پیٹ سے نکال کر چباتے اور پھر نگلتے ہیں! ۔ اسی طرح سے وہ جگالی کرتے ہیں اور اسی طرح آرام کر کے پیشاب اور گوبر کرتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ ایک سنّت ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی جانور کھاتا ہی چلا جائے اور جگالی اور آرام وغیرہ بالکل نہ کرے تو وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح بچوں کی حالت ہے۔ اگر بچہ اور بچے کی ماں کوئی بد پرہیزی کریں تو دونوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کھانا کھانے کی بجائے روٹی کانوں میں ٹھونسنے لگے تو کیا وہ بچ جائے گا۔ اسی طرح بہت سے قانون ہیں جو ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ وہ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ جھوٹے جھوٹ بولتے ہیں مگر ایک زمانہ کے بعد اگر وہ کبھی سچ بھی بولیں۔ تب بھی کوئی ان کا اعتبار نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ قسمیں کھا کر بھی کوئی بات کہیں تو تب بھی کوئی یقین نہیں کرتا۔ اسی طرح سست آدمی اپنی آبائی جائیداد تک بھی فروخت کر کے کھا جاتا ہے۔

اَلْحَآقَّۃُ مَا الْحَآقَّۃُ : تم جانتے ہو کہ ہونے والی باتیں ہو کر رہتی ہیں اور کسی طرح ہو کر رہتی ہیں۔ مثل کی طرح سنو۔ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ۔ جن لوگوں نے حق کی مخالفت کی۔ ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ ثمود قوم نے تکذیب کی۔ اس کا انجام کیا ہوا۔ ہمارے ملک میں سلاطین مغل پٹھان سکھ وغیرہ تھے۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو خدا نے ان کو ٹھونک ٹھونک کر ٹھیک کر دیا۔ پیارو! اگر تم بدی کرو گے تو تم کو بدی کا ضرور نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ یاد رکھو بدی کے بدلہ میں کچھ سکھ نہیں مل سکتا۔

عاد قوم بڑی زبردست قوم تھی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہوا سے تباہ کیا۔ سات رات اور آٹھ دن متواتر ہوا چلی۔ سب کا نام و نشان تک اڑا دیا۔ بڑے بڑے عمائدِ قوم گرے۔ جس طرح کھوکھلا درخت ہوا سے گر جاتا ہے۔ بتاؤ تو سہی۔ اب کہاں ہے۔ رنجیت سنگھ اور ان کی اولاد؟ انکے بیٹے پوتے اور پڑپوتے؟

اس کا بیٹا ایک ہوٹل میں ایسی کسمپرسی کی حالت میں مرا کہ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون تھا!

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ ؛ فرعون اور اسکی بستیوں کو اُلٹ کر پھینک دیا۔ ایک میرے بڑے دوست شہزادہ تھے۔ وہ بیچارے خود کپڑا سی کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ اور ایک اور میرے دوست تھے۔ وہ ان کو سینے کیلئے کپڑے لادیا کرتے تھے۔ اور خود دے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہی مجھے کہا کہ تم اس سے کپڑے سلوایا کرو۔ خوددار بھی وہ ایسے تھے کہ کسی کو اس کی خبر تک ہونا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ خود کبھی کسی سے کپڑا نہیں لیتے تھے۔ اور اس عالم میں بھی ان کی مزاج سے وہ شاہانہ بُو دور نہیں ہوئی تھی نخرے رکھا کرتے تھے! کوئی اپنے حُسن پر مغرور ہے۔ کوئی اپنے علم پر اتراتا ہے۔ کوئی اپنی طب پر اکڑتا ہے۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ جب تک خدا کا فضل نہ ہو۔ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ سچ مچ یہ بات ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ خدا رحم کرے میری ماں پر۔ وہ کہا کرتی تھی کہ جو آگ کھائے گا وہ انگارے ہگے گا!

ثمود نے ہمارے رسولوں کا انکار کیا۔ ہم نے بھی ایسا پکڑا کہ کہیں نہ جانے دیا۔ جانتے ہو کہ نوحؑ کی قوم کو کس طرح غرق کیا۔ تم کو چاہیئے تھا کہ اس سے عبرت حاصل کرتے۔ دارالسّلام میں سولہ لاکھ آدمی قتل کر دئے وہ جو بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی بیوی کا نام "نسیم سحر" رکھا ہوا تھا۔ جس طرح صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے آدمی کو نیند آتی ہے۔ اسی طرح اس کو اپنی بیوی کی صحبت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ جب اس "نسیم سحر" کو قتل کیا تو کسی گلی کے کتے ہی چاٹتے تھے۔ کسی نے کفن تک بھی نہ دیا۔ جب بادشاہ نے قید میں پانی مانگا تو فاتح بادشاہ نے سپاہ کو حکم دیا۔ کہ اس کے محل میں سے تمام لعل و جواہرات لوٹ لاؤ۔ وہ وحشی لوگ فوراً گئے اور تمام محل کی آرائش کو لوٹ کھسوٹ لائے تو اس کے سامنے ایک تھالی میں نہایت قیمتی جواہرات بھر کر بادشاہ بغداد[1] کے سامنے پیش کئے گئے کہ لو ان کو پیئو اور پھر گالی دے کر کہا کہ بدذات! تو فوج کو تنخواہ نہ دیتا تھا۔ اور تیرے گھر میں اس قدر مال تھا۔ یہ کہہ کر اس کا سر اڑا دیا گیا!

تم اپنی جان پر رحم کرو۔ یاد رکھو کہ کسی کا حُسن نہ کام آئے گا اور نہ کسی کا مال کام آئے گا۔ نہ جاہ و جلال۔ نہ علم۔ نہ ہنر۔ (البدر حصہ دوم کلام امیر ۷، نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۸-۵۹)

۱۱ تا ۱۳۔ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۱﴾

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۲﴾ لِنَجْعَلَهَا

[1] بغداد۔ مرتب

لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۳﴾

عَصَوْا : انہوں نے رسول کی نافرمانی کی اور یہ تمام عذاب اسی سبب سے ان پر پڑا۔
رَابِيَةً : بڑھ چڑھ کر۔
جَارِيَةً : چلتی ہوئی کشتی۔
لِنَجْعَلَهَا : تمہیں اسی واسطے سناتے ہیں کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۴ تا ۱۶ - فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۴﴾
وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۵﴾ فَيَوْمَئِذٍ
وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۶﴾

اِذَا نُفِخَ : ایک وقت آتا ہے جبکہ بگل بجایا جائے گا۔ عذاب وہلاکت کا وقت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر جو عذاب آنے والا ہے۔ اُس کا وقت آجائے گا۔
جِبَالُ : ۱۔ پہاڑ اڑ جائیں گے ۲۔ مشرکین کے عمائد جو اپنے آپ کو پہاڑوں کی مانند مضبوط سمجھتے ہیں ہلاک ہو جائیں گے۔
وَقَعَتْ : خطرناک عذاب آئے گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۷، ۱۸ - وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۷﴾
وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ
فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۸﴾

انْشَقَّتِ السَّمَآءُ : آسمان پھٹ پڑے گا۔ سخت بارش ہوگی یا کوئی عذاب آئے گا۔
مَلَكٌ : فرشتے۔ ملائکہ کا ایک خاص اژدحام اور ہجوم ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نصرت میں ملائکہ کا نزول ہوتا تھا۔

ثَمٰنِيَةٌ، اس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے حامل آٹھ فرشتے ہوں گے۔ کیا معنی۔ اللہ تعالیٰ کی چار صفات (رَبِّ الْعَالَمِيْن۔ الرَّحْمٰن۔ رَحِيْم۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن) کی خاص تجلی ہوگی۔

اس آیت کی تفسیر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عربی کتاب "کرامات الصادقین میں لکھی ہے جو اصل عبارت یہاں لکھی جاتی ہے اور نیچے اُس کے ترجمہ لکھا جاتا ہے

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى صِفَاتٍ ذَاتِيَّةً نَاشِئَةً مِّنِ اقْتِضَآءِ ذَاتِهٖ وَ عَلَيْهَا مَدَارُ الْعَالَمِيْنَ كُلِّهَا وَهِيَ اَرْبَعٌ رُبُوْبِيَّةٌ وَّرَحْمَانِيَّةٌ وَّرَحِيْمِيَّةٌ وَمَالِكِيَّةٌ كَمَا اَشَارَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ وَقَالَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَهٰذِهِ الصِّفَاتُ الذَّاتِيَّةُ سَابِقَةٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّمُحِيْطَةٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَّمِنْهَا وُجُوْدُ الْاَشْيَآءِ وَاِسْتِعْدَادُهَا وَقَابِلِيَّتُهَا وَوُصُوْلُهَا اِلٰى كَمَالَاتِهَا وَاَمَّا صِفَةُ الْغَضَبِ فَلَيْسَتْ ذَاتِيَّةً لِلّٰهِ تَعَالٰى بَلْ هِيَ نَاشِئَةٌ مِّنْ عَدَمِ قَابِلِيَّةِ بَعْضِ الْاَعْيَانِ لِلْكَمَالِ الْمُطْلَقِ۔ وَكَذٰلِكَ صِفَةُ الْاِضْلَالِ لَا يَبْدُوْ اِلَّا بَعْدَ زَيْغِ الضَّآلِّيْنَ وَاَمَّا حَصْرُ الصِّفَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاَرْبَعِ فَنَظَرًا عَلَى الْعَالَمِ الَّذِيْ يُوْجَدُ فِيْهِ اٰثَارُهَا اَلَا تَرٰى اَنَّ الْعَالَمَ كُلَّهٗ يَشْهَدُ عَلٰى وُجُوْدِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ بِلِسَانِ الْحَالِ وَقَدْ تَجَلَّتْ هٰذِهِ الصِّفٰتُ بِنَحْوٍ لَّا يَشُكُّ

ترجمہ: واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ذاتی صفات ہیں جو اقتضائے ذات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اپنی صفات کاملہ پر جملہ عالمین کا مدار ہے اور وہ چار ہیں۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کی طرف اس سورہ شریفہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ رب العالمین۔ الرحمٰن۔ الرحیم مالک یوم الدین۔ یہ صفاتِ ذاتیہ ہر چیز پر سابق ہیں اور ہر چیز کو محیط ہو رہے ہیں اور انہی سے اشیاء کا وجود اور اشیاء کی استعدادیں اور قابلیتیں تیار ہوتی ہیں۔ اور ان کا وصول اپنے کمالات کو ہوتا ہے۔

اور صفت غضب اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہے بلکہ یہ صفت بعض اعیان کی عدم قابلیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اور ایسا ہی صفت اضلال بھی ظاہر نہیں ہوتی مگر گمراہ ہونیوالوں کے کجرو ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔

فِيهَا بَصِيرٌ اِلَّا مَنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَمِينَ وَهٰذِهِ الصِّفَاتُ اَرْبَعٌ اِلٰى انْقِرَاضِ النَّشْاَةِ الدُّنْيَوِيَّةِ ثُمَّ تَتَجَلّٰى مِنْ تَحْتِهَا اَرْبَعٌ اُخْرٰى الَّتِىْ مِنْ شَاْنِهَا اَنَّهَا لَا تَظْهَرُ اِلَّا فِى الْعَالَمِ الْاٰخِرِ وَاَوَّلُ مَطَالِعِهَا عَرْشُ الرَّبِّ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ لَمْ يَتَدَنَّسْ بِوُجُوْدِ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَارَ مَظْهَرًا تَامًّا لِاَنْوَارِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَقَوَائِمُهُ اَرْبَعٌ رَبُوْبِيَّةٌ وَرَحْمَانِيَّةٌ وَرَحِيْمِيَّةٌ وَمَالِكِيَّةُ يَوْمِ الدِّيْنِ وَلَا جَامِعَ لِهٰذِهِ الْاَرْبَعِ عَلٰى وَجْهِ الظِّلِّيَّةِ اِلَّا عَرْشُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَلْبُ الْاِنْسَانِ الْكَامِلِ. وَهٰذِهِ الصِّفَاتُ اُمَّهَاتٌ لِصِفَاتِ اللّٰهِ كُلِّهَا وَوَقَعَتْ كَقَوَائِمِ الْعَرْشِ الَّذِىْ اسْتَوٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفِىْ لَفْظِ الْاِسْتِوَاءِ اِشَارَةٌ اِلٰى هٰذَا الْاِنْعِكَاسِ عَلَى الْوَجْهِ الْاَتَمِّ الْاَكْمَلِ مِنَ اللّٰهِ الَّذِىْ هُوَ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ. وَتَنْتَهِىْ كُلُّ قَائِمَةٍ مِنَ الْعَرْشِ اِلٰى مَلَكٍ هُوَ حَامِلُهَا وَمُدَبِّرُ اَمْرِهَا وَمَوْرِدُ تَجَلِّيَاتِهَا وَقَاسِمُهَا عَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِيْنَ فَهٰذَا

اور صفاتِ مذکورہ کا چار میں حصر ہونا بنظرِ عالم ہے جس میں ان صفات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سارا عالم ان صفات کے وجود پر زبانِ حال سے گواہ ہے۔ اور یہ صفات اس طرح متجلّی ہو رہے ہیں کہ کوئی بینا اس میں شک نہیں کرتا اور یہ چار صفات انقراضِ ایام دنیا تک رہیں گی۔ پھر ان کے نیچے چار اور صفات جلوہ گر ہوں گی جن کی شان میں سے ہے کہ وہ صفات ظاہر نہیں ہوتیں مگر دوسرے عالم میں جو عرشِ الٰہی کا پہلا مطلع ہے اور وجود غیر اللہ سے آلودہ نہیں ہوا اور انوار ربّ العالمین کا مظہرِ تام ہے۔ اور عرشِ الٰہی کے چار پائے اس کی ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت یوم الدین ہیں اور ان چاروں کا جامع بروجہ ظلّیت عرشِ الٰہی اور انسانِ کامل کا دل ہے۔ یہ چار صفات ساری صفاتِ الٰہی کے امّہات و اصول ہیں۔

ہیں۔ اور عرشِ الٰہی کے پایوں کی طرح واقع ہوئے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا استواء ہے۔ اور لفظ استویٰ میں اس اتم و اکمل عکسِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور ہر پایہ عرش ایک فرشتے کی طرف منتہی ہوتا ہے جو اسکا حامل اسکا مدبر اور اس کا موردِ تجلیات ہے اور اس صفت کو

مَعْنٰی قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَانِیَۃٌ۔ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ یَحْمِلُوْنَ صِفَاتًا فِیْھَا حَقِیْقَۃٌ عَرْشِیَّۃٌ وَالسِّرُّ فِیْ ذٰلِکَ اَنَّ الْعَرْشَ لَیْسَ شَیْئًا مِّنْ اَشْیَاءِ الدُّنْیَا۔ بَلْ ھُوَ بَرْزَخٌ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ مَبْدَءٌ قَدِیْمٌ لِّلتَّجَلِّیَاتِ الرَّبَّانِیَّۃِ وَالرَّحْمَانِیَّۃِ وَالرَّحِیْمِیَّۃِ وَالْمَالِکِیَّۃِ لِاِظْھَارِ التَّفَضُّلَاتِ وَتَکْمِیْلِ الْجَزَاءِ وَالدِّیْنِ۔ وَھُوَ دَاخِلٌ فِیْ صِفَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّہٗ کَانَ ذَا الْعَرْشِ مِنْ قَدِیْمٍ وَّلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ فَکُنْ مِّنَ الْمُتَدَبِّرِیْنَ وَحَقِیْقَۃُ الْعَرْشِ وَاسْتِوَاءِ اللّٰہِ عَلَیْہِ سِرٌّ عَظِیْمٌ مِّنْ اَسْرَارِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَحِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ وَّ مَعْنًی رُّوْحَانِیٌّ وَّ سُمِّیَ عَرْشًا لِتَفْھِیْمِ عُقُوْلِ ھٰذَا الْعَالَمِ وَ لِتَقْرِیْبِ الْاَمْرِ اِلٰی اسْتِعْدَادَاتِھِمْ وَھُوَ وَاسِطَۃٌ فِیْ وُصُوْلِ الْفَیْضِ الْاِلٰھِیِّ وَالتَّجَلِّی الرَّحْمَانِیِّ مِنْ حَضْرَۃِ الْحَقِّ اِلَی الْمَلٰئِکَۃِ وَمِنَ الْمَلٰئِکَۃِ اِلَی الرُّسُلِ وَلَا یَقْدَحُ فِیْ وَحْدَتِہٖ تَعَالٰی تَکَثُّرُ قَوَابِلِ الْفَیْضِ بَلِ التَّکَثُّرُ ھٰھُنَا یُوْجِبُ الْبَرَکَاتِ لِبَنِیْ اٰدَمَ وَیُعِیْنُھُمْ عَلَی الْقُوَّۃِ الرُّوْحَانِیَّۃِ وَ یَنْصُرُھُمْ فِی الْمُجَاھَدَاتِ وَالرِّیَاضَاتِ الْمُوْجِبَۃِ لِظُھُوْرِ

وہ اہلِ آسمان و اہلِ زمین پر تقسیم کرتا ہے۔

پس یہ معنے ہیں کلامِ الٰہی کے جو اس نے فرمایا ہے۔ وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَانِیَۃٌ کیونکہ ملائکہ ان صفات کے حامل ہیں جن میں حقیقتِ عرشِ الٰہی ہے۔ اور سِر اس بات کا یہ ہے کہ وہ عرشِ الٰہی چیز دنیا کی چیزوں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اور وہ مبدء قدیم ہے واسطے تجلیاتِ ربّانیہ و رحمانیہ و رحیمیہ و مالکیہ کے واسطے ظاہر کرنے تفضّلات اور کامل کرنے جزاء و دین کے۔

اور یہ بات صفاتِ الٰہی میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم سے صاحبِ عرش ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ خوب سوچ کرو اور حقیقتِ عرش اور استویٰ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک عظیم الشان سِر ہے اور بلیغ حکمت اور روحانی معنے ہیں۔

اور عرش اس لئے نام رکھا گیا کہ اس عالم کے عقول کو سمجھایا جاوے اور انکی فہمی استعدادوں کے

الْمُنَاسَبَاتِ الَّتِیْ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ مَا یَصِلُوْنَ اِلَیْہِ مِنَ النُّفُوْسِ کَنَفْسِ الْعَرْشِ وَالْعُقُوْلِ الْمُجَرَّدَۃِ اِلٰی اَنْ یَّصِلُوْنَ اِلَی الْمَبْدَءِ الْاَوَّلِ وَعِلَّۃِ الْعِلَلِ ثُمَّ اِذَا اعَانَ السَّالِکَ الْجَذْبَاتُ الْاِلٰھِیَّۃُ وَالنَّسِیْمُ الرَّحْمَانِیَّۃُ فَیَقْطَعُ کَثِیْرًا مِنْ حُجُبِہٖ وَیُنْجِیْہِ مِنْ بُعْدِ الْمَقْصَدِ وَکَثْرَۃِ عَقَبَاتِہٖ وَاٰفَاتِہٖ وَیُنَوِّرُہٗ بِالنُّوْرِ الْاِلٰھِیِّ وَیُدْخِلُہٗ فِی الْوَاصِلِیْنَ۔ فَیَکْمُلُ لَہُ الْوُصُوْلُ وَالشُّھُوْدُ وَمَعَ رُؤْیَتِہٖ عَجَائِبَاتِ الْمَنَازِلِ وَالْمَقَامَاتِ وَلَاشُعُوْرَ لِاَھْلِ الْعَقْلِ بِھٰذِہِ الْمَعَارِفِ وَالنِّکَاتِ وَلَامُدْخَلَ لِلْعَقْلِ فِیْہِ وَالْاِطِّلَاعُ بِاَمْثَالِ ھٰذِہِ الْمَعَانِیْ اِنَّمَا ھُوَ مِنْ مِشْکوٰۃِ النُّبُوَّۃِ وَالْوَلَایَۃِ وَمَاشَمَّتِ الْعَقْلَ رَائِحَتَہٗ وَمَا کَانَ لِعَاقِلٍ اَنْ یَّضَعَ الْقَدَمَ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ اِلَّا بِجَذْبَۃٍ مِنْ جَذْبَاتِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

نزدیک اس امر کو قریب کیا جائے۔ اور یہ واسطہ و ذریعہ ہے وصولِ فیضِ الٰہی اور تجلیٔ رحمانی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کی طرف اور ملائکہ کی طرف سے رسولوں کی طرف۔ اور وحدتِ الٰہی میں کثرت قابلاتِ فیض قادح نہیں بلکہ کثرت قوابل موجب برکات بنی آدم ہیں اور یہ امر ان کو قوت روحانی میں مدد دیتا ہے اور ان کو مجاہدات و ریاضتوں میں نصرت کرتا ہے جو مناسبات کے ظہور کے باعث ہوتے ہیں جو ان کے درمیان اور ان کے نفوس کے درمیان ہوتے ہیں۔ جو ان تک پہنچتے ہیں اور نفسِ عرش اور عقولِ مجردہ کی طرح ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ مبدءِ اوّل اور علّت العلل تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب سالک جذباتِ الٰہیہ اور نسیم رحمانیہ کو دیکھتا ہے تو بہت سے حجاب قطع کر جاتا ہے۔ اور بعد مقصود و کثرتِ عقبات و آفات سے نجات پاتا اور نورِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو واصلین میں داخل کر دیتا ہے۔

اور اس کا وصول و شہود مع رویت عجائباتِ منازل و مقامات کے کامل ہو جاتا ہے۔ اور اہلِ عقل کیلئے ان معارف و نکات کا شعور نہیں ہوتا اور نہ عقل کا ان میں دخل ہو سکتا ہے اور اس قسم کے معانی پر اطلاع پانا مشکوٰۃِ نبوت و ولایت سے میسّر ہو سکتا ہے۔ عقل کو ان حقائق سے بو بھی نہیں پہنچتی۔ اور نہ کسی عاقل کی طاقت ہے کہ وہ بجز جذباتِ الٰہی اس مقام میں قدم رکھے۔

وَإِذَا انْفَكَّتِ الْاَرْوَاحُ الطَّيِّبَةُ الْكَامِلَةُ مِنَ الْاَبْدَانِ وَيَتَطَهَّرُوْنَ عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ مِنَ الْاَوْسَاخِ وَالْاَدْرَانِ يُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ تَحْتَ الْعَرْشِ بِوَاسِطَةِ الْمَلٰئِكَةِ فَيَاخُذُوْنَ بِطَوْرٍ جَدِيْدٍ حَظًّا مِّنْ رَبُوْبِيَّةٍ يُغَايِرُ رُبُوْبِيَّةً سَابِقَةً وَحَظًّا مِّنْ رَحْمَانِيَّةٍ مُغَايِرٍ رَحْمَانِيَّةٍ اُوْلٰى وَحَظًّا مِّنْ رَحِيْمِيَّةٍ وَمَالِكِيَّةٍ مُغَايِرٍ مَا عَانَ فِي الدُّنْيَا فَهُنَالِكَ تَكُوْنُ ثَمَانِيَ صِفَاتٍ تَحْمِلُهَا ثَمَانِيَةٌ مِّنْ مَلٰئِكَةِ اللّٰهِ بِاِذْنِ اَحْسَنِ الْخَالِقِيْنَ . فَاِنَّ لِكُلِّ صِفَةٍ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ قَدْ خُلِقَ لِتَوْزِيْعِ تِلْكَ الصِّفَةِ عَلٰى وَجْهِ التَّدْبِيْرِ وَوَضْعِهَا فِيْ مَحَلِّهَا وَاِلَيْهِ اِشَارَةٌ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا . فَتَدَبَّرْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔

وَزِيَادَةُ الْمَلٰئِكَةِ الْحَامِلِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ لِزِيَادَةِ تَجَلِّيَاتٍ رَّبَّانِيَّةٍ وَّرَحْمَانِيَّةٍ وَّرَحِيْمِيَّةٍ وَّمَالِكِيَّةٍ عِنْدَ زِيَادَةِ الْقَوَابِلِ فَاِنَّ النُّفُوْسَ الْمُطْمَئِنَّةَ بَعْدَ انْقِطَاعِهَا وَرُجُوْعِهَا اِلَى الْعَالَمِ الثَّانِيْ وَالرَّبِّ

جب ارواحِ پاکیزہ کاملہ بدنوں سے جُدا ہوتے اور بروجہ کمال روحانی میلوں کچیلوں سے پاک کئے جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرش کے نیچے بذریعہ ملائکہ کرام پیش کئے جاتے ہیں۔ پس وہ جدید طور پر ربوبیتِ الٰہی سے حظّ و حصّہ لیتے ہیں۔ جو ربوبیتِ سابقہ سے علیحدہ و مغائر ہوتی ہے اور اس کی رحمانیت سے بھی بہرہ اندوز ہوتے ہیں اور حصّہ لیتے ہیں جو پہلی روحانیت سے مغائر ہوتا ہے۔ اور اس کی رحیمیت سے بھی حصّہ پاتے ہیں جو اس کی پہلی رحیمیت سے الگ ہوتی ہے اور اسکی مالکیت سے بھی حصّہ پاتے ہیں جو دنیا کے حصّہ سے مغائر ہوتی ہے۔ پس اس وقت آٹھ صفات ہو جاتے ہیں۔ جن کے آٹھ ملائکۃ اللہ باذن احسن الخالقین حامل ہیں کیونکہ ہر صفت کیلئے ایک فرشتہ مؤکّل ہے جو اس صفت کے پراگندہ کرنے کیلئے بروجہ تدبیر اور اسکو برمحل خود رکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام میں اشارہ فرمایا ہے۔ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا پس تم غور کرو اور غافل نہ ہو۔

آخرت میں ملائکہ حاملین کا زیادہ ہونا تجلّیاتِ ربانیہ و رحمانیہ و رحیمیہ و مالکیہ کے زیادہ تجلّیات

الْعَرِيْمِ تَتَرَقّٰى فِيْ اسْتِعْدَادَاتِهَا فَتَتَمَوَّجُ الرَّبُوْبِيَّةُ وَالرَّحْمَانِيَّةُ وَالرَّحِيْمِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ بِحَسَبِ قَابِلِيَّاتِهِمْ وَاسْتِعْدَادَاتِهِمْ كَمَا تَشْهَدُ عَلَيْهِ كُشُوْفُ الْعَارِفِيْنَ۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنَ الَّذِيْنَ اُعْطِيَ لَهُمْ حَظٌّ مِّنَ الْقُرْاٰنِ تَجِدُ فِيْهِ كَثِيْرًا مِّنْ مِّثْلِ هٰذَا الْبَيَانِ۔ فَانْظُرْ بِالنَّظَرِ الدَّقِيْقِ۔ لِتَجِدَ شَهَادَةَ هٰذَا التَّحْقِيْقِ۔ مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

(کرامات الصادقین صفحہ ۸۶ تا ۸۹)

اللہ تعالیٰ کے عرش پر بیٹھنے اور آٹھ فرشتوں کے اٹھانے کے متعلق آریوں نے بعض اعتراض کئے ہیں۔ جن کے جواب حضرت خلیفۃ المسیح نے جو دئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

"پہلا سوال محض غلط فہمی اور علوم الٰہیہ حقہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام آسمانی مذاہب اسی پر متفق ہیں۔ ہاں تارک اسلام کو علوم اسلامی سے نابینائی کی وجہ سے کرسی سے ٹھوکر لگی اور منہ کے بل جہالت کے گڑھے میں گرا ہے۔ سنو ہماری مکرم کتاب صحیح بخاری میں جسے ہم کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب مانتے ہیں۔ لکھا ہے۔

كُرْسِيُّهٗ : عِلْمُهٗ یعنی کرسی کے معنے علم کے ہیں۔ معنے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرۃ: ۲۵۶) کے یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام بلندیوں اور زمین کو وسیع و محیط ہو رہا ہے۔ اب بتاؤ اس مسئلہ میں جو مذاہب اللہ تعالیٰ کے ماننے والے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کے منکر نہیں۔ ان میں کس کو کلام اور بحث ہے۔

سوال دوم: میرے الزامی جواب کو اور سوال سوم کے الزامی جواب کے بعد حقیقی جواب کو ملاحظہ کرو۔ تمہارے یجروید اکتیسویں ادھیائے میں لکھا ہے۔ دیکھو! "اے منشو۔ سب پرانیوں کی ہزاروں آنکھیں

کیلئے ہے۔ کیونکہ اس جگہ محل قابلات تجلیات بہت ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ نفوس مطمئنہ جب اس عالم سے منقطع ہو کر عالم ثانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اپنی اپنی استعدادوں کے موافق ترقی کرتی ہیں تو ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت ان کی قابلیتوں و استعدادوں کے حساب پر جوش زن ہوں گے۔ چنانچہ عارفوں کے کشوف اس امر کے گواہ ہیں ـــــ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جن کو قرآن کریم سے حصہ ملا ہے تو ایسا بیان قرآن میں بہت پاؤ گے۔ نظرِ دقیق سے دیکھو تا کہ اس شہادت کی تحقیق کو قرآن کریم سے پالو۔

ہزاروں پاؤں جس سروتر یا یک جگ دلیشور میں ہیں۔ وہ پرش ہے۔ وہ تمام بھوگول میں سب طرف سے بیاپت یہ پانچ استھول (عناصر خمسہ) پانچ سوکھشم (حواس) یہ دس بھوت جس کے انگ ہیں اور وہ سب جگت (مخلوق) کو اولنگھ کر (کود کر) ٹھہرا ہے۔

اور منتر ۳ : اس ایشور کی سب زمین وغیرہ چراچر جگت (کل مخلوق) ایک جزو ہیں اس جگت بنانیوالے کے تین حصہ ناش رہت مہما اپنے منور سروپ میں ہے۔

نمبر ۴ : اور کہا تین حصوں والا پرمیشور سب سے اوتم سنسار سے الگ مکت سروپ نکلتا ہے اس پرش کا ایک حصہ سے ایک جگت میں پھر ہر پیدائش اور پرلے کا چکر کھاتا ہے۔

نمبر ۵ میں ہے "اس براٹ سنسار کے اوپر سردار پورن برہم رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی وہ پہلے سے ظاہر برش جگت سے علیحدہ رہتا ہے۔" غرض سترہ منتر تک یہی مضمون مکرر کیا گیا ہے پہلے منتر میں یہ لفظ کہ وہ سب جگت کو اولنگھ کر ٹھیرا ہے۔ منصف انسان کیلئے قابل غور ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ وہ خدا پرمیشر سب جگت کو پھاند کر ٹھہرا ہے اور تیسرے منتر کا مطلب ہے کہ خدا پرمیشور کے چار حصہ ہیں۔ ایک حصہ مخلوق میں اور تین حصہ بالاتر ہیں۔

اور نمبر ۴ کا مطلب ہے کہ پرمیشور سنسار سے الگ ہے اور اس کے تین حصہ خلق سے بالا ہیں اور نمبر ۵ میں ہے۔ اوپر پورن برہم رہتا ہے۔

اور (دیوتہ۔ امرت مانشو ناشش ترشٹے دیام لوگ ندھیرتم) کا مطلب اور عرش پر ہے کا مطلب اگر ایک نہ ہو تو ہم ذمہ دار ہیں۔

سوال سوم : اگر قرآن کریم نے آٹھ کا ذکر کیا ہے تو وہاں فرشتوں کا تذکرہ نہیں مگر آپ کے ہاں صاف مسلم ہے کہ آٹھ دیوتا اس کے تخت سلطنت کو اٹھا رہے ہیں۔ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۴۴ میں ہے۔ کہ یاگولکیہ جی نے شاکلیہ کو فرمایا ہے۔ آٹھ دسویہ ہیں۔ پھر انکی تفصیل کرتے کہا ہے کہ ان سب کو دسویہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں یہ گنج کائنات محفوظ اور قائم ہے یاگولکیہ کی معتقدہ انسانی بات کو ماننا اور خدائے پاک کی بات کو نہ ماننا کیسی بے انصافی ہے۔

اور حقیقی بات سناتے ہیں۔

سنو! مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ تمام قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھو۔ اس میں ہرگز نہیں پاؤگے کہ عرش کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔ خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز جو کوئی وجود رکھتی ہے۔ اسکا

میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔ مَیں ہی زمین آسمان اور رُوحوں اور انکی تمام قوتوں کا خالق ہوں۔ مَیں اپنی ذات میں آپ قائم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قائم ہے۔ ہر ایک ذرّہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے وہ میری ہی پیدائش ہے۔ مگر کہیں نہیں فرمایا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے۔ جس کا مَیں پیدا کرنے والا ہوں۔ اگر کوئی آریہ قرآن شریف میں سے نکال دے کہ عرش بھی کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے تو مَیں اس کو قبل اسکے جو قادیان سے باہر جائے ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ مَیں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے کہ مَیں قرآن شریف کی وہ آیت دکھاتے ہی ہزار روپیہ حوالہ کر دوں گا۔ ورنہ مَیں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایسا شخص خود لعنت کا محل ہوگا جو خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد تو محض اس بات پر ہے کہ عرش کوئی علیحدہ چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ اور جب یہ امر ثابت نہ ہو سکا تو کچھ اعتراض نہ رہا۔ خدا صاف فرماتا ہے کہ وہ زمین پر بھی ہے اور آسمان پر بھی ہے اور کسی چیز پر نہیں۔ بلکہ اپنے وجود سے آپ قائم ہے اور ہر ایک چیز کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اور ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ جہاں تین ہوں تو چوتھا ان کا خدا ہے۔ جہاں پانچ ہوں تو چھٹا ان کے ساتھ خدا ہے اور کوئی جگہ نہیں جہاں خدا نہیں اور پھر فرماتا ہے

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۱۶)

جس طرف تم مُنہ کرو اُسی طرف تم خدا کا مُنہ پاؤ گے۔ وہ تم سے تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہی ہے جو پہلے ہے اور وہی ہے جو آخر ہے اور سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے اور وہ نہاں در نہاں ہے اور فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (البقرۃ: ۱۸۷)

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے۔ پس جواب یہ ہے کہ ایسا نزدیک ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں۔ جو شخص مجھ پر ایمان لا کر مجھے پکارتا ہے تو مَیں اس کا جواب دیتا ہوں۔ ہر ایک چیز کی کل میرے ہاتھ میں ہے۔ اور میرا علم سب پر محیط ہے۔ مَیں ہی ہوں جو زمین و آسمان کو اٹھا رہا ہوں۔ مَیں ہی ہوں جو خشکی تری میں اٹھا رہا ہوں۔

یہ تمام آیات قرآن شریف میں موجود ہیں۔ بچہ بچہ مسلمانوں کا ان کو جانتا ہے اور پڑھتا ہے جس کا جی چاہے وہ ہم سے آکر ابھی پوچھ لے۔ پھر ان آیات کو ظاہر نہ کرنا اور ایک استعارہ کو لے کر اس پر اعتراض کر دینا کیا یہی دیانت آریہ سماج کی ہے۔ ایسا دنیا میں کون مسلمان ہے جو خدا کو

محدود جانتا ہے۔ یا اس کے وسیع اور غیر محدود علم سے منکر ہے۔ اب یاد رکھو کہ قرآن شریف میں یہ تو کہیں نہیں کہ خدا کو کوئی فرشتہ اٹھا رہا ہے بلکہ جا بجا یہ لکھا ہے کہ خدا ہر ایک کو اُٹھا رہا ہے۔ ہاں بعض جگہ یہ استعارہ مذکور ہے کہ خدا کے عرش کو جو دراصل کوئی جسمانی اور مخلوق چیز نہیں فرشتے اٹھا رہے ہیں دانشمند اس جگہ سے سمجھ سکتا ہے کہ جبکہ عرش کوئی مجسّم چیز نہیں تو فرشتے کس چیز کو اٹھاتے ہیں ضرور کوئی استعارہ ہوگا۔ مگر آریہ صاحبوں نے اس بات کو نہیں سمجھا کیونکہ انسان خود غرضی اور تعصب کے وقت اندھا ہو جاتا ہے۔

اب اصل حقیقت سنو! کہ قرآن شریف میں لفظ عرش کا جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد خدا کی عظمت اور جبروت اور بلندی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مخلوق چیزوں میں داخل نہیں کیا۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مظہر چار ہیں۔ جو وید کی رُو سے چار دیوتے کہلاتے ہیں۔ مگر قرآنی اصطلاح کی رُو سے ان کا نام فرشتے بھی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ اکاش جس کا نام اِندر بھی ہے۔ سورج دیوتا جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ چاند جس کو عربی میں قمر کہتے ہیں۔ دھرتی جس کو عربی میں ارض کہتے ہیں۔ یہ چاروں دیوتا جیسا کہ ہم اس رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ خدا کی چاروں صفتوں کو جو اس کے جبروت اور عظمت کا اُتم مظہر ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں عرش کہا جاتا ہے اٹھا رہے ہیں۔ یعنی عالم پر یہ ظاہر کر رہے ہیں۔ تصریح کی حاجت نہیں۔ اس بیان کو ہم مفصّل لکھ آئے ہیں اور قرآن شریف میں تین قسم کے فرشتے لکھے ہیں ۱۔ ذرّات اجسام ارضی اور روحوں کی قوتیں ۲۔ آکاش سورج چاند زمین کی قوتیں جو کام کر رہی ہیں۔ ۳۔ ان سب پر اعلیٰ طاقتیں جو جبرائیل میکائیل عزرائیل وغیرہ نام رکھتی ہیں جن کو وید میں جسم لکھا ہے۔ مگر اس جگہ فرشتوں سے یہ چار دیوتے مراد ہیں۔ یعنی اکاش اور سورج وغیرہ جو خدا تعالیٰ کی چار صفتوں کو اٹھا رہے ہیں۔ یہ وہی چار صفتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں عرش کہا گیا ہے۔ اس فلسفہ کا وید کو بھی اقرار ہے مگر یہ لوگ خوب وید دان ہیں جو اپنے گھر کے مسئلہ سے بھی انکار کر رہے ہیں۔

اخیر میں سُنو۔ بھو لوگ۔ انترکش۔ برہم لوگ جن کا ذکر منو ۲۔ ۲۳۳ میں ہے۔ اس کے اُوپر کس کی حکومت ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ)

۲۰ تا ۳۰ - فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ١ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ

اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۲۰﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۱﴾

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۲﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۳﴾ قُطُوْفُهَا
دَانِيَةٌ ﴿۲۴﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ
الْخَالِيَةِ ﴿۲۵﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۶﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۷﴾
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۸﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۹﴾
هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۳۰﴾

يَمِيْنٍ : جو حق ہو اور جناب الٰہی کی طرف سے ہو۔
زمانہ حال کی تحقیقات میں یہ مسلّم ہے کہ انسان کے جسم کے اکثر حصوں کا خون داہنی طرف سے ہی قلب میں داخل ہوتا ہے۔
ان آیات میں جزائے اعمال کے لحاظ سے آدمیوں کی دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ اصحاب الیمین نیکوکار لوگ جو داخلِ جنّت ہوں گے۔ اور اصحاب الشمال۔ بدکار لوگ جو داخلِ دوزخ ہوں گے۔
هَآؤُمُ : آؤ۔ لے لو
بِمَآ اَسْلَفْتُمْ : یہ انعام جو تم کو ملا ہے۔ اس کا ذریعہ نیک اعمال ہیں جو تم پہلے کر چکے ہو۔
سُلْطٰنِيَهْ : میرے دلائل۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۳۹ تا ۴۴۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۴۰﴾
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۱﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا
مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اُقْسِمُ : اس جگہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے دلائل قسم کے رنگ

میں بیان فرمائے ہیں۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں قسموں کا ذکر ہوتا ہے۔ اسکی تہہ میں کوئی نہ کوئی بڑی بڑی حکمت خدا تعالیٰ نے رکھی ہوتی ہے۔ وہ حکمت جاہلوں۔ عالموں۔ صوفیوں سب کیلئے ہوتی ہے اور سب کے واسطے یہ قسمیں فائدہ بخش ہوتی ہیں۔

عام لوگوں کی فطرتوں میں اور بالخصوص اہلِ عرب کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ جو شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہے وہ برباد۔ ذلیل۔ ناکام اور نامراد ہو جاتا ہے۔

ایک طرف تو مشرکینِ عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافر سمجھتے تھے۔ دوسری طرف انکی زبان سے یہ قسمیں سنتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قسمیں کھانیوالا اگر جھوٹا ہوتا تو ضرور تباہ ہو جاتا لیکن جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابیاں دن بدن ترقی پذیر تھیں تو ان سے ثابت ہوا کہ یہ راست باز ہے۔

فلاسفروں کو ان قسموں سے یہ فائدہ ہوا کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں قسم کھائی جاتی ہے۔ اس کی تہ میں فلسفیانہ ثبوت ضرور ہوتا ہے۔ اس جگہ فَلَآ اُقْسِمُ میں یہ بات ہے کہ نبی کریمؐ کے ساتھ اہلِ عرب میں سے کس قسم کے اور کس مزاج کے لوگ شامل ہوتے تھے اور کس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے لوگ جمع ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا نہیں کہ تم میں سے کام کے شخص اس کے ساتھ ملتے جاتے ہیں۔ آیا اس کو کامیابی حاصل ہو رہی ہے یا نہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔

قسم قائمقام شہادت کے ہوتی ہے۔ اور قرآن شریف کی قسمیں ان امور پر دلائل ہیں جن کیلئے وہ کھائی گئی ہیں۔ مرئی اور مشہود اشیاء اور غیر مرئی اشیاء غرض بجمیع الاشیاء یہ شہادت پیش کی گئی ہے کہ یہ نبی سچا رسول ہے۔

شَاعِرٍ: یہ شخص شاعر نہیں کیونکہ شاعر مُنہ سے کہتا ہے۔ خود کرتا کچھ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تعلیم پیش کی خود اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔

شاعر کوئی ایسا نہیں گزرا کہ جس کے کلمات اور اشعار پیشگوئیوں پر مبنی ہوں جو پوری ہو جائیں۔

شاعر کے کلام کا اثر آنی ہوتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا اثر دیرپا ہے۔

كَاهِنٍ: کہانت کرنے والا۔ اسپرچیولزم کا ماہر یہ لوگ بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضات سے ایک علم حاصل کرتے ہیں۔ مگر ان کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں اور ان کے کلمات میں دروغ

بہت شامل ہوتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

کوئی جھگڑے کی بات نہیں۔ ہم شہادت پیش کرتے ہیں ان امور کو جو تم دیکھتے ہو اور پھر ان کو جو ابھی ظہور میں نہیں آئے اور تم نہیں دیکھتے جس سے ثابت ہو جائے گا۔ کہ یہ قرآن مجید کسی کے خیالی پلاؤ نہیں۔ بلکہ ایک معزز کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اور رب العالمین کا نازل شدہ کلام ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۲۳۰)

۴۵ تا ۴۸۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۵﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۶﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۷﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۴۸﴾

تَقَوَّلَ: جھوٹی بات بنانا۔

اس میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو توریت میں مثیلِ موسیٰ کیلئے کتاب استثناء باب ۱۸ میں مذکور ہے۔ کہ اس نبی کی صداقت کا یہ نشان ہے کہ اگر وہ افتراء کریگا تو قتل کیا جاوے گا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ کہ نہ وہ قتل ہوئے۔ نہ ناکام رہے اور اس طرح پر آئندہ کیلئے ہر صادق مامور کے واسطے یہ ایک نشان ہوا کہ کوئی مفتری علی اللہ افتراء کر کے ۲۳ سال تک زندہ نہیں رہ سکتا۔

وَتِيْن: وہ رگ ہے جو قلب سے سر کو جاتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

باری تعالیٰ بڑا ثبوت آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت کا دیتا ہے۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔ یعنی اگر یہ شخص جھوٹا رسول ہوتا۔ تو بیشک بیشک قتل کیا جاتا۔ تباہ ہو جاتا۔ مارا جاتا۔ کیونکہ خداوند خدا پہلے سے اپنے برگزیدہ نبی موسیٰ کی معرفت اپنے اس اولوالعزم نبی کی بابت ارشاد اور وعدہ فرما چکا تھا۔ اور اس سچے نبی کی صداقت نبوت کی پہچان بھی بتا چکا تھا۔ کہ وہ زندہ رہے گا۔ ہاں وہ سلامت رہے گا۔ اور اسکے مخالفین معبودانِ باطلہ کے عابد ہلاک ہو جاویں گے۔ (فصل الخطاب حصہ دوم طبع دوم صفحہ ۹۰-۹۱)

میرے سامنے بعض نادانوں نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ مفتری کیلئے مہلت مل جاتی ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ اُن کے ایسے بیہودہ دعویٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپؐ کی نبوت پر کس قدر حرف

آتا ہے۔ قطع نظر اس کے ان نادانوں کو اتنا معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کی پاک تعلیم پر اس قسم کے اعتراض سے کیا حرف آتا ہے۔ اور کیونکر انبیاء و رسل کے پاک سلسلہ پر سے امان اٹھ جاتا ہے۔ پوچھتا ہوں کہ کوئی ہمیں بتائے کہ آدمؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک اور آپؐ سے لیکر اس وقت تک کیا کوئی ایسا مفتری گزرا ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے۔ اور وہ کلام جس کی بابت اس نے دعویٰ کیا ہو کہ خدا کا کلام ہے۔ اس نے شائع کیا ہو اور پھر اسے مہلت ملی ہو۔ قرآن شریف میں ایسے مفتری کا تذکرہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اقوال میں پاک لوگوں کے بیان میں اگر ہوا ہے تو دکھاؤ کہ اس نے تَقَوَّلَ عَلَى اللهِ کیا ہو اور بچ گیا ہو۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ ایک مفتری بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ مہلت کا زمانہ میرے نزدیک وہ ہے جبکہ مکہؔ میں اللہ تعالیٰ کا کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یُوں نازل ہوا۔ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ۔ اگر یہ رسول کچھ اپنی طرف سے بنا لیتا اور کہتا کہ فلاں بات خدا نے میرے پر وحی کی ہے۔ حالانکہ وہ اس کا اپنا کلام ہوتا۔ نہ خدا کا۔ تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر اسکی رگِ جان کاٹ دیتے۔ اور کوئی تم میں سے اس کو بچا نہ سکتا کیسا صاف اور سچا معیار ہے کہ مفتری کی سزا ہلاکت ہے۔ اور اسے کوئی مہلت نہیں دی جاتی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی کیسی روشن دلیل اور ہر صادق مامور من اللہ کی شناخت کا کیسا خطانہ کرنے والا معیار ہے۔ مگر اس پر بھی نادان کہتے ہیں کہ نہیں مفتری کو مہلت مل جاتی ہے۔

یہ آیت مکہؔ میں نازل ہوئی۔ اب کیا مشکل ہے جو ہم اس زمانہ کو جو مفتری کے ہلاک ہونے اور راست باز کے راست باز ٹھہرائے جانے پر بطور معیار ہو سکتا ہے۔ سمجھ لیں۔

اس آیت کے نزول کا وقت صاف بتاتا ہے۔ مگر اندھوں کو کون دکھا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ جامع جمیع کمالات تھے۔ آپؐ کی اُمّت ان تمام برکات اور فیوض کی جامع ہے جو پہلی امتوں پر انفرادی طور پر ہوئے اور آپؐ کے اعداء تمام خسرانوں کے جامع جو پہلے نبیوں کے مخالفوں کے حصہ میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب سورۂ شعراء میں ہر نبی کا قصہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ [1]

غرض یہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ والی ہر ایک مفتری اور صادق مامور من اللہ میں امتیاز کرنے والی اور صادق

---

[1] الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶

کی صداقت کا کامل معیار ہے۔ لیکن اگر کوئی نادان یہ کہے کہ اس سے تاریخ کا پتہ کیونکر لگائیں اور معیار مقررہ کیونکر معلوم ہو؟ مَیں کہتا ہوں۔ ان امور کیلئے اسی قدر کافی ہے کہ یہ آیت مکّی ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی یہ کہے کہ مکّی اور مدنی آیتوں کا تفرقہ مشکلات میں ڈالتا ہے اور اصطلاحات میں اب تک بھی اختلاف چلا آتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ اس سے بھی ایک آسان تر راہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس آیت کو آخری آیت ہی تجویز کر لو پھر بھی تم کو ماننا پڑے گا۔ کہ تئیس۲۳ برس تک خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت عظمت وجبروت۔ عزت وجاہت۔ تائید ونصرت۔ دشمن کے خسران کیلئے ایک فیصلہ کن امر ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا حجت باقی رہی۔ مکّی مدنی کا فیصلہ نہ کرو۔ اصطلاحات کے تفرقہ میں نہ پڑو۔ اس تئیس سال کی عظیم الشان کامیابیوں کا کیا جواب دو گے۔ پس بہرحال ماننا پڑے گا۔ کہ اس قدر عرصہ دراز تک جو چوتھائی صدی تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالےٰ مفتری کو مہلت نہیں دیتا۔ ایک راست باز کی صداقت کا پتہ اس کے چہرہ سے۔ اُس کے چال چلن سے اُس کی تعلیم سے۔ ان اعتراضوں سے جو اس پر کئے جاتے ہیں۔ اس کے ملنے والوں سے لگ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نادان ان امور سے پتہ نہ لگا سکے تو آخر تئیس۲۳ سال کی کافی مہلت اور اُس کی تائیدیں اور نصرتیں۔ اس کی سچائی پر مہر کر دیتی ہیں۔ مَیں جب اپنے زمانہ کے راست باز کے مخالفوں اور حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفوں کے حالات پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس زمانہ کے مخالفوں کی حالت پر بہت رحم آتا ہے کہ یہ اُن سے بھی جلد بازی اور شتاب کاری میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کو سُن کر اعتراض تو کرتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ چندے اور انتظار کر لو۔ مفتری ہلاک ہو جاتا ہے۔ اُس کا جھوٹ خود اس کا فیصلہ کر دے گا۔ مگر یہ شتاب کار نادان اتنا بھی نہیں کہہ سکتے۔ العجب۔ ثم العجب

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء صـــ۶ـ۷)

۴۹- وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

تَذْكِرَةٌ: یاد رکھنے کے لائق۔ یاد دِہ۔

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہے کہ جو کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کیا ہے۔ وہ ایک متقی جماعت بناتا ہے اور ایک تاریخی قوم

پیدا کرتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۵۰۔ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۵۰﴾

مُكَذِّبِيْنَ: یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے کہ آپ کے مخالف جھوٹے ہیں۔ اور جو باتیں آنحضرتؐ کے متعلق کہتے ہیں۔ ان میں جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲- سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۲

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں جانتے ۔ وہ اپنے چھوٹے دماغ پر اترا کر ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان کاموں کو ناپنا چاہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی نادانی سے شاندار صداقتوں کی پھر تحقیر کرنے لگتے ہیں. طبعیات کے جاننے والے کے دماغ میں جب خداوند تعالیٰ کی بعض باتیں نہیں آتیں تو وہ حقارت سے کہہ دیتا ہے کہ یہ بات علم طبعیات کے خلاف ہے ۔

کفار اور مشرکین عرب عذاب کی پیشگوئیاں سنتے تو تعجب کرتے کہ یہ کیونکر ہوگا اور کس طرح ممکن ہے کہ یہ جماعت ہم پر غالب آئے گی اور سوال کرتے کہ وہ عذاب کب واقع ہونے والا اور کس طرح ہے ؟ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۳- لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝۳

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ عذاب اٹل ہے ۔ اسکو تم دفع نہیں کر سکتے ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۴- مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝۴

ذِی الْمَعَارِجِ : وہ عذاب اس خدا کی طرف سے آنے والا ہے جو کہ صاحب مرتبت ۔ بہت بڑائیوں والا ۔ بہت بلندیوں والا ہے ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۵- تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۵

تَعْرُجُ : زمین کی تدبیر کے واسطے جو معاملات اوپر پیش ہوتے ہیں۔ ان کا ذکر ہے۔
فرشتوں کے چڑھنے اترنے کا ذکر توریت کتاب پیدائش میں بھی ہے۔ باب ۲۸ میں لکھا ہے سو یعقوب بیر سبع سے نکل کے حاران کی طرف گیا۔ اور ایک جگہ میں اترا اور رات بھر وہاں رہا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا۔ اور اس نے اس جگہ کے پتھروں میں سے اٹھا کر اپنا تکیہ کیا اور وہاں لیٹ کے سو گیا اور اس نے خواب دیکھا اور کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک سیڑھی زمین پر دھری ہے۔ اور اس کا سرا آسمان کو پہنچا ہے۔ اور دیکھو۔ خدا کے فرشتے اس پر چڑھتے اترتے ہیں"
آسمانی کتب اور پیشگوئیوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے تغیرات کے مختلف دورے ہوتے ہیں۔
ایک دَورہ پچیس سالہ ہوتا ہے۔ ایک پچاس سالہ۔ ایک صد سالہ (جو مجدّد کا دَورہ ہے) ایسا ہی ہزار سالہ اور پچاس ہزار سالہ دَورے بھی ہوتے ہیں۔
تاریخ اسلام میں ان تغیرات زمانہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک دَور تیس ۳۰ سال کا تھا۔ جبکہ خلافت راشدہ ختم ہوئی۔ پھر ایک ساٹھ سالہ انقلاب تھا جبکہ امیر معاویہ کا انتقال ۶۰ھ (علی صاحبہ التحیۃ والسلام) میں ہوا اور اس کے بعد کوئی صحابی بادشاہ نہ ہوا۔
ایسا ہی ایک دَور سنوٗ سال کے قریب قریب کا ہے۔ جس میں روایت بلاواسطہ ختم ہوگئی اور ایک دَور پانچ سو سال کا ہے۔ جب کہ سلطنتِ عرب کا خاتمہ ہوگیا اور اسی طرح ایک دَور ہزار سال کا ہے۔ جس کے بعد اہلِ یورپ کو کمپنیاں بنانے اور تجارت وغیرہ کیلئے باہر نکلنے کا خیال شروع ہوا۔ اور یاجوج ماجوج کے غلبہ کی ابتداء ہوئی۔
اسی طرح ایک دَور پچاس ہزار سال کا بھی ہے۔ جس پر ایک انقلاب عظیم واقع ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک حکم پر پچاس ہزار سال ہوگئے اس کی مثالیں خود دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی مقدمہ ہو تو محکمہ پولیس میں اس کی کارروائی فوراً ہوجاتی ہے۔ مجسٹریٹ ضلع مہینوں کی تاریخ دیتا ہے اور چیف کورٹ میں سالوں کی تاریخ ملتی ہے۔ پریوی کونسل میں اس سے زیادہ۔
ایسا ہی قدرت میں اس کا نظارہ موجود ہے۔ بعض اناج تین ماہ میں پکتے ہیں۔ بعض چھ ماہ میں۔ آم سال کے بعد۔ کھجور کئی سال کے بعد۔ بعض سینکڑوں یا ہزاروں سالوں کے بعد پکتے ہیں
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ دسمبر ۱۹۱۱ء)

۹-۱۰۔ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ

الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۱۰﴾

سَمَاء : بادل۔ یوم بدر کی طرف اشارہ ہے۔
جِبَال : کانگڑہ کے پہاڑی باغوں کو دیکھ لو کہ زلزلے میں ان کا کیا حال ہوا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۲۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ
عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۲﴾

مُجْرِمُ : خدا سے بے تعلق رہنے والا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۸ تا ۲۲ ۔ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۸﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۹﴾
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۲۰﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۱﴾
وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۲﴾

اس جگہ اصل اہلِ نار کی سات صفات بیان کی ہیں۔
۱۔ اَدْبَرَ : حق کو پیٹھ دی۔
۲۔ تَوَلّٰى : حق سے منہ پھیر لیا۔
۳۔ جَمَعَ : مال جمع کیا۔
۴۔ فَاَوْعٰى : پھر اس مال کو چھپا رکھا۔
۵۔ هَلُوْعًا : بے صبر۔ کچا
۶۔ جَزُوْعًا : تکلیف میں اضطراب کرتا ہے۔
۷۔ مَنُوْعًا : آرام کی حالت میں نیکی نہیں کرتا۔ دولت مند ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے اُسے خرچ نہیں کرتا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۲۳ تا ۲۵ ۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ
وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ
عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اہلِ جنّت کے صفات بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ مُصَلِّيْنَ : خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والا

۲۔ دَآئِمُوْنَ : نماز کے پابند۔ یہ نہیں کہ کبھی پڑھی، کبھی نہ پڑھی۔ بلکہ ہمیشہ پڑھتے ہیں۔

۳۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ : اللہ تعالیٰ کے راہ میں باقاعدہ چندہ مقرر کرتے ہیں۔

۴۔ السَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ : مانگنے والے کو بھی دیتے ہیں اور نہ مانگنے والے کو بھی دیتے ہیں۔ محروم سے مراد بے زبان جانور بھی ہیں۔

۵۔ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تصدیق کرتے ہیں

۶۔ مُشْفِقُوْنَ : اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں ہے۔

۷۔ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ : اپنی شرمگاہوں کی محافظت کرتے ہیں۔

۸۔ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔

۹۔ عہد کی رعایت رکھتے ہیں۔

۱۰۔ شہادت پر قائم رہتے ہیں۔
۱۱۔ صَلٰوۃ : اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔
اَبْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ : جو اس کے سوائے اور چاہے۔ وہ اس کیلئے جائز نہیں۔ اس آیت کی رُو سے متعہ۔ لواطت۔ جلق۔ مساحقت (چپٹی) سب کے سب حرام ثابت ہوگئے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۳۷ تا ۳۹۔ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۷﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۹﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھانے کے واسطے عرب کے بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ ان کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی قومیت اور وجاہت کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ وہ لوگ اس قدر متکبر تھے کہ عرفات میں عوام عرب کے ساتھ کھڑے بھی نہ ہوتے تھے۔ بعض لوگ آزادی کو پیش کرکے اپنے آپ کو مذہب سے بے تعلق رکھنا چاہتے اور طرح طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بزعم خود سمجھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا ہے کہ ہم تو مشرق و مغرب کے مالک ہیں۔ جس طرح یہ لوگ مکہ میں بڑے بنے ہوئے تھے۔ اُن جیسے ہم اور بڑے بڑے آدمی بنانے پر قادر ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہاں اہلِ عرب کے گمان میں تھا کہ ابوبکرؓ بڑا آدمی بن جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے بڑے بادشاہ ہوجائیں گے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر نومبر ۱۹۱۱ء)

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲﴾

نُوْحًا، حضرت نوح علیہ السلام کا ملک دجلہ۔ نینوا اور فرات کے درمیان تھا۔
عبرانی زبان میں نوح (נוח) آرام اور امن کو کہتے ہیں۔ حضرت نوحؑ کا زمانہ بڑے آرام کا تھا مگر لوگوں نے اس آرام کی قدر نہ کی۔ اور اس کے حکموں کی نافرمانی کی اور شرارتوں پر کمر باندھی۔ تب ان پر سخت عذاب آیا۔

موجودہ زمانہ بھی حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح پُرامن زمانہ ہے۔ لوگ عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خداوند تعالیٰ نے ایک نوحؑ بھیجا ہے۔ اور اس نے ایک کشتی تیار کی ہے مبارک ہیں وہ جو اس میں سوار ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہماری موعظت کے واسطے کیا ہے دنیا میں انسان چاہتا ہے کہ اسکی لمبی عمر ہو۔ اس واسطے طبّ کا علم ایجاد ہوا اور اسی حفاظت کے واسطے مکان۔ لباس۔ خوراک۔ مضبوط قلعہ۔ فوجی سامان وغیرہ سب مہیّا کئے جاتے ہیں۔ بوڑھے بھی چاہتے ہیں کہ اَور مدت زندہ رہیں۔ پھر انسان چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ پھر چاہتا ہے۔ کہ اسے مال ملے۔ پھر چاہتا ہے کہ اس کے دشمن ہلاک ہوں تاکہ وہ امن سے زندگی بسر کرے۔ یہ سب انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اور ان کو پورا کرنے کا نسخہ بتلانے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول دنیا میں آئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ البرکات۔ ایسے ہی شاندار نبی حضرت نوح علیہ السلام اپنے زمانہ میں تھے اور انہوں نے کامیابی کا جو نسخہ اپنی قوم کے سامنے پیش کیا اسکا ذکر اس سورۃ شریف میں ہے۔

عذاب کے بھیجنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول دنیا میں بھیجا۔ تاکہ وہ اس کی بات مان کر عذاب سے بچ جاویں۔

اِنَّا : ہم نے ہی حضرت نوحؑ کی رسالت کی صداقت کو لفظ اِنَّا کی تاکید کے ساتھ ظاہر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جیسا کہ نوحؑ کے مخالفین بچ نہ سکے۔ ایسا ہی نبی کریم رسول خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بھی نہ بچیں گے۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۴- اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۴﴾

اُعْبُدُوا اللّٰهَ : خدائے تعالیٰ کی عبادت کرو۔

اتَّقُوْهُ : اس سے ڈرو۔

اَطِيْعُوْنِ : میری پیروی کرو۔

اَطِيْعُوْنِ کا لفظ ان خیالات کے لوگوں کا ردّ کرتا ہے جن کے نزدیک رسولؐ کی اطاعت ضروری نہیں۔ اس آیت میں حضرت نوحؑ نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمہارے تقویٰ اللہ کی حقیقت تب متحقق ہوگی جب تم میری اطاعت کرو۔ یہ اطاعتِ رسولؐ کیلئے ایک زبردست دلیل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء)

۵- يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

ان تین باتوں ۱۔ عبادت الٰہی ۲۔ تقویٰ اللہ ۳۔ اطاعتِ رسولؐ کے کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا۔

۱۔ تمہارے گناہ بخشے جائیں گے۔ بد عملی کی سزا سے نجات پاؤ گے۔

۲۔ تمہاری عمر لمبی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجل جب آجاتی ہے تو نہیں ٹلتی لیکن آچکنے سے قبل دعا صدقہ وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔ حضرت نوحؑ کی لمبی عمر ان کے دعوے کے واسطے کافی دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑی خیر خواہی اور دردمندی کے ساتھ اپنی قوم کو سمجھاتے تھے۔ کہ تم ایمان و اطاعت کے قبول کرنے میں سستی نہ کرو۔ ورنہ پھر یہ موقعہ ہاتھ نہ لگے گا ؎

روزے کہ اجل در آید از پیش و پشت — شک نیست کہ مہلت نہ دہد یک نفست
یاری نہ رسد در آں دم از ہیچ کست — برباد شود جملہ ہوا و ہوست

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء)

۶۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۶﴾

لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ، انبیاء رات دن اپنی اُمت کی اصلاح کی فکر میں رہتے ہیں۔ کیسا ہمدرد اور خیرخواہ انسانی گروہ ہے۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَمِیۡعِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالرُّسُلِ وبارک وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَجِیۡدٌ)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء)

۸۔ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۸﴾

نبی کی بات لوگ سُننا بھی پسند نہ کرتے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے علماء پبلک کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی کتاب نہ پڑھو۔ اُس کے گاؤں میں نہ جاؤ۔ اُس کے مریدوں سے ملاقات نہ کرو۔ یہ بھی ایک تکبّر ہے۔

اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ ، اپنے دلوں کو انہوں نے ڈھانک رکھا ہے۔ ثیاب کے معنے دل کے بھی آتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۰۔ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۙ﴿۱۰﴾

اَسۡرَرۡتُ ، چپکے چپکے سنایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء)

۱۱ تا ۱۳۔ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿ۙ۱۱﴾

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١٢﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٣﴾

اِسْتَغْفِرُوْا : استغفار کے برکات اور نتائج ، ان آیات میں حضرت نوحؑ نے انسانی ضروریات کی جہت سے بیان فرمائے ہیں ۔ غور کر کے دیکھ لو ۔ کیا انسان کو انہیں چیزوں کی ضرورت دنیا میں نہیں ہے ۔ پھر ان کے حصول کا علاج استغفار ہے ۔

(بدر ۵ ، مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ ۔ نیز الحکم ۲۶ ، فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

سَمَآءَ کے معنے بادل کے ہیں ۔

بارانِ رحمت ہوگی ۔ غلہ اور ہر شئے ارزاں ہوگی ۔

سَمَآءَ کے معنے بارش کے بھی آئے ہیں ۔ ایک شاعر کہتا ہے ۔

اذا نزل السماء بارض قوم ٭ رعیناہٗ و ان کانوا غضابًا

يُمْدِدْكُمْ : بڑھائے گا ۔ مال اور بیٹے بہت ہوں گے ۔

ان آیات میں حضرتِ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں ۔ کہ اگر تم استغفار کرو ۔ تو سب برکتیں حاصل ہوں گی ۔ گناہ بخشے جائیں گے ۔ بارش ہوگی ۔ ہر شئے ارزاں ملے گی ۔ مال و دولت بہت ہوگی ۔ اولاد کی کثرت ہوگی ۔ باغ ہوں گے ۔ نہریں جاری ہوں گی ۔ ان آیات سے استغفار کی فضیلت ظاہر ہے ۔

استغفار کیا ہے ؟ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پچھلے گناہوں کی سزا سے بچنے کی توفیق طلب کرنا ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ، دسمبر ۱۹۱۱ء)

روایت ہے کہ ایک دن حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص گیا اور قحط کی شکایت کی ۔ آپ نے اسے فرمایا کہ استغفار کرو ۔ پھر ایک اور شخص گیا ۔ اس نے کہا ۔ یا حضرت ۔ مَیں محتاج ہوں فرمایا استغفار کرو ۔ ایک تیسرے نے کہا کہ میرے اولاد نہیں ہوتی ۔ اُسے بھی استغفار کرنے کا حکم دیا ۔ چوتھے نے پیداوارِ زمین کی کمی کا گلہ کیا ۔ اُسے بھی استغفار کی تاکید فرمائی ۔ حاضرِ مجلس ربیع بن صبیح نے عرض کی کہ آپ کے پاس مختلف لوگ آئے اور مختلف چیزوں کے سائل ہوئے مگر آپ نے جواب سب کو ایک ہی دیا ۔ اسکے جواب میں حسن بصری نے قرآن شریف کی یہی آیات پڑھیں ۔

جماعت احمدیہ کو بھی استغفار کی تاکید ہر روز بار بار کی جاتی ہے ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ ، جنوری ۱۹۱۲ء)

۱۴، ۱۵ - مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۴﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ

اَطْوَارًا ﴿۱۵﴾

تَرْجُوْنَ : تخَافُوْنَ ع

اذا لسعة النحل لم يرج لسعها (منل)

خدا تعالیٰ کی بڑائی سے کیوں نہیں ڈرتے ۔

اَطْوَارًا : انسان کو پیدائش کے وقت مختلف صورتوں میں سے گزارا ہے ۔ نطفہ ۔ علقہ ۔ مضغہ وغیرہ ۔ کیا یہ تفرقہ اور امتیاز کسی علیم و قدیر ہستی کا کام نہیں ۔ یہی خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل ہے ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۱۶ - اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۶﴾

اس آیت میں آسمان کے سات طبقوں کا ذکر کیا ہے ۔

جس طرح ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک پہنچنے کیلئے رستے کی ضرورت ہے ۔ اسی طرح خدا تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے ہی راستوں کی ضرورت ہے جو بنے ہوئے ہیں ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۱۷ - وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ

سِرَاجًا ﴿۱۷﴾

جس طرح کہ انسان چراغ اور روشنی کا محتاج ہے ۔ اور چاند اور سورج کا محتاج ہے ۔ اسی طرح روحانی ہدایت کے واسطے وحی الٰہی ۔ انبیاء اور کتب الٰہیہ کا محتاج ہے ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۱۸ - وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۸﴾

نَبَاتًا : اللہ تعالیٰ نے نبات کو پیدا کیا ہے ۔ زمین کی روئیدگی انسان کے نشو ونما کا موجب ہے اور یہی اغذیہ بالآخر نطفہ کی صورت میں متشکل ہو کر انسان بنتا ہے ۔
اسی طرح انعاماتِ الہٰیہ بتلا کر حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا ۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۲۰، ۲۱ ۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۲۰﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۱﴾

بِسَاطًا : آرام گاہ ۔ پھیلا ہوا ۔
سُبُلًا : ایسا ہی دل کے واسطے بھی راستے ہیں ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

۲۲، ۲۳ ۔ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۲﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾

اپنے خیر خواہوں پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو سب سے اوّل یہ خیر خواہی ماں یا دودھ پلائی سے شروع ہوتی ہے ۔ دودھ پلانے والی کو بھی بچہ ماں کہہ کر پکارتا ہے ۔ اسی وجہ سے بچے تکالیف کے وقت ماں کہہ کر پکارتے ہیں ۔ پھر بڑے ہو کر باپ کو خیر خواہ سمجھتے ہیں ۔ پھر جوانی میں دوست پیدا ہو جاتے ہیں اور خیر خواہ ہوتے ہیں ۔ یہ انسان کے خیر خواہ ہوتے ہیں ۔ اور ان کے سوا اور بھی خیر خواہ ہیں ۔ لیکن یہ سب خیر خواہ غلطی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں ۔ ان سب سے اعلیٰ مخلوق کا خیر خواہ انبیاء کا گروہ ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) جو کبھی غلطی نہیں کرتے ۔ اور ان کو مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہوتی ہے ۔ تعجب ہے کہ لوگ انبیاء کی باتوں کو نہیں مانتے ۔ ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام دردِ دل کے ساتھ اپنے رب کے حضور میں شکوہ کرتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا پر وہ میری بات نہیں مانتی ۔
اس زمانہ میں لوگ بہ سبب امن عامہ کے عیش وعشرت کی غفلت میں گرے ہوئے تھے ۔ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بدی ہوتے تھے ۔ تب

خدا نے چاہا۔ کہ انسان کو اس زمین میں سے مٹا ڈالے۔ پر خدا نے ایک دفعہ پھر ان پر رحم کیا۔ اور اپنے بندے نوحؑ کو جو صادق اور کامل تھا اور خدا کی راہ پر چلتا تھا۔ اور اس واسطے اس پر خدا کی مہربانی کی نظر تھی۔ ان لوگوں کی طرف بھیجا کہ انہیں آنیوالے عذاب سے ڈرائے۔ حضرت نوحؑ نے خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی۔ مگر قوم نے نہ مانا۔ اور مورد عذاب الٰہی ہوئی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر جنوری ۱۹۱۲ء)

۲۴۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۴﴾

یہ ان کے بتوں کے نام ہیں۔

۱۔ وَدًّا: محبت اور خواہش کا دیوتا۔ جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ارادے سے ایجادِ عالم کا باعث ہوا۔ اس کو مرد کی صورت پر بنایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں اسکے بالمقابل برہما ہے۔

۲۔ سُوَاعَ: بقائے عالم کا بت جو عورت کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کے مقابل ہندو میتھالوجی میں بشن ہے۔

۳۔ يَغُوْثَ: حاجت روائی اور فریاد رسی کا دیوتا۔ اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔ شاید اس واسطے کہ فریاد رسی کیلئے تیز رفتاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ہندوؤں میں اندر دیوتا ہے۔

۴۔ يَعُوْقَ: (عوق سے مشتق ہے بمعنے روکنا اور دفع کرنا) یہ مصیبتوں اور دشمنوں کے روکنے کا بت تھا۔ بشکل شیر۔ ہندوؤں میں اس کے بالمقابل شنگھ اوتار دیوتا ہے۔

۵۔ نَسْرًا: طولِ عمر کا دیوتا بشکل باز بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہی بت اس قوم کی ہلاکت کا موجب ہوئے۔

۲۷۔ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۷﴾

حضرت نوحؑ نے آخر تنگ آکر اپنی قوم کے حق میں بددعا کی۔ انبیاء کی بددعا سے ڈرنا چاہیئے

یہ بہت خوفناک بات ہے۔

(حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے حق میں بددُعا کی۔ مگر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سخت تکالیف اٹھانے کے کبھی اپنی قوم کے حق میں بددعا نہیں کی۔ بلکہ یہی دعا کرتے رہے۔ کہ رَبِّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ——— (اے میرے ربّ میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر۔ توصلہ۔ رحم اور ہمدردی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ آخر ساری قومِ عرب ہدایت یافتہ ہوگئی)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر جنوری ۱۹۱۲ء)

بہت سے وجوہات ہیں جو ہم پر حمدِ الٰہی کو فرض ٹھیراتے ہیں۔ منجملہ جناب الٰہی کی حمدوں کے یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ ایسا وسیع نہیں کہ وہ ساری دنیا سے تعلق رکھے اور محبت کر سکے۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی جب تباہ کا سیہ روزگار شریروں نے دُکھ دیا تو آخر اُن میں سے ایک بول اُٹھا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

فی الحقیقت اُن پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ شریر نفوس کی حیاتی بھی پسند نہیں کرتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ انسان کا اتنا حوصلہ کہاں ہوسکتا ہے کہ سارے جہان سے اس کا مخلصانہ تعلق ہو۔ پس اس سلسلہ کو وسیع کرنے کے باوجود محدود کرنے کیلئے نکاح کا ایک طریق ہے جس سے ایک خاندان اور قوم میں ان تعلقات کی بناء پر رشتہ اخلاص اور محبت پیدا ہوتا ہے

(الحکم ۲۰ر فروری ۱۹۰۸ء صـ۳ ۰ بدر ۵ر مارچ ۱۹۰۸ء صـ۳)

۲۸۔ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۸﴾

اگر تو چھوڑے تو یقیناً بہکادیں گے تیرے بندوں کو۔

(فصل الخطاب حصہ دوم صـ۱۵۹)

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ
فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۲﴾

اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ : جنّ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جیسے ملائک وغیرہ اور اس کی مخلوق ہیں۔ میں ہرگز ہرگز اس بات کا قائل نہیں۔ کہ جنّ اور ملائکہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ مَیں دونوں کا قائل ہوں۔ لیکن ہر جگہ جن کے لفظ کے وہی ایک معنی نہیں۔ اور جو خیال کیا جاتا ہے کہ بعض عورتوں بچوں کو جن چمٹ جاتے ہیں مَیں اس کا قائل نہیں ہوں۔ لُغت کی رُو سے جنّ ان باریک اور چھوٹے چھوٹے موذی حیوانات کو بھی کہتے ہیں جو غیر مرئی ہیں اور صرف خوردبینوں سے دکھائی دے سکتے ہیں۔ طاعون کے باریک باریک کیڑے بھی جنّ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں طاعون کو وَخْزُ اَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ فرمایا ہے۔ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَشْعَرِيْ ۔ طَبْرَانِيْ فِي الْاَوْسَطِ عَنْ ابْنِ عُمَرَؓ۔ وَخْزٌ کے معنے نیش زنی اور طعن کے ہیں۔ جنّ لُغت میں بڑے آدمیوں کو بھی کہتے ہیں۔ جِنُّ النَّاسِ مُعْظَمُهُمْ شاید بڑے پیسے والے ساہوکاروں کو بھی مہاجن اسی واسطے کہا گیا ہے۔ کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے انسان کو بھی جنّ کہا ہے۔

سورہ احقاف رکوع ۴ میں ایک قوم کا ذکر ہے۔ وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ (احقاف: ۳۰) اس قوم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن شریف سُن کر اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (احقاف: ۳۱) کہا۔ جنّ کے مدمقابل انسان ہیں۔ انس غریب لوگ۔ جنّ بڑے لوگ۔

سورۃ الحجر میں انسان اور "جانّ" دونوں کی پیدائش کا ذکر ایک ساتھ ایک ہی آیت میں یکے بعد دیگرے آیا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ وَالْجَانَّ

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر: ۲۷-۲۸) آدم سے پہلے جانّ اور اس کی ذریت تھی۔ اس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اب بھی جنّات غیر مرئی طور پر موجود ہیں۔

(کارخانۂ قدرت کا انتظام اور انحصار محسوسات اور مرئیات تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس لئے غیر محسوس اور غیر مشہود و غیر مرئی عالم کا انکار محض حماقت اور نادانی ہے۔ اس لئے کہ جُوں جُوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جو اس سے پہلے ماننی مشکل تھیں۔ دُوربین اور خوردبین کی ایجاد نے بتادیا ہے کہ اس کرہ ہوا میں کس قدر جانور پھر رہے ہیں۔ ایسے ہی پانی کے ایک قطرے میں لا انتہاء جانور پائے جاتے ہیں۔ حیواناتِ منویہ۔ ایک قطرہ منی میں دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ خداتعالیٰ کی مخلوق اور انواعِ مخلوق کی حدبندی محض ناممکن ہے۔ اور صرف اپنے محدود علم کی بناء پر انکار محض نادانی ہے۔ اس لئے اوّلاً جنّات کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم کسی ایسی مخلوق کا جو انسانی نوع سے نرالی ہو۔ انکار کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اور ہم یہ کہنے کی وجوہات رکھتے ہیں۔ کہ جنّ خداتعالیٰ کی ایسی قسم کی مخلوق ہے جن کو انسان کی ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اس لئے کہ ان کی مادی ترکیب نہایت ہی لطیف اور انکی بناوٹ غایت درجہ کی شفاف ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان ان ظاہری آنکھوں سے انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے دیکھنے کے لئے ایک دوسری حس یعنی روحانی آنکھ کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور مومنین صادقین ملائکہ وغیرہ غیر مرئی مخلوق کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ نہ صرف دیکھ لیتے ہیں۔ بلکہ ان سے باتیں بھی کر لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی مخلوق کو جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے انکار کرنا دانشمندی نہیں۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا کی ایسی مخلوق دنیا میں موجود ہے جو انسانی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے جنّ کہتے ہیں۔ کیونکہ عربی میں جنّ اسے کہتے ہیں جس میں اخفاء اور نہاں ہونا پایا جاتا ہے۔ جنّت۔ انسانی نظر سے پوشیدہ ہے۔ جُنَّةٌ (ڈھال) جو انسان کو چھپا کر تلوار کے حملہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ جنین۔ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے۔ پوشیدہ ہے۔ جنون۔ عقل کو چھپانے والا مرض۔ جنّ۔ انسانی نظر سے چھپی ہوئی مخلوق۔ پس جنّ وہی مخلوق ہے جو عام انسانی نظر سے پوشیدہ ہو۔ خواہ وہ کسی قسم کی مخلوق ہو۔ غرض جنّ ایک مخلوق ہے۔

ایک اَور بات بھی یہاں بیان کر دینے کے قابل ہے۔ کہ احادیث میں جنّ کا لفظ سانپ۔ کالے کتے۔ مکھی۔ بھوری چیونٹی۔ وبائی جرمز۔ بجلی۔ کبوتر۔ باز۔ زقوم۔ بائیں ہاتھ سے کھانیوالا۔ گدھا۔ بال پراگندہ رکھنے والا۔ غراب۔ ناک یا کان کٹا۔ شریر۔ سردار وغیرہ پر بھی بولا گیا ہے۔ ان توجیہات پر

غور کرنے سے ان مفاسد اور مضار کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ جو جنوں سے منسوب کی جاتی ہے

اب اس بیان کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں یہاں جو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ نصیبین ایک بڑا آباد شہر تھا۔ اور وہاں کے یہود جن کہلاتے تھے۔ اور سوق عکاظ (ایک تجارتی منڈی کا نام ہے) میں آیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے شریروں نے آپ کو دکھ دیا۔ آپؐ عکاظ کو آرہے تھے۔ راستہ میں بمقام نخلہ یہ لوگ آپؐ سے ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید کو سن کر وہ رقیق القلب ہو گئے۔ سب کے سب ایمان لے آئے اور جا کر اپنی قوم کو بھی ہدایت کی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ رجنوری ۱۹۱۲ء)

۳، ۴۔ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳

اب جنات نے اِس قرآن کو قبول کرنے اور ایمان لانے کے دلائل بیان کئے۔ جن میں سے پہلی دلیل یہی ہے کہ وہ توحید کا مذہب ہے۔

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا: یہ دوسری دلیل ہے۔ اور عیسائیوں کے اس صاحبہ اور ولد والے ناپاک عقیدہ کی نفی کرتے ہوئے قرآن شریف سے ماقبل تورات ہی کا ذکر کیا۔ انجیل کا ذکر نہیں کیا۔ فرمایا۔ ولد تو صاحبہ کا نتیجہ ہے۔ جب صاحبہ نہیں تو ولد کہاں سے آیا۔ چوتھی صدی تک یہود عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ رجنوری ۱۹۱۲ء)

۵۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۵

سَفَاهَة: موٹی سمجھ۔ سَفِيه: موٹی عقل والا۔ سفاہت کے معنے اضطراب ضعیف الرائے ہونا
شَطَطٌ: دروغ گوئی۔ بڑھ بڑھ کر باتیں کرنا۔ زیادتی کرنا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ رمارچ ۱۹۱۲ء)

۶۔ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۶

وہ کہتے ہیں ۔ ہمارا تو خیال تھا۔ کہ کوئی امیر یا غریب ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا پر جھوٹ بولے مگر افسوس ہے کہ قرآن اور اس کے رسولؐ کے متعلق جو خبریں لوگوں نے مشہور کر رکھی ہیں۔ وہ جھوٹی نکلیں اب خود قرآن کے سننے سے معلوم ہوا کہ وہ سچی کتاب ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۷۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۷

عوام۔ خواص کے رعب میں آئے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اس واسطے خواص کا تکبّر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۹۔ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۹

اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ : مسّ اور التماس ایک ہی مادہ سے ہیں ۔ التماس کے معنے طلب کرنا ڈھونڈنا ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منجّم تھے ۔ آسمانی حالات کو دریافت کیا کرتے تھے ۔ حدیث شریف میں بھی ذکر ہے ۔ کہ انہوں نے کہا کہ دیکھو آسمان سے تو کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی ۔

مَسْنَا : طلباء نے آسمانی باتوں کے پتہ لگانے کی کوشش کی مگر صرف روشن ستارے ہی نظر آئے

حَرَس : حفاظت

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۰۔ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ

يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۱۰﴾

مَقَاعِدَ، رصدگاہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ستارے بہت گرے تھے۔
رَصَدًا: تاک لگائے ہوئے انتظار میں لگے ہوئے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۱۔ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ

اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۱﴾

یعنی ستاروں کے گرنے کو دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آیا زمین والوں کیلئے تباہی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے انہیں کوئی فائدہ پہنچانا ہے
(نورالدین طبع سوم ص۲۰۱)
اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ: اَرَادَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ نہیں کہا۔ اُرِيْدَ۔ کہا۔ اُرِيْدَ میں ادب کو ملحوظ رکھا اور شر کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ حدیث میں بھی اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ۔ آیا ہے۔
رَشَدًا: میں رُشد کا ارادہ کرنے والا ربّ کو بتایا ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۴ تا ۱۶۔ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ

يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۴﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۶﴾

بَخْسٌ ، کمی

رَھَق : زیادتی

تَحَرَّوْا : ڈھونڈا

حَطَب : ایندھن

اَلْقَاسِطُوْنَ : قَاسِطٌ کی جمع ہے۔ قَاسِطٌ کے معنے ظالم۔ قَسَطَ اَیْ جَارَ وَ اَقْسَطَ اَیْ عَدَلَ یعنی لفظ قسط کو اگر ثلاثی مجرّد میں استعمال کریں۔ تو اس کے معنے جور و ظلم کے ہو جاتے ہیں اور اگر باب افعال میں لے جاویں تو عدل و انصاف کے معنے ہوتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۷- وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۷﴾

مَّآءً غَدَقًا : عَيْشًا رَغَدًا۔ دنیا میں وسعت دینا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۸- لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۸﴾

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ : تاکہ ہم ان کو کندن کریں۔

عَذَابًا صَعَدًا : صعود کا عذاب یعنی چڑھائی کا عذاب۔ ایسا عذاب جس سے سارے بدن کو تکلیف ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸؍مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۹ تا ۲۴- وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ

أُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے: سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اُس کو پکارتا۔ لوگ کرنے لگتے ہیں اس پر ٹھٹھا۔ تو کہہ مَیں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اُس کا کسی کو۔ تو کہہ میرے ہاتھ میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اُس کے سوا کہیں سرک رہنے کی جگہ۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صـ۱۹)

مستحقِ عبادت اسلام کے نزدیک صرف وہ ہے۔ جو خود موجود، کل کے نفع و ضرر کا مالک و مختار ہو اور اسکا نفع و ضرر کسی سے ممکن نہ ہو۔ وہی جس کا کمال جلال و جمال ذاتی ہو۔ اور تمام اس کے سوا اپنے وجود و بقا میں اسی کے محتاج۔ سب کے کمالات جمال و جلال اسی کے عطا ہوں۔ اور ایسی چیز اللہ تعالیٰ کے ماسوا اہلِ اسلام کے نزدیک کوئی بھی نہیں۔

سب سے افضل۔ اکمل۔ حضرت سیّد ولدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے۔ ان کی پاک جناب کو بھی اسلامی اللہ کا بندہ۔ اللہ کا رسول ہی اعتقاد کرتے ہیں۔ اسلام کا اعتقاد ہے کہ ایک ذرہ کے بنانے کا بھی اختیار انہیں نہیں۔ ایک رتی برابر کسی کے نقصان دینے کی قدرت نہیں آپؐ خالقِ کائنات نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ......

اور مسجدیں اللہ کیلئے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور جب اللہ کا بندہ اسکی عبادت کیلئے اٹھا۔ تو اس پر ٹوٹ پڑنے لگے۔ کہ مَیں اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ کہہ مَیں تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ کوئی مجھے خدائی عذاب سے پناہ

نہیں دے سکتا۔ اور میرے لئے اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ ہے۔ میرا کام تو صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ (نورالدین طبع سوم ص۱۰۲)

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا

اور جب اللہ کا بندہ اسکی عبادت کے لئے اٹھا۔ قریب تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔

(نورالدین طبع سوم ص۱۰۲)

قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ: عبداللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔ منازلِ فلکی پر عروج کے وقت آپؐ اسی نام سے پکارے گئے۔ سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل ۲،۱) نزولِ قرآنِ پاک کی شان کے وقت بھی آپؐ اسی نام سے پکارے گئے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان ۲،۱)

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا: كَادُوْا کی ضمیر جنّ اور انس۔ کفّار اور مومن سب کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ لِبَدٌ لِبْدَةٌ کی جمع ہے۔ اور لِبْدَةٌ کے معنے بعض کو بعض پر لپیٹنا۔ لُبَد بضمّ اللام وفتح الباءِ بھی قرأت ہے معنے یہ ہوئے۔ کہ کفّار مشرکین قرآن سنانے کے وقت مخالفت پر آمادہ ہو کر نبی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مومن مسلمین بھی اطاعت۔ انقیاد اور حفظ کلام کی نیت سے مسابقت کرتے ہیں۔ جنّوں کی طرف بھی اسی اعتبار سے كَادُوْا کا مرجع ہو سکتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عبادت میں مشغول ہوتے۔ تو بہت سے لوگ آپؐ کے پاس جمع ہو جاتے۔ انبیاء کا طریق کہ ہر ایک معاملہ میں نصیحت کا موقعہ نکال لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو اس موقعہ پر بھی سمجھانا شروع کیا۔ کہ اتنا بڑا علم جو خدا نے مجھے دیا اس واسطے ہے کہ مَیں موحّد ہوں۔ شرک نہیں کرتا اور نمازوں میں دعائیں کرتا ہوں اور ان دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر اسکی عبادت کرتا ہوں مگر تم ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہو۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا: فرمایا۔ مَیں اتنا بڑا دعویٰ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھے مکالمہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے مَیں تمہارے نفع اور ضرر اور راہ نمائی کا مالک نہیں ہوں یہ آیت آنحضرتؐ کی سچائی کی بڑی گواہ ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۲۵۔ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ

اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۵﴾

اَضۡعَفُ: آج تو یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جتنے ہیں۔ بڑے ہوئے ہیں لیکن چند روز کے بعد ان کو پتہ لگ جاوے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۲۷، ۲۸۔ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۷﴾ اِلَّا
مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ
وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا ﴿۲۸﴾

غیب کی خبروں پر۔ اظہار علی الغیب کے طریق سے یعنی متحدیانہ طور پر سوائے رسولؐ کے دوسرا کوئی قادر نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ پیش گوئیوں کے مفصل اجزاء نظری اور تعبیر طلب بھی ہوتے ہیں۔ مگر نفس پیشگوئی جو ایک غیب کی بات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس پر رسول اور نبی کو ایسا وثوق کامل ہوتا ہے کہ اس اظہار علی الغیب کی بناء پر رسول کی طرف سے متحدیانہ دعویٰ ہوتا ہے۔ اور درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ؎

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت ۔ اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور ۔ ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

غرض کہ تحدی کرنا اور اس میں پورا اترنا یہ نبی کا خاصہ ہے۔ غیر نبی کو اظہار علی الغیب میں دخل نہیں۔ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا۔ رصد نگہبان۔ پہرے دار فرشتوں کی حفاظت۔ سورۃ الشوریٰ میں وحی اور کلام الٰہی کو تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ
رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ (الشوریٰ: ۵۲)

عوام الناس وحی کا نام سن کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔ حالانکہ تینوں قسم کو وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وحی کے لفظی معنے صرف اشارہ کے ہیں۔ اِلَّا وَحۡیًا میں عام خوابوں کو بیان فرمایا ہے۔ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ـــــ یہ بھی ایک قسم کی وحی ہے۔ جو اولیاء اور اہل اللہ کی وحی ہے۔ جن کے اکثر مکاشفات وغیرہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ جب تک تعبیر کا وقت نہ آوے۔ ان پر حجاب ہوتا ہے۔ تیسری قسم وحی

يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ـــــــ یہ وحی متلو ہے۔ اس کی عبارت بھی اگلے دو قسموں کی وحی سے زیادہ ہے۔ اس میں احکامات اوامر نواہی ہوتے ہیں۔ اس وحی میں کسی قسم کے مغالطہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کی پوری حفاظت کرتا۔ ملائکہ کا پہرہ ساتھ ہوتا ہے۔ شیاطین کا دخل۔ قوت فکریہ۔ وہمیہ۔ خیالیہ۔ عادات وطبائع اس میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کر سکتی۔ رَصَدًا کے لفظ میں کلام اور مہبط کلام دونوں کی حفاظت کا بیان ہے

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ر مارچ ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲تا۱۱- يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۲﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۳﴾ نِّصْفَهٗۤ
اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۴﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ
الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۷﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ
سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۸﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ
تَبْتِيْلًا ﴿۹﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ
وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۱﴾

مُزَمِّلُ "ز" کی شد کے ساتھ اور بغیر شد دونوں طرح آیا ہے۔ تَزَمُّل کے معنے کپڑے میں لپیٹنے کے ہیں۔ زَمَّلْتُهٗ بِثَوْبِهٖ تَزْمِيْلًا فَتَزَمَّلَ

مُزَمِّل جب بتخفیف "ز" پڑھا جاوے گا تو اس وقت معنے حمل اور بوجھ کے ہوں گے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مُزَمِّل کے نام سے خطاب کرنے میں چند معانی ہیں۔ ایک یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جو مہربانی اور تلطف اللہ تبارک و تعالیٰ کو تھا اس کا اظہار مقصود تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ کو ایک روز مسجد میں خاک پر لیٹے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے ازراہِ مہربانی و تلطف انکو یَا اَبَا تُرَاب فرمایا۔

دوسرے یہ کہ ساری رات کپڑا اوڑھ کر سوتے اور ایسی ہی حالت میں رات گزار دینے سے متنبہ کرنا مقصود ہے۔ کہ جس حالت میں کہ بارِ نبوت کو اٹھانا آپؐ کا کام ہے تو لازم ہے کہ ساری رات خواب میں نہ گزارا جاوے بلکہ کچھ حصہ رات کا دعا اور نماز کیلئے بھی مخصوص کیا جاوے۔ غرض کہ مزمل کے لفظ میں تلطف اور تنبہ دونوں ہی مرکوز ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

ہماری سرکار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وحیٔ الٰہی کی عظمت اور جبروت کو دیکھ کر بہت گھبرائے بدن پر لرزہ تھا۔ گھر میں تشریف لائے اور اپنی بی بی سے کہا۔ دَثِّرُوْنِی دَثِّرُوْنِی کہ میرے بدن پر کپڑا ڈھانک دو۔ انہوں نے اوڑھائے۔ اس حالت کا نقشہ کھینچ کر جناب الٰہی فرماتے ہیں کہ تمہارا کام سونے کا نہیں۔ اٹھو اور نافرمان لوگوں کو ڈراؤ۔ اور اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارے بیان میں خدا کی عظمت اور جبروت کا ذکر ہو۔ اور قبل اسکے کہ دوسروں کو سمجھاؤ۔ اپنے آپ کو بھی پاک وصاف بناؤ۔ اس سورۃ میں یوں فرمایا۔ کہ رات کو اٹھو۔ مگر کچھ حصہ رات میں آرام بھی کرو۔ رات کو قرآن شریف بڑے آرام سے پڑھو۔ میری فطرت گواہی دیتی ہے۔ کہ جب کسی عظیم الشان انسان کو کوئی حکم آجاتا ہے اور اس میں کوئی خصوصیت بھی نہ ہو۔ تو چھوٹے لوگ بطریق اولیٰ اس حکم کے محکوم ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایک وہ لوگ ہیں۔ جو خود کپڑا پہننا نہیں جانتے۔ وہ دوسروں کو لباسِ تقوٰی کیا پہنائیں گے۔ پہلے لباس تو پہننا سیکھو۔ جب شرمگاہوں کو ڈھانک لوگے۔ تو تم پر وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ کا حکم جاری ہوگا۔ عام طور پر مسلمانوں کو یہ موقع ملا ہوا تو ہے۔ مگر وہ اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ مسلمان عشاء کے وقت سوتے ہی نہیں۔ مگر اس کو بھی ضائع ہی کر دیتے ہیں۔ اگر توبہ و استغفار کریں تو اچھا موقع ہے۔ پھر اگر عشاء کے بعد ہی سو جائیں تو چار بجے ان کو تہجد اور توبہ کا موقع مل جائے۔ بڑے بڑے حکم الٰہی آتے ہیں۔ مگر مزا ان میں تبھی آتا ہے جب ان پر عملدرآمد بھی ہو۔ انگریزی خوان تو تین تین بجے تک بھی نہیں سوتے۔ پھر بھلا صبح کی نماز کیلئے کس طرح اُٹھ سکتے ہیں۔ اور کپڑے پہننے والو! تم اتنا کام تو ہمارے لئے کرو کہ ہماری کتاب کیلئے کوئی وقت نکالو۔ میرے بچےؐ نے کہا کہ ہم کو لیمپ لے دو۔ ہم رات کو پڑھا کریں گے۔ میں نے اس کو بھی کہا کہ رات کو لیمپ کے سامنے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کیلئے دن ہی کافی ہوتا ہے۔ رات کو قرآن شریف پڑھا کرو۔

رات کو اگر تم جناب الٰہی کو یاد کیا کرو۔ تو تمہاری رُوح کو جناب الٰہی سے بڑا تعلق ہو جائے۔ مومن

ؐ مراد میاں عبدالحی ہیں۔ مرتب

اگر ذرا بھی توجہ کرے۔ تو سب مشکلات آسانی سے دور ہو جائیں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ؛ اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اور رات کو جہان سے منقطع ہو جاؤ۔

مومن کو حضرت یوسفؑ کے بیان میں پتہ لگ سکتا ہے کہ جس شخص کا کسی چیز سے محبت و تعلق بڑھ جاتا ہے۔ تو وہ اپنے محبوب کا کسی نہ کسی رنگ میں ذکر کر ہی دیتا ہے۔ مَیں جن جن شہروں میں رہا ہوں۔ اپنی مجلس میں مجھے ان کی محبت سے کبھی نہ کبھی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مجلس میں دو شخص آئے اور کہا کہ ہم نے ایک خواب دیکھی ہے اس کی تعبیر بتلا دو۔ آپؑ نے فرمایا۔ کھانے کے وقت سے پہلے ہم آپ کو تعبیر بتلا دیں گے۔ پھر آپؑ نے کہا کہ دیکھو۔ ہم کو علم تعبیر کیوں آتا ہے۔ تم کو کیوں نہیں آتا؟ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مَیں نے شرک کو چھوڑا تم بھی چھوڑ دو۔ دیکھو دو گھروں کا ملازم ہمیشہ مصیبت میں رہتا ہے۔ کام کے وقت ہر ایک یہ کہتا ہے کہ کیا تو ہمارا ملازم نہیں۔ لیکن تنخواہ دینے کے وقت کہتے ہیں۔ کہ کیا دوسرے کا کام نہیں کیا۔ اس لطیف طریقہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے شرک کی برائیاں بیان کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ انبیاء پر ایمان لانا اور خدائے واحد کو ماننا ضروری ہے۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا کے یہی معنے ہیں کہ انسان دل میں ذکرِ الٰہی سے غافل نہ رہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ؛ رات کو علیحدگی میں اپنے مالک کو یاد کرو۔ اگر تم کو یہ خیال پیدا ہو علیحدہ رہنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو یاد رکھو کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۔ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۔ پس یاد رکھو کہ جس پاک ذات نے تجھ کو علیحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے۔ وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ اس کو اپنا کارساز سمجھو۔ وہ تم کو سب کچھ دیگا۔

پس میرے بھائیو! غور کرو۔ تم نے دن میں بہت کام کیا ہے۔ رات ہو گئی۔ سونا اور مرنا برابر ہے۔ ایسے وقت میں سوچو کہ تم نے جنابِ الٰہی کی کس قدر یاد کی ہے۔

(بدر حصہ دوم ۲۸ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۷، ۸۸)

نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ ؛ چونکہ راتیں بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں۔ اس لئے متوسط راتوں میں نصف شب سے اور چھوٹی راتوں میں نصف سے کم کر کے اور بڑی راتوں میں نصف سے زیادہ بھی قیام کرنے کیلئے ارشاد فرمایا اور چونکہ ایک حکم قطعی نہیں ہے۔ بلکہ دو جگہ اَوْ۔ اَوْ فرما کر اختیار دیا ہے۔ اسلئے طبیعت کے نشاط پر بھی اس قیام کو حوالے کر دیا گیا ہے۔ یعنی چھوٹی راتوں

میں بحالتِ نشاط اگر قیام زیادہ کرے اور بڑی راتوں میں بوجہ عدم نشاط طبیعت اگر قیام کم کرے تو یوں بھی اختیار ہے۔ مگر چونکہ قُمْ بصیغہ امر ہے۔ اس لئے قیامِ لیل آپؐ پر فرض تھا جب کبھی بعض راتوں میں قیامِ لیل آپؐ سے رہ گیا ہے تو آپؐ نے اس کو بعد طلوعِ آفتاب ادا فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن شریف یاد کرنے والوں اور قیامِ لیل کرنے والوں کو اَشْرَافُ اُمَّتِیْ فرمایا ہے۔ شرف کے لغوی معنے بلندی کے ہیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ اَیْ بَیِّنْهُ تَبْیِیْنًا وَفَصِّلْهُ تَفْصِیْلًا: کسی نے حضرت اُمِّ سلمہؓ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت کی کیفیت دریافت کی۔ فرمایا کہ آپؐ ہر ایک آیت کو جُدا جُدا کرکے پڑھتے تھے۔ مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے چار ٹکڑے کرتے اور ہر ایک ٹکڑے کو علیحدہ علیحدہ پڑھتے۔ ابوداؤد میں روایت ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کچھ لوگ پیدا ہوں گے۔ جو قرآن کو تیر جیسا سیدھا کریں گے۔ وہ بہت جلد جلد پڑھیں گے۔ نہ ٹھہر ٹھہر کر۔ دوسری روایت میں ہے کہ قرآن شریف ایسے لوگوں کے گلے سے نہیں اترے گا۔ ایک اور روایت میں لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ آیا ہے۔ ایک اور روایت میں فرمایا ہے کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن شریف کو ختم کیا۔ وہ نہ پڑھا نہ چپ رہا۔ لَا قَرَءَ وَلَا سَكَتَ ۔ اب تو بعض تراویح کے پڑھانے والے قاری ایک ہی شب میں جس کو وہ شبینہ کہتے ہیں۔ قرآن شریف کو ختم کر دیتے ہیں۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا میں قولِ ثقیل قرآن کریم کی متواتر پے در پے وحی کو فرمایا ہے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز نہایت شدت سے سردی تھی۔ آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کی پیشانی مبارک سے وحی کی شدت کی وجہ سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسی طرح اگر آپؐ کسی اونٹ پر سوار ہوتے اور وحی کا نزول شروع ہو جاتا تو اس کے پاؤں بوجہ ثقل وحی ٹیڑھے ہونے لگتے اور اگر کسی صحابیؓ کی ران پر آپؐ کا سر مبارک ہوتا یا تکیہ لگائے ہوتے اور ایسی حالت میں وحی کا نزول ہونے لگتا۔ تو اس صحابیؓ کو اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خوف ہوتا اور ایسی حالت میں آپؐ کا چہرہ مبارک زیادہ منور اور روشن ہو جاتا۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ؕ نَاشِئَةٌ بروزن عَاقِبَةٌ مصدر نَشَأَ بمعنی قَامَ لِلْمذکر نَاشِئٌ وَالْمُؤَنَّثُ۔

نَاشِئَةٌ اگرچہ عام طور پر امور حادثہ فی اللیل کو ناشئہ کہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہاں ذکر قیامِ لیل

کا ہے۔ اس لئے نَاشِئَةَ اللَّیْلِ سے مراد اوّل شب سو رہنے کے بعد قیام نماز کیلئے اٹھنا نشأۃ ہے۔ وطأً مصدر بمعنی موافقت ہے۔ کقولہ تعالیٰ لِیُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَیْ لِیُوَافِقُوْا ـــــــ حدیث شریف میں ہے کہ اِنَّ فِی اللَّیْلِ سَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰی خَیْرًا مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَذٰلِكَ لَیْلَةٍ۔ یعنی رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر مسلمان بندہ اس کے موافق پڑ جاتا ہے۔ تو خدائے تعالیٰ سے دینی و دنیاوی بھلائی مانگتا ہے۔ دیا جاتا ہے۔ اور وہ ساعت کسی رات کیلئے خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہر رات میں ہوا کرتی ہے۔ ؎

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

اَقْوَمُ قِیْلًا: قول بمعنے فعل زبانِ عرب میں کثرت سے آتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ دینی و دنیوی سب کام تہجد گزار عابد انسان کے درست ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اَقْوَمُ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس لئے بڑے بڑے مشکلات اس ذریعہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ بارِ نبوت کے ثقل اٹھانے کیلئے قیام لیل کو اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض کیا۔ اُمت کو بھی اس میں بہت بڑی تعلیم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَشَدُّ الْبَلَاءِ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔

عموماً الہامی کتب اور احوال انبیاء و اولیاء سے ایسا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رات کے وقت کو انتشارِ روحانیت اور جذب برکاتِ یزدانی کے ساتھ خاص تعلق ہے جسکی وجہ غالباً وہ تنہائی اور سکونِ قلب ہے۔ جو رات کی خاموشی اور علیحدگی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

سَبْحًا: کے اصل معنے چلنے پھرنے اور گردش کرنے کے ہیں۔ اسی واسطے پیراک کو سابح کہتے ہیں کہ وہ تیرتے وقت ہاتھ پیر مارا کرتا ہے۔ اور یہاں سبح سے تصرف فی الحوائج یعنی اشغال، ادبار، اقبال اور آمد و رفت مُراد ہے۔ نمازوں کا پڑھنا۔ مریضوں کی عیادت کرنا۔ جنازوں کی متابعت کرنا فقراء و مہاجرین کی اعانت۔ طالب علموں کی تعلیم۔ مستفتیوں کو فتوٰی دینا۔ صلح کرانا۔ کافروں کا مقابلہ اپنے ذاتی حوائج پورے کرنے۔ بیبیوں کی ضروریات کو مدنظر رکھنا۔ یہ سب امور آپؐ کے لئے سَبْحًا طَوِیْلًا تھے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا:

رات ساری تو قیامِ لیل میں گزری اور دن سارا سَبْحًا طَوِیْلًا۔ نبوت کے فرائض کی ادائیگی میں ختم ہوا۔ اب بالطبع خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ روزی رزق کی کیا سبیل ہو۔ تو اس کیلئے ربوبیت کو

یاد دلاکر اسی کو اپنا کارساز سمجھنے کی طرف اس آیت میں توجہ دلائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَى اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ۔
وَمَنْ تَشَعَّبَ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالَ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ اَىِّ وَادِيْهَا هَلَكَ۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

جس شخص نے اپنے تمام فکروں کو اکٹھا کرکے ایک آخرت ہی کی فکر بنا ڈالا تو کارساز ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تفکرات کا۔ لیکن جس کو پریشان کر رکھا ہے اس کے دنیا کے احوال نے جو اسی میں مستغرق ہے تو خدا کو بھی پروا نہیں کہ دنیا کے کسی خاردار جنگل جھاڑیوں میں وہ ہلاک ہوجاوے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۳، ۱۴۔ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۳﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۴﴾

طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ : وہ طعام ہے جو گلوگیرہ حلق میں پھنسنے والا ہو۔
غُصَّةٍ : یہ عربی لفظ اللہ تعالیٰ کے غضب پر قرآن شریف میں کہیں نہیں بولا گیا۔ یہ ہماری زبان کا نقص ہے جو غضبِ الٰہی کے معنے خدا کے غصّہ کے کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۶، ۱۷۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۶﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۷﴾

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ : اس آیتِ شریفہ میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مثیلِ موسیٰؑ قرار دیا ہے۔ اور آیت استخلاف سورہ نور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور : ۵۶) فرما کر خلفائے اُمّت مرحومہ کو خلفائے موسوی کا مثیل قرار دیا ہے۔ چونکہ

خاتم الخلفاء موسوی مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور انکی بعثت موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو برس بعد چودھویں صدی موسوی پر ہوئی تھی۔ اس لئے مماثلت کی مطابقت کیلئے ضروری تھا کہ مثیلِ موسیٰؑ کا خلیفہ چودھویں صدی پر محمدیؐ خلفاء کا خاتم مسیحؑ کے نام پر آوے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

مثلیت موسیٰؑ۔ موسیٰؑ کی پانچویں کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۲۲ ملاحظہ کرو۔

" اور خداوند نے مجھے کہا۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا۔ سو اچھا کیا۔

مَیں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ مَیں اُسے کہوں گا۔ وہ سب ان سے کہوں گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔ نہ سُنے گا۔ تو مَیں اس کا حساب اُس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اَور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاوے گا۔ اور اگر تُو اپنے دِل میں کہے۔ مَیں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں توجان رکھ کہ جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے۔ پورا نہ ہو یا واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی۔ تو اس سے مت ڈرو۔"

اس بشارت کا بیان دوؔ حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ اوّل حصہ میں اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ یہ بشارت خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ اور دوسرے حصہ میں یہ بیان کریں گے کہ جن لوگوں نے اس کو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں مانا۔ انکے اعتراض صرف دھوکہ ہیں

حصہ اوّل: اس پیشین گوئی میں موسیٰؑ نے بڑا بسط کیا ہے۔ اور جہاں تک ممکن تھا۔ اس نبی کا نشان ظاہر کیا۔

اوّل: اُس نبی کی قوم کو بتایا کہ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے ہوگا۔

دوم: وہ نبی مجھ سا ہوگا (تشبیہ محل تأمل ہے کہ کس امر میں موسیٰؑ سا ہوگا)

سوم: خدا کا کلام اُس کے مُنہ میں ہوگا۔

چہارم: جو کچھ باری تعالیٰ اُس سے فرمائے گا۔ وہ سب کچھ کہہ دے گا۔

پنجم: جو کوئی اسکی مخالفت کریگا اور کہا نہ سُنے گا۔ وہ سزایاب ہوگا۔

ششم: اگر وہ نبی بدوں حکم باری تعالیٰ کے کچھ کہے تو وہ مارا جائے گا۔

ہفتم : وہ نبی توحید کا واعظ۔ غیر معبودوں کی پرستش کا مانع ہوگا۔ اگر غیر معبودوں کے نام سے کچھ کہے گا تو مارا جائے گا۔

ہشتم : اس کی پیشین گوئیاں پوری ہوں گی۔ اور جھوٹے نبی کی کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوگی۔ "کچھ" کے لفظ پر غور کرو۔ جو بشارت کے اس فقرے میں ہے (جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے)

نہم : سچا اس قابل ہے کہ تو اُس سے ڈرے۔ اِلّا جھوٹا نبی چونکہ جلد ہلاک ہو جاوے گا۔ تو اس سے مت ڈر۔

یہی چند باتیں اس پیشینگوئی میں ہیں جن پر ناظرین کو غور کرنا چاہیئے۔

موسیٰؑ نے اپنی مثلیت کیلئے اپنی کوئی خاص صفت اُن امور کے سوا بیان نہیں کی۔ گو موسےؑ میں ہزاروں اور صفات ہوں۔ اِلّا یہ امر کہ وہ نبی مجھ سا کن صفات میں ہوگا۔ سوائے امور مذکورہ پیشین گوئی کے بیان نہیں فرمایا۔ پس ہم یقین کرتے ہیں اور ہر مصنف تسلیم کریگا۔ کہ انہیں امور میں تشبیہ اور مثلیت موسیٰ کو مقصود تھی۔ علاوہ بریں جب کسی چیز کو کسی چیز کا مثل کہا جاتا ہے تو صرف چند امورِ محققہ میں تشبیہ مطلوب ہوتی ہے۔ اب ہم دکھلاتے ہیں۔ کہ قرآن نے اس پیشین گوئی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہونے کا صرف دعویٰ ہی نہیں کیا۔ بلکہ کل مدارج طے کرکے سچا کر دکھایا اور تمام امور مندرجۂ پیشین گوئی کو تسلیم کرکے بڑے دعویٰ سے کہا کہ آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی اس کا مصداق ممکن نہیں۔

امر اوّل : بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ دیکھو قرآن میں آنحضرتؐ کو حکم ہوا۔ وَانۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (الشعراء : ۲۱۵) اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو۔ اس پر آنحضرتؐ اپنی قوم کو حکم دیتے ہیں۔

وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ (حج : ۷۹) اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیئے اُس کی محنت۔ اُس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی دین میں تم پر کوئی مشکل۔ دین تمہارے باپ ابراہیمؑ کا۔ اس نے نام رکھا تھا تمہارا مسلمان حکم بردار پہلے سے۔

۲۔ رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ (ابراہیم : ۳۸)

دیکھو قرآن نے صاف بتایا ۔ قرآن نے صریح کہا ۔ قریش لوگو! تم اپنے باپ ابراہیمؑ کے مذہب کو اختیار کرو۔

امر دوم ۔ وہ نبی موسیٰ کا سا ہوگا ۔ اور قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔

(المزمل ۱۶، ۱۶) ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول ۔

۲۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَکَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ (الاحقاف ، ۱۱)

تو کہہ ۔ بھلا دیکھو تو ۔ اگر یہ ہو اللہ کے یہاں سے اور تم نے اس کو نہیں مانا ۔ اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی ۔ پھر وہ یقین لایا ۔

شَاهِدٌ کی تنوین واسطے تفخیم و تعظیم کے ہے ۔ اور لفظ مِثْلِهٖ قابلِ غور ہے ۔

۳۔ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الاحقاف ، ۳۱)

بولے اے قوم ۔ ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے ۔ موسیٰ کے پیچھے ۔ سچا کرتی ہے سب اگلیوں کو ۔ سمجھاتی سچا دین اور راہ سیدھی ۔

نوٹ ، حضرت موسیٰ کا قصہ بتکرار و کثرت قرآن میں مذکور ہونا اس امر کا اشارہ اور اظہار کرتا ہے کہ قرآن اپنے رسولِ عربی کو مثیلِ موسیٰ ثابت کرتا ہے ۔

امر سوم کی نسبت فرماتا ہے :

۱۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم ، ۴، ۵)

اور نہیں بولتا ہے اپنے چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو بھیجتا ہے ۔

۲۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۔ (القیامۃ ، ۱۷ تا ۲۰)

نہ چلا تو اُس کے پڑھنے پر اپنی زبان شتاب کر اس کو سیکھ لے ۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے ۔ اس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھانا ۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ ۔ تو اس کے پڑھنے کے ۔ پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا ۔

۳۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ : ۲۴)

اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لاؤ ایک سورت اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے۔ اگر تم سچے ہو۔

نوٹ : کلام منہ میں ڈالنا یا دل میں ڈالنا ۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے ۔ کہ وہ کلام اُس نبی کے قلبِ نبوت پر لفظاً یا معناً بہ ہمیں ترتیب بلا تقدم و تاخر خدا کی طرف سے ڈالا گیا ہے۔

آیت دوم میں خداوند خدا قرآن کا جامع اور قاری اپنی ذات مقدس کو ٹھہرایا ہے ۔ اور آنحضرتؐ کو صرف پڑھ سنانے والا مقرر فرماتا ہے۔ یہ بڑا بھاری اشارہ پیشینگوئی کے امر سوم کی طرف ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔

امر چہارم : حجۃ الوداع یعنی آخری حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ۔ چنانچہ چند الفاظ اُس طویل خطبے کے آخر سے نقل کئے جاتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ فَقَالَ النَّاسُ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ۔

اے میرے پروردگار کیا میں نے سب کچھ پہنچا دیا ۔ لوگوں نے کہا ہاں ۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ میرے تو گواہ رہ ۔

۱۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ : ۴) آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمان ۔

نوٹ : یہ آیت اور وہ حدیث باظہارِ حق و باقرارِ عباد گواہی دیتی ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے سب کچھ بتلایا ۔

امر پنجم : تمام مکہ اور حجاز کے گھر گھر کو دیکھو تمام مخالفوں اور اس کا کہا نہ ماننے والوں کا نام و نشان ہی نہ رہا ۔ اور دیکھو کہ آیت اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر ۴:) (بے شک جو بیری ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا) کہا ۔ پیشینگوئی کیسی پوری ہوئی ۔ اہلِ حجاز پر ہی کیا منحصر ہے ۔ تمام عرب اور بلادِ شام پر غور کرو ۔ جو خدا کی خاص چھاؤنی اور کل انبیائے بنی اسرائیل کا ہیڈ کوارٹر اور کالج ہے ۔ دیکھو اسی پیشین گوئی کے مطابق قرآن فرماتا ہے ۔

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (المزمل: ۱۶-۱۷)

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون کے پاس۔ پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو پکڑ وبال کی۔

۲- يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الاحقاف: ۳۲۔۳۳)

اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ کہ بخشے تم کو تمہارے گناہ اور بچادے تم کو ایک دکھ کی مار سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کو اس کے سوا مددگار اور وہ لوگ بھٹکے ہیں صریح۔

امر ششم: قرآن فرماتا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ: ۴۵ تا ۴۸)

اور اگر یہ بنالاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے اسکا داہنا ہاتھ۔ پھر کاٹ ڈالتے اسکی ناڑ۔ پھر تم میں سے کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔

۲- اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (الاحقاف: ۹)

کیا کہتے ہیں۔ بنالایا تو کہہ اگر میں بنالایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کرسکتے اللہ کے سامنے کچھ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸)

اے رسول پہنچا جو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا۔ اسکا پیغام اور اللہ تم کو بچالے گا۔ لوگوں سے۔

امر ہفتم کی نسبت تمام قرآن مالامال ہے۔ فروگزاشت کے خوف سے چند آیات مرقوم ہیں۔

آیات منع شرک

۱- قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران : ۶۵)

تو کہہ اے کتاب والو! آؤ۔ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی چیز کو اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوائے اللہ کے

۲۔ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الانعام : ۱۵۲)

تو کہہ آؤ میں سنادوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ نہ شریک کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے نیکی۔

۳۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف : ۳۴)

تو کہہ میرے رب نے منع کیا ہے بے حیائی کے کام کو جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے ہیں اور گناہ اور زیادتی ناحق کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو معلوم نہیں۔

۴۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (النساء : ۳۷)

اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اس کے ساتھ کسی کو۔

۵۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء : ۴۹)

تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اسکا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے اور جس نے ٹھہرایا شریک اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

۶۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (الفرقان : ۴)

اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنے ہیں۔ اور نہیں مالک اپنے حق میں نہیں۔ برے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔

۷ ۔ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (الفرقان : ۴۲-۴۳)

اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرتے۔ کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر۔ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے۔ کبھی ہم نہ ثابت رہتے اُن پر۔ اور آگے جائیں گے جس وقت یہ دیکھیں گے عذاب۔ کون بچلا ہے راہ سے۔

امر ہشتم۔ اس پر ہم نے برہانِ نبوت کے واسطے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ اور مفصل مضمون لکھا ہے۔ دیکھو مضمون قرآن کی پیشگوئیاں۔ مگر اس جگہ مختصراً اُس مضمون کی تجدید کی جاتی ہے۔

اوّل اوّل آنحضرتؐ نے مکہ میں موسیٰ کی مثلیت کا دعویٰ کیا اور اپنے مخالفین کو آنے والے عذاب سے مخالفت کے باعث ڈرایا۔ اس پر کفارِ مکہ نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اُسکا نشان ہمیں دکھا کہ ہم پر عذاب آوے۔ چنانچہ قرآن مجید اس معاملہ کی اس طرح خبر دیتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (الانعام : ۶-۷)

جھٹلا چکے حق بات کو جب ان تک پہنچی۔ اب آگے آوے گا اُن پر حق اُس بات کا جس پر ہنستے تھے۔ کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے اُن سے سنگتیں۔ ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں جتنا تم کو نہیں۔ جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان برستا اور بنا دیں نہریں بہتی انکے نیچے۔ پھر ہلاک کیا ان کے گناہوں پر اور کھڑی کی ان کے پیچھے اَور سنگت۔

اس آیت میں بدوں میعاد معینہ کے مطلق تکذیب پر ہلاکت کی خبر دی۔ پھر فرمایا۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (الانعام : ۶۷-۶۸)

اور تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ یہ حق ہے۔ تو کہہ دے۔ اے محمدؐ میں تم پر وکیل نہیں ہوں ہر ایک خبر کیلئے ایک وقت مقرر ہے پس عنقریب تم جان لوگے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ

عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ - وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال : ۳۳ - ۳۴)

اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دینِ حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا آسمان سے پتھر یا لا ہم پر دُکھ کی مار اور اللہ ہرگز عذاب نہ کرتا ان کو جب تک تو تھا اُن میں۔

اس آیت میں یہ بات بتائی کہ تیرے یہاں ہوتے ہوئے یعنی مکے میں وہ عذاب نہیں آئے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ - (النمل : ۷۲ - ۷۳)

اور کہتے ہیں کہ کب ہے یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ شاید تمہاری پیٹھ پر پہنچی ہو بعض چیز جس کی شتابی کرتے ہو۔

اس میں بتایا کہ یہ عذاب کچھ حصہ اُس عذاب موعود کا ہوگا۔ اور تمہاری تباہی اور استیصال کا شروع ہوگا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (سبا : ۳۰ - ۳۱)

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ۔ تم کو وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہ دیر کروگے اُس سے ایک گھڑی۔ نہ شتابی۔

اس مقام پر آنحضرتؐ کا خط جو انہوں نے خیبر کے یہود کو لکھا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سے غرض یہ ہے کہ آپؐ بڑے استقلال اور قوی یقین سے مثلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور آپ سے مخاطبین تعصب اور حسد کے سوا انکار کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے تھے۔ (ابن ہشام)

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) صَاحِبِ مُوْسٰى وَاَخِيْهِ' وَالْمُصَدِّقِ لِمَا جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى' اَلَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ قَالَ لَكُمْ يَا مَعْشَرَ اَهْلِ التَّوْرَاةِ! وَاِنَّكُمْ لَتَجِدُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِكُمْ - مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ - وَاِنِّيْ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَلَا اَخْبَرْتُمُوْنِيْ هَلْ تَجِدُوْنَ فِيْمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِكُمْ فَلَا اَكْرَهُ عَلَيْكُمْ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

ترجمہ: محمد رسول اللہ کی طرف سے جو موسیٰ کا مثیل اور اسکا بھائی اور اسکی تعلیمات کو سچا کر دکھانے والا ہے۔ اے گروہ اہلِ تورات! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرمایا۔ اور تم اس بات کو اپنی کتاب میں پاتے

ہو" محمد اللہ کا رسول ہے" اور میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ بتاؤ تو سہی جو کچھ اللہ نے تم پر اتارا۔ کیا تم اس میں یہ نہیں لکھا پاتے کہ تم لوگ مجھ پر ایمان لاؤ؟ اگر تم اپنی کتاب میں نہیں لکھا پاتے ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ ضلالت اور ہدایت ممتاز ہو چکی ہے۔ (ابن ہشام جلد ۱ صد ۱۹۴)

نوٹ: نبوت کا دن ایک برس کا ہوتا ہے جیسے دن جو ساتھ صبح اور شام کے نبوت میں لکھا ہو یا شام یا صبح سے شروع کرے تو چوبیس ۲۴ گھنٹے کا شمار ہوتا ہے ورنہ ایک سال کا (دیکھو اندرونہ بائبل صد ۳۱۳)

پادری صاحبان غور کرو۔ قرآن نے کیسا معجزہ دکھایا کہ ان کے زوال کا وقت بھی بتا دیا۔ اور یہ وعدہ جنگِ بدر میں پورا ہوا۔ کیونکہ بدر کی لڑائی ٹھیک ایک برس بعد ہجرت کے واقع ہوئی یعنی ۲۰ جولائی ۶۲۲ء کو آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور ۶۲۳ء میں قریش سے جنگِ بدر ہوئی اور اس بدر کی لڑائی کو قرآن نے آیت یعنی بڑا نشان ٹھہرایا جو کامیابی اسلام کا گویا آغاز ہے۔ چنانچہ فرمایا

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (آل عمران: ۱۴)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران: ۱۲۴)

ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں، ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے۔ یہ اُن کو دیکھتی ہے اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو آنکھ ہے۔ اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے۔ شاید تم احسان مانو۔

یہاں وہ پیشگوئی جو یسعیاہ باب ۲۱ درس ۱۳ سے شروع ہوتی ہے پوری ہوئی۔

"عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے۔ اے ددانیوں کے قافلو۔ پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرتے۔ آؤ اے تیما کی سرزمین کے باشندو۔ روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھنچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھکو یوں فرمایا ہنوز ایک برس۔ ہاں مزدور کے سے ٹھیک ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کی جو باقی رہی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا"

اس لڑائی میں قیدار کے اکثر سردار مارے گئے اور وہ کامیابی جو سچائی کا معیار ہوتی ہے۔ ظاہر ہو گئی۔ اور یہ بدر کی فتح اسلام کے حق میں ایسی ہی اکسیرِ اعظم ہوئی۔ جیسی جنگ ملوین برج کی فتح دینِ عیسوی کے حق میں۔

نویں امر کی نسبت قرآن فرماتا ہے۔

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ (حشر: ۲)

اور ڈالی اُن کے دلوں میں دھاک۔ اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ سو دہشت مانو اے آنکھ والو۔

تورات میں بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سچے نبی سے ڈریں لیکن اُن لوگوں نے کفارِ مکہ کی طرح نبیٔ برحق کی مخالفت کی۔ وعیدِ الٰہی سے نڈر ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بنی نضیر (بنی اسرائیل) ویران اور تباہ ہو کر مدینہ سے نکل گئے۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ یہ بشارت مسیحؑ کے حق میں ہے۔ پر یہ دعویٰ ان کا صحیح نہیں کیونکہ مسیحؑ اور موسیٰ کے حالات میں کسی قسم کی مماثلت جو پیشنگوئی میں مندرج ہے۔ ہرگز نہیں پائی جاتی۔

وجہ اوّل یہ ہے کہ مسیحؑ صاحب شریعت نہ تھے۔ بلکہ شریعتِ موسوی کے پیرو تھے چنانچہ اُنکے بپتسمہ لینے۔ ختنہ کرانے۔ یروشلم میں آنے سے ظاہر ہے۔

دوم مسیح نے خود بھی تو دعویٰ نہیں کیا کہ بشارتِ مثلیت میرے حق میں ہے۔ اور نہ ان کے حواریوں نے اس بشارت کو اُنکی طرف منسوب کیا۔ بلکہ اعمال باب ۳۔ ۱۹ سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح اس کا مصداق نہیں۔ پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تا کہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آویں اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے۔ جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے لئے رہے اُس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا۔ اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میرے مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے۔ اس کی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اُس نبی کی نہ سُنے۔ وہ قوم سے نیست کیا جاوے گا۔

بلکہ سب نبیوں نے سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا۔ اُن دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے ہو کہ خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابراہام سے کہا کہ تیری اولاد

سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔ تمہارے خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو اٹھا کے پہلے بھیجا کہ تم میں سے ہر ایک کو اُس کی بدیوں سے پھیر کے برکت دے" اس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
اوّل: مسیح کی آمد اوّل کے بعد اور آمدِ ثانی سے پہلے اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ضروری ہے۔
دوم: موسیٰ کے بعد یوشع اور اس کے بعد کے انبیاء اور سموئیل سے لے کر پچھلوں تک کوئی بھی اس کا مصداق نہیں ہوا۔
سوم: حضرت ابراہیم کی دعا کو سوائے ارسال اُن انبیاء کے جو بنی اسرائیل میں سے مُرسل ہوئے کوئی خاص خصوصیت اُس نبی سے ہے۔
چہارم: مسیح اُس نبی سے پہلے آیا اب اُس دوسرے کی ضرورت ہوئی۔
پنجم: حواری کے قول سے ظاہر ہے کہ اس بشارت کا مصداق نبی مسیح سے پہلے نہیں گزرا اور خود مسیح بھی نہیں۔ اس لئے اس نبی کے آنے تک ضرور ہے کہ آسمان مسیح کو لئے رہے۔
سوال: اگر کوئی شخص کہے کہ بنی عیسو اور بنی قطورا کیوں اسکے مصداق نہیں ہو سکتے۔
جواب: اوّل ان میں سے کسی نے اس پیشین گوئی کو اپنے حق میں ثابت نہیں کر دکھایا۔
دوم: پولوس نامہ رومیاں۔ ۹ باب۔ درس ۱۳ میں فرماتا ہے خداوند نے یعقوبؑ سے محبت کی اور عیسو سے عداوت۔
سوم: عیسو نے مسور کی دال پر اپنی نبوت بیچ دی۔ پیدائش ۲۵ باب ۳۲-۳۳
چہارم: یعقوب نے فریب سے نبوت کا ورثہ اوس سے لے لیا۔ پیدائش ۲۷ باب۔ ۳۵
بنو ابنائے قطورا زندگی ہی میں خارج ہو چکے تھے۔ مرتے وقت صرف اسمٰعیل اور اسحٰق پاس تھے۔ پیدائش ۲۵ باب لغایت ۹۔

حل الاشکال میں اس پیشین گوئی پر اعتراض کیا کہ بشارت میں تجھ میں سے کا لفظ وارد ہے
جواب (۱) خدا کے اس کلام میں جو موسیٰ نے نقل کیا یہ لفظ نہیں۔
(۲) یہ لفظ تجھ میں سے اعمال باب ۳-۲۲ میں نہیں۔
(۳) یونانی ترجمے میں نہیں۔
دوسرا اعتراض: مسیحؑ نے اس بشارت کو اپنی طرف نسبت کیا۔
جواب: (۱) چونکہ مسیحؑ بقول آپکے مصلوب و مقتول ہوئے تو اس کے مصداق نہ رہے۔
(۲) اس بشارت کو مسیحؑ نے بالتخصیص اپنی طرف نسبت نہیں کیا۔ دیکھو۔ یوحنا باب ۵-۴۶

تخصیص بشارت کا پتہ ہی نہیں دیا۔ اور یوں ہی گول مول رہنے دیا۔

(۳) صاحب حل الاشکال نے میزان میں۔ فصل ۳۔ باب ۲ میں لکھا ہے کہ پیدائش باب ۳۔ ۱۵ میں مسیح کی بشارت ہے۔ پھر یہی یوحنا باب ۵۔ ۴۶ میں کیوں نہیں۔

(۴) یوحنا باب ۱۔ ۲۰۔ ۲۵۔ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں تب انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو اور کون کیا تو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔

یوحنا انجیلی۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت میں لکھتا ہے کہ نہ وہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی اور ریفرنس میں وہ نبی کا نشان استثناء باب ۱۸۔ ۱۵ و ۱۸ دیا ہے یعنی موسیٰ کے مثل نبی۔ اور وہ صرف نبی عربی ہے۔

پادری عمادالدین نے "تحقیق الایمان" میں اور پادری ٹھاکر داس نے "عدم ضرورت قرآن" میں مماثلت پر گفتگو کی ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ جسے دیکھ کر انکی ناکامیاب کوششوں پر سخت افسوس آتا ہے پادری عمادالدین نے بچوں کا قتل۔ چالیس دن کا روزہ۔ معجزات اور شریعتِ روحانی (معدوم الوجود) بمقابلۂ شریعت موسوی کے وجہ مماثلت ٹھہرائی ہے۔

تعجب کی بات ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ کے وقت بچوں کا قتل ہوا ہی نہیں۔ بلکہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل کی کثرت کے خوف سے یہ کاروائی کی تھی۔ اور چالیس دن کا روزہ تو ایلیا نے بھی رکھا۔ دیکھو اوّل سلاطین ۱۹ باب درس ۸۔ رہے معجزات ایلیا نے بھی مردے زندہ کئے۔ دیکھو اوّل سلاطین ۱۷ باب ۲۲ و ۲۳۔ و دوم سلاطین باب ۴۔ ۳۵۔ ایلیا نے دریا کے دو حصے کر کے زمین خشک نکالی اور دریا پار ہوا۔ دیکھو دوم سلاطین باب ۲۔ ۸۔ ایلیا نے دوسروں کو معجزات کے لائق بنایا دوم سلاطین باب ۲۔ ۱۰۔ ایلیا جسم سے آسمان پر چلا گیا۔ دوم سلاطین باب ۲۔ ۱۱۔ ایلیا نے تیل کو بڑھایا۔ دوم سلاطین باب ۴۔ ۳۔ ایلیا کی روح سے الیشع نے کوڑھ اچھا کیا۔ دوم سلاطین باب ۵۔ ۱۰ و ۱۴

(فصل الخطاب حصہ دوم صہ ۲۴ تا صہ ۳۶)

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا

ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ گواہ تم پر۔ جیسا ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ پس فرعون نے اُس رسول کا کہنا نہ مانا۔ پھر ہم نے اس کو ہلاک کرنیوالی پکڑ سے پکڑا۔

اس جگہ باری تعالیٰ اپنے کلام میں ہاں صادق کلام میں نبیؐ عرب کو موسیٰؑ کا تمثیل ونظیر فرما کر اہل عرب سے خطاب کرتا ہے کہ جیسے فرعونی موسیٰ کے عصیان کے باعث تباہ ہوئے۔ ویسے ہی اس نبی کے عاصی اور مخالف بھی تباہ اور ہلاک ہو جائیں گے اور پھر فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۴)

جب تک تو اے رسول! ان میں ہے۔ اللہ ان پر عذاب نہ لاوے گا۔

پھر اس پیشین گوئی کا وقت صاف صاف بتادیا اور اسکی حد باندھ دی کہ حد ہی کر دی۔ فرمایا

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ۔

(سبا: ۳۱) تو کہدے (اے محمدؐ) تمہارے واسطے ایک سال کی میعاد ہے کہ اس سے ایک ساعت ادھر اُدھر نہ کر سکو گے۔

پھر اور توضیح وتصریح کی۔ فرمایا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۷)

یقیناً یہ لوگ (اہل مکہ) تجھے (محمدؐ) اس زمین (مکہ) سے نکال ڈالنے والے ہیں۔ جب تو تیرے بعد یہ لوگ بھی تھوڑی ہی دیر رہیں گے۔

اللہ اللہ یہ پیشین گوئی کیسی پوری ہوئی۔ عادت اللہ قدیم سے اس طرح پر جاری ہے کہ جن قوموں نے ہادیانِ برحق کے نصائح نہ سُنے اور ان کے دِل سوز مشفقانہ کلام پر دھیان نہ کیا۔ ضرور وہ کسی نہ کسی تباہی میں گرفتار ہوئے اور جھوٹے نبی کا نشان یہ دیا گیا ہے کہ وہ قتل کیا جاوے گا۔ اور جو کوئی اس نبی کی بات نہ مانے گا۔ سزا پائے گا۔ اب کفارِ عرب اس سچے رؤف ورحیم ہادی کو جھٹلا چکے ہیں۔ طرح طرح کی اذیتیں دل کو کپکپا دینے والے آزار دے چکے ہیں۔ چونکہ وہ نبی صادق و مصدوق ہے اور وہ نبی وہ ہے جس کی نسبت موسیٰ وعیسیٰ بڑے فخر سے بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔ اب خدائی غضب اُمنڈ آیا۔ کلمۃ اللہ بر سر انتقام آمادہ ہوا کہ ان کے دشمنانِ دینِ حق کو ہلاک کیا جاوے۔ مگر باری تعالیٰ بااین ہمہ اپنے رسول سے فرماتا ہے۔ کہ جب تک تو ان لوگوں میں موجود ہے (یعنی سرزمینِ مکہ میں) اُن پر عذاب نہ ہوگا۔ اور عالم الغیب حق تعالیٰ ایک سال اس کی میعاد مقرر فرماتا ہے کہ یقیناً اس عرصے میں بلا تقدم و تاخر ایک ساعت کے یہ واقعہ زوال وقوع میں آئے گا۔ قدرتِ حق کا کرشمہ مشاہدہ فرمائیے کہ کیونکر یہ وعدہ ایک سال بعد پورا ہوتا ہے۔ اب کفارِ عرب نے جن کا سرغنہ ابوجہل تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی مشورت کی۔ اسی واسطے ۱۰ رجولائی ۶۲۲ء جمعہ کے دن آپؐ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ منورہ کو چلے گئے۔ دوسرے سال یعنی ۶۲۳ء میں بدر کا معرکہ ہوا جس میں وہ سب معاندین اور مخالفین تباہ اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

(فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۸۸ تا صفحہ ۹۰)

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔

بیشک وریب ہم نے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تمہاری طرف بھیجا عظمت والا رسول نگران تم پر۔ اور یہ رسول اس رسول کی مانند ہے جس کو ہم نے فرعون کے پاس بھیجا۔

فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ: منکرو! بتاؤ تو تم کیسے بچو گے عذاب سے اگر تم نے اس رسول کا انکار کیا۔ کیا معنی۔ اگر فرعون موسیٰ علیہ السلام کے انکار سے سزایاب ہوا۔ تو تم منکرو کیونکر بچ سکتے ہو۔ یہ آیت شریف کتاب استثناء کے ۱۸ باب ۱۸ کی طرف راہنمائی فرماتی ہے۔

غرض اسی طرح کی بہت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں اور ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے حضور علیہ السلام کو اپنی رسالت۔ نبوت۔ راستی اور راست بازی پر پورا اور اعلیٰ درجہ کا یقین تھا۔ اور اولڈ ٹیسٹمنٹ اور نیو ٹیسٹمنٹ کو ماننے والا بعد انصاف ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ استثناء ۱۸ باب ۱۸ میں اور اعمال ۳ باب میں صاف لکھا ہے کہ ایک نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند آنیوالا ہے اور توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی جو ازراہ کذب و افتراء اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کہے مارا جاوے گا۔

حضور (فداہ ابی و امی) نبی عرب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند رسول ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ جیسا گزرا۔ اور آیت شریف وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۸) جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا رکھا پڑھ کر پہرہ اور حفاظت کو بھی دور کر دیا۔ مدینہ کے یہود اور عیسائی قوم کو صاف صاف سنا دیا کہ میں قتل نہ کیا جاؤں گا۔ اور اللہ کے فضل سے قتل سے بچ رہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

عیسائی صاحبان۔ اگر نبی عرب اس دعویٰ نبوت میں کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فرما کر استثناء ۱۰ باب ۱۸ اور اعمال ۳ باب والا دعویٰ ہے! اور بالکل ظاہر ہے کہ نبی عربؐ قتل نہیں کئے گئے)۔ کاذب ہیں (معاذ اللہ) تو توریت کتاب مقدس نہیں بلکہ بالکل غلط اور کذب ہے

کیونکہ کتاب استثناء کے ۱۸ باب ۱۸ میں لکھا ہے۔ جھوٹا نبی مارا جائے گا۔ لاکن تورات شریف اگر الہام الٰہی سے ہے اور سچ۔ تو ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول اور فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ استثناء ۱۸ باب ۱۸ والے رسول ہیں۔

اسی واسطے قرآن کریم بار بار حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰؐ اور اپنے آپ کو مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (البقرہ ۴۲) فرماتا ہے۔ کیا معنے؟ قرآن کریم اور نبیٔ عرب نے اپنے ظہور اور حفاظت اور قتل سے بچ کر توریت کو سچا کر دکھایا۔ (ایک عیسائی کے تین سوال اور انکے جوابات صفحہ ۵۰-۵۱)

سورۃ مزمل مکہ معظمہ میں اتری۔ جب حضور علیہ السلام بظاہر نہایت کمزوری کی حالت میں تھے اور بظاہر کوئی سامان کامیابی کا نظر نہ آتا تھا۔ قرآن نے صاف صاف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا۔ یہ رسول اس رسول کی مثل ہے جو فرعون کے وقت برگزیدہ اور بنی اسرائیل کا ہادی بنایا گیا۔ جس طرح اس رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن بے نام ونشان ہوگئے۔ ایسے ہی اس رسول کے دشمن معدوم ہوں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا

ہم نے ہی بھیجا تھا تمہاری طرف رسول نگران تم پر جیسے بھیجا تھا فرعون کو رسول۔ پھر جب نافرمانی کی فرعون نے اس رسول کی تو سخت پکڑ لیا ہم نے اسے۔ پھر تم اگر اس رسول کے منکر ہوئے تو کیونکر بچو گے۔

اور جس طرح جناب موسیٰ علیہ السّلام کی قوم دشمنوں سے نجات پاکر آخر معزز اور ممتاز اور خلافت اور سلطنت سے سرفراز ہوئی اسی طرح۔ ٹھیک اسی طرح۔ لاریب اسی طرح۔ اس رسول کے اتباع بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلکہ بڑھ کر ابراہیمؑ کے موعود ملک بالخصوص اور اپنے وقت کے زبردست بادشاہوں پر علی العموم خلافت کریں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (نور: ۵۶)

وعدہ دے چکا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تم میں سے جو ایمان لائے اور کام کئے انہوں نے اچھے

ضرور خلیفہ کر دے گا ان کو اس خاص زمین میں (جس کا وعدہ ابراہیم سے ہوا۔ جیسے خلیفہ بنایا ان کو جو ان اسلامیوں سے پہلے تھے۔ اور طاقت بخشے گا انہیں اس دین پھیلانے کیلئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند فرمایا ضرور بدل دیگا انہیں خوف کے بعد امن سے۔

آخر دیکھ لو۔ اس فطرت کے قاعدہ نے۔ اس الٰہی سنّت یا عادۃ اللہ نے۔ ناظرین کو وہی نتیجہ دکھایا جو ہمیشہ اہلِ ایمان کے ساتھ ان کیلئے ایمان مخالفوں کے بیجا حملوں کے وقت دکھاتی چلی آتی ہے ہمارے ہادی۔ بلکہ ہادیٔ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں۔ نہیں نہیں۔ آپؐ کے مَولدِ مَسکَن اور آپؐ کے ملک میں آپ کا کوئی دشمن نہ رہا۔ دشمن کیسے؟ ان کے آثار بھی نہ رہے۔ مکہ معظمہ نہیں بلکہ جزیرہ نما عرب پر نگاہ کر لو۔ تمام عرب آپ کے خدام یا خدام کے معابدین کی جگہ ہو گیا۔

اللہ اللہ!!! جیسے آپؐ بے نظیر ہیں۔ ویسے ہی آپؐ کی کامیابی بھی بے نظیر واقع ہوئی۔ ناظرین ایسی کامیابی کسی ملہم۔ کسی مدعیٔ الہام۔ کسی ریفارمر۔ کسی مصلح۔ کسی رسول یا کسی بادشاہ کو کبھی ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ کس مقتدا نے۔ کس بادشاہ نے۔ نام تو لو۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۵-۱۶)

۱۸- فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۸﴾

شِیْبَ : اَشْیَبْ کی جمع ہے۔ کثرتِ ہم و غم بڑھاپے کا باعث ہو جاتا ہے۔ سورۃ ھود میں جب قوموں کی ہلاکت کا بیان نازل ہوا۔ اور ساتھ ہی آپ کو بھی حکم ہوا۔ کہ

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (ہود: ۱۱۳)

تو آپؐ نے فرمایا شَيَّبَتْنِيْ (سورۃ ہود)

متبعین کی استقامت چونکہ اپنے اختیار کی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ ارشاد آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت ہی رنج و غم کا باعث ہوا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

۲۱- اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ

يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۚ عَلِمَ اَنْ
سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا
وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى : اَنْ کے معنے اَنَّهٗ کے ہیں۔ یعنی تحقیق بات یُوں ہے کہ ضرور تم میں بعض لوگ بیمار ہیں۔

اَقْرِضُوْا : اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے الگ کردو۔

هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا : خَيْرًا پر زبر اس لئے ہے۔ کہ یہ تَجِدُوْهُ کا مفعول ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ : حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں ستر سے لیکر سَو تک استغفار کیا کرتے تھے۔ سورۃ نوح میں استغفار کے کئی فائدے بیان فرمائے ہیں۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۔ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح : ۱۱ تا ۱۳)

حدیث شریف میں ہے کہ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا

خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کو کثرت سے پایا۔ استغفار لفظ غَفَرَ سے نکلا ہے۔ غَفَرَ کے معنے ڈھانکنا۔ مِغْفَر ڈھال کو کہتے ہیں۔ جو انسان کے منہ اور کچھ حصہ جسم کو ڈھانک لیتی ہے۔ استغفار کے معنے ہوئے۔ حفاظت طلب کرنا گناہوں سے اور اس کے بد نتائج سے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استغفار کے یہی معنے ہیں کہ اے اللہ تو مجھ کو آئندہ کی خطاؤں سے مصئون اور محفوظ رکھ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۵ - يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۲﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۳﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۴﴾

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۵﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے بعد جو دوسری وحی ہوئی وہ یہی آیت ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ رُسل کو جب وحی ہوتی ہے تو اس پر خدا کی کلام اور اسکی ہیبت کا ایک لرزہ مُرسل پر آتا ہے کیونکہ مومن حقیقت میں خدا تعالیٰ کا ڈر اور خشیت اور خوف رکھتا ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ ایک بازار یا سڑک پر سے گزرتا ہے۔ اسی سڑک میں ایک زمیندار جاہل جو بادشاہ سے بالکل ناواقف ہے کھڑا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو زمیندار ہے۔ پر صرف اس قدر جانتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے یا شاید حاکم وقت ہوگا۔ تیسرا وہ شخص کھڑا ہے کہ وہ منجملہ اہالیان ریاست ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ بادشاہ ہے اور ہمارا حاکم ہے اور چوتھا وہ شخص کھڑا ہے جو بادشاہ کا درباری یا وزیر ہے۔ اس کے آداب نہ قواعد و آئین و انتظام رعب و آداب۔ رنج اور خوشی کے سب قواعد کا واقف اور جاننے والا ہے۔ پس تم جان سکتے ہو کہ ان چاروں اشخاص پر بادشاہ کی سواری کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ پہلے شخص نے تو شاید اس کی طرف دیکھا بھی نہ ہو۔ اور دوسرے نے کچھ توجہ اس کی طرف کی ہوگی اور تیسرے نے ضرور اس کو سلام کیا ہوگا اور اس کا ادب بھی کیا ہوگا۔ پر جو چوتھے شخص پر اس کے رُعب و جلال کا اس قدر اثر ہوا ہوگا کہ وہ کانپ گیا ہوگا کہ میرا بادشاہ آیا ہے۔ کوئی حرکت مجھ سے ایسی نہ ہو جاوے جس سے یہ ناراض ہو جاوے۔ غرض کہ اس پر از حد اثر ہوا ہوگا۔ پس یہی حال ہوتا ہے۔ انبیاء اور مرسل علیہم السلام کا۔ کیونکہ خوف اور لرزہ معرفت پر ہوتا ہے۔ جس قدر معرفت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر اس کو خوف اور ڈر زیادہ ہوگا اور وہ معرفت اس کو خوف میں ڈالتی ہے اور اس لرزہ کے واسطے ان کو ظاہری سامان بھی کرنا پڑتا ہے۔ یعنی موٹے اور گرم کپڑے پہننے پڑتے ہیں۔ جو لرزہ میں مدد دیں۔ جب وہ انعام کی حالت جاتی رہی تو ان کے اعضاء اور اندام

بلکہ بال بال پر ایک خاص خوبصورتی آجاتی ہے۔ پس اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ مخاطب فرما کر کہتا ہے کہ اے کپڑا اوڑھنے والے اور لرزہ کے واسطے سامان اکٹھا کرنے والے کھڑا ہو جا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سُست مومن اللہ تعالیٰ کو پیارا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا حکم یہی ملا پس یہی وجہ ہے کہ آج تک مسلمان واعظ جب احکامِ الٰہی سنانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہو کر سناتے ہیں۔ یہ اسی قُمْ کی تعمیل ہوتی اور اس میں نبی کریمؐ کی اتباع کی جاتی ہے۔ بعض لوگ غافل اور سُست نہ تو سامان بہم پہنچاتے اور نہ ان سامان سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں پر یہ ساری ضرورتیں جو ہم کو ہیں۔ نبی کریمؐ کو بھی تھیں۔ بیوی بچہ۔ اہل و عیال وغیرہ وغیرہ۔ پر جب اس قسم کا حکم آیا۔ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ بادشاہ رَبُّ الْعَالَمِیْن اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کا حکم تھا۔ پھر کام کیا سپرد ہوا۔ أَنْذِرْ۔

لوگ دو باتوں میں گرفتار تھے اور ہیں۔ وہ خدا کی عظمت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور کھانے پینے عیش و آرام اور آسائش میں مصروف ہو گئے تھے۔ دوسرا باہمی محبت۔ اخلاص۔ پیار نام کو نہیں رہی تھی۔ دوسروں کے اموال دھوکہ بازی سے کھا جاتے۔ مثلاً ہمارے پیشہ کی طرف ہی توجہ کرو۔ گندے سے گندے نسخے بڑی بڑی گراں قیمتوں سے فروخت کئے جاتے۔ اور دھوکہ بازی سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے۔ دوسروں کی عزت مال جان پر بڑے بے باک تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نابینا کی لکڑی ہنسی سے اٹھا لینا کہ وہ حیران و سرگردان ہو سخت گناہ ہے۔ پھر ہنسی ٹھٹھا پر کچھ پرواہ نہیں۔ بدنظری۔ بدی۔ بدکاری سے پرہیز نہیں۔ کوئی شخص نہیں چاہتا کہ میرا نوکر میرے کام میں سُست ہو۔ پر جس کا یہ نوکر ہے کیا اس کے کام میں سستی نہیں کرتا۔ دوکاندار ہے۔ طبیب ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب پیسہ دینے والے کے دل میں یہ ہے کہ مجھے ایسا مال اس قیمت کے بدلہ میں ملنا چاہیئے۔ اگر اس کو اس نے نتیجہ تک نہیں پہنچایا تو ضرور حرام خوری کرتا ہے اور یہ سب باتیں اس وقت موجود تھیں۔

خدا کی پرستش میں ایسے سُست تھے کہ حقیقی خدا کو چھوڑ کر پتھر۔ حیوانات وغیرہ مخلوقات کی پرستش شروع کی ہوئی تھی۔ اس قوم کی بت پرستی کی نظیریں اب موجود ہیں۔ ابھی ایک بی بی ہمارے گھر میں آئی تھی اور میرے پاس بیان کیا کہ بہت نیک بخت اور خدا رسیدہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وظیفہ کرتی ہو؟ کہا مشکل کے وقت اپنے پیروں کو پکارتی ہوں۔ پس مجھے خیال ہوا یہ پہلی سیڑھی پر خطا پر ہے یعنی خدا کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہے۔

پس رسول کریمؐ کے زمانہ میں ایک طرف خدا کی بڑائی دوسری طرف مخلوق سے شفقت چھوٹ گئی تھی۔ اور خدا کی جگہ مخلوق کو خدا بنا یا گیا تھا۔ اور مخلوق کو سکھ پہنچانے کے بدلہ لاکھوں تکالیف پہنچائی جاتی تھیں۔

اس لئے فرمایا۔ أَنْذِرْ۔ ڈرانے کی خبر سنادے۔ جب مرسل اور مامور آتے ہیں تو پہلے یہی حقوق ان کو سمجھائے جاتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں امراض طاعون وغیرہ آتے۔ جنگ و قتال ہوتے۔ یہ ضرورت نہیں کہ اس مامور کی اطلاع پہلے دی جاوے یا ان لوگوں کو مامور کا علم ہو۔ کیونکہ لوگ تو پہلے خدا ہی کو چھوڑ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

پھر کھڑا ہو کر کیا کرو۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ خدا کی بزرگی بیان کر۔ یہ حکم کی تعمیل تھی۔ اَکْبَرْ سے آگے بڑائی کا کوئی لفظ نہیں اور اس کے معنے ہی یہی ہیں۔ ایک وقت آقا کہتا کہ میرا فلاں کام کرو۔ دوسری طرف ایک شخص پکارتا کہ اللہ اکبر۔ آؤ نماز پڑھو۔ خدا سے بڑا آقا کوئی نہیں۔ ایک طرف بی بی عید کا سامان مانگتی ہے۔ دوسری طرف خدا کہتا کہ فضولی نہ کر؟ اب یہ کدھر جاتا ہے۔ نیک معاشرت۔ نیک سلوک۔ بی بی کی رضا جوئی اور خوش رکھنے کا حکم ہے اور مال جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف حکم ہے کہ ناجائز مال مت کھاؤ۔ ایک طرف عفت اور عصمت کا حکم ہے۔ دوسری طرف بی بی موجود نہیں ناصح کوئی نہیں۔ اور نفس چاہتا ہے کہ عمدہ گوشت۔ گھی انڈے۔ زعفرانی متنجن۔ کباب کھانے کے واسطے ہوں۔ پھر رمضان میں اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں۔ اب بی بی تو ہے نہیں۔ علم اور عمدہ خیالات نہیں پس اگر خدا کے حکم کے خلاف کرتا اور نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ اغذیہ کھاتا تو لواطت۔ جلق۔ زنا۔ بدنظری میں مبتلا ہوگا۔ اسی لئے تو اصفیاء نے لکھا ہے کہ انسان ریاضت میں سادہ غذا کھاوے

اس لئے ہمارے امام علیہ السلام نے یہاں نجم الدین کو ایک روز تاکیدی حکم دیا کہ لوگ جو مہمان خانہ میں مجرد ہیں عام طور پر گوشت انکو مت دو بلکہ دال بھی پتلی دو۔ اور بعض ناوان اس سر کو نہیں سمجھتے اور شور مچاتے ہیں۔ پس رسول کریمؐ نے وہ اللہ اکبر مکانوں اور چھتوں اور دیواروں اور منبروں پر چڑھ کر سنایا پس شہوت اور غضب کے وقت بھی اس کو اَکْبَرْ ہی سمجھو۔

ایک شخص کو کسی شخص نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ بہت ناراض ہوا اور اس کی ناراضی امام کے کان میں پہنچی۔ آپ ہنس پڑے اور فرمایا۔ کاش کہ اسی قدر غضب کو ترقی دینے کی بجائے اپنے کسی جھوٹ کو یاد کر کے اس کو کم کرتا۔ حرص آتی ہے اور اس کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت حلال حرام کا ایک ہی مجرا بیٹھتا ہے ایسا نہیں چاہیئے۔ ایک طرف عمدہ کھانا۔ عمدہ نہیں چاہتا۔ دوسری

طرف حکم کی خلاف ورزی۔ سستی کرنا اور یہ دونوں آپس میں نقیض ہیں۔ اس سے عجز اور کسل پیدا ہوتا ہے پس ایسی جگہ میں شہوت پر عفت۔ اور حرص پر قناعت اختیار کرے اور مآل اندیشی کر لیا کرے۔

مال کی تحصیل میرے نزدیک سہل اور آسان امر ہے۔ ہاں حاصل کر کے عمدہ موقع پر خرچ کرنا مشکل امر ہے۔ پس ایک طرف خداشناسی ہو اور دوسری طرف مخلوق پر شفقت ہو۔

اللہ اکبر کا حصول۔ چار دفعہ تم اذان کے پہلے ہر نماز میں سنتے ہو۔ اور سترہ دفعہ امام تم کو نماز میں سناتا ہے۔ پھر حج میں۔ عید میں۔ رسول کریمؐ نے کیسی حکم الٰہی کی تعمیل کی ہے۔ کہ ہر وقت اس کا اعادہ کرایا اور یہ اس لئے کہ انسان جب ایک مسئلہ کو عمدہ سمجھ لیتا ہے تو علم بڑھتا ہے اور علم سے خدا کے ساتھ محبت بڑھتی ہے۔ پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جاتا ہے جس کے معنے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبود ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر جس طرح خدا نے حکم دیا اُس طرح اسکی کبریائی بیان کر۔ جس طرح اس نے حکم دیا اس طرح نماز پڑھو۔ اسی طرح اس سے دعائیں مانگ۔ پھر یہ طریق کس طرح سیکھنا چاہیئے۔ وہ ایک محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اس سے جا کر سیکھو پھر جب ان احکام کی تعمیل میں تو مستعد ہو جاوے تو حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ آ نماز پڑھ کہ وہ تجھے بدی سے روکے۔ پھر نماز کے معانی سیکھنا کوئی بڑی بات نہیں۔ کودن سے کودن آدمی ایک ہفتہ میں یاد کر لیتا ہے۔

ایک امیر میرا مربی تھا۔ اس کے دروازہ پر ایک پوربی شخص صبح کے وقت پہرہ دیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ صبح کی نماز کو نکلے تو وہ خوش الحانی سے گا رہا تھا۔ کہا۔ تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جواب دیا کہ پہرہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تمہارا پہرہ دن میں دو گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ ہم تمہارا پہرہ پانچ وقت میں بدل دیتے ہیں۔ تم تھوڑی دیر کے واسطے آ جایا کرو۔ اور نماز کے وقت میں پانچوں وقت اسکے وقت کو تقسیم کر دیا اور اس وقت جاتے جاتے اس کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے معنے سکھا دیئے کہ میری واپسی پر یاد رکھنا۔ چنانچہ جب وہ نماز صبح پڑھ کر واپس آئے تو اس نے یاد کر لئے تھے۔ آ کر اس کو رخصت دیدی۔ پھر الحمد شریف کے معنے بتا دیئے۔ غرض عشاء کی نماز تک اَلْحَمْد اور قُل کے معنے اُس نے پورے یاد کر لئے۔ ایک دفعہ کچھ عرصہ کے بعد اسکا پہرہ پچھلی رات میرے مکان پر تھا میں نے سُنا کہ وہ بارہویں پارہ کو پڑھ رہا تھا۔ غرض دریافت پر کہا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بارہ سپارہ بامعنی یاد کر لئے ہیں۔

پس قرآن کا پڑھنا بہت آسان ہے۔ نماز گناہ سے روکتی اور گناہ سے رُکنے کا علاج ہے۔ مگر سنوار کر پڑھنے سے۔ غافل سوتے ہوئے اٹھ کر نجات کے طالب بنو۔ اور اذان کی آواز پر دوڑو۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ ہاں بلانے والا پہلے اپنا دامن پاک کرلے۔ پھر کسی کو بلاوے۔ جب اذان سن لے تو درود پڑھے کہ یا اللہ ہمارے نبیؐ نے کس جانفشانی اور محبت اور ہوشیاری سے خدا کی تکبیر سکھلائی اور تم تک پہنچائی ہے۔ اس پر ہماری طرف سے کوئی خاص رحمت بھیج دو اور اس کو مقام محمود تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے۔ (الحکم ۲۴ ,دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۹)

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ : مزمل اور مدثر دونوں لفظوں کے معنے قریب قریب ایک ہیں۔ مدثر دثار سے مشتق ہے۔ دِثار وہ کپڑا ہے جو شعار کے اوپر پہنا جاوے اور شعار وہ کپڑا ہے جو جسم سے ملا رہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ الا نصار شعار وَالنَّاس دثارٌ۔

یہ سورۃ شریفہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی دعوت کے وقت کی وحی ہے۔ اور اس کی قوت وشوکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآنِ پاک کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا نزول ابتدائی وقت میں ہے جبکہ کوئی جتھا آپؐ کے پاس نہ تھا۔

قُمْ فَأَنْذِرْ : سورۃ مزمل میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ اور تقرب الی اللہ حاصل کرنے کا حکم ہوا تھا اور اس سورہ شریفہ میں ارشاد وہدایت خلق اللہ کا حکم فرمایا ہے پہلی شق مرتبہ کمال اور دوسری شق مرتبہ تکمیل کے متعلق ہے۔ اسی لئے مرتبہ کمال کو مرتبہ تکمیل پر مقدم رکھا۔ سورۃ ما قبل میں قُمِ الَّيْلَ (مزمل:۳) فرمایا تھا اور اس سورۃ میں قُمْ فَأَنْذِرْ فرمایا۔ قُمِ الَّيْلَ اپنے کمالِ نفس کی تحصیل کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور قُمْ فَأَنْذِرْ تکمیل خلق اللہ کے حاصل کرنے کی جانب ایماء کر رہا ہے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ : ربّ کا لفظ تکمیل کو چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ اپنے ربّ کی عظمت بیان کر۔ جس وقت آپ مبعوث ہوئے اس وقت مشرکین عرب ربّ النوع کی پرستش کرتے تھے اور أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی عبادت ہوتی تھی۔ اس میں پیشگوئی ہے کہ اللہ اکبر کے نعروں کے بلند ہونے کا وقت آگیا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ : اپنا آپ پاک بنا ؤ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ ,مارچ ۱۹۱۲ء)

یہ سورۃ المدثر کا ابتداء ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ کس نے فرمایا ہے۔ تمہارے ربّ محسن۔ مربی

منعم اور بڑے بادشاہ نے فرمایا ہے۔ اُس مولیٰ نے جس نے تم کو ہاتھ۔ ناک۔ کان دیئے۔
ایسا محسن۔ مربّی۔ اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے۔ یَآاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ ہوا اور کھانے پینے کے بغیر کسی کا گزارہ نہیں ہوتا۔ مگر اب بھی ایسی قومیں ہیں کہ وہ کپڑے وغیرہ کا استعمال نہیں جانتیں۔ بنارس میں ایک ساد ہو تھا۔ وہ ننگا رہا کرتا تھا۔ لوگ اسکی بڑی قدر کرتے تھے۔ افریقہ میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ بیویوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ مگران میں وحشت ہے اور ننگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے۔ کہ ہم نے تجھ کو لباس پہنایا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ اس لئے کھڑا ہوجا۔ اور کھڑے ہوکر جو لوگ بدکار ہیں۔ نافرمان ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کو ڈراؤ۔ میرا خیال ہے کہ جو حکم کوئی بادشاہ کسی جرنیل یا بڑے حاکم کو دیتا ہے۔ اس کی تعمیل اسکی سپاہ اور رعایا پر بھی فرض ہوجاتی ہے یہ حکم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے۔ اس لئے یہ ہم پر بھی فرض ہے۔ بہت سارے لوگ ایماندار بھی بنتے ہیں اور پھر شرک بھی کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا اگر تم حکم مانوگے تو وہ تم کو گمراہ کردیں گے خدا کا حکم مانو بادشاہ اور بڑے بڑے حکام لوگوں کی اصلاح کیلئے کیسے کیسے قانون بناتے ہیں۔ اور دو تین برس اسکی نگرانی کرتے اور پھر اس کو جاری کرتے ہیں۔ پھر اس پر نظر ثانی کرکے اصلاح کرتے ہیں۔ پھر اس کو شائع کرتے ہیں۔ غرض مقنن اور تجربہ کار لوگ کیسی کیسی تکلیفیں لوگوں کی بھلائی کیلئے برداشت کرتے ہیں لیکن لوگ اسکی بھی نافرمانی کرتے ہیں۔ دیکھو پولیس کیسی کوشش لوگوں کے امن وامان کیلئے کرتی ہے اگرچہ پولیس میں بھی بعض بدکار پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن تاہم وہ لوگوں سے چوری' بدکاری چھڑانے میں کوشاں رہتی ہے۔ لیکن جسقدر نئے نئے قانون وضع ہوتے ہیں۔ اسی قدر شریر لوگ شرارت کی راہیں نکال لیتے ہیں اس لئے ہر ایک شخص کو تم میں سے چاہیئے تھا کہ وہ اٹھ کر ہر روز لوگوں کو سمجھائے۔ اگر کوئی کسی کی بات نہیں مانتا۔ تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ لوگ بادشاہوں۔ حکاموں اور دیگر اپنے بھی خواہوں کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اس لئے خدا کا حکم ہے۔ کہ تمہارا کام سمجھانا اور ڈرانا ہے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ لوگوں کو سمجھاتے جاؤ اور ڈراتے جاؤ اور اس ڈرانے میں یہ کوشش کرو۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

یعنی خدا تعالیٰ کی عظمت۔ جبروت کا ذکر ہو اور اپنی غلطیوں کی بھی اصلاح کرو۔ چوری۔ بدنظری بدکرداری اور دیگر تمام بدیوں کو پہلے خود چھوڑ دو اور یہ وعظ اس لئے نہ ہو کہ بس آپ کھڑے ہوئے یہ کہو۔ کہ میرے لئے کچھ پیسے جمع کرو۔ بلکہ محض اللہ کیلئے کرو۔
مَیں سَآئِل سَآئِلِ کیلئے پکا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ارادہ الٰہی کچھ اس طرح تھا۔ یہ بڑا

معرفت کا نکتہ ہے۔ جو میں نے تمہیں ستایا ہے۔ دوسروں کو ضرور ہر روز نصیحت کرو۔ اس سے تین فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل خدا کے منکر۔ نہی عن المنکر کی تعمیل ہوتی ہے۔ دوسرے ممکن ہے کہ جس کو نصیحت کی جائے۔ اس کو نیک کاموں کی توفیق ملے۔ تیسرے جب انسان اپنے نفس کو مخاطب کرتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے اور اس کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ تمہارے بیان بیان میں خدا کی عظمت اور اس کی قدرت و تصرف کا ذکر ہو۔ اس کا تین طرح دنیا میں مقابلہ ہوتا ہے بعض لوگ تو منہ پر کہہ دیتے ہیں کہ نہ ہم مانتے ہیں اور نہ ہم سننا چاہتے ہیں۔ اور بعض سنتے ہیں مگر عمل کرنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ قسم قسم کی وجوہات نکال کر واعظ میں نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مگر واعظ کو چاہیئے کہ اللہ کیلئے صبر کرے اور اپنا کام کرتا چلا جائے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۲ء بدر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۲ء صہ ۳)

اے لحاف میں لپٹے ہوئے (یہ اشارہ قبل نبوت کی حالت پر ہے) کھڑا ہو۔ پھر ڈر سنا۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی کو چھوڑ دو اور نہ کر کہ احسان کرے اور بہت چاہے اور اپنے رب کی راہ دیکھ۔

ثِیَاب کے معنی نفس اور دل کے بھی ہیں۔ محاورہ ہے۔ سَلِّیْ ثِیَابِیْ مِنْ ثِیَابِكِ اَیْ قَلْبِیْ مِنْ قَلْبِكِ۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صہ ۲۶)

۶- وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۶﴾

رُجْز میں دو لغت بیان ہوئے ہیں۔ ایک رُجْز اور دوسرا رِجْز۔ دونوں صورتوں میں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کما قال "لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ (الاعراف: ۱۳۵) اس آیت میں رِجْز کے معنے عذاب کے ہیں اور بتوں کی پرستش اور شیطان کے مکر و فریب کو اس واسطے رجز کہا جاتا ہے۔ کہ یہ چیزیں عذاب کی باعث ہیں اور اس حکم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی طہارت کی تعلیم فرمایا (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر مارچ ۱۹۱۲ء)

۷- وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۷﴾

قرآن کریم کی تعلیم احکام الٰہی کی تبلیغ یا مالی احسان کے کسی کو بایں غرض منت و احسان نہ جتا کہ آپ اس سے کثرت مال۔ کثرت جاہ یا بہتر بدلہ طلب کرے۔ اور کوئی چیز کسی شخص کو بہ ایں نیت

ہرگز نہ دے کہ وہ اس کا بدلہ زیادہ کر کے آپ کو دیوے کیونکہ یہ فعل تلویث باطن میں نجاست کا حکم رکھتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۹- فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٩﴾

نقر کے معنی کلام عرب میں آواز دینے کے ہیں۔ جب کوئی کسی شخص کو نام لے کر پکارتا ہے تو نَقَرَ بِاسْمِ الرَّجُلِ کہتے ہیں۔ اعلان کے ساتھ کسی چیز کو ٹھونک بجا کر اطلاع دیتے ہیں۔ تو اس کو بھی اسی لئے نقارہ کی چوٹ سے یا ڈھنڈوری سے اطلاع عام دینا کہتے ہیں۔ جنگوں میں بھی نقارہ بجایا جاتا ہے۔ جنگوں کو بھی عذاب فرمایا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی " قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ (التوبہ : ۱۴) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۲- ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١٢﴾

وَحِيدًا کے معنی بے نظیر، اوصاف میں منفرد۔ ولید بن مغیرہ کے دو لقب مکہ میں مشہور تھے۔ ایک وَحِيد اور دوسرا رَيْحَانَةُ قُرَيْش۔ وہ اپنے شعر و سخن اور منظر کی خوشنمائی میں شہرت رکھتا تھا۔ مال و فرزند بھی اس کے زیادہ تھے۔ مگر بایں ہمہ پرلے درجے کا ناسپاس و ناشکر گزار تھا۔ اس کی اولاد دس یا تیرہ مع الاختلاف تھی۔ خداوند تعالیٰ کا نپٹنا اس کے ساتھ اس طرح ہوا۔ کہ ولید بن ولید خالد بن ولید۔ ہشام بن ولید مشرف باسلام ہوئے اور اس کے چہیتے بیٹے اس سے بیزار ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ بعضے اس کی آنکھوں کے سامنے کھپ گئے۔ مال و دولت میں پے در پے نقصان ہونے لگا اور آخر الامر خود آپ نہایت ذلت اور افلاس کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ نزول آیت کا اگرچہ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر اعتبار اس کا عام ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی ایسی نظیریں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں جن کا بیان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب حقیقۃ الوحی میں نام بنام نمبروار درج ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيَرْجِعْ إِلَيْهِ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۱۹ تا ۲۵- إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٩﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٣﴾ ثُمَّ

اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۵﴾

چونکہ نامی شاعر تھا اسلئے جب قرآن شریف کی نسبت لوگوں نے پوچھا تو اس نے اٹکل دوڑائی۔ خدا کی مار۔ اٹکلیں دوڑا کر کہا تو یہ کہا۔ کہ یہ تو جادو بھرا مؤثر کلام ہے اور اس کلمہ کو تیوڑی چڑھا کر اور بُرا سامنہ بنا کر حقارت آمیز لہجہ میں ادا کیا کما قال: عَبَسَ وَبَسَرَ...... فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۳۰۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۳۰﴾

چونکہ کلام کے وقت منہ بنا کر بشرے سے حقارت آمیز ادا کو ظاہر کیا تھا اس لئے جَزَاءً وِّفَاقًا (النّبا: ۲۷) کے طور پر بشرے کو جھلس دینے والی آگ کا ذکر فرمایا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۳۱۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۱﴾

بتلایا گیا ہے کہ جہنم کے داروغے انیس [۱۹] ہیں۔ اس عدد میں ایک عجیب راز ہے۔ دانشمند غور کریں تو وہ اس قرآنی فلسفہ سے لطف اٹھائیں۔ انسان کے وہ اعضاء و قویٰ کہ جن سے خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ظہور ہو سکتا ہے۔ وہ بھی تعداد میں انیس [۱۹] ہی ہیں۔ دو ہاتھ [۲]۔ دو پاؤں [۴]۔ زبان [۵]۔ دل [۶]۔ آلۂ تناسل۔ مقعد۔ پیٹ [۹]۔ منہ [۱۰]۔ حواس خمسہ [۱۵]۔ فکر [۱۶]۔ عقل [۱۷]۔ شہوت [۱۸]۔ غضب [۱۹]۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۳۲۔ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ

اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا

ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۲﴾

مسیح علیہ السلام کے ماسوا کس قدر انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ کے مامور گزرے ہیں۔ کیا کسی کا نسب نامہ قرآن کریم میں لکھا ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ پس سب کے وجود کا علم بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ وہ کس طرح پیدا ہوئے۔

(نورالدین طبع سوم صـ۱۸۱)

ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ: یہ پیشگوئی ایک شخص کو تاریخی انسان بنانے والی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

آریہ مکذب براہین احمدیہ کے اعتراض

"آریہ محمدی لوگوں کی طرح پانچ ہزار سال یا چھ ہزار سال سے خالق۔ رازق۔ مالک۔ رحیم۔ عادل اور قادر مطلق نہیں مانتے۔"

کے جواب میں فرمایا:۔

تمام قرآن کریم اور حدیث نبی رؤف الرحیم میں سے یہ قول نکال دیجئے۔ کہاں اسلام نے کہا ہے کہ خدا پانچ چھ ہزار سال سے خالق۔ رازق۔ مالک رحیم۔ عادل اور قادر مطلق ہے۔ خدا کے واسطے کچھ تو خوف الٰہی کو دل میں جگہ دو۔ عدالت الٰہی کا دھیان کرو۔ صرف نیشنلٹی اور صرف دنیوی پالیسی کس کام آوے گی۔ باری تعالیٰ عالم الغیب اور انتریامی اور عادل ہے۔ علیم بذات الصدور ہے۔ راستی پر اپنے فضل سے آرام کا داتا ہے۔ مسلمان تو اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے رازق۔ مالک۔ عادل۔ رحیم۔ قادر یقین کرتے ہیں۔ بلکہ ایک جم غفیر مسلمانوں کا عینیت صفات کا قائل ہے۔ جس سے صاف عیاں ہے۔ کہ صفات اپنے موصوف سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ سو راقم عینیت صفات کا قائل نہیں۔ مگر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی موصوف کسی وقت اپنے لازمہ صفات سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا خالق رازق ہونا بلحاظ انسانی پیدائش کے آپ لیتے ہیں۔ تو بتائیے مرنے کے وقت انسان کہاں ہوتے ہیں۔ جن کا وہ خالق رازق ہوتا ہے۔

ہم زیادہ بحث نہیں کرتے۔ پانچ چھ ہزار برس سے کل مخلوق کی پیدائش کا زمانہ بلکہ انسانی پیدائش کا زمانہ قرآن کریم یا حدیث نبی رحیم سے نکال دیجئے۔ پس اسی پر فیصلہ ہے۔ تعجب ہے کہ آپ نے خود صفحہ ۲۳ میں ارقام فرمایا ہے۔

"یہ امر مسلم فریقین ہے۔ کہ پرمیشور اور اس کی سب صفات اور علم اور ارادہ قدیم ہیں۔ اس واسطے اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔"

پھر میں کہتا ہوں۔ اگر یہ بات مسلم فریقین ہے۔ تو آپ نے صفحہ ۲۲ میں کس بناء پر اسلام کو الزام لگایا کہ محمدی پانچ ہزار سال سے اللہ تعالیٰ کو خالق رازق جانتے ہیں۔ غرض اسلام تو اللہ تعالیٰ کی اتنی مخلوق کا قائل ہے جو حدو شمار سے باہر ہے۔ دیکھو قرآن کریم میں صاف موجود ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ

تیرے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے کسی قدر علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔

اور اسلامیوں کی مسلم الثبوت اور اعلیٰ درجہ کی کتاب صحیح بخاری میں كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کے یہ معنے لکھے ہیں۔

لَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُرِدْ شَيْئًا اِلَّا اَصَابَ بِهِ الَّذِيْ اَرَادَ

یعنی "اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا ہی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے۔ وہ کام ہو ہی جاتا ہے"

(بخاری تفسیر سورۃ حٰم السجدہ) (تصدیق براہین احمدیہ صہ ۴۴-۴۵)

۳۸- لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۸﴾

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے۔ یا پیچھے ہٹنا چاہے۔ اس کیلئے انذار مفید ہو سکتا ہے مگر جس کے دل میں جنبش ہی نہ ہو۔ نرا ٹھوس ہے۔ انذار اور عدم انذار کو دونوں ہی کو برابر سمجھتا ہے اور جگہ سے ہلنا ہی نہیں چاہتا ہے۔ اس کیلئے قرآن شریف کا اترنا اور نہ اترنا گویا دونوں برابر ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

۴۹ - كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾

ہر شخص کو اس دنیا میں بھی اپنے اپنے اعمال کے موافق جزا سزا مل رہتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ ایک شخص نے ناجائز کمائی سے ایک مکان تعمیر کرایا۔ آخر نہ خود اس کو اس مکان میں رہنا نصیب ہوا اور اس کی اولاد بھی ایسے مکان میں نہیں رہتی۔ بخلاف صالح انسان کے کہ خدا اسکی اولاد کا بھی متکفل رہتا ہے۔ یتیم بچوں کا کوئی نیک عمل نہ تھا۔ مگر كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (کہف : ۸۳) فرمایا اور باپ کی صلاحیت بیٹوں تک کو مفید ہوئی۔ یہی حال ہر شخص کا اپنے اعمال میں مرہون رہنا ہے ایک شخص کے اگر آتشک ہوتی ہے تو کئی پشت تک یہ موذی مرض اسکی اولاد میں چلا جاتا ہے

۵۱ - كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۱﴾

حُمُرٌ جمع ہے حمار کی۔ حمار کو حمار اس مناسبت سے کہتے ہیں۔ کہ اس کی چیخ پکار کے وقت اس کی آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح ہر صادق کے مقابلہ میں گدھوں کی طرح مخالفوں کا سخت غیظ و غضب ہوتا ہے۔ جہاں سخت مخالفت ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل حق ضرور ہوتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :

زِ اوّل چنیں جوش بین تا بآخرم

۵۲ - فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۲﴾

قَسْوَرَةٍ : قَسَرَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے قہر اور غلبہ کے ہیں۔ اہلِ عرب بولا کرتے ہیں لُيُوْثٌ قَسَاوِرَةٌ۔ لیوث جمع لیث کی ہے۔ لَيْثٌ بمعنی شیر۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اَلْقَسْوَرَةُ هِيَ الْاَسَدُ۔ قسورة ان تیر اندازوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں۔ جو جنگلی گدھوں کا شکار کرتی ہیں

۵۳ - بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾

شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن حاشیہ میں فرماتے ہیں۔
"ہر کوئی نبی ہوا چاہتا ہے کہ کھلی کتاب پاوے آسمان سے" (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۵۶، ۵۷ - فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۔ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

معدوم کو موجود کرنا خدا کا کام ہے۔ مخلوق میں۔ ہاں حیوان اور انسان کے دل میں کسی ارادے اور مشیت کا پیدا کرنا بیشک باری تعالیٰ کا کام ہے۔ الا ہر ایک منصف جانتا ہے کہ صرف مشیت اور ارادے کے وجود سے کسی فعل کا وجود ضروری اور لازمی امر نہیں۔ یقیناً قویٰ فطری کا خلق اور عطا کرنا جن پر ہر گونہ افعال کا وجود و ظہور مترتب اور متفرع ہوسکتا ہے۔ خالق ہی کا کام ہے۔ اس لطیف نکتہ کے سمجھانے کیلئے اور نیز اس امر کے اظہار کرنے کو قویٰ طبعی اور کائنات سے کوئی وجود اصل امر خلق میں شریک نہیں۔ سب اشیاء کی علت العلل میں ہی ہوں۔ باری تعالیٰ سب افعال کو بلکہ ان افعال کو بھی جو ہم معائنہ اور مشاہدہ کے طور پر انسان اور حیوان سے سرزد ہوتے دیکھتے ہیں اپنی نسبت کرتا ہے۔ کہیں قرآن میں فرماتا ہے۔ ہوا بادلوں کو ہانک لاتی ہے۔ کہیں فرماتا ہے۔ ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں۔ ہم ہی گایوں اور بھینسوں کے تھنوں میں دودھ بناتے ہیں۔ ہم ہی اناج بوتے ہیں۔ ہم ہی کھیت اُگاتے ہیں۔ اور تأمل کے بعد یہ سب نسبتیں جو ظاہراً متضاد الطرفین ہیں۔ بالکل صحیح اور حقیقتہً بالکل صداقت ہے۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۶۲)

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ، ھُوَ کو مقدم اس لئے رکھا کہ سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرا کوئی اہل نہیں کہ اس پر جان فدائی کی جاوے جیسے فرمایا هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (مومن: ۶۶) تقویٰ کے ساتھ مغفرت کو اس لئے قرین رکھا کہ ہر نبی ولی نے تقویٰ کی تیز اور خونخوار راہوں میں اپنی بشری کمزوریوں کا اعتراف کیا ہے حضرت اقدس مرحوم و مغفور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں؛ در کوئے تو گر سرِ عشاق را زنند ؛ اول کسے کہ لافِ تعشق زند منم

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

۲۔ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿٢﴾

لَا کو اکثروں نے زائد بتایا ہے ۔ اور حدیث شریف میں ہر ہر حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب مذکور ہے ۔

جب بات سمجھ میں نہ آئی ۔ تو وہ زائد ہی ہوئی ۔ کفار کو جس قدر بعث بعد الموت کے مسئلہ پر انکار و اصرار تھا ۔ ایسا کسی دوسرے مسئلہ پر سوائے شرک کے نہیں تھا ۔ چنانچہ نہایت ہی تعجب ہے ۔ کفار نے کہا ۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سبا : ۸)

ادھر سے انکار پر اس قدر اصرار تھا اور ادھر اثبات بعد الموت پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے ۔ اس ردّ و کد کو مدّ نظر رکھ کر مخاطب کے مافی الضمیر پر انکاری طریق کلام کا افتتاح " لا " کے لفظ سے فرمایا ہے ۔ یعنی قَوْلُهٗ تعالیٰ : زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا (تغابن : ۸) میں جو زعم کے منکران بعث بعد الموت کے ضمیر میں رچا ہوا تھا ۔ اس کی نفی " لا " کے لفظ سے کرتے ہوئے کلام کو شروع کیا ۔ اس قسم کا محاورہ ہر زبان میں ہوا کرتا ہے ۔ جس کو مخاطب سخن بلا شک و شبہ پہچان لیتا ہے ۔ کہ یہ " لا " میرے مافی الضمیر کا ردّ ہے ۔ اس کے یوم القیامہ اور نفس لوامہ کو بعث بعد الموت پر اس طور پر گواہ ٹھہرایا ہے ۔ کہ یوم القیامہ سے جنگ کی مصیبت کا دن اور اپنے نفس پر کفار کی ملامت کا اعتراف ثبوتِ دعویٰ بن گیا ۔ دنیا میں جنگ کیلئے محشور ہونا آخرت کے حشر کیلئے اور دنیا کی شکستوں پر اپنے نفسوں کو ملامت کرنا آخرت کے جزا و سزا کیلئے ثبوت ٹھہرا

قیامۃ ؛ کھڑا ہونا

۱۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ ۔

۲۔ قوم کی قیامت۔ جیساکہ بنوامیّہ پر سو سال کے بعد قیامت آئی۔ اور وہ زبان عربی کے بولنے والے حکّام پر قیامت تھی۔

۳۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ (حج : ۴۸)

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کیا میری اُمّت آدھا دن نہ کاٹے گی۔ اہلِ اسلام کا عروج قریب پانچ سو سال رہا۔

۴۔ ہزار سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں بہت رَوْلا پڑ گیا۔ یہ بھی ایک قیامت ہے۔

۵۔ یوم الساعۃ

۶۔ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ : مصیبت کے وقت کو بھی کہتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

اس سورۃ شریف میں اللہ تعالیٰ ایک فطرت کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتا ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ذِکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری فطرت میں سب قسم کی نیکیوں کے بیج بوئے تھے۔ انکو یاد دلانے اور انکی نشو ونما کیلئے قرآن کریم کو نازل کیا۔ وہ جو فطرتوں کا خالق ہے اس نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔ مسیحی لوگوں کو ایک غلطی لگی ہے۔ پولوس کے خط میں ہے کہ یہ شریعت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ کہ وہ ثابت کرے کہ تم شریعت کی پابندی نہیں بجالا سکتے۔ گویا شریعت کو نازل کر کے انسان کی کمزوری کا اس پر اظہار کرتا تھا اس لئے پلید تعلیم دی گئی کہ نجات کی راہ شریعت کو نہ مانو۔ بلکہ کسی اور شے کو مانو۔ مَیں نے بعض مشنریوں سے پوچھا ہے۔ کہ جب شریعت کی پابندی تم سے نہیں ہو سکتی۔ تو تمہارے جو اور قوانین ہیں۔ ان کی پابندی تم کیسے کرتے ہو۔ ہر ایک انسان جب بدی کرتا ہے تو اس بدی کے بعد اس کا دل اسکو ملامت کرتا ہے اور ہر سلیم الفطرت اس بات کی تصدیق کریگا کہ ہر بدی کے ارتکاب کے بعد اسکا دل اسکو ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ گو کسی وقت ہو۔ مَیں نے لوگوں سے اور اپنے نفس سے بھی پوچھا ہے۔ چنانچہ جواب اثبات میں ملا۔ چور کو چوری کے بعد ایسی ملامت ہوتی ہے۔ کہ وہ چوری کے اسباب کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اور قاتل دونوں ارتکابِ جرم کے بعد کہیں بھاگنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹا آدمی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کے بعد اس کو ملامت ہوتی ہے کہ یہ بات ہم نے جھوٹ کہی۔ غرض ہر بدی کے بعد ایک ملامت ہوتی ہے۔ جس بدی کو انسان کرتا ہے اسی بدی کے متعلق اگر اس سے تفتیش کی جائے

تو ایک حصہ میں چل کر وہ منکر ہو جاتا ہے۔ مَیں نے بعض چوروں سے پوچھا کہ اعلیٰ درجہ کی چوری میں مال پر ہاتھ تو مشکل سے پہنچتا ہے۔ پھر کسی کے ہاتھ سے نکلواتے ہو کسی کے سر پر رکھتے ہو۔ کسی سنار کو دیتے ہو کہ وہ زیورات کی شکل وہیئت کو تبدیل کر دے۔ اس نے کہا کہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم سنار کو سو روپے کی چیزیں پچھتر روپے میں دیتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اگر وہ سو روپے کی چیز ساٹھ روپے میں رکھ لے تو پھر ہم کیا کرو۔ تو مجھے جواب دیا کہ ایسے حرامزادے بے ایمان کو ہم اپنی جماعت سے نکال دیں گے! میں نے کہا کہ وہ بے ایمان بھلا کیسے ہو؟ کہنے لگا۔ کہ چوری ہم کریں۔ مصیبت ہم اٹھائیں اور مال وہ کھا جائے۔ تو پھر بھی اگر بے ایمان نہ ہو تو اَور کیا ہوگا! مَیں نے کہا۔ اچھا وہ سنار تو صرف تمہاری اتنی ہی سی مشقت برداشت کی ہوئی دولت کو غبن کر کے بے ایمان اور حرام زادہ ہو گیا مگر تم جو اوروں کی برسوں تک مصیبت اٹھا اٹھا کر جمع کی ہوئی دولت کو چرا لاتے ہو۔ بے ایمان اور حرام زادے نہیں؟ اس کا جواب مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا!

اسی طرح مَیں نے ایک کنجن سے پوچھا کہ تم اس پیشہ کو بُرا نہیں سمجھتے؟ کہا۔ کہ نہیں! مَیں نے کہا کہ اپنی بیوی سے زنا کرا سکتے ہو؟ کہا کہ غیر کی لڑکی کو خراب کرنا اچھا نہیں! مَیں نے کہا کہ تم نے خراب کا لفظ بولا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ جو لوگ تمہارے یہاں زنا کرنے کیلئے آتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک وہ غیر کی لڑکی نہیں ہوتی؟

قیامت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ اگر جزا سزا نہ ہوتی تو نفسِ لوامہ تم کو ملامت ہی کیوں کرتا۔ نفسِ لوامہ قیامت کا ثبوت ہے۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکتے اور ہڈیاں تو الگ رہیں ہم تو پوروں کی ہڈیوں کو بھی جمع کر دیں گے۔ بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ہر ایک آدمی جب بدی کرتا ہے تو وہ اسکو بدی سمجھتا ہے۔ تب ہی تو اس کو غالباً چھپ کر کرتا ہے۔

ایک شہر میں ایک بڑا آدمی تھا۔ مجھ سے اس کی عداوت تھی۔ مجھے خیال آیا۔ مَیں اس کے پاس گیا۔ وہاں لوگ جمع تھے۔ جوں جوں لوگ کم ہوتے جاتے۔ میں آگے بڑھتا جاتا تھا۔ جب سب لوگ چلے گئے۔ اور دو آدمی ایک اس کا منشی اور ایک شخص جو میرے دوست تھے رہ گئے تو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا آج آپ کیسے آئے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرنیوالا کوئی نہیں۔ کوئی ناصح تو آپ کو نصیحت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ بڑے آدمی ہیں مگر ہر ایک بڑے آدمی کیلئے اسکے شہر میں کھنڈرات اس کیلئے ناصح ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی یادگار

نہیں؟ اس نے کہا کہ مولوی صاحب میرے آگے آئیے۔ میں بہت آگے بڑھا وہ مجھ کو کھڑکی کے بالکل پاس لے گیا۔ جس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا اور آگے ہو جئے۔ میں اور آگے بڑھا۔ اس نے پھر کہا اور آگے ہو جئے۔ اور آگے تو کیا ہوتا۔ میں نے اس کھڑکی میں اپنے سر کو بہت قریب کر دیا۔ اُس نے کہا کہ یہ جو آپ کے سامنے ایک محراب دار دروازہ نظر آتا ہے۔ اس کا مالک میری قوم کا آدمی تھا اور وہ اتنا بڑا شخص تھا کہ ایک قسم کی سُرخ چھتری جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا کرتا تھا تو اس کے اوپر لگا کرتی تھی اور میں سیاہ بھی نہیں لگا سکتا۔ اب اس کی بیوی میرے گھر میں برتن مانجھنے پر ملازمہ ہے۔ یہ بھی سُن لیجئے کہ میں اپنے اس تخت کو چھوڑ کر جو آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے ہمیشہ اس کھڑکی میں بیٹھا کرتا ہوں۔ مگر اس تخت کو چھوڑنے اور اس کھڑکی میں بیٹھنے کی حقیقت مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ پھر جب کچہری کا وقت ہو گیا۔ میں اسی جوش میں کچہری گیا۔ رئیس شہر اکیلا تھا۔ میں نے وہی بات کہی تو رئیس نے مجھے ایک قلعہ دکھلایا اور کہا کہ یہ اس شہر کے اصل مالک کا ہے۔ جو اب کسی ذریعہ سے ہمارے قبضہ میں آگیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ یہ پہاڑ جو آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس کا نام دھارانگر ہے۔ اس پر اتنا بڑا شہر آباد تھا کہ ہمارے شہر کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی یہ مجلس بھی میرے لئے ہر وقت نصیحت ہے۔ اور جہاں ہم راج تلک لیتے ہیں وہاں تمام ارد گرد کچے مکانات اصل مالکوں کے ہیں اور یہ تین ناصح ہر وقت نصیحت کیلئے میرے سامنے موجود رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھے۔

جب خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھو جیسے گناہ کرتے ہو۔ انکی سزا پانیوالے تمہاری آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں۔ پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

ہمارے یہاں تمہارے جھگڑے فیصلہ نہیں پاتے۔ کچھ لوگوں نے عذر کیا ہے۔ اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ (بدر حصہ دوم ۲۸ ر نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۵-۸۶)

۷۔ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۷﴾

اَيَّانَ کے لفظ میں بھی استعجاب اور استبعاد شدید کفار کی طرف سے بیان ہوا ہے۔ یعنی کہاں ہوگی قیامت؟ ہوتی ہواتی کچھ نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۸ تا ۱۱۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۸﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۹﴾ وَجُمِعَ

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۱۰﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۱﴾

برق بصر سے مراد تحیّر و فزع ہے۔ جو انسان کی مصیبت کے وقت آنکھیں پھاڑ دیتا ہے مصیبت کا وقت آئے تو ساری تدبیریں اُلٹ پڑتی ہیں۔ عقل ہوتے ہوئے عقل کام نہیں دیتی گویا کہ نورِ فراست کو بھی گرہن لگ جاتا ہے۔ گرہن کی اصل بھی اقتران شمس و قمر ہے۔ یعنی ایک کا وجود دوسرے کے بالمقابل حائل ہو جاتا ہے جو نور کے ہوتے ہوئے نور نظر نہیں آتا۔

یوم بدر ظاہری طور پر بھی بجلی کوندی۔ مینہ برسا۔ تدبیریں کفار کی ان پر اُلٹ پڑیں۔

اَیْنَ الْمَفَرُّ، کہنے سے بھی کام نہ چلا۔ قرآن کریم چونکہ ذوالمعارف ہے۔ لَا تَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ اس کی شان حدیث شریف میں بیان ہوئی ہے۔ اس لئے یہ پیشگوئی اجتماع شمس و قمر کی گرہن کے ساتھ ہمارے اس زمانہ میں بھی مطابق دار قطنی جس میں لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ۱۸۹۴ء میں بڑی شان و شوکت سے مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقِ دعویٰ کی علامت میں پوری ہوئی۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر جس طرح بدر کے شکست خوردوں کو اَیْنَ الْمَفَرُّ! کہنے نے فائدہ نہ دیا اسی طرح اس وقت کے مخالفوں کو باوجود حدیث شریف کی فعلی شہادت کے ضعف حدیث کو اپنا فرضی مفر قرار دینا پڑا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

۱۴۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۴﴾

متنبہ کیا جائے گا انسان اُس دن اُن کاموں سے جو اس نے نہ کرنے تھے اور کئے۔ اور نیز متنبہ کیا جائے گا۔ اُن کاموں سے جو اس نے کرنے تھے اور نہ کئے۔

قَدَّمَ : وہ کام جو نہ کرنے کے تھے۔ کر لئے۔

اَخَّرَ : وہ کام جو کرنے کے تھے۔ نہ کئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

استغفار کیا ہے۔ پچھلی کمزوریوں کو جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً۔ غرض مَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ۔ جو نہ کرنے کا کام آگے کیا اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے۔ اپنی تمام کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی ساری نارضامندیوں کو مَا اَعْلَمُ وَمَا لَا اَعْلَمُ کے نیچے رکھ کر یہ دعا کرے کہ میری غلطیوں کے

بدنتائج اور بداثر سے مجھے محفوظ رکھ اور آئندہ کیلئے ان بدیوں سے محفوظ فرما۔ یہ ہیں استغفار کے مختصر سے معنے۔ (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲، الحکم ۲۶ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

۱۷ تا ۲۰۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۷﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۲۰﴾

نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے۔ اُس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھانا۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ تُو اس کے پڑھنے کے پھر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول بتانا۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۲۷)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ:

آیت باب ذوالمعارف ہے اس کے دو ترجمے ہیں۔ ربط ماقبل کے لحاظ سے ایک معنے یہ ہیں کہ "اے معذرت کنندہ۔ عذر بیان کرنے میں تیز زبانی نہ کر" اس صورت میں جَمْعَهٗ میں ہٗ کی ضمیر انسان کے اعمال کی طرف ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ پڑھنے والا جب قرآن شریف پڑھے تو جلدی نہ کرے۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن بتاتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ صرف عثمانؓ کے لفظ کے ساتھ قافیہ ملایا ہے۔ ہاں شائع کنندہ قرآن اگر کہیں تو کسی حد تک بجا ہے۔ آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اس لئے آپ نے چند نسخہ نقل کرا کر مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ بصرہ۔ کوفہ اور بلاد میں بھجوا دیئے تھے۔ اور جمع تو اللہ تعالیٰ کی پسند کی ہوئی۔ ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا تھا اور اسی پسندیدہ ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچایا گیا۔ ہاں اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہم سب کے ذمہ ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ: ہمارے ایک دوست حافظ محمد اسحاق صاحب کی الہامی دلیل ہے جو ان کو بذریعہ الہام کے بتلائی گئی۔ کہ بدلیل اس آیت کے سورۃ الفاتحہ خلف امام ساتوں آیتوں کے ہر ہر وقفے کے درمیان امام کے سکتہ کے وقت مقتدی بھی اپنے منہ میں چپکے چپکے پڑھ لیا کرے۔ حدیث شریف میں سورۃ فاتحہ کو هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمِ فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۱- كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢١﴾

اَلْعَاجِلَةَ : جلدی کی بات جس کا نفع دمِ نقد موجود معلوم ہوتا ہے۔ یعنی دنیا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۴- إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

جمہور اہلِ علم کے نزدیک اس آیت سے دیدارِ الٰہی بلاحجاب ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ لَيْسَ دُوْنَهُ حِجَابٌ

وَيَرَوْنَهُ سُبْحَانَهُ مِنْ فَوْقِهِمْ   نَظَرَ الْعِيَانِ كَمَا يُرَى الْقَمَرَانِ
هٰذَا تَوَاتَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَمْ   يُنْكِرْهُ إِلَّا فَاسِدُ الْإِيْمَانِ
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۵- وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٥﴾

بَاسِرَةٌ : گھبراسے بھرے ہو۔ حواس باختہ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۶- تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٦﴾

فَاقِرَةٌ : کمر توڑ مصیبت۔ فَقَرَاتُ الظَّهْرِ۔ ان ہڈیوں کے منکوں کو کہتے ہیں۔ جو پُشت کی وسط میں اوپر سے نیچے ہوتے ہیں۔ فقر اور فقیر بھی اسی سے مشتق ہے۔ اس کا حال مسکین سے بدتر ہوتا ہے۔ اسی واسطے مصارف صدقات میں فقیر کو مسکین پر مقدم رکھا۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (التوبہ : ۶۰) فقیر کی ایک صفت ایک جگہ بَائِسَ الْفَقِيرَ (الحج : ۲۹) فرمایا ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۷ تا ۳۱- كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٧﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٨﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٩﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٣٠﴾

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴿۳۱﴾

ایسا نہ ہوگا جس وقت سانس ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کون افسوس کرنے والا ہے (جو اسے اب بچالے) اور (مریض) یقین کرتا ہے۔ کہ اب جدائی کا وقت ہے اور سخت گھبراہٹ اس پر طاری ہوتی ہے۔ اس وقت چلنا تیرے ربّ کی طرف ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۰۴)

اَلتَّرَاقِیَ: گلے کی ہنسلی کی جگہ۔ رَقِیَ یَرْقِیْ رقیاً سے ماخوذ ہے۔

وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ: اس کے کئی معانی ہیں۔ ایک تو یہ کہ رقیہ سے مشتق ہے۔ جیسے بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ اس صورت میں جھاڑ پھونک کے معنے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ رَقِیَ یَرْقِی رقیاً سے۔ اس صورت میں راقٍ کے معنے اوپر لے جانے کے ہوں گے اور اس کے کہنے والے فرشتہ ہوں گے۔ نہ میت کے پاس والے۔ فرشتہ عذاب کے اور رحمت کے آپس میں پوچھیں گے کہ رحمت کے فرشتے روح کو آسمان پر لے چڑھیں گے یا عذاب کے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ: حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ نزع روح کے وقت دنیا کا آخر اور آخرت کا اول وقت ملتا ہے۔ یہی لَفِّ سَاقَیْن ہے۔ حسن کہتے ہیں لَفِّ سَاقَیْن سے مراد کفن کا پنڈلیوں میں لپیٹا مراد ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ لَفِّ ساق اصطلاح میں شدت مصیبت سے کنایہ ہے۔ دنیا کی مفارقت کا غم اور آخرت کے حساب وکتاب کا جھگڑا۔ یہ دونوں مل کر لف ساقین ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۳۲، ۳۳- فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ﴿۳۲﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۳۳﴾

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی۔ تصدیقِ رسول کو نماز پر بھی مقدم رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نماز می کنی و قبلہ را نمی دانی ؎ ندانمت چہ غرض زین نماز ہا باشد

جماعت میں جن احباب کو غیر احمدیوں کی امامت کے مسئلہ میں تحقیق منظور ہو۔ وہ اس آیت میں صلوٰۃ پر تصدیق کے مقدم ہونے پر غور کریں۔ بعد تصدیقِ رسول یا امام زمان کے پہلی بات جس کا یوم القیامۃ حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ مِنْ اَعْمَالِهِ الصَّلٰوةُ

روزِ محشر کہ جاں گداز بود ؎ اوّلیں پرسشِ نماز بود

نماز کے محافظ کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین و دنیا کی مشکلات میں اللہ تعالیٰ اس کا ساتھی ونصیر ہوگا۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ " وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ (المائدہ: ۱۳)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۳۴- ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾

يَتَمَطّٰى : مَطّ سے مشتق ہے ۔ مَطّ کے معنے اکڑبازی کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اِذَا مَشَتْ اُمَّتِيْ الْمُطَيْطَا۔ موٹا ہوجانا اردو زبان میں غالباً مَطّ ہی سے بنایا گیا ہے۔ اکڑباز انسان کو کہتے بھی ہیں کہ بہت مُٹیا گیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۳۵، ۳۶- اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۶﴾

اَوْلٰى : بمعنے ویل اور واویلا کے ہیں۔ سورہ محمدؐ رکوعؑ میں ہے فَاَوْلٰى لَهُمْ (آیت: ۹) چار مرتبہ اَوْلٰى اس لئے فرمایا کہ ترک تصدیق و ترک صلوٰۃ کے دو عذاب قبر ہیں اور انہیں دو قسم کے دو عذاب یوم القیٰمۃ ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۴۱- اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۱﴾

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ (الآیۃ) حدیث شریف میں اس آیت کے ختم پر ایک روایت میں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى اور دوسری روایت بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جواباً آیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

٢تا١٢ - هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ
يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴿٢﴾ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن
نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٣﴾
إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٤﴾ إِنَّا
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٥﴾ إِنَّ
الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٦﴾
عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٧﴾
يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ
مُسْتَطِيرًا ﴿٨﴾ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٩﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا
نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿١٠﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن
رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١١﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ
شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١٢﴾

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ : ہر ایک انسان اپنی عمر کے پہلے قطعاً مذکور نہیں ہوا۔ انسان کا ذکر اس وقت ہوا۔ جب وہ ہمارے سامنے آیا۔ اس میں کسی سائنس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ : مِنْ نُّطْفَةٍ تھوڑی سی چیز سے۔ نَبْتَلِيْهِ بڑھاتے ہیں۔ اس کو نطفہ سے علقہ پھر مضغہ۔ پھر خلق آخر۔ پھر طرح طرح کے انعامات کہتے ہیں مشج کے لغوی معنی خلط کے ہیں۔ غذاؤں کا خلط۔ مرد اور عورت کی منی کا خلط

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا : کسی شخص کے انعامات کو یاد کرتے رہیں تو اسکی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ بڑی گھبراہٹ کے موقعہ پر ایک دعا اس طرح سے پڑھی ہے۔

دعا

" اے میرے محسن اور میرے خدا میں تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے کوئی چارہ نہیں۔ آمین ثم آمین "

سَلٰسِلَا : جو لوگ سچے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو کر اس کی تلاش نہیں کرتے ان پر خدا کی طرف سے ایک ایسی بلا پڑتی ہے کہ وہ دنیا کے دھندوں میں گرفتار ہو کر پا بہ زنجیر ہو جاتے ہیں اور سفلی کاموں میں ایسے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو ان کو علوی زندگی کی طرف سر اٹھانے ہی نہیں دیتا۔ اور ان کے دلوں پر حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ مال مل جائے۔ جائیداد حاصل ہو جائے۔ دنیوی عزت و رُتبہ مل جائے۔
قیامت کے دن یہی امور ان کیلئے طوق و زنجیر کی شکل میں متمثل ہو جائیں گے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا : ابرار کی دو حالتیں دنیا اور آخرت کی اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہیں۔ دنیا کی یہ کہ ابرار کے دلوں پر حرص و ہوا کی سوزش سرد ہو جاتی ہے۔ دنیا کی طرف سے خنک چشم و خنک دل رہتے ہیں۔ یہ سوزش ان کے دلوں پر نہیں رہتی کہ ہائے فلاں چیز ہمیں میسر نہیں۔ ہائے فلاں چیز ہمارے پاس نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

از طمع جستیم ہر چیزے کہ آں بیکار بود ؎ خود فزوں کردیم ورنہ اندکے آزار بود

اس طمع وحرص کی آگ کو قرآن شریف میں یُوں فرمایا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ۔ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۔ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (ھمزہ: ۷تا۱۰)

حرص وطمع کی ایک آگ ہے جو دلوں پر جھپٹے مار رہی ہے۔ جس نے ان کو حق کی شنوائی سے ڈھانک لیا ہے۔ عمود ممدد کی طرح لمبی لمبی امیدوں میں مخبوط الحواس ہیں۔ اس قسم کی آگ سے فرمایا کہ ابرار خنک چشم وخنک دل رہتے ہیں۔ یہی ان کا کافوری پیالہ ہے جیسی حالت دنیا سے یہ لوگ ساتھ لے جاویں گے جَزَآءً وِّفَاقًا (النبا: ۲۷) کے طور پر ویسی ہی نعمت ان کو آخرت میں خدا تعالیٰ عطا فرماویگا۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ؛ دنیا میں ان ابرار کی یہ سیرت رہی کہ جس رشد و ہدایت کو کافوری ٹھنڈک کی طرح انہوں نے آپ حاصل کیا تھا۔ اسکی نہریں اور چشمے دور دراز ملکوں میں تبلیغی رنگ میں چیر چیر کر لے گئے۔ چین میں لے گئے۔ افریقہ میں لے گئے۔ روم شام اور ملک ہندوستان تک پہنچایا۔ اسی طرح آخرت میں جَزَآءً وِّفَاقًا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بھی انکو ہر قسم کی نعمتوں سے سیراب کیا۔ ہماری جماعت کی انجمنوں کو چاہیئے کہ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا پر پوری توجہ اور جانفشانی سے مگر ٹھنڈے دل سے کوشش کریں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر اپریل ۱۹۱۲ء)

انسانی جسمانی رُوح ایک قسم کی لطیف ہوا ہے جو انسان میں شریانی عروق اور انسانی پھیپھڑوں کے بن جانے اور قابلِ فعل ہونے کے وقت نفخ کی جاتی ہے۔ اس مطلب کو سمجھنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر غور کرو۔ یہ صادق کتاب حقیقت نفس الامری کی خبر دیتی ہے۔ کہ انسان اسی نطفہ سے جو عناصر کا نتیجہ ہے خلق ہوتا ہے۔ اور پھر یہیں اُسے سمیع وبصیر یعنی مُدْرِك اور ذی العقل بنایا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ پیچھے سے اپنے ساتھ کچھ لاتا ہے اور پرانے اعمال کا نتیجہ اس کے ساتھ چپٹا ہوتا ہے۔ جس وہم وفرض کا کوئی مشاہدہ کا ثبوت نہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صـ۲۱۶)

ہر آدمی غور کرے کہ یہ دنیا میں نہ تھا اور اسکو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ضرور ایک وقت انسان پر ایسا گزرا ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے۔ اگر وہ ہم کو پتھر بنا دیتا یا حیوانات میں ہی پیدا کرتا۔ کتا یا سؤر بنا دیتا۔ پھر اگر انسان ہی بناتا پر چوہڑا یا چماروں میں پیدا کر دیتا۔ پھر اگر وہ ایسے گھر میں پیدا کر دیتا جہاں قرآن دانی کا چرچا نہ ہوتا۔ پھر اگر کسی اچھے گھر میں پیدا ہوتے۔ پر جوانی

میں مر جاتے تو آج تم کو قرآن سنانے کا کہاں موقع ملتا؟ اس نے کیسے کیسے فضل کئے! وَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ ہم نے اپنے فضل سے اس نطفہ کو جس میں ہزاروں چیزیں ملی ہوئی تھیں۔ سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔

اب مسلمان کہتے ہیں کہ تجارت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ کہتے ہیں حکومت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ صرف سو برس کے اندر ہی اندر انہوں نے سب کچھ اپنا کھو دیا۔

شرک کا کوئی شعبہ نہیں جس میں مسلمان گرفتار نہیں۔ نماز۔ روزے۔ اعمالِ صالحہ میں قرآن کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں نہایت ہی سست ہیں۔ کوئی ملاں ہو اور وہ خوب شعر سنائے تو کہتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب نے خوب وعظ کیا!

کسی عورت نے مجھ سے پوچھا کہ فلاں عورت ایک عرس میں گئی تھی وہ کہتی تھی کہ سبحان اللہ ہر طرف نُور ہی نور برس رہا تھا۔ مَیں نے کہا۔ وہ کیا تھا۔ کہنے لگی کہ وہ کہتی تھی کہ اندر بھی باہر بھی مراسی ڈھولک بجا رہے تھے اور خوب خوش الحانی سے گا رہے تھے!

ریل میں مجھے ایک کنچنی ملی۔ میں نے اس سے کہا کہ تُو کہاں گئی تھی۔ کہا کہ سبحان اللہ فلاں حضرت کے یہاں گئی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ ہماری فقیرنی آگئی ہے اور اپنے خادم سے کہا اس کو تین سو روپے دیدو! مَیں تو ایک دم میں مالا مال ہو گئی!

مسلمانوں میں تکبر بڑھ گیا۔ سستی ہے۔ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کے ساتھ تکبر بھی از حد بڑھ گیا ہے۔ اپنی قیمت بہت بڑھا رکھی ہے۔ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم تو اس قدر تنخواہ کے لائق ہیں!

ہم نے انسان پر بڑے فضل کئے۔ نَبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یہاں تک کہ انسان کو دیکھنے والا سننے والا بنایا۔ پھر قرآن کے ذریعہ سے اس پر ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ۔ پر کسی نے قدر کی۔ کسی نے نہ کی۔ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔

کوئی مسلمان کہتا ہے کہ جھوٹ جائز ہے۔ کوئی مسلمان کہتا ہے کہ تکبر اور فضولی اور قسم قسم کی بدکاریاں جائز ہیں۔ برائی سب جانتے ہیں مگر افسوس کہ قدر نہیں کرتے۔ دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں۔ مگر خود عمل نہیں کرتے۔

ایک عورت کا میاں شراب پیتا تھا۔ اس کو میں نے کہا۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ تم اس سے شراب چھڑا دو۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک روز اس کو کہا تھا تو اس نے مجھے جواب دیا تھا کہ یہ تجھے نور الدین نے کہا ہو گا۔ جب میں اسکی عمر کا ہو جاؤں گا تو چھوڑ دوں گا۔ پھر اس کو میری عمر تک پہنچنا نصیب

نہ ہوا۔ پہلے ہی مر گیا!

تم بُرے اعمال چھوڑ دو۔ لیکن دین میں لوگ بڑے نکمّے ہوگئے ہیں۔ توبہ کرو۔ استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑے سخت لفظ استعمال فرماتا ہے۔ کہ کوئی تو ہماری بتائی ہوئی ہدایت کا شکر گزار ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاْ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا۔

ہم نے تو بے ایمانوں کیلئے بڑے بڑے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ ہم ان کو زنجیروں میں جکڑیں گے اِنَّ الْاَبْرَارَ اچھے لوگوں کو خدائے تعالیٰ ایک شربت پلانا چاہتا ہے اور وہ ایسا شربت ہے کہ ان کو اپنی بدیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ابرار انسان تب بنتا ہے جب وہ اپنے اندر کی بدیوں کو دباتا ہے نفس کے اوپر تم حکومت کرو۔ بہت سے لوگ ہیں۔ جو اپنے نفس پر حکومت کرنے سے بے خبر ہیں۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ: اللہ کے بندے ایسے شربت پیتے ہیں وہ ان کو بھاتے ہیں دوسروں کو بھی پلانا چاہتے ہیں۔ میں نے تم کو بہت سا پلایا ہے۔ تم عمل کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ (بدر حصہ دوم ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۹۳-۹۴)

"یہ ایک وہ سورہ شریف ہے جو جمعہ کے دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس میں اوّل اپنے ان احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے جو مولیٰ کریم نے انسان پر کئے ہیں اس تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی کی فطرۃ اچھی ہو اور وہ سعادت مند ہو۔ فہیم ہو۔ عقل کی مار اس پر نہ پڑی ہو تو یہ بات ایسے انسان کی سرشت میں موجود ہے کہ جو کوئی اس پر احسان کرے تو محسن کی محبت طبعاً انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طبعی تقاضائے فطرۃ کی طرف ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ایما کر کے ارشاد فرمایا ہے جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا یعنی انسانی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اسی قاعدہ اور تقاضا، فطرۃ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ طرز بھی اختیار کیا ہے کہ سعادت مندوں کو اپنے احسان و انعام یاد دلاتا ہے کہ وہ محبت الٰہی میں ترقی کر کے سعادت حاصل کریں اندرونی اور بیرونی انعامات پر غور کریں اور سوچیں تا انکی جناب الٰہی سے محبت ترقی کرے پھر یہ بات بھی انسان کی فطرۃ میں ہے کہ جب انسان کسی سے محبت بڑھا لیتا ہے تو محبوب کی رضامندی کیلئے اپنا وقت، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو غرض ہر عزیز سے عزیز چیز کو خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کے مطالعہ کی عادت پڑ جاوے

تو اسے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور روز بروز محبت بڑھے گی۔ اور جب محبت بڑھ گئی تو وہ اپنی تمام خواہشوں کو رضاء الٰہی کے لئے متوجہ کر سکے گا اور اس رضاء الٰہی کو ہر چیز پر مقدم سمجھ لے گا۔

دیکھو سب سے بڑا اور عظیم الشان احسان جو ہم پر کیا وہ یہ ہے کہ ہم کو پیدا کیا۔ اگر کوئی دوست مدد دیتا ہے تو ہمارے پیدا ہونے اور موجود ہونے کے بعد اگر کوئی بھلی راہ بتلا سکتا ہے یا علم پڑھا سکتا ہے مال دے سکتا ہے غرض کہ کسی قسم کی مدد دیتا ہے تو پہلے ہمارا اور اس چیز کا اور دینے والے کا وجود ہوتا ہے۔ تب جاکر وہ مدد دینے والے مدد دینے کے قابل ہوتا ہے۔ غرض تمام انعاموں کے حاصل کرنے سے پیشتر جو کسی غیر سے ہوں پہلا اور عظیم الشان احسان خدا تعالیٰ کا یہ ہے کہ اس نے ہم کو اور اس چیز کو جس سے ہمیں راحت پہنچتی اور جس نے ہمیں راحت پہنچائی اسکو وجود عطا کیا پھر صحت و تندرستی عطا کی اگر دن بھی بیماری ہو جاوے تو تمام راحت رساں چیزیں بھی راحت رساں نہیں رہتیں۔ دانت درد کرے تو اس کا نکالنا پسند ہو جاتا ہے آنکھ دکھ دینے کا باعث بن جاوے تو کہا ہے اس کو نکالنا ہی پڑتا ہے۔

برادران جب بیماری لاحق ہوتی ہے تب پتہ لگتا ہے۔ کہ صحت کیسا انعام تھا۔ اس صحت کے حاصل کرنے کو دیکھو کس قدر مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ طبیبوں کی خوشامد۔ دعا والوں، تعویذ ٹوٹکے والوں کی منتیں، غرض قسم قسم کے لوگوں کے پاس جن سے کچھ بھی امید ہو سکتی ہے انسان جاتا ہے۔ دواؤں کے خرید کرنے میں کتنا ہی روپیہ خرچ کرنا پڑے بلا دریغ خرچ کرتا ہے۔ ایک آدمی مرنے لگتا ہے تو کہتے ہیں دو باتیں کرا دو خواہ کچھ ہی لے لو۔ حالانکہ اس نے لاکھوں باتیں کیں۔

چونکہ ان لوگوں کو جو احسانات کا مطالعہ نہیں کرتے خبر بھی نہ تھی غرض یہ سب انعامات جو ہم پر ہوتے ہیں ان میں سے اول اور بزرگ ترین انعام وجود کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پس اس سورۃ شریف میں اول اسی کا ذکر فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝

انسان پر کچھ زمانہ ایسا بھی گذرا ہے یا نہیں؟ کہ یہ موجود نہ تھا۔

میری حالت کو دیکھو اس وقت میں کھڑا بول رہا ہوں مگر کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ سو اسی برس پیشتر میں کہاں تھا؟ اور میرا کیا مذکور تھا۔ کوئی نہیں بتلا سکتا یہ جناب الٰہی کا فیضان ہے کہ ایک ذرا سی چیز سے انسان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔ نطفہ میں صدہا چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان بنتا ہے

عام طور پر ہم لوگ ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ کوئی بڑی اعلیٰ درجہ کی خوردبین ہو تو اس کے ذریعہ سے وہ نظر آتے ہیں۔ پھر بتلایا کہ پہلا انعام تو عطاء وجود تھا پھر یہ انعام کیا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ خدا ہی کا فضل تھا کہ کان دیئے۔ آنکھیں دیں۔ اور سنتا دیکھتا بنا دیا۔

سارے کمالات اور علوم کا پتہ کان سے لگ سکتا ہے یا نظارہ قدرت کو دیکھکر انسان باخبر ہو سکتا ہے۔ یہ عظیم الشان عطیے بھی کس کی جناب سے ملے؟ مولیٰ کریم ہی کی حضور سے ملے۔ آنکھیں ہیں تو نظارۂ قدرت کو دیکھتی ہیں۔ خدا کے پاک بندوں اس کے پاک صحیفوں کو دیکھ کر حظ اٹھائیں۔ کان کے عطیہ کے ساتھ زبان کا عطیہ بھی آ گیا کیونکہ کان اگر نہ ہوں تو زبان پہلے چھن جاتی ہے۔ اب اگر ان میں سے کوئی نعمت چھن جاوے تو پتہ لگتا ہے کہ کیسی نعمت جاتی رہی۔ آنکھ بڑی نعمت ہے یا کان بڑی دولت ہے۔ ان عطیوں میں کوئی بیماری یا روگ لگ جاوے تو اس ذراسی نقصان کی اصلاح کے لئے کس قدر روپیہ۔ وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ صحیح سالم عمدہ، بے عیب، بے روگ عطیہ اس مولیٰ کریم نے مفت بے مزد عنایت فرمائی ہیں۔ یوں نظر اٹھاتے ہیں تو وہ عجیب در عجیب تماشا ہائے قدرت دیکھتے ہوئے آسمان تک چلی جاتی ہے۔ ادھر نظر اٹھاتے ہیں تو خوش کن نظارے دیکھتی ہوئی افق سے پار جا نکلتی ہے۔ کان کہیں دلکش آوازیں سن رہے ہیں کہیں معارف و حقائق قدرت کی داستان سے حظ اٹھاتے ہیں۔ کہیں روحانی عالم کی باتوں سے لطف اٹھا رہے ہیں بیشک یہ مولیٰ کریم ہی کا فضل اور احسان ہے کہ ایسے انعام کرتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور پھر ایسی بے بہا نعمتیں عطا کرتا ہے کسی کی ماں کسی کا دوست کسی کا باپ وہ نعمتیں نہیں دے سکتا جو خدا تعالیٰ نے دی ہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں فرمائی اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ۔ ہم نے انسان کو ایک راہ بتلائی یہی ایک مسئلہ ہے جو بڑا ضروری تھا۔ ہم پیدا ہوئے سب کچھ ملا مگر کوئی کتنی کوششیں کرے۔ ہمیشہ کیلئے نہ کوئی رہا ہے نہ رہے گا۔ سارے انبیاء و رسل تمام اولیاء و کبراء ملت تمام مدبر اور بڑے بڑے آدمی سب کے سب چل دئے۔ پس کوئی ایسا انعام ہو جو ابدالآباد راحت اور سرور کا موجب ہو۔ اس کیلئے فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے ایک راہ بتلائی اگر اس پر چلے تو ابدالآباد کی راحت پا سکتا اس پاک راہ کی تعلیم ہمیشہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی معرفت ہوئی ہے۔

گو خود فطرتِ انسانی میں اس کے نقوش موجود ہیں۔ بہت مدت گزری جبکہ دنیا میں ایک عظیم الشان انسان اس پاک راہ کی ہدایت کیلئے آیا جس کا نام آدم علیہ السلام تھا۔ پھر نوح۔ ابراہیم موسیٰ۔ عیسیٰ علیہم السلام آئے اور ان کے درمیان ہزاروں ہزار مامور من اللہ دنیا کی ہدایت کو آئے

اور ان سب کے بعد میں ہمارے سید و مولیٰ سید ولدِ آدم فخر الاولین والآخرین افضل الرسل و خاتم النبیین حضرت محمد رسول رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور پھر کیسی رہنمائی فرمائی کہ ان کے ہی نمونہ پر ہمیشہ خلفاء امت کو بھیجتا رہا حتیٰ کہ ہمارے مبارک زمانہ میں بھی ایک امام اس ہدایت کے بتلانے کیلئے مبعوث فرمایا اور اس کو اور اس کے اقوال کو تائیدات عقلیہ اور نقلیہ و آیات ارضیہ و سماویہ سے مؤید فرما کر روز بروز ترقی عطا کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح الٰہی ہاتھ ایک انسان کی حفاظت کرتا ہے اور کس طرح آئے دن اس کے اعداء نیچا دیکھتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ہاں تو پھر خدا کی ایک ممتاز جماعت ہمیشہ اپنے اقوال سے اس راہ کو بتلاتی اور اپنے اعمال سے نمونہ دکھلاتی ہیں۔ جس سے ابدی آرام عطا ہو۔ پھر دیکھو کہ انعامِ الٰہی تو ہوتے ہیں مگر ان انعامات کو دیکھنے والے دو گروہ ہوتے ہیں اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ط ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان ہدایات کی قدر کرتے ہیں اور ایک وہ ہوتے ہیں جو قدر نہیں کرتے ہیں۔ اور ان دستوروں پر عمل درآمد نہیں دکھاتے۔ ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے ایک گروہ جو سعادتمندوں کا گروہ ہوتا ہے ان پاک راہوں کی قدر کرتا ہے اور اپنے عملدرآمد سے بتلا دیتا ہے کہ وہ فی الحقیقت اس راہ کے چلنے والے اور اس راہ کے ساتھ پیار کرنے والے ہیں اور دوسرے اپنے انکار سے بتلا دیتے ہیں کہ وہ قدر نہیں کرتے یہ قرآن شریف جب آیا۔ اور ہمارے سید و مولیٰ رسولِ اکرم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم اور پھر اپنے کامل اور پاک نمونہ سے ہدایت کی راہ بتلائی۔ بہت سے نابکار سعادت کے دشمن انکار اور مخالفت پر تُل پڑے اور جو سعادت مند تھے وہ ان پر عمل کرنے کیلئے نکلے اور دنیا کے سرمایہ فخر و سعادت اور راحت و آرام ہوئے اور ان کے دشمن خائب و خاسر اور ہلاک ہوئے آخر وہ سعادت کا زمانہ گزر گیا۔ دور کی باتیں کیا سناؤں۔ گھر کی اور آج کی بات کہتا ہوں۔ اب بھی اسی نمونہ پر ایک وقت لایا گیا۔ اور وہی قرآن شریف پیش کیا گیا ہے۔ مگر سعادتمندوں نے قدر کی اور نا عاقبت اندیش نابکاروں نے ناشکری اور مخالفت۔

مگر نادان انسان کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انعامِ الٰہی کی ناقدری کرنے سے ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دنیوی حکومت میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی حاکم کا حکم آجاوے اور پھر رعایا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو سزایاب ہوتی ہے۔ نہ ماننے والوں کا آرام رنج سے اور ان کی عزت ذلت سے متبدل ہو جاتی ہے۔ پھر اگر کوئی احکم الحاکمین کی بتائی راہ اپنا دستور العمل

نہ بناوے تو کیونکر دکھوں اور ذلتوں سے بچ سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ حکم حاکم کی نافرمانی حسب حیثیت حاکم ہوا کرتی ہے۔ یہ ذلت بھی اسی قدر ہوگی جس قدر کہ حاکم کے اختیارات ہیں۔

دنیا کے حاکم جو محدود حکومت رکھتے ہیں انکی نافرمانی کی ذلت بھی محدود ہی ہے مگر خدا تعالیٰ جو غیر محدود اختیارات رکھتا ہے اس کے حکم کی خلاف ورزی میں ذلت بھی طویل ہوگی۔ تو یہ سچ ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰی غَضَبِيْ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے مگر جیسی کہ اسکی طاقتیں وسیع ہیں اسی اندازہ سے نافرمان کی ذلت بھی ہونی چاہیئے۔ اور ہوگی ہاں بہت سی سزائیں ایسی ہیں کہ انسان ان کو دیکھتا ہے اور بہت سی سزائیں ہیں کہ انکو نہیں دیکھ سکتے تو غرض یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ خدا کے قانون اور حکم کی اگر پرواہ نہ کریں گے تو کیا نقصان ہے؟ نہیں نہیں خبردار ہو جاؤ۔ مولیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا۔ منکر کو تین قسم کی سزادیں گے۔

ہر ایک انسان کا جی چاہتا ہے کہ میں آزاد رہوں جہاں میری خواہش ہو وہاں پہنچ سکوں پھر چاہتا ہے کہ جہاں چاہوں حسب خواہش نظارہ ہائے مطلوبہ دیکھوں اور آخر جی کو خوش کروں کہیں جانا پڑے تو جاؤں اور کہیں سے بھاگنا پڑے تو وہاں سے بھاگوں اور کسی چیز کو دیکھنا پڑے تو اسے دیکھوں بہرحال اپنا دل ٹھنڈا رکھوں۔

پس یہ تین عظیم الشان امور ہیں۔ اگر کہیں جاتا ہے تو منشاء ہے کہ دل خوش ہو۔ کسی کو دیکھتا ہے تو اس لئے کہ جان کو راحت ملے۔ نتیجۃً بہرحال دل کی خوشی ہے مگر جب انسان خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اوّلاً تین ہی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ عطاءِ وجود۔ عطاءِ سمع۔ عطاءِ بصر۔ ان نعمتوں سے اگر کوئی جاتی رہے تو کیا سچی خوشی اور حقیقی راحت مل سکتی ہے کبھی نہیں۔ پھر خاص الخاص نعمت جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ملی ہے اس کے انکار سے کب راحت پا سکتا ہے؟ قانونِ الٰہی اور شریعتِ خداوندی کو توڑتا ہے کہ راحت ملے؟ مگر راحت کہاں؟ دیکھو ایک نابکار انسان حدود اللہ کو توڑ کر زنا کا ارتکاب کرتا ہے کہ اسے لذت و سرور ملے مگر نتیجہ کیا ہے کہ اگر آتشک اور سوزاک میں مثلاً مبتلا ہو گیا۔ تو بجائے اس کے جسم کو راحت و آرام پہنچا دے۔ دل کو سوزش اور بدن کو جلن نصیب ہوتی ہے قانونِ الٰہی کو توڑنے والے کو راحت کہاں؟ پھر اس کیلئے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

---- یعنی منکر انسان کیلئے کیا ہوتا ہے۔ پاؤں میں زنجیر ہوتی۔ گردن میں طوق ہوتا ہے جس کے باعث انواع و اقسام راحت و آرام سے محروم ہوجاتا ہے دل میں ایک جلن ہوتی ہے جو ہر وقت اس کو کباب کرتی رہتی ہے دنیا میں اس کا نظارہ موجود ہے مثلاً وہی نافرمان۔ زانی۔ بدکار قسم قسم کے آرام جسمانی میں مبتلا ہو کر اندر ہی اندر کباب ہوتے ہیں اور پھر نہ وہاں جاسکتے ہیں نہ نظر اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں اسی ہم و غم میں مصائب اور مشکلات پر قابو نہ پاکر آخر خودکشی کر کے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں ہدایت کے منکروں اور ہادیوں کے مخالفوں نے کیا پھل پایا۔

دیکھو ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر جنہوں نے اس ابدی راحت اور خوشی کی راہ سے انکار کیا کیا حال ہوا؟ وہ عمائد مکہ جو ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ وغیرہ تھے اور مقابلہ کرتے تھے وہ فاتح نہ کہلا سکے کہ وہ اپنے مفتوحہ بلاد کو دیکھتے اور دل خوش کر سکتے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی عزت گئی۔ آبرو نہ رہی۔ مذہب گیا۔ اولاد ہاتھ سے گئی۔ غرض کچھ بھی نہ رہا۔ ان باتوں کو دیکھتے اور اندر ہی اندر کباب ہوتے تھے۔ اور اسی جلن میں چل دئے۔ یہ حال ہوتا ہے منکر کا۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کا انکار کرتا ہے تو بُرے نتائج کو پالیتا ہے اور عمدہ نتائج اور آرام کے اسباب سے محروم ہوجاتا ہے۔

پھر دوسرے گروہ اِمَّا شَاكِرًا کا ذکر فرمایا کہ شکر کرنے والے گروہ کیلئے کیا جزا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا بے شک ابرار لوگ کافوری پیالوں سے پئیں گے۔

ابرار کون ہوتے ہیں جن کے عقائد صحیح ہوں۔ اور ان کے اعمال صواب اور اخلاص کے نیچے ہوں اور جو ہر دُکھ اور مصیبت میں اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی نارضامندی سے محفوظ رکھ لیں۔

خود جناب الٰہی ابرار کی تشریح فرماتے ہیں سورۃ البقرہ میں فرمایا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الی الآیہ ابرار کون ہوتے ہیں؟

اوّل: جن کے اعتقاد صحیح ہوں کیونکہ اعمالِ صالحہ دلی ارادوں پر موقوف ہیں دیکھو ایک اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالے ہوئے ایک بچہ بھی اسے جہاں چاہے جدھر لے جائے لئے جاتا ہے۔ لیکن اگر کنویں میں گرانا چاہیں تو خواہ دس آدمی بھی مل کر اس کی نکیل کو کھینچیں ممکن نہیں وہ قدم اٹھا جاوے۔ ایک حیوان مطلق بھی اپنے دلی ارادے اور اعتقاد کے خلاف کرنا نہیں چاہتا وہ سمجھتا ہے کہ قدم اٹھایا اور ہلاک ہوا۔

پھر انسان اور سمجھدار انسان کب اعتقادِ صحیحہ رکھتا ہوا اعمال بد کی طرف قدم اٹھا سکتا ہے اس لئے ابرار کیلئے پہلے ضروری چیز یہی ہے کہ اعتقاد صحیحہ ہوں اور وہ پکی طرح پر اُسکے دل میں جاگزیں ہوں اگر منافقانہ طور پر مانتا ہے تو کاہل ہوگا۔ حالانکہ مومن ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے ان اعتقادات صحیحہ میں سے پہلا اور ضروری عقیدہ خدا تعالیٰ کا ماننا ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ اور تمام خوبیوں کا چشمہ ہے۔

دنیا میں ایک بچہ بھی برتا ہے کہ جب تک دوسرے سے مناسبت پیدا نہ ہو اسکی طاقتوں اور فضلوں سے برخوردار نہیں ہوسکتا۔

جب انسان قرب الٰہی چاہتا ہے اور اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اُس کے خاص فضل اور رحمتوں سے بہرہ ور اور برخوردار ہو جائے تو اُسے ضروری ہے کہ اُن باتوں کو چھوڑ دے جو خدا تعالیٰ میں نہیں یا جو اُس کی پسندیدہ نہیں ہیں۔

جس قدر عظمتِ الٰہی دل میں ہوگی اسی قدر فرماں برداری کے خیالات پیدا ہوں گے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل کی طرف دوڑے گا۔ کیا ایک اعلیٰ علوم کا ماہر جاہل سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ یا ایک ظالم طبع انسان کے ساتھ ایک عادل مل کر رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی برکتوں سے برخوردار ہونے کیلئے سب سے ضروری بات صفات الٰہی کا علم حاصل کرنا اور ان کے موافق اپنا عمل درآمد کرنا ہے۔

اگر یہ اعتقاد بھی کمزور ہو تو ایک اور دوسرا مسئلہ ہے جس پر اعتقاد کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی فرماں برداری میں ترقی کر سکتا ہے۔ وہ جزا و سزا کا اعتقاد ہے۔ یعنی افعال اور ان کے نتائج کا علم مثلاً یہ کام کروں گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بُرے نتائج پر غور کرکے انسان۔ ہاں سعید الفطرت انسان بُرے کاموں سے جو ان نتائج بد کا موجب ہیں پرہیز کریگا اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی کوشش یہ کہ دونوں اعتقاد نیکیوں کا اصل الاصول اور جڑیں یعنی اوّل خدا تعالیٰ کی صفات اور محامد کا اعتقاد اور علم تاکہ قرب الٰہی سے فائدہ اٹھاوے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل حاصل کرے۔

دوسرا یہ کہ ہر فعل ایک نتیجہ کا موجب ہوتا ہے اگر بد افعال کا مرتکب ہوگا تو نتیجہ بد ہوگا۔ ہر انسان فطرتاً سُکھ چاہتا ہے اور سُکھ کے وسائل اور اسباب سے بے خبری کی وجہ سے افعالِ بد کے ارتکاب میں سُکھ تلاش کرتا ہے مگر وہاں سُکھ کہاں؟ اس لئے ضروری ہے کہ افعال اور اُن کے نتائج کا علم پیدا کرے اور یہی وہ اصل ہے جس کو اسلام نے جزا و سزا کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان تجربہ کار اور واقف کار لوگوں کے بتلائے ہوئے مجرب نسخے آرام و صحت کیلئے چاہتا ہے اگر کوئی ناواقف اور ناتجربہ کار بتلائے تو تأمل کرتا ہے۔ پس نبوّتِ حقّہ نے جو راہ

دکھلائی ہے وہ تیرہ سو برس سے تجربہ میں آچکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راحت کے جو سامان بتلائے ہیں ان کا امتحان کرنا آسان ہے۔

غور کرو اور بلند نظری سے کام لو!! عرب کو کوئی فخر حاصل نہ تھا کس سے ہوا؟ اسی نسخہ سے کیا عرب میں تفرقہ نہ تھا پھر کس سے دور ہوا؟ ہاں اسی راہ سے!! کیا عرب نابودگی کی حالت میں نہ تھے پھر یہ حالت کس نے دور کی؟ ماننا پڑیگا کہ اسی نبوتِ حقہ نے!!!

عرب جاہل تھے۔ وحشی تھے۔ خدا سے دور تھے۔ محکوم نہ تھے تو حاکم بھی نہ تھے؟ مگر جب انہوں نے قرآن کریم کا شفا بخش نسخہ استعمال کیا تو وہی جاہل دنیا کے استاد اور معلم بنے وہی وحشی متمدن دنیا کے پیش رَو اور تہذیب و شائستگی کے چشمے کہلائے۔ وہ خدا سے دُور کہلانے والے خدا پرست اور خدا میں ہو کر دنیا پر ظاہر ہوئے۔ وہ جو حکومت کے نام سے بھی ناواقف تھے دنیا بھر کے مظفر و منصور اور فاتح کہلائے۔ غرض کچھ نہ تھے سب کچھ ہو گئے۔ مگر سوال یہی ہے کیونکر؟ اسی قرآن کریم کی بدولت اسی دستور العمل کی رہبری سے۔ پس تیرہ سو برس کا ایک مجرب نسخہ موجود ہے جو اس قوم نے استعمال کیا جس میں کوئی خوبی نہ تھی اور خوبیوں کی وارث اور نیکیوں کی ماں بنی غرض یہ مجرب نسخہ ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ کے قُرب اور سُکھ کی تلاش چاہو اسی قدر محامد الٰہیہ اور صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی قدر انسان رذائل سے بچے گا اور پسندیدہ باتوں کی طرف قدم اٹھائے گا۔

حاصلِ کلام ابرار بننے کیلئے مندرجہ بالا اصول کو اپنا دستور العمل بنانا چاہیئے۔ میں نے ذکر یہ شروع کیا تھا کہ شاکر گروہ کا دوسرا نام قرآن کریم نے ابرار رکھا ہے اور انکی جزا یہ بتلائی ہے کہ کافوری پیالوں سے پئیں گے چنانچہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا پہلے ان کو اس قسم کا شربت پینا چاہیئے کہ اگر بدی کی خواہش پیدا ہو تو اس کو دبا لینے والا ہو۔ کافور کہتے ہی دبا دینے والی چیز کو ہیں۔ اور کافور کے طبّی خواص میں لکھا ہے کہ وہ سمی امراض کے مواد ردیّہ اور فاسدہ کو دبا لیتا ہے اور اسی لئے وبائی امراض طاعون اور ہیضہ اور تپ وغیرہ میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ تو پہلے انسان یعنی سلیم الفطرۃ انسان کو کافوری شربت مطلوب ہے۔ قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الی الآیہ پھر وارث کیا ہم نے اپنی کتاب کا ان لوگوں کو جو برگزیدہ ہیں۔ پس بعض ان میں سے ظالموں کا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور جبر و اکراہ سے نفسِ امارہ کو خدا تعالیٰ کی راہ پر چلاتے ہیں اور نفسِ سرکش کی مخالفت اختیار کر کے مجاہداتِ شاقہ میں مشغول ہیں۔

دوسرا گروہ میانہ رَو آدمیوں کا ہے جو بعض خدمتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس سرکش سے بہ جبر و اکراہ لیتے ہیں اور بعض الٰہی کاموں کی بجاآوری میں نفس اُن کا بخوشی خاطر تابع ہو جاتا ہے اور ذوق اور شوق اور محبت اور ارادت سے ان کاموں کو بجالاتا ہے غرض یہ لوگ کچھ تو تکلیف اور مجاہدہ سے خدا تعالیٰ کی راہ پر چلتے ہیں اور کچھ طبعی جوش اور دلی شوق سے بغیر کسی تکلف کے اپنے رب جلیل کی فرمانبرداری ان سے صادر ہوتی ہے۔

تیسرے سابق بالخیرات اور اعلیٰ درجہ کے آدمیوں کا گروہ ہے جو نفسِ امّارہ پر بکلّی فتحیاب ہو کر نیکیوں میں آگے نکل جانیوالے ہیں۔

غرض سلوک کی راہ میں مومن کو تین درجے طے کرنے پڑتے ہیں۔ پہلے درجہ میں جب بدی کی عادت ہو تو اس کے چھوڑنے میں جان پر ظلم کرے اور اس قوت کو دباوے شراب کا عادی اگر شراب کو چھوڑے گا تو ابتدا میں اس کو بہت تکلیف محسوس ہوگی۔

شہوت کے وقت عفت سے کام لے اور قوائے شہوانیہ کو دباوے اسی طرح جھوٹ بولنے والا سُست منافق۔ راستبازوں کے دشمنوں کو بدیاں چھوڑنے کیلئے جان پر ظلم کرنا پڑے گا۔ تاکہ یہ اس طاقت پر فاتح ہو جائیں۔

بعد اس کے میانہ روی کی حالت آوے گی کبھی کبھی بدی کے چھوڑنے میں گو کسی وقت کچھ خواہشِ بد پیدا بھی ہو جاوے۔ ایک لذت اور سرور بھی حاصل ہو جایا کریگا مگر تیسرے درجہ میں پہنچ کر سابق بالخیرات ہونے کی طاقت آجاوے گی اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش ہونے لگے گی اور مکالمہ الٰہی کا شرف عطا ہوگا۔ تو سب سے پہلے ابرار کو کافوری شربت دیا جاوے گا تاکہ بدیوں اور رذائل کی قوتوں پر فتح مند ہو جاویں اور اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ بدیوں کو دباتے دباتے نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور پھر وہ ایک خاص چشمہ پر پہنچ جاتا ہے عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا وہ ایک چشمہ ہے کہ اللہ کے بندے اُس سے پیتے ہیں صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسروں کو بھی مستفید کرتے ہیں اور ان چشموں کو چلا کر دکھاتے ہیں۔

فطرۃ انسانی پر غور کرنے سے پتا لگتا ہے کہ تمام قویٰ پہلے کمزوری سے کام کرتے ہیں چلنے میں، بولنے میں، پکڑنے میں غرض ہر بات میں ابتداءً لڑکپن میں کمزوری ہوتی ہے۔ لیکن جس قدر ان قویٰ سے کام لیتا ہے اُسی قدر طاقت آجاتی ہے پہلے دوسرے کے سہارے سے چلتا ہے پھر خود اپنے سہارے چلتا ہے۔

اسی طرح پہلے تتلا کر بولتا پھر نہایت صفائی اور عمدگی سے بولتا ہے پکڑتا ہے وغیرہ وغیرہ گویا بتدریج نشو و نما ہوتا ہے۔ اگر چند طاقتوں سے کام لینے کو چھوڑ دے تو وہ طاقتیں مردہ یا پژمردہ ضرور ہو جاتی ہیں یہی معنی ہیں جب انسان بدی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو طاقت کمزور ہو جاتی ہے اور نیکی کے قوے بالکل ازکار رفتہ ہوتے ہیں یہ کوئی ظلم نہیں اگر کسی حاکم کو حکومت دیجاوے اور وہ فرائض منصبی کو ادا نہ کرے تو نگران گورنمنٹ اس کے وہ اختیارات سلب کر دے گی اور اسے معزول کرے گی اور اگر اس حالت کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی پروانہ کرے تو یہ امر عاقبت اندیشی اور عقل کے خلاف ہے کہ شست انسان کے پاس رکھی جاوے ایسے ہی وہ انسان ہے جو ایمانی قویٰ کو خرچ نہیں کرتا وہ ابرار کے زمرہ میں رہ نہیں سکتا۔

جن کے عقائد حقہ ہیں یعنی وہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ جزا و سزا اور خدا کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں پھر ان وسائط کو مانتے ہیں جن کا مقصود اتم فرمانبرداری ہے۔ پھر عمل کے متعلق کیا چاہیئے۔ سب سے زیادہ عزیز مال ہے۔ پانچ روپے کا سپاہی پانچ روپیہ کے بدلے میں عزیز جان دے دینے کو تیار ہے۔ ماں باپ اس روپیہ کے بدلے اس عزیز چہرہ کو جدا کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مال کی طرف انسان بالطبع جھکتا ہے۔ لیکن جب خدا سے تعلق ہو تو پھر مال سے بے تعلقی دکھاوے اور واقعی ضرورتوں والے کی مدد کرے مسکینوں کو دے جو بے دست و پا ہیں، رشتے داروں کی خبر لے۔ کوئی کسی ابتلا میں پھنس گیا ہو تو اسکی نکالنے کی کوشش کرے مگر سب سے مقدم ذوی القربیٰ کو فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کے ساتھ سلوک کرنا زیادتی عمر کا موجب ہے۔ یتیموں کی خبر لے۔ پھر جو بے دست و پا ہیں ان کی خبر لے۔ پھر جو علم پڑھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے پڑھتے ہیں اور مصیبت میں مبتلا شدہ لوگوں کی خبر لے۔ پس جناب الٰہی کے ساتھ تعلق ہو اور دنیا اور اسکی چیزوں سے بے تعلقی دکھلاوے پھر جناب الٰہی کی راہ میں جان کو خرچ کرے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کی پہلی راہ کیا ہے؟ نمازوں کا ادا کرنا۔ نماز مومن کا معراج ہے نماز میں ہر قسم کی نیازمندیاں دکھائی گئی ہیں۔ غرض کافوری شراب پیتے پیتے انسان اس چشمہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے شفقت علیٰ خلق اللہ کی توفیق دی جاتی ہے۔

پھر بتلایا کہ جو معاہدہ کسی سے کریں اس کی رعایت کرتے ہیں۔ مسلمان سب سے بڑا معاہدہ خدا سے کرتا ہے کہ میں نیک نمونہ ہوں گا۔ میں فرمانبردار ہوں گا میں اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کسی کو دکھ نہ دوں گا اور ایسا ہی ہماری جماعت امام کے ہاتھ پر معاہدہ کرتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ رنج میں

راحت میں عسر یُسر میں قدم آگے بڑھاؤں گا۔ بغاوت اور شرارت کی راہوں سے بچنے کا اقرار کرتا ہے۔ غرض ایک عظیم الشان معاہدہ ہوتا ہے۔ پھر دیکھا جاوے کہ نفسانی اغراض اور دنیوی مقاصد کی طرف قدم بڑھاتا ہے یا دین کو مقدم کرتا ہے۔ عامہ مخلوقات کے ساتھ نیکی اور مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً نیکی کرتا ہے یا نہیں۔ ہر امر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے۔ مقدمہ ہو تو جھوٹے گواہوں جعلی دستاویزوں سے محترز رہے۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کیلئے وعظ کہنا بھی مفید امر ہے۔ اس سے انسان اپنے آپ کو بھی درست بنا سکتا ہے جب دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو اپنے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

امر بالمعروف بھی ابرار کی ایک صفت ہے اور پھر قسم قسم کی بدیوں سے رُکتا ہے۔ المختصر يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا جب خود بھلائی حاصل کرتے ہیں۔ ظالم لنفسہٖ ہوتے ہیں تو دوسروں تک بھی پہنچاتے ہیں۔ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو معاہدہ جناب الٰہی سے کیا ہوا اسکو وفاداری سے پورا کرے اور نیکی یوں حاصل کرے کہ میرے ہی افعال نتائج پیدا کریں گے۔

ایک فلسفی مسلمان کا قول ہے: گندم از گندم بروید جَو ز جَو

از مکافاتِ عمل غافل مشو

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اور کھانا دینے میں دلیر ہوتے ہیں مسکینوں۔ یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں لباس اور مکان دینے کی تاکید نہیں آئی جس قدر کھانا کھلانے کی آئی ہے۔ ان لوگوں کو خدا نے کافر کہا ہے جو بھوکے کو کہہ دیتے ہیں کہ میاں تم کو خدا ہی دے دیتا اگر دینا منظور ہوتا۔ قرآن کریم کے دل سورۃ یٰسین میں ایسا لکھا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ..... آجکل چونکہ قحط ہو رہا ہے انسان اس نصیحت کو یاد رکھے اور دوسرے بھوکوں کی خبر لینے کو بقدر وسعت تیار رہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے یتیموں۔ مسکینوں اور پابند بلا کو کھانا دیتا رہے۔ مگر صرف اللہ کیلئے دے۔ یہ تو جسمانی کھانا ہے۔ روحانی کھانا ایمان کی باتیں۔ رضاءِ الٰہی اور قرب کی باتیں یہاں تک کہ مکالمہ الٰہیہ تک پہنچا دینا اسی رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔ یہ بھی طعام ہے۔

وہ جسم کی غذا ہے یہ روح کی غذا

منشاء یہ ہو کہ اس لئے کھانا پہنچاتے ہیں کہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا کہ ہم اپنے رب سے ایک دن سے جو عبوس اور قمطریر ہے ڈرتے ہیں (عبوس تنگی کو کہتے ہیں قمطریر دراز یعنی قیامت کا دن تنگی کا ہوگا اور لمبا ہوگا۔ بھوکوں کی مدد کرنے سے خدا تعالیٰ قحط کی تنگی اور درازی

سے بھی نجات دیدیتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا
خدا تعالیٰ اس دن کے شر سے بچا لیتا ہے اور یہ بچانا بھی سرور اور تازگی سے ہوتا ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یاد رکھو آج کل کے ایام میں مسکینوں اور بھوکوں کی مدد کرنے سے قحط سالی کے ایام کی تنگیوں سے بچ جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو توفیق دے کہ جس طرح ظاہری عزتوں کیلئے کوشش کرتے ہیں ابدالآباد کی عزت اور راحت کی بھی کوشش کریں۔ آمین

(الحکم جلد ۳ ۲۴،۱۰؍اکتوبر و ۱۷؍نومبر ۱۸۹۹ء)

مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قیدی کو اصحاب میں سے کسی کے سپرد کرتے تو آقا کو حکماً فرماتے "اَحْسِنْ اِلَيْهِ" اس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ غَرِيْمُكَ اَسِيْرُكَ فَاَحْسِنْ اِلٰى اَسِيْرِكَ تیرا معروض تیرا قیدی ہے اس کے ساتھ نیک سلوک کر۔

ایک اور روایت میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ یعنی عورتوں کے حق میں خدا سے ڈرتے رہو کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدیوں کی طرح ہیں۔ یتیم کے حق میں بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ نیک سلوک کیا جاتا ہے اور سب گھروں میں بدتر وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے

يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا: عبوس الوجہ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ہمیشہ بل پڑے ہوئے ہوں۔ قمطریر۔ سخت سلوٹیں اور بل چہرے کے عذاب الٰہی کی شدت کو دیکھ کر چہروں کی ایسی حالت ہوگی کہ جیسے سخت گریہ وزاری کے وقت رونے والے چہرے کی کیفیت عین حالت گریہ کے وقت ہوتی ہے۔

۱۴۔ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

زَمْهَرِيْرًا: زمہریر ایسی سخت سردی کو کہتے ہیں۔ جس سے ہاتھ پیر گلنے لگیں۔ بخلاف

بَرْدًا کے کہ اس میں معمولی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

۱۶- وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۶﴾

کسی صوفی نے ایک مقام پر لکھا ہے اور جس نے یہ بات لکھی ہے وہ ایک بڑا آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ مَیں نے انبیاء کے مقام کو چاندی کا مقام دیکھا اور اولیاء کے مقام کو سونے کا مقام دیکھا ہمارے مولویوں نے اس وجہ سے اس کو بھی کافر کہا ہے۔ سائنس والے جانتے ہیں کہ کل رنگوں کا جامع سفید رنگ ہے۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ جو سفید رنگ نظر آیا وہ سارے کمالات کا جامع ہے۔

۱۸- وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۸﴾

زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ زنَا اور جبَل۔ زنَا لغت میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل بمعنی پہاڑ۔ سونٹھ کی گرمی انسان میں بڑی قوت پیدا کرتی ہے۔ جب تک کہ عاشقانہ گرمی سالکِ راہِ محبت کے دل میں نہ ہو وہ مشکلات کی بلند گھاٹیوں کو طے نہیں کر سکتا۔ جب یہ زنجبیل عشق اور محبت کی شراب پی لیتا ہے تو خدا کی راہ میں عملی قوت کا ایسا حیرت ناک اثر دکھاتا ہے۔ کہ دوسرا ہرگز دل سے ایسی جانفشانیاں نہیں دکھلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے سالک کی جزا کاسۂ وصال رکھا ہے۔ جس کے مزاج کی طرف زنجبیل کے لفظ سے اشارہ کرتے ہوئے جَزَآءً وِّفَاقًا کی موافقت کو بتلایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ ؍اپریل ۱۹۱۲ء)

۱۹- عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا: سَلْسَبِيْل میں سل۔ سبیل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی پوچھ راستہ۔ دنیا میں عشق اور محبت کا زنجبیلی کاسہ اپنے مرشد کے ہاتھ سے جب سالک پی لیتا ہے تو اس میں خصوصیت کے ساتھ اپنے محبوبِ حقیقی تک پہنچنے کی ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ راہ طریقہ کے پوچھنے اور اس پر قدم مارنے میں عار نہیں کرتا۔ خواہ کیسی دشوار گھاٹیاں راستے میں حائل ہوں۔ ہمارے موجودہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمودہ جو سلسبیل کے لفظ سے بہت ہی مناسبت

رکھتا ہے یہ ہے ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی ॥ مرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

۲۰۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿٢٠﴾

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ : مُخَلَّدُوْنَ کے معنوں میں کئی قول ہیں۔ مُخَلَّد بوڑھے کو بھی کہا ہے۔ مُخَلَّد اس کو بھی کہا ہے جس کے زُلف سفید ہوں۔ مخلّد کے ایک معنے یہ بھی کئے ہیں کہ کانوں کے بُندے بالے پہنے ہوئے۔ مگر ان تمام معنوں سے اَنْسَبْ وہ معنے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی مناسبت ولد کے لفظ کے ساتھ ہو۔ یعنی دنیا کے وِلدان کی طرح جنتیوں کے خادمین وِلدان پر مرورِ زمانہ کی وجہ سے کبھی معمّر ہونے کا زمانہ نہیں آئے گا۔ بلکہ باوجود مرورِ زمانہ کے وہ ہمیشہ وِلْدان ہی وِلْدان رہیں گے جو کام خدمت گزاری کا پھرتیلی حرکتوں سے چھوٹے بچے کیا کرتے ہیں وہ معمّر نہیں کیا کرتے اور کاربراری میں ان کی خدمات بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان کو لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (یعنی) بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

تارکِ دھرم آریہ کے اعتراض "عورتوں کو بہت نوجوان یکدم بطور خاوند پتی ملیں گے۔ کیونکہ جب ایک ایک آدمی کو بہت سی حوریں مل گئیں تو ایک ایک عورت کو بہت نوجوان لڑکے ملنے چاہئیں" کے جواب میں فرمایا :۔

" آپ کا انصاف ایک شریف الطبع انسان پسند نہیں کرسکتا۔ نادان غور کر۔ ایک عورت ایک خاوند کے ایک بچہ کو یا اس کے دو تین بچوں کو ایک وقت میں بمشکل پیٹ میں رکھ سکتی ہے "؟

ایک مردِ آج کسی عورت کے بچہ دان کو اپنے نطفہ سے مشغول کر دے اور دوسرے دن دوسرے کے تیسرے دن تیسرے کے۔ علیٰ ہذا سال بھر تین سو ساٹھ بچہ مختلف رحموں میں پرورش کیلئے دے سکتا ہے۔ ہاں مرد قوی بہت عورتوں کے رحم میں بیج ڈال سکتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو بہت نوجوانوں کا ملنا بے انصافی ہے اور اسی پر دُکھ ہے۔

نیز مرد ایک گونہ عورتوں پر حکمران ہے۔ پس ایک مرد کیلئے بہت عورتیں ہوں تو عورت کو آرام ہے کہ مرد کی حکومت اس کے سر سے کچھ ہٹ گئی یا ایک عورت کیلئے بہت خاوند ہوں تو کیا عورت کو آرام مل

سکتا ہے ؟ کیا جس کے اوپر بہت سارے حکمران ہوں ۔ وہ آسودہ حال ہو سکتا ہے ۔ علاوہ اس کے خاوند کیا آپس میں جنگ نہ کریں گے کیونکہ اگر بہت سارے مرد ایک عورت کے خاوند ہوئے تو ایک وقت ایک چاہتا ہے کہ یہ عورت میرے پاس اور دوسرا چاہے کہ میرے پاس آوے ۔ اس لئے اوّل تو وہ آپسمیں جُوت پیزار کریں گے ۔ پھر وہ عورت بہرحال مصیبتوں میں مبتلا ہوگی ۔ تاہم انسان سوچ اور غور کرے مگر تم کو غور کا مادہ کیونکر ملے گا ۔ تمہارا مذہب تو ایسے امور کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ نیوگ میں ایسے امور بہت پیش آتے ہیں ۔

سُن ! بہشتی نعمتوں میں اسلام بیان کرتا ہے کہ بڑی نعمت خدا کی رضامندی ہے ۔ دیکھو قرآن کریم ۔ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (توبہ : ۷۲) وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلَامٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (یونس : ۱۱) اور اللہ کی خوشنودی تمام نعمتوں سے بڑی ہے ۔ وہ اللہ کی پاکیزگی بیان کریں گے ۔ اور آپس میں سلامتی اور صلح سے رہیں گے ۔ اور آخری پکار انکی یہ ہوگی کہ حمد ہے اللہ پروردگار کیلئے ۔

پس سچے مسلمان الٰہی رضامندی کے گرویدہ ہو کر اسکی عبادت کرتے ہیں ۔ اس بات کیلئے جس کی نسبت تم نے فضول گوئی کی ہے ۔ ہاں دنیا کی نعمتیں اور دنیوی عیش و آرام اور دولتمندی آریوں کے اعتقاد میں نیکیوں کا پھل ہے اور ظاہر ہے کہ غلمان بعض دولتمند ہندوؤں کے لوازمات میں داخل ہیں پس کیا یقیناً یہ الزام آپ لوگوں پر نہیں ہو سکتا ؟ بلکہ جب دیانند کے نزدیک یہی دنیا ہی سورگ اور نیکی کے ثمرات لینے کی جگہ ہے ۔ گو چند اعمال کے بدلے ارواح چندے شواغل دنیا سے بھی آزادی اور انند میں رہیں گے تو اس صورت میں دیانندی پنتھ کے مطابق غلمان نیکی کے ثمرات نہیں ۔ تو اور کیا ہیں ؟ بات یہ ہے کہ سخت عداوت کے سبب تمہیں غلمان کا قصہ سمجھ میں نہیں آیا ۔ یا قرآن کو نہ دیکھا ہے اور نہ سمجھا ہے ۔ افسوس کہ اس ادعائی تہذیب کے زمانہ میں یہ درشت زبانی ۔ تمام قرآن کریم کا اُردو ترجمہ بھی تم دیکھ لیتے اور تھوڑا سا ماقبل سے پڑھ لیتے تو بشرطِ انصاف تم ایسے خلافِ تہذیب امر کے مرتکب نہ ہوتے ۔ سنئے قرآن کریم میں ہے ۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ کُلُّ امْرِیءٍ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ وَاَمْدَدْنٰھُمْ بِفَاکِھَۃٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ ۔ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْھَا کَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْھَا وَلَا تَاْثِیْمٌ وَیَطُوْفُ عَلَیْھِمْ غِلْمَانٌ لَّھُمْ کَاَنَّھُمْ لُؤْلُؤٌ مَّکْنُوْنٌ ۔ (طور : ۲۲ تا ۲۵)

ہم مومنوں کے ساتھ ان کی مومن اولاد کو ملا دیں گے اور ان کے عملوں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے

ہر شخص کو اپنی اپنی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ اور ہم انہیں میوے اور انکی پسند کے گوشت دیں گے۔ اور اس میں ایسے پیالے پئیں گے کہ ان کا نتیجہ بیہودہ خیالات اور بدکاری نہیں اور ان کے اردگرد موتیوں کے دانہ جیسے بچے پھریں گے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ بہشتیوں کی اولاد ان کے پاس پھریگی۔ وہاں مومن اولاد کی جدائی کا غم نہ دیکھیں گے۔ اور ان کیلئے نہ ترسیں گے۔ جب لفظ تاثیم صریح اس کی صفت میں موجود ہے جس کے معنی ہیں نہ گند میں ڈالنا۔ پھر آپ کو ایسا ناشایاں خیال کیوں گزرا۔ اس معنی کی تفسیر خود قرآن کریم نے سورۃ دھر میں اَور لفظوں کے ساتھ کی ہے اور وہاں غلمان کے بدلہ ولدان کا لفظ جو ولد یا ولید کی جمع ہے۔ فرمایا ہے۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا اور ان کے اردگرد عمر دراز بچے پھریں گے تم انہیں دیکھ کر یہی سمجھو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور سورۃ واقعہ میں ہے:

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ۔ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (آیت: ۱۸، ۱۹) اور ان کے اردگرد عمر دراز بچے کوزوں اور لوٹوں اور خالص نتھرے صاف پانی کو لئے پھریں گے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک بشارت ہے جو فتوحاتِ ایران و روم میں اپنے جلال کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ جوان اور ادھیڑ شاہی خاندان کے شاہزادے اور شہزادیاں مسلمانوں کے خادم ہوئے۔ مخلد ادھیڑ کو بھی کہتے ہیں جس کے بال سفید ہو گئے ہوں۔

اور سُن حضرت زکریا فرماتے ہیں رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ (مریم: ۲۱) اے اللہ مجھے کب بچے عطا ہوئے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ (صافات: ۱۰۲) یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو خوشخبری دی ایک عقلمند بچہ کی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آتا ہے لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهٗ (کہف: ۷۵) موسیٰؑ اور خضرؑ کے سامنے ایک جوان آیا اور خضر نے اس کو قتل کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ میں دیکھو۔ اولاد اور جوانوں کو غلام کہا گیا ہے بلکہ قاموس میں لکھا ہے کہ غلام وہ ہوتا ہے جس کی مونچھیں نکل چکیں۔

نیز تجھے خبر نہیں کہ عورت اور مرد میں جناب الٰہی نے قدرت میں مساوات رکھی ہی نہیں۔ بچہ جننے میں جو تکالیف عورتوں کو ہوتی ہیں۔ اُن میں مَردوں کا کتنا حصہ ہے۔ کیا مساوات ہے؟ کیا قویٰ ہیں مساوات ہے؟

ہر گز نہیں۔ میں ہمیشہ حیران کہ مرد و عورت میں مساوات کا خیال کس احمق نے نکالا۔
(نورالدین طبع ثالث ص۱۳۳ تا ص۱۳۴)

۲۱- وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۱﴾

اور جب دیکھے تو وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی۔ (فصل الخطاب حصہ اول ص۱۸۴)
مُلْكًا كَبِيرًا : حدیث شریف میں ہے کہ جو دوزخی دوزخ سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اس قدر جنت عطا فرماوے گا کہ دنیا و مافیہا اور اس سے دو چند کے مقابلہ کی ہوگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۲- عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ز وَّحُلُّوْٓا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۲﴾

ایک آریہ کے اس سوال کے جواب میں کہ ریشمی کپڑے۔ اتنا سامان کہاں سے آئے گا۔ کون بُنے گا۔ ریشم کیڑوں کا فضلہ اور لعاب ہے" فرمایا
سرب شکتیمان کے خزانہ سے جہاں سے تمام جگ کو ملتا ہے۔ سورج کی تیزی قائم رکھنے کیلئے نباتات کو اُگانے کیلئے اور حیوانات کیلئے کس قدر چیزوں کی ضرورت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہی کارخانہ میں سب کیلئے پورا سامان موجود ہے۔ زمین۔ پانی۔ ہوا اور خلا میں جس قدر ذی حیات ہیں۔ سب کیلئے کس قدر کثرت سے سامان مطلوب ہے۔ مگر سرب شکتیمان ہمہ قدرت کے کارخانہ میں سب کچھ موجود ہے۔ ذرہ کمی نہیں۔ سرب شکتیمان اور قادر کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اور سنو یہ ریشمی کپڑے وغیرہ نعمتیں تو عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ عرب خشن یعنی کھردرے اور سادہ لباس کے عادی تھے۔ خدا تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کی جزا میں ان کو بشارت دی گئی۔ کہ عنقریب شام و ایران کے شاہی ریشمی لباس تم کو دیئے جائیں گے۔ یہ فتحمندی کا وعدہ ہے۔ آخری ریشمی لباس اُسی کو پہنایا جاتا ہے جس کے مناسب حال ہوتا ہے۔
ہم کو بعض وقت ریشمی لباس۔ ریشمی تھان اور زیور امراء نے دیئے ہیں۔ مگر کبھی ہمارے

یا ان کے خیال میں نہیں آیا۔ کہ وہ لباس یا زیور ہم پہنیں گے ۔ وہ جن کے مناسب حال تھا ان کو پہنادیا گیا۔

اور سنو۔ یہ قبل از وقت ہمارے سرور کا مشاہدہ ہے اور قبل از وقت نظارہ کو عربی میں رؤیا کہتے ہیں اور ریشمی لباس کے متعلق علم رؤیا کا پرمان یہ ہے ۔ اس کو غور کرو ۔ اور دیکھو کہ ہمارے نبی کریمؐ کے مکاشفات آخرکار کس قدر صحیح اور صادق ثابت ہوئے ۔ اور جو باتیں اس جہان میں قبل از وقت بطور دعوٰی کے بتائی جاکر روزِ روشن کی طرح اپنا ثبوت آشکار کر دیں ان سے بڑھ کر اور کون شئے صدق کی مُہر اپنے اوپر رکھ سکتی ہے ۔ اب ان معانی کو رؤیا کی کتابوں میں دکھاتے ہیں۔

اَلثِّیَابُ الْخُضْرُ قُوَّۃٌ وَّدِیْنٌ وَّزِیَادَۃُ عِبَادَۃٍ لِلْاَحْیَاءِ وَ لِلْاَمْوَاتِ حُسْنُ حَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی (منتخب الکلام ، ص۱۱۱)

لباس سبز سے مراد ہے زندوں کیلئے قوت اور دین اور عبادت میں ترقی اور مُردوں کیلئے اللہ تعالٰی کے نزدیک خوشحالی ہے۔

اَلدِّیْبَاجُ وَالْحَرِیْرُ وَجَمِیْعُ ثِیَابِ الْاَبْرَیْسِمِ ھِیَ صَالِحَۃٌ لِغَیْرِ الْفُقَھَاءِ فَاِنَّھَا تَدُلُّ عَلٰی اَنَّھُمْ یَعْمَلُوْنَ اَعْمَالاً یَسْتَوْجِبُوْنَ بِھَا الْجَنَّۃَ وَیُصِیْبُوْنَ مَعَ ذٰلِکَ رِیَاسَۃً"

دیباج اور ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑے فقہاء کے سوا اوروں کیلئے بہت اچھے ہیں۔ انکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ ایسے عمل کریں گے کہ جن سے جنّت کے حقدار بن جائیں گے اور اس کے علاوہ انہیں ریاست بھی ملے گی۔

وَالثِّیَابُ الْمَنْسُوْجَۃُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ صَلَاحٌ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَبُلُوْغُ الْمُنٰی ۔

اور سونے اور چاندی کے ساتھ بُنے ہوئے کپڑوں سے مراد ہے بہتری دین میں اور دنیا میں اور مقصد پر پہنچ جانا۔

وَمَنْ رَاٰی اِنَّہٗ یَمْلِکُ حُلَلاً مِنْ حَرِیْرٍاَوْ اِسْتَبْرَقٍ اَوْیَلْبَسُھَا عَلٰی اَنَّہٗ تَاجٌ اَوْ اِکْلِیْلٌ مِنْ یَاقُوْتٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ وَرِعٌ مُتَدَیِّنٌ غَازٍ وَیَنَالُ مَعَ ذٰلِکَ رِیَاسَۃً (منتخب ص۱۱۱)

جو شخص دیکھے کہ اس کی مِلک میں ریشم اور استبرق کے لباس ہیں یا انہیں پہن رکھا ہے

یا یاقوت کا تاج سر پہ دیکھے۔ ایسا شخص پرہیزگار، دیانت دار، غازی ہوتا ہے اور علاوہ بریں اسے سلطنت بھی نصیب ہوتی ہے۔

(نورالدین طبع سوم ص۱۲۸ تا ص۱۳۰ نیز ص۱۳۳، ص۱۳۴)

۲۴۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝۲۳

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا : ہم نے اتارا ہے تم پر قرآن مجید کو وقتاً فوقتاً۔ اس کی وجہ سورۃ الفرقان میں کفار کے سوال لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً آیت ۳۲ میں یوں فرمایا ہے كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ۔ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۔ یعنی ضرورت پیش آمدہ کے وقت خداوند تعالیٰ کی ہم کلامی سے آپ کے دل کو تسکین ملتی رہی۔ اس کے علاوہ اور بھی کوئی وجوہ وقتاً فوقتاً ٹھہر ٹھہر کر نازل فرمانے کے قرآن شریف میں مختلف مقام میں بیان فرمائے ہیں۔

توریت میں پہلے سے یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ کتاب آہستہ آہستہ نازل ہوگی (دیکھو یسعیاہ باب ۲۸)

۲۸۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝۲۸

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ : عاجلہ اس ورلی زندگی دنیا کو فرمایا جس کا آرام دمِ نقد موجود نظر آتا ہے۔

۲۹۔ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝۲۹

شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ : ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے۔

۳۱- وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۱﴾

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ : حال تمہارا ایسا ہونا چاہیئے کہ نہ چاہو تم وہ بات جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے مگر حال تمہارا یہ ہے کہ وہ چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۱۶ - وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۲﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۳﴾
وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۴﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۵﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ
ذِكْرًا ﴿۶﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۷﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۸﴾
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۱۰﴾
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۲﴾ لِاَيِّ
يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۳﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ
الْفَصْلِ ﴿۱۵﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۶﴾

مُرْسَلٰتِ عُرْفًا : وہ معمولی رفتار سے چلنے والی ہوائیں جو ہلکی ہوتی ہیں اور نرمی سے چلتی ہیں اور حیوانات و نباتات کے لئے ممدِ حیات ہیں

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا : وہ تیز ہوائیں جو بادلوں کو چاروں طرف پھیلاتی ہیں اور جن سے دنیا میں بڑے بڑے انقلاب پیدا ہوتے ہیں ۔

فٰرِقٰتِ : وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں جو اس دنیا میں تفریق و انفصال کا کام کر رہی ہیں ۔

مُلْقِيٰتِ : وہ ہوائیں جو ملہمین اور واعظین کے نصائح کانوں تک اور دلوں تک پہنچاتی ہیں قدرت کا یہ کرشمہ اور نظارہ بتاتا ہے کہ ان کے خلق کی کوئی علتِ غائی ہے ۔ اس نظامِ ظاہری کو پیش کر کے بتایا ہے کہ جس طرح نظامِ ظاہری کیلئے مؤثراتِ خارجی ہیں ۔ اسی طرح نظامِ روحانی کیلئے بھی مؤثراتِ باطنی

ہیں۔ ہوا کے مختلف اثروں کی قسم میں ہوا کے مختلف شعبوں کی طرف توجہ دلاکر اس نظارہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئندہ آنیوالی کامیابیوں اور واقعات کے دکھلانے کے علاوہ حشر اجساد پر اسکو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ جیساکہ فرمایا :

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جو وعدے تم کو دئے گئے ہیں خواہ وہ اس دنیا کے متعلق ہوں یا آخرت کے متعلق وہ پورے ہوکر رہیں گے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذراتِ عالم خود ہی مدبر و مختار۔ علیم و قادر نہیں ہیں جو کہ ضروریاتِ عالم کو سمجھ کر موقعہ اور محل شناسی کے بعد انتظام کریں۔ بلکہ ان تمام واقعاتِ ظاہری کے تحت میں مدبرات اور مقسمات ہیں جن کو بلفظ دیگر ملائکہ کہتے ہیں۔ اور انہیں کو ظاہری افعال کے لحاظ سے مرسلٰت۔ عٰصِفٰت۔ نٰشِرٰت۔ فٰرِقٰت اور مُلْقِیٰت کہا گیا ہے۔ اور یہ الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جو ہزارہا بیرونی و اندرونی۔ آفاقی و انفسی۔ روحانی اور جسمانی امور پر دلالت کرسکتے ہیں اور اس طرح پر وجودِ قیامت پر ہزاروں دلیلیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مُرْسَلٰتِ عُرْفًا میں بادلوں کا آنا۔ برسنا۔ دن رات کا آنا جانا۔ سونا۔ جاگنا۔ گاڑیوں وغیرہ کا چلنا پھرنا سب داخل ہیں۔ اسی طرح پر باقی چار کو بھی قیاس کرلو۔ جس قدر واقعات ظاہری یا باطنی ظاہر ہورہے ہیں۔ وہ انہی پنج اقسام میں محصور ہیں۔ اور یہ سب کے سب بالاجماع دلالت کرتے ہیں کہ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ہولوں کو دیکھو۔ عام حالت میں کہ کیسی صاف وصحت بخش اور جان فزا ہوتی ہیں۔ مگر دوسرے وقت میں یہی ہوائیں تند اور تیز ہوکر دنیا میں ایک انقلاب پیدا کردیتی ہیں اور ایک عجیب امتیاز کے ساتھ بعض کو حوادث سے بچاتی اور بعض کو تباہ کردیتی ہیں اور ایسے حوادث اتمامِ حجت کا باعث ہوجاتے ہیں۔

الغرض یہ نظام ظاہری کی تقسیم خمسہ ہزاروں دلائل کا لشکر ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدے دیئے ہیں وہ پورے ہوکر رہیں گے۔ جس طرح ہوا صحت بخش اور جان فزا ہے۔ اسی طرح امر رسالت بھی جان فزا تو ہے مگر اس کی قدر نہ کی گئی تو بالآخر اس میں ہوا کی طرح اشتداد پیدا ہوگا۔ یہ رسالت دنیا میں منتشر ہوجاوے گی اور اس کے ذریعہ کاذبوں اور صادقوں میں امتیاز ہوگا اور منکروں پر اتمامِ حجت اور باعثِ عذاب ہوگا۔ یہی ہوا جس نے قومِ عاد کو ہلاک کیا تھا ؎

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند ❊ چوں کہ از حد بگذرد رسوا کند

اِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ : جب چھوٹے چھوٹے ستارے ماند پڑجاویں گے۔ یا ان کا نور

مٹ جاوے گا۔ نجم عربی میں چھوٹے ستاروں اور چھوٹے چھوٹے بوٹوں کو کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمٰن : ۷) اور بڑے ستاروں کو کواکب کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن شریف کیلئے ظہراور بطن ہے اس لئے علاماتِ قیامت سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ ایسے علماء جو نجوم کی طرح ہیں۔ انکی نورِ فراست جاتی رہے گی۔ دوسری جگہ فرمایا :

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (التکویر : ۳)

علماء کا نورانی چشمہ مُکدّر ہو جائے گا۔ بیچارے کیا کریں۔ تفسیروں پر تفسیریں لکھی گئی ہیں اور حاشیوں پر حاشیے چڑھائے گئے۔ یہ تو حال علماء کا ہوا۔ جو راہ یابی کیلئے بطور نجم کے نشان دہ تھے۔ باقی رہے حقّانی علماء ان کیلئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ یعنی حقانی علماء کے مرنے سے علم دنیا سے جاتا رہے گا۔ قرآن شریف میں بھی إِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (انفطار : ۳) یعنی بڑے ستارے جھڑ پڑیں گے کہہ کر علماء ربّانی کی وفات اور قبضِ علم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

إِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ : جب آسمان شگافتہ ہو جاوے گا۔ اور دوسری جگہ قرآن شریف میں إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (الانشقاق : ۲) فرمایا ہے۔ آسمان کا شگافتہ ہونا یا پھٹ پڑنا آسمانی بلیات و کثرتِ حوادث سے مراد ہے۔ جیسا کہ شدتِ مصائب کے وقت کہتے ہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑا۔ تباہ کن بارشوں کے وقت بھی یوں ہی کہتے ہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑا یا پھٹ پڑا۔

وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ : جس وقت پہاڑ اڑا دئے جاویں۔ یعنی بڑی بڑی قومیں نیست و نابود کر دی جاویں گی۔ تاریخوں میں تو بہت کچھ لکھا ہے مگر آنکھوں کے سامنے ہی کا معاملہ ہے کہ وہ شوکت اور قوت سکھوں کی جو پنجاب میں تھی۔ کہاں گئی؟ دوسری جگہ قرآن شریف میں یہی لفظ اس ترتیب سے آیا ہے۔ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (طٰہٰ : ۱۰۶)

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ : جب رسول وقتِ مقررہ پر جمع کئے جائیں گے۔ قیامت کے روز وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی اُمتوں کا حال بتانے کیلئے رسول تو اکٹھے کئے ہی جائیں گے مگر دنیا میں بھی تحقیق المذاہب کے بڑے بڑے جلسے جن میں ہر مذہب کے لیڈروں کو اپنے اپنے بیان کا وقت دیا جاتا ہے۔ یہ بھی توقیتِ رسل کا ایک نظارہ ہے۔

لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۔ لِيَوْمِ الْفَصْلِ : یہ وعدے کب پورے ہوں گے؟ فیصلہ کے دن پورے ہوں گے۔ آخرت میں یہ وعدے پورے ہوں گے۔ ہمارا ایمان ہے۔ مگر علامات کبریٰ اشراط

الساعۃ کے طور پر یہ وعدے دنیا میں اس وقت بھی پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ بہت سارے مباحث جن کا فیصلہ مولوی ملاؤں کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کا فیصلہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ہوگیا۔ عیسائیوں کا فیصلہ ڈوئی اور آتھم کے ذریعہ سے ہوگیا۔ آریوں کا فیصلہ لیکھرام کے ذریعہ سے ہوگیا۔ سکھوں کا فیصلہ باوا نانک علیہ الرحمۃ کے ذریعہ سے ہوگیا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ، جہاں قرآن شریف میں تکرارِ لفظی کے ساتھ کئی بار اس جملہ کو دہرایا ہے۔ وہاں خصوصیت کے ساتھ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ مطابقت کیلئے اشارہ کر رہے ہیں جس میں مسیح موعود کے کافر کش دم کی نسبت فرمایا ہے کہ

لَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ اَنْ يَّجِدَ رِيْحَ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ [1]

یہ مکذبین کیلئے ویل کا دن اور یوم الفصل ثبوت ہے اس بات کا کہ اس کے بعد یوم القیامۃ جزا سزا کا دن بھی آنیوالا ہے۔

حدیث شریف میں جو مسیح موعود کے انفاس کا ذکر ہے اس سے مراد آپ کے دلائل قاطعہ اور پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ انفاس کو اس شعر میں ملفوظاتِ نبوی کہا ہے۔

اَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمْ اَصْحٰبُ النَّبِيِّ وَاِنْ
لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهٗ اَنْفَاسَهٗ صَحِبُوْا

اس آیت شریفہ کو اس سورت میں باربار یاد دلا کر یہ یقین دلایا ہے۔ کہ منکرین و مکذبین ہرگز ہرگز فوز و فلاح کے وارث نہ ہوں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

اللہ تعالیٰ اس سورہ شریف میں ایک عجیب نظارہ دکھلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ سوچو۔ بہار کی لطیف ہوا کیسی فرحت بخش ہوتی ہے۔ ایک نوجوان اس وقت سڑک پر چلتا ہو تو اسکی زبان سے بھی ایک فقرہ ضرور نکل جاتا ہے۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا وہ ہوائیں جو دل کو خوش کرنیوالی ہوتی ہیں تم جانتے ہو کہ بعض وقت ہوا کا ایک لطیف جھونکا چلتا ہے کہ اس لطیف جھونکے سے دل خوش ہو جاتا

---

[1] ترجمہ از مرتب: مسیح موعود کے انفاس سے کوئی کافر زندہ نہیں بچ سکے گا اور اس کے انفاس وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک اس کی نظر جائے گی۔

ہے ۔ پھر وہی ہوا آہستہ آہستہ چلتی اور روح درون کو خوش کرنیوالی یکدم ایسی بڑھ جاتی ہے کہ ایک تیز آندھی بن جاتی ہے ۔ میں نے ایسی آندھیاں دیکھی ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا ۔ بہت سے جانور دریاؤں میں گر جاتے ہیں بہت سے پرند درختوں سے گر جاتے ہیں اور دریا وغیرہ کے درخت جو سرو کی قسم سے ہیں اس طرح گرتے اور اُڑتے ہیں کہ نیچے بیٹھے ہوئے آدمی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا ۔

" ...... وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۔ ایسی بھی ہوائیں ہوتی ہیں کہ پانی کو اٹھاتی ہیں ۔ بادل لاتی ہیں ۔ پھر ایسی ہوائیں بھی ہوتی ہیں کہ وَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۔ وہ فرق کر دیتی ہیں ۔ بادلوں کو اس طرح اڑا کر لے جاتی ہیں جیسے روئی کا گالا ۔

خدائے تعالیٰ کا کلام بھی انسان کے کان میں ہوا ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے ۔ ہوا کی لہریں بھی دماغ کے پردوں کو متحرک کر دیتی ہیں ۔ وہ ہوائیں اَلْمُرْسَلٰت ہوتی ہیں ۔ اور وہی آوازیں بھی کان میں پہنچاتی ہیں اور وہ آوازیں کبھی خوشی کی ہوتی ہیں کبھی رنج کی ہوتی ہیں جو عاصفات کا رنگ پیدا کر دیتی ہیں ۔ مومن کی شان میں ایک ایسا لطیف فقرہ ہے ۔ دنیا میں کوئی دُکھ کو پسند نہیں کرتا ۔ قرآن شریف میں ہے فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۳۹) اگر تم مومن ہو اور سُکھ چاہتے ہو تو اس کتاب کی اتباع کرو ۔

اب دور دراز سے خبریں آتی ہیں کہ مسلمانوں کو یوں شکست ہوئی ۔ یوں تباہ ہوئے ۔ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا ۔ وہ لکھتا ہے ۔ کہ مجھ کو دہریہ نام کا مسلمان ملا ۔ وہ کہنے لگا ۔ خدا تعالیٰ تو اب مسلمانوں کا دشمن ہو گیا ہے ۔ لہذا ہم اسلام سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خدا ہمارے پیچھے بھی نہ پڑ جائے ۔ اس لئے ہم تو اسلام کو چھوڑتے ہیں ۔ بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ اس نے مسلمانوں جیسے کیسے کام کئے ۔ مسلمان اپنے اعمال کو ٹھیک کرتے اور پھر دیکھتے ۔

فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا : ہواؤں میں وہ ہوائیں بھی ہیں ۔ کہ تم کو یاد دلانے کیلئے چلاتے ہیں یعنی لوگوں کے مونہہ سے تم کو سناتے ہیں ۔ کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ۔ ایک بڑا حصہ مسلمانوں کا ایسا ہے کہ اس کو اسلام کی خبر بھی نہیں ۔ اور اگر خبر ہے تو عامل نہیں ۔ میں تم کو بہت مرتبہ قرآن سناتا ہوں ۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزاروں مرتبہ تو سُن چکے ہیں ۔ کہاں تک سنیں ؟

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا : ہم تو اس واسطے تم کو قرآن سناتے ہیں کہ کوئی عُذر باقی نہ رہے اور تم میں سے کوئی تو ڈرے !

فَاِذَا النُّجُوْمُ : پھر ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دنیا سے مٹ

جاتے ہیں۔ پھر تو کوئی قرآن سنانے والا بھی نہیں ملتا۔

زمینداروں، دکانداروں کو فرصت کہاں۔ میں نے صرف ایک شہر ایسا دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن بازاروں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سب جمعہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ کوئی مسلمان بازار میں نہیں پھر سکتا۔ اور وہ شہر مدینہ ہے۔ مکہ میں بھی ایسا نہیں۔ یہ بھی چالیس پچاس برس کی بات ہے۔ اب کی کیا خبر ہے۔ دکاندار۔ حرفہ والے۔ ملازم اپنے کاموں کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے جاتے ہی نہیں۔ آجکل لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں کہ جمعہ کوئی ضروری چیز نہیں۔

عالمگیر نے ایک ایسی کتاب لکھوائی تھی۔ اس میں عجیب عجیب ڈھکوسلے ادھر ادھر کے بھر دیئے ہیں اس کے سبب لوگوں میں سستی ہوئی اور اب تو صاف صاف جمعہ کی مخالفت میں کتابیں چھپنے لگیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ قربانی کی ضرورت نہیں۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ حج میں روپے خرچ کرنے کی بجائے کسی انجمن میں چندہ دے دے۔ ایک شخص نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے۔ اور روزوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر امیر ہو تو کھانا دے دے۔ غریب کو تو ویسے بھی معاف ہی ہے۔ ایک شخص لکھتا ہے کہ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعہ: ۱۰) ہر قسم کا بیع چھوڑ دو۔ پس ہر قسم کی بیع ہونی چاہیئے۔ جہاں ہر قسم کی بیع نہ ہو وہاں جمعہ ضروری نہیں۔ میں نے کہا کہ ہر قسم کی بیع تو لندن میں بھی نہیں ہوئی۔

إِذَا النُّجُومُ: علماء یوں تباہ ہو رہے ہیں۔ قرآن کے حقائق یوں کھل جائیں گے۔ اور بڑی بڑی سلطنتیں بھی قائم ہو جائیں گی۔

ہمارے بعض دوست کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن سمجھ لیا ہے۔ دیکھو خوشی کی خبریں غم سے یوں مبدل ہو جاتی ہیں جیسے مرسلات۔ عاصفات۔ نفس کو اسکا مطالعہ کراؤ۔

شیخ ابن عربی لکھتے ہیں کہ ایک صوفی تھے۔ وہ حافظ تھے اور قرآن شریف کو دیکھ کر بڑے غور سے پڑھتے۔ ہر حرف پر انگلی رکھتے جاتے۔ اور اتنی اونچی آواز سے پڑھتے کہ دوسرا آدمی سُن سکے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کو تو قرآن شریف خوب آتا ہے۔ پھر آپ کیوں اس اہتمام سے پڑھتے ہیں؟

فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری زبان۔ کان۔ آنکھ۔ ہاتھ سب خدا کی کتاب کی خدمت کریں۔

ایک حضرت شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی گزرے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا۔ کہ آپ بہشت میں جائیں گے تو کیا کام کریں گے۔ فرمایا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے پاس حوریں آئیں۔ ہم نے ان سے کہا۔ جاؤ بیبیو۔ قرآن پڑھو۔ قرآن خدا کی کلام اور اسکی کتاب ہے۔

جس قدر کوئی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھے گا۔ اسی قدر جناب الٰہی اس کو پکارے گا۔ تو اسکی بات فوراً سنی جائے گی۔ (بدر حصہ دوم صـ۱۱ ۹ر جنوری ۱۹۱۳ء)

۲۱- اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۱﴾

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ : حقیر پانی سے۔ تھوڑے ناقدرے پانی سے۔ نبی۔ ولی۔ رسول۔ بادشاہ۔ امیر۔ فقیر۔ سب ہی اس ماءِ مہین سے بنے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۲- فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۲﴾

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ : ٹھہرنے کی جگہ۔ محفوظ جگہ۔ عورت کے رحم میں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۲۶، ۲۷- اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۶﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۷﴾

کیا نہ بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی زندوں کو اور مُردوں کو۔ کِفَاتًا کے معنے سمیٹنے والی اپنی طرف کھینچنے والی۔ ایک حدیث میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے۔ اَكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ اِنْتِشَارِ الظَّلَامِ فَاِنَّ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ لِلشَّيْطٰنِ خَطْفَةً یعنی سمیٹ لو اپنے بچوں کو شام کے اندھیرے کے وقت۔ کیونکہ اس وقت شیطان جھپٹا مار لیا کرتا ہے۔ یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ شام کے اندھیرے کے وقت اکثر مویشی وغیرہ بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ چراگاہوں سے دوڑتے ہوئے مکانوں کی طرف آتے ہیں۔ ایسے وقت میں بچوں کا درمیان آپڑنا ضرر اٹھانے کا باعث ہوتا ہے۔ والدین یا سرپرستوں کو ہدایت فرمائی کہ ایسے وقت میں بچوں کو اپنی طرف کھینچ لو۔ باہر نہ نکلنے دو۔

غرض کہ کِفَاتًا کے معنے کھینچنے اور سمیٹنے کے ہیں۔ خواہ مُردہ ہوں یا زندہ۔ تر ہو یا خشک۔ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ سب کو زمین اپنی قوتِ جاذبہ اور قوتِ کشش سے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ مسیحؑ کی موت حیات کا مسئلہ اس آیت سے بخوبی حل ہوتا ہے۔ آیت شریفہ بتلا رہی ہے۔ کہ مسیح ہوں یا کوئی دوسرا جاندار۔ مُردہ ہو یا زندہ۔ کسی کو بھی زمین نہیں چھوڑتی کہ اس سے جُدا ہو کر نکل جاویں اگر پرندے اڑتے ہیں۔ تو تھوڑے عرصہ بعد پھر زمین ہی کی کشش سے اسکی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

عیسٰی علیہ السلام آسمان پر نہیں اُٹھے۔ قرآن کریم اس کی تکذیب کرتا ہے۔ قرآن ایک کلی قاعدہ ہر ایک ذی حیات کیلئے باندھتا ہے۔ اور اس قاعدہ کلیہ سے کسی کو مستثنٰی نہیں کرتا۔ اس کے خلاف اعتقاد رکھنے والا قرآن کریم میں بتائی ہوئی خدا کی سنّت کا مکذب اور بے ایمان ہے۔ وہ آیت یہ ہے : اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا ۔ ہم نے زمین کو مُردوں اور زندوں دونوں کو اپنی طرف جذب کرنیوالی بنایا۔ اس کی کشش ثقل کسی کو اپنے اندر اور اپنے اوپر لینے اور رکھنے کے سوا چھوڑتی ہی نہیں۔ (نورالدین طبع ثالث صـ۹۸)

اگر پتھر اوپر کو پھینکا جاوے۔ تو زمین ہی کی کشش ہے کہ اس کو نیچے لا گراتی ہے۔ زمین کی اس قوت کشش کو سائنس کی تحقیقات میں گراویٹیشن پاور[1] کہتے ہیں۔ جس کو اسی آیت میں کِفَاتًا کہا گیا ہے۔ کِفَاتًا كَفَتَ يَكْفِتُ سے نکلا ہے نہ کہ کَفٰی یکفی سے۔ کفی یکفی کے معنے کافی ہونا۔ اور کفات کے معنی اپنی قوت کشش سے چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا اور سمیٹنا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ را پریل ۱۹۱۲ء)

۳۱- اِنْطَلِقُوْا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ [۳۱]

ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ، کسی سایہ کے تین ہی فائدے ہو سکتے ہیں ۱۔ اوپر کی تپش سے بچائے ۲۔ گردو پیش کی لپٹ سے بچائے ۳۔ شرارے اور چنگاریوں سے امن حاصل ہو دوزخ کے دھوئیں کا سایہ۔ اس میں یہ صفتیں کہاں۔ قرآن شریف کی باہمی آیات میں کچھ نہ کچھ ربطِ مطالب کے لحاظ سے ضرور رہتا ہے۔ دجالی فتنوں کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیا ہے جو سورۃ الدخان میں ہے۔

يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (الدخان : ۱۱)

عیسائیوں کی نجات کا اعتقاد باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ ان تینوں کے معجونِ مرکب پر ہے۔ ان تینوں کا جز اعظم بیٹا ہے۔ جو زمین کی اس کشش پر جس کا ذکر ماقبل آیت میں ہے۔ غالب آ کر زندہ آسمان پر چڑھ گیا (خدا کا بیٹا جو ہوا۔ اس کو گراوی ٹیشن کی کیا پرواہ۔) اس آیت میں اسی معجون مرکب کو ثلث شُعَب سے تعبیر کیا ہے۔ ربطِ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نجات کیلئے نہ باپ

---

[1] GRAVITATION POWER

کا سایہ ہوگا۔ نہ بیٹے[2] کا۔ نہ رُوح القدس[3] کا۔ ہوں گے اس وقت سبھی موجود۔ مگر جس سایہ کی طرف جاویں گے۔ آرام یا نجات نہ ہوگی۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔ جزا سزا اور اعمال میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء)

۴۰۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۴۰﴾

کتنا بڑا کید ہے۔ کہ ایک[1] دو[2] تین[3] کو جمع کرنے سے تین نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی ہوتا ہے۔

۱ + ۱ + ۱ = ۱ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء)

۴۷۔ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

سورۃ کا اکثر حصہ مذہب عیسوی کے اوپر مشتمل ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ گرجا کے خادموں کو کھانے پینے کیلئے بافراغت مل جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء)

۴۹۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۹﴾

نماز میں عیسائیوں کی رکوع نہیں۔ صرف (نی ڈاؤن[ل]) گھٹنے ٹیکنا ہے وبس۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء)

۵۱۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

اس کے یہ معنے نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثوں کو بھی نہ مانو۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا (تحریم: ۴) میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہی کا ذکر ہے۔ وہاں بھی اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (تحریم: ۵) آیا ہے۔ ایسے اعتقاد سے توبہ کرنا لازم ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء)

ل KNEE DOWN

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲،۳- عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۳﴾

النَّبَاِ الْعَظِيْمِ: نباءِ عظیم قیامت کے وقوع کا دن ہے۔ جس میں ان کو اختلاف تھا۔ نبأ عظیم الشان بات۔ پھر اس کے ساتھ عظیم کے لفظ کو اہمیت کے اظہار کیلئے اور بڑھا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ نبأ عظیم سے مراد قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا دعویٰ بھی مراد ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء)

۵- كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

كَلَّا زجر اور توبیخ کا کلمہ ہے۔ بیان ماقبل کے رد کیلئے آتا ہے۔ سَوْفَ نہیں فرمایا۔ "س" جو شتابی اور بے درنگی پر دلالت کرتا ہے۔ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ قیامت کبریٰ کے ثبوت کیلئے اس سے پیشتر ایک اور قیامت خیز واقعہ فتح مکہ وغیرہ کا بھی ہوگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (السجدۃ: ۲۲)

یہ سورۃ شریفہ مکی ہے۔ ایسے وقت کی نازل شدہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے۔ اس وقت یہ عظیم الشان پیشگوئیاں دنیا کو سنائی گئیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی صداقت اور قیامت کے ثبوت کے واسطے بیّن دلائل ہوئیں۔ اس زمانہ کے مادہ پرست لوگ غور کریں کہ کیا کوئی انسان اپنی تدبیر اور فکر سے ایسی تحدی کے ساتھ اتنا بڑا دعویٰ خلقت کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ کیا ایسی شاندار بات کوئی شخص صرف اٹکل بازی سے کہہ سکتا ہے؟

قیامت کے منکرین کے واسطے یہ دلائل نہایت ہی فائدہ بخش ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آں کہ کوئی غور کرے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱؍اپریل ۱۹۱۲ء)

۷۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۷﴾

جَعَلَ۔ پہلے پہل پیدا کیا۔ مہاد بمعنی مَمْهُوْد اسم مصدر۔ اسم مفعول کے معنے میں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (بقرۃ: ۲۳) معلوم ہوا کہ مہاد ہونا بھی زمین کی ایک صفت ہے اور فراش ہونا بھی ایک صفت ہے۔ چونکہ قیامت کے وقوع میں استبعاد عقلی ظاہر کیا گیا تھا۔ اس لئے اپنی قدرت کاملہ سطوت اور جبروت کے چند ایک نظارہ قدرت کو پیش کیا۔ مثلاً جبال۔ خلق ازواج۔ نوم و سبات۔ سَبْعٍ شِدَاد۔ سِرَاجٍ وَهَّاج۔ وغیرہ کئی ایک عظیم الشان مشہود قدرتوں کو پیش کیا۔ تاکہ عجز کا وہم دور ہو۔

مَهْدٌ۔ گہوارے کو کہتے ہیں۔ زمین بھی ایک گہوارے کی طرح ہے۔ سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ انسان کا یہ گہوارہ ہے۔ مٹی سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر مٹی میں مل جاتا ہے۔ پھر مٹی سے اٹھایا جاوے گا۔ اس زمین پر جزا و سزا کے اعمال کا ایک نقشہ اپنے سامنے دیکھتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

۸۔ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۸﴾

اَوْتَادًا: وَتَد کی جمع۔ وَتَد بمعنی کھونٹی جس سے اس جگہ مضبوطی جبال کا اظہار بھی مقصود ہے۔ پہاڑ ثقل ارض کو ایک اندازہ پر رکھنے والے ہیں۔ آجکل کے سائنسدانوں نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ جنبش کرتی رہتی۔ اس میں زمین کی پیدائش اور بناوٹ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان فوائد کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو پہاڑوں سے اہل زمین کو حاصل ہیں چنانچہ دوسری جگہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (لقمان: ۱۱) رکھے ہیں زمین میں پہاڑ تاکہ وہ کھا نہ دیویں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر اپریل ۱۹۱۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف "نور الدین" میں پہاڑوں کے بارے میں مزید تحریر فرمایا ہے۔

"اعتراض: زمین پر پہاڑ اس لئے رکھے کہ وہ آدمیوں کے بوجھ سے ہل نہ جاوے؟

الجواب: قرآن کریم میں اس مضمون کی کوئی آیت نہیں۔ البتہ یہ آیت ہے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (نحل: ۱۶) اس آیت میں

اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ کا لفظ ہے۔ جس کے معنے تمہیں ہلاتے ہیں۔ اور دوسری آیت اسی مضمون کی یہ ہے وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ (انبیاء: ۳۲) ان دونوں آیتوں میں تَمِیْدَ کا لفظ ہے۔ جو جہالت کے سبب سے دشمنانِ اسلام کی سمجھ میں نہیں آیا۔ سنو۔ لغت عرب میں ہے۔ مَادَنِي۔ یَمِیْدُنِیْ۔ اَطْعَمَنِیْ (المفردات القرآن للراغب) اور مَیْد کے معنے ہلنا۔ دیکھو۔ مَادَ یَمِیْدُ مَیْدًا و مَیْدَانًا تَحَرَّكَ (قاموس اللغۃ) مَادَ هُمْ اَصَابَهُمْ وَدَارَ (قاموس) وَالْمَائِدَةُ اَلدَّائِرَةُ مِنَ الْاَرْضِ (قاموس) ان معنوں کے لحاظ سے جو مَادَنِي۔ یُمِیْدُنِیْ کے کئے گئے ہیں۔ اس آیت کے یہ معنے ہوئے۔ کہ رکھے زمین میں پہاڑ اس لئے ہیں کہ کھانا دیں تمہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنایا ہے کہ ان میں سے برفیں پگھلیں۔ چشمے جاری ہوں۔ ندیاں نکلیں۔ پھر لنکے سیل پر اس سطح سے جس میں ریگ ہوتی ہے۔ پانی مصفا ہو کر کنوئیں میں آتا ہے پھر اس سے کھیت سرسبز ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک علاوہ اس رحمت کے سلسلے کے ہے۔ جو بارانِ رحمتِ الٰہیہ سے ہے۔ جس کا ذکر اس کلمہ طیبہ میں ہے۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ (البقرۃ: ۲۳)

اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے آیت کے یہ معنے ہوئے کہ ہم نے زمین پر پہاڑ رکھے کہ چکر کھاتے ہیں۔ ساتھ تمہارے۔ یہ الٰہی طاقت کا مرکز ہے کہ اس نے ایک بڑے مستحکم مضبوط پہاڑوں کو بھی زمین کے ساتھ چکر دے رکھا ہے اور نظامِ ارضی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اب کوئی انصاف کرے کہ کن معانی پر اعتراض کی جگہ ہے۔ ہم نے تصدیق براہین احمدیہ کی جلد دوم میں اس مضمون پر بسط سے کلام کیا تھا۔ اس مسودے سے بھی یہاں مختصراً کچھ نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ مکذب براہین احمدیہ کے اعتراض کا تیسرا حصہ یہ ہے۔ اہلِ اسلام کے نزدیک پہاڑ بمنزلہ میخوں کے زمین میں ٹھونکے گئے ہیں۔" یہ خام خیالی ہے"

الجواب: خام خیالی کا دعویٰ کرنا اور ثبوت نہ دینا۔ یہ بھی معترض کی خام خیالی ہے۔ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (لقمان: ۱۱) اور آیت کریمہ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا۔ ایک نہایت سچی فلسفی ہے اور اس سچی فلسفی پر جدید علوم اور حال کے مشاہدات گواہی دیتے ہیں۔ اور انہی مشاہدات سے بھی ہم گزشتہ دیرینہ حوادثات کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ اس زمین کا ثبات و قرار اضطرابات اور زلازل سے خالق السمٰوٰت والارض نے تکوینِ جبال سے تسکین دی ہے۔ چنانچہ علم طبقات الارض میں تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ زمین ابتداء میں

ایک آتشیں گیس تھی۔ جس کی بالائی سطح پر دھواں اور دخان تھا۔ اور اس امر کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ (حٰمٓ السجدہ: ۱۲) پھر وہ آتشیں مادہ اُوپر سے بتدریج سرد ہو کر ایک سیال چیز بن گیا۔ جس کی طرف قرآن شریف ان لفظوں میں اشارہ فرماتا ہے۔ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ پھر وہ سیال مادہ زیادہ سرد ہو کر اُوپر سے سخت اور منجمد ہوتا گیا۔ اب بھی جس قدر اس کے عمق پر غور سے دیکھتے جاویں۔ اسکا بالائی حصہ سرد اور نیچے کا گرم ہے کوئلوں اور کانوں کے کھودنے والوں نے اپنی مختلف تحقیقات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ گو اس نتیجہ میں فلاسفروں کو اختلاف ہے۔ کہ چھتیس ۳۶ میل عمق سے نیچے اب تک ایک ایسا ذوبانی اور ناری مادہ موجود ہے جس کی گرمی تصور سے بالا ہے۔ (اسلام نے بھی دوزخ کو نیچے بتایا ہے) جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی نہ تھی۔ اس وقت زمین کے اس آتشیں سمندر کی موجوں کا کوئی مانع نہ تھا۔ اور اس لئے کہ اس وقت حرارت زیادہ قوی تھی اور حرارت حرکت کا موجب ہوا کرتی ہے۔ زمین کی اندرونی موجوں سے بڑے بڑے مواد نکلتے۔ جن سے پہاڑوں کے سلسلے پیدا ہو گئے۔ آخر جب زمین کی بالائی سطح زیادہ موٹی ہو گئی۔ اور اس کے ثبات و ثقل نے اُس آتشیں سمندر کی موجوں کو دبا لیا۔ تب وہ زمین حیوانات کی بود و باش کے قابل ہو گئی۔ اسی واسطے قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (لقمان: ۱۱) اور اس کے بعد فرمایا۔ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ (لقمان: ۱۱) اَلْقٰی کا لفظ جو آیت اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ میں آیا ہے۔ جس کے صاف معنے ہیں "بنایا" کیونکہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں بجائے اَلْقٰی کے جَعَلَ کا لفظ آیا ہے جس کے صاف معنے ہیں۔ بنایا۔ اور اُن امور کی کیفیت آیت ذیل سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَکَ فِیْهَا (حٰمٓ السجدہ: ۱۱) اور زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا (حٰمٓ السجدہ: ۱۱) اور اس پر ہر قسم کے کھانے کی چیزیں پیدا کیں۔ ایک عجیب نکتہ آپ کو سناتے ہیں۔ آپ سے میری مراد وہ سعادت مند ہیں جو اس نکتہ سے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن کریم میں ایک آیت ہے اس کا مطلب ایسا لطیف ہے کہ جس سے یہ تمہارا سوال بھی حل ہو جاوے اور قرآن کریم کی عظمت بھی ظاہر ہو۔ غور کرو اس آیت پر۔ وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (النمل: ۸۹) اور تو پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتا ہے کہ وہ مضبوط جمے ہوئے ہیں اور وہ بادل کی طرح اڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری قابل دید ہے جس نے ہر شے کو خوب مضبوط بنایا ہے۔

غور کرو۔ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ تمہارے گمان میں ایک جگہ جمے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور وہ بادلوں کی طرح چلے جاتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ زمین کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور یہ کیسا عجیب نکتہ ہے۔ (نورالدین صـ ، ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ ۳۰۳)

۱۰- وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۱۰﴾

نَوْمَ بھی قیامت کے ثبوت کیلئے ایک عجیب واقعہ روزمرہ کا ہے۔ سُبات کے کئی معنے ہیں سُبات۔ نیند اور راحت۔ سُبات: قطعًا لِاَعْمَالِكُمْ۔ سُبات تمدد اور کھولنے کو بھی کہتے ہیں سَبَتَتِ الْمَرْاَةُ شَعْرَهَا۔ نیند بھی ایک قسم کی موت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر اس مُردے کو زندہ کرتا ہے۔ یہ موت ناقص ہے موت کامل کے بعد بھی انسان اسی طرح پھر اٹھایا جائے گا۔ یہاں اس کا ایک نمونہ دکھایا گیا ہے۔

۱۱- وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۱﴾

راتوں کے سُبات اور آرام پانے کی وجہ سے تھکے ہوئے چہروں پر دوسری صبح جو تر و تازگی اور رونق آجاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا لباس ہے۔ حقیقت میں رات بندوں کیلئے بڑی پردہ پوش ہے۔ کوئی شاعر کہتا ہے ؎

اَللَّيْلُ لِلْعَاشِقِيْنَ سِتْرًا ؞ يَا لَيْتَ اَوْقَاتَهَا تَدُوْمُ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ ۳۰۳)

۱۲- وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۲﴾

انسان کے واسطے دن معاش کا ذریعہ اور رات آرام کا وقت بنایا ہے اور فرمایا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ بُكُوْرِهَا۔ کس قسم کی معاش؟ دنیوی معاش اخروی معاش کیلئے یہ جگہ ہے اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ جیسا بیج بوؤ گے۔ انجام کار ویسا پھل پاؤ گے۔ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ جَو کے بونے والے کو آخر جَو کاٹنے پڑیں گے۔

(الحکم ۱۶/اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

۱۵- وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۵﴾

مُعْصِرٰتِ ان بادلوں کو کہتے ہیں۔ جن میں سپنج کی طرح پانی بھرا ہوا ہو۔ جو ٹپکنے کے قریب ہو۔ مُعْصِرَۃٌ لغت میں اس لڑکی کو بھی کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو۔ ثَجَّ۔ لازم اور متعدی دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ لازم جیسے ثَجَّ الْمَاءُ۔ پانی کثرت سے بہا۔ متعدی جیسے حدیث شریف میں اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ الْعَجُّ وَالثَّجُّ عَجَّ کے معنے تلبیہ پکارنا۔ لبیک کہنا اور ثَجَّ کے معنی قربانیوں کا خون بہانا۔ غرضیکہ مُعْصِرٰت سے مَاءً ثَجَّاجًا کا ہونا عبارت ہے۔ بارش موسلادھار سے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۳ و صـ۳۰۴)

۱۸- اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۸﴾

یَوْمَ الْفَصْلِ فرمایا۔ یوم الفصل مقرر ہے اور بدر یوم الفصل اور یوم الفرقان واقعات کے رُو سے ثابت ہو کر قیامت و محشر کے واسطے ایک بیّن دلیل ہے

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

سورۃ مرسلات میں یوم الفصل فرمایا تھا۔ اب اسکی تفصیل بتاتا ہے۔ کہ یہاں تو سب کچھ ملا جلا ہے۔ اگر یہاں عذاب آئے تو نیک آدمیوں کو بھی دُکھ پہنچتا ہے۔ اس لئے فیصلہ کے واسطے ایک دن مقرر ہے اور کفار کو دنیا میں بھی اس کا نمونہ دکھایا جائے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹/ صـ۴۸۷)

۲۱- وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۱﴾

آسمان سے نشانات کی بارش ہو گی۔ اور یہ جو بڑے بڑے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹/ صـ۴۸۷)

۲۲- اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۲﴾

مِرْصَادًا کے معنے کمین گاہ۔ گھات۔ قید خانہ۔ جیل خانہ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

۲۳۔ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۳﴾

سرکشوں کیلئے بازگشت کی جگہ۔ طاغین کے بالمقابل اگلی آیت میں متّقین اور انکی جزا کو بیان فرمایا ہے
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

طَاغِی، سرکشی کرکے حد سے نکل جانے والا۔
متّقی، خداوند تعالیٰ کی حدبندیوں کے اندر رہنے والا ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلا ٭ می گزارد با محبّت باوفا

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

۲۴۔ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۴﴾

اَحْقَابًا: اس سے ظاہر ہے کہ جہنم غیر منقطع نہیں۔ جیسا جنّت۔ وہ ایک تادیب گاہ ہے جہاں انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج ہو کر اسے بہشتی زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ بہشت عطاءً غیر مجذوذ ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

۳۲۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۲﴾

پاس ہونے والے۔ کامیاب اور بامراد ہونے والے متّقین ہی ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

۳۴۔ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۴﴾

کَوَاعِبَ جمع کَعْبَۃٌ کی ہے۔ کَعْبَیْنِ پیر کے دونوں ٹخنوں کی ہڈی کو کہتے ہیں کَوَاعِب سے مراد نوخیز۔ نوعمر عورتیں ہیں جن کے پستان ٹخنوں کی طرح ابھرنے پر ہوں۔ محاورہ ہے۔
تَکَعَّبَتِ الْجَارِیَۃُ وکَعبتِ الْجَارِیَۃُ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

اَتْرَاب: اس لفظ کا اصل ترب اور تراب سے ہے جس سے مطلب خاکساری اور انکساری ہے طاغین کی سزا کے بالمقابل اتراب یعنی منکسر المزاج عورتوں سے جزاءِ متّقین خوب مناسبت رکھتی ہے اُتراب کے لغت کی حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمل الترب کے اس بیان

سے بھی خوب واضح ہوتی ہے۔ جو ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۵۰ اور صفحہ ۳۱۲ میں مذکور ہے۔ جہاں آپ نے تسخیر بالنظر کے عمل کو بیان فرمایا ہے۔ اس عمل میں معمول (جس کو انگریزی میں سبجکٹ کہتے ہیں) کا اپنے عامل کیلئے پورا منکسر المزاج۔ مطیع و فرمان پذیر بننا ضروری ہے۔ حضرت صاحب کا ایک الہام بھی ان صفحوں میں درج ہے۔ وہ یہ ہے۔ ھٰذَا ھُوَ التِّرْبُ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔
اَتْرَاب کے معنے ہم عمر اور ایک ساتھ مٹی میں کھیلنے والوں کے بھی بیان ہوئے ہیں۔
لِلنَّاسِ فِیْ مَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاھِبُ شَتّٰی
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۴)

۳۵- وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۵﴾

کَاْسًا بھرے پیالے کو کہتے ہیں۔ جو پیالہ پینے کی چیز سے خالی ہو اسے کاس نہیں کہیں گے پیالہ اتنا بھرا ہو کہ چھلکنے لگے۔ اس پیالہ کو کَاْسًا دِهَاقًا کہتے ہیں۔ ابنِ عباسؓ سے منقول ہے اَسْقِنَا وَاَدْهِقْ لَنَا یعنی پلا ہم کو اور خوب بھر کر پلا۔ دِهَاق کے معنے پے درپے کے بھی آئے ہیں اَدْهَقْتُ الْحِجَارَةَ اِدْهَاقًا میں نے پے درپے پتھر چلائے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۴)

۳۹- یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۛ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۹﴾

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ الخ: حسن اور قتادہ فرماتے ہیں۔ کہ روح سے بنی آدم اور ارواح ان کی مراد ہیں۔ لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ میں عیسویت کے کفارہ کی تردید ہے۔ جن پر روح کے لفظ کا اطلاق ہے۔ وہ سب دست بستہ کھڑے ہیں کہ کلام کرنے کی مجال نہیں۔ کیا روح سے مراد صرف وہ اقنوم لیا جائے۔ جس نے مسیح کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ تو پھر بیٹے کی ایسی مٹی پلید ہوتی ہے کہ اس بے چارہ کو بولنے تک کی جرأت نہیں۔ علاوہ اس کے رحمٰن کے معنے رحم بلا مبادلہ کرنیوالا ہے۔ صفت رحمانیت اور کفارہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ رحمانی صفت میں تناسخ کا رد بھی ہے۔ جو رحم بلا مبادلہ کرتا ہے۔ اس کو مختلف جونوں میں کتا بلا بنا کر اپنا گھر

پورا کر لینے کی کیا ضرورت؟ قرآن کریم میں روح کا لفظ کلام اللہ کیلئے آیا ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

۴۱۔ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۱﴾

ابتدائے سورۃ میں سَيَعْلَمُوْنَ دوبارہ کہہ کر قریب ہی آنے والے عذاب کی طرف توجہ دلائی تھی۔ خاتمہ سورۃ میں بھی عذاب قریب کا ذکر فرمایا۔ جو یوم بدر اور فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔ اور یہ عذاب کی پیشگوئیاں دنیا میں صادق ہو کر قیامت اور اس کے عذاب کیلئے ثبوت ٹھہریں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۴)

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۲﴾

نازعات : زور سے اور تکلف سے کھینچنے والے۔

۳- وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۳﴾

بلا تکلف نشاطِ خاطر سے کھینچنے والے۔

۴- وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۴﴾

اپنے فن کے پیراک اور ماہر۔

۵- فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۵﴾

اپنے ہم عصروں سے سبقت لے جانے والے۔

۶- فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۶﴾

افسرانِ محکمہ جات اور اپنے اپنے فنون کے مُوجد و مدبر۔
مطلعِ سورۃ کی یہ پانچ آیتیں ہیں جو اس بات کا اظہار کررہی ہیں کہ دینی امور ہوں یا دنیوی۔
ان کے انتہائے کمال پر پہنچنے کیلئے یہ پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اول : کام سے ہٹانے والی چیزوں سے الگ ہو کر انسان اپنے کام میں محو ہو جائے۔ دوم : پورے نشاط اور خوشی سے اپنے کام کو کرے سوم : اپنے کام میں اس طرح مشق کرے جس طرح پیراک پانی میں تیرتا ہے۔ اور اس کو کوئی روکاوٹ نہیں ہوتی۔ چہارم : اپنی جماعت اور ہم عمر لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ پنجم : اپنے کام میں

ایساکمال حاصل کرے کہ خود اس میں موجد ہو جائے۔ مثلاً طالبعلم ہو یا تاجر۔ پہلے پہل اس کو ہمہ گوش وہمہ تن ہو کر اپنے کام میں مستغرق ہونا پڑتا ہے۔ تب کچھ حروف شناسی یا سنبھالا پکڑتا ہے۔ پھر بعد اس کے نشاطِ خاطر سے کام چل پڑتا ہے۔ پھر بعد چندے طالبعلم یا پیشہ ور اپنے اپنے معانی و مطالب سے پیراک ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنے ہم عصروں اور پیشہ وروں سے بایکدیگر مسابقت و پیش قدمی کرنے لگتے ہیں۔ آخری درجہ کمال یہ ہوتا ہے۔ کہ موجدِ فن و مدبر و افسر اعلیٰ بن جاتے ہیں۔

ملائکۃ اللہ کی خدمات بھی ان آیتوں سے مراد سمجھی گئی ہیں۔ مگر آیت اپنے عموم پر دلالت کر کے ملائکۃ اللہ کے ہم رنگ وہم سبق ہونے کی انسانوں کو بھی تعلیم دے رہی ہیں۔ اور ساتھ ہی جزاو سزا کے مسئلہ کو جو مقصود بالذات ہے ثابت کر رہی ہیں۔ نتائج اعمال حق ہیں۔ کوششوں کے پھل ضرور ملیں گے۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ۔ دنیا ایک زراعت گاہ ہے۔ اس زراعت کے کاٹنے کا جو وقت ہے اس کا نام یومِ آخرت و یوم القیامۃ ہے ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو ﴿ گندم از گندم بروید جو ز جو

اللہ تعالیٰ نے قسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ ان واقعات کو جزا و سزا کیلئے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور اس آنے والے دن کے اشراطِ عظام۔ مبادی و مقدمات یوں بیان فرماتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵)

۷،۸- یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۝۷ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَۃُ ۝۸

زلزلے ہمیشہ آتے رہیں گے۔ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اشراط عظام قبل قیامِ ساعت جب شروع ہو جاویں گے تو ایسے لگاتار ظہور ہوں گے۔ جیسے تسبیح کا تاگہ ٹوٹ جانے سے منکے تسبیح کے تتابع یکے بعد دیگرے گرنے لگتے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ اَوَّلُ الْاٰیَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا اَوِ الدَّابَّۃُ اَیَّتُهُمَا خَرَجَتْ فَالْاُخْرٰی عَلٰی اَثَرِهَا۔ سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی وہ یا تو طلوعِ شمس من مغربہا ہوگی۔ یا خروج دابہ کی ہوگی۔ جونسی ان میں سے پہلے ظاہر ہوگی دوسری بھی اس کے نقشِ قدم کے ساتھ ہی شروع ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیرہ سو برس گزرنے کے بعد ظہور ان آیات کا جو تعبیر طلب ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دُور کی چیز اپنی کیفیت و کمیت میں بسبب بُعدِ مکانی کے

اپنی اصل شکل سے کچھ مغائر معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح سے پیغمبروں کے مکاشفات کا حال ہے کہ پیشگوئیوں میں جو مکاشفات کے ذریعہ سے بیان کی جاتی ہیں۔ بہ سبب بُعدِ مکانی کے کچھ نہ کچھ تعبیر واقع ہو جاتی ہے۔ احکام و اوامر و نواہی کا ایسا حال نہیں ہوتا۔ اب تو کئی قسم کے زلزلے آئے اور متتابع آئے
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵)

۱۱- يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۱﴾

اَلْحَافِرَةِ : نشانِ قدم۔ حُفَر سُم کو کہتے ہیں۔ حُفْرَةٌ گڑھے کے معنے ہیں۔
مَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ۔ کیا ہم اپنے نقشِ قدم پر لوٹ کر پھر اگلی حالت جیسے زندہ انسان ہو جائیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵)

۱۵- فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۵﴾

میدانِ حشر۔ میدانِ جنگ۔ میدان بدر بھی اُس کا مصداق تھا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵)

۱۹- فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۹﴾

بڑی ہی نرمی اور ملائمت سے تبلیغ کو شروع کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ دوسری جگہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ: ۴۵) فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵)

۲۱، ۲۲- فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۱﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۲﴾

اٰيَةَ الْكُبْرٰى : عصا تھا جس کے تابع پہلی اذیت کے وقت یدِ بیضا بھی تھا۔ اس لئے ایک ہی چیز کا ذکر فرمایا۔ ورنہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى (طٰہٰ: ۵۷) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵)

۲۵- فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۵﴾

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى : میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل ص۱۵۹)

۲۷۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾

آیت میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موسیٰؑ کے بیان میں مثیلِ موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کیلئے عبرت ہے۔ عبرت کہتے ہیں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف پے لے جانے کو۔ مَعْبَر کشتی کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اِس طرف سے اُس طرف کو عبور کرنے کا آلہ ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں کو موسیٰ علیہ السلام کی کامیابیوں کے شیشہ میں دکھلا کر آخر میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى فرمایا۔ آیت اپنے عموم کی رُو سے ہر خاشع و متقی کیلئے عبرت ہے ؎

خوش تر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵)

۲۸۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٨﴾

آسمان کی شدید پیدائش کو اپنی سطوت و قدرت کے اظہار کیلئے بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھنے والوں کے سامنے پیش کیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵)

۲۹۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٩﴾

سمك : بلندی (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵)

۳۰۔ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٣٠﴾

رات اور دن کی اضافت آسمان کی طرف اس وجہ سے کی کہ رات کے حدوث کا سبب غروبِ شمس اور دن کے پیدا ہونے کا باعث طلوعِ شمس ہے اور اس کو طلوع و غروب حرکتِ فلکی کی وجہ سے حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اُن دونوں کی اضافت آسمان کی طرف ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۵)

۳۱۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣١﴾

سورۃ فُصِّلَتْ میں زمین کی پیدائش کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ……

فَقَضٰھُنَّ (حٰمٓ السجدة : ۱۲،۱۳) اختلاف کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ دُحُو سے مطلق بسط اور پھیلانا ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ نباتات کا نکالنا اور چشموں وغیرہ کا جاری کرنا بھی دُحُو میں شامل ہے اور یہ بے شک بعد پیدائش آسمان کے ہوا ہے۔ یعنی جو چیزیں خدائے تعالیٰ نے زمین میں مخفی رکھی تھیں وہ آسمان کی پیدائش کے بعد مُکمَن قوۃ سے حَیّزِ فعل میں آئیں۔ یہی زمین کا دحُو ہے سورۃ فُصِّلَتْ کا ثُمَّ تاخیر کیلئے نہیں بلکہ ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ کے معنے فُصِّلَتْ سورۃ میں یہ ہیں کہ پس آسمانوں کی تسویہ کی طرف متوجہ ہوا جو پہلے سے تھیں۔ اس سورۃ نازعات میں بھی بَنٰھَا کہہ کر بناء آسمان یعنی تقدم بنائے آسمان کو قرار دیا ہے۔ سورۃ فُصِّلَتْ میں ثُمَّ ترتیب کیلئے نہیں ہے بلکہ وہاں صرف نعمتوں کا شمار مقصود ہے جیساکہ تورات کی نسبت فرمایا۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (انعام : ۱۵۵) اور یہاں اوّل بناءِ آسمان اور پھر دَحْوِ اَرْض کا ذکر ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۵ ص۳۰۶)

۳۳- وَالْجِبَالَ اَرْسٰىھَا ﴿۳۳﴾

اَرْسٰىھَا : مضبوط بنایا ان کو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۶)

۳۵- فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۵﴾

الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى : طَامَّة بڑی گھمسان۔ گھوڑا چلنے اور دوڑنے میں اپنی ساری قوت خرچ کر دے۔ تو اس وقت طَمَّ الْفَرَسُ طَمِيْمًا بولا کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۶)

۳۸- فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۸﴾

طغیانی۔ حد سے باہر ہو جانا۔ ندی نالوں کا پانی جب حد سے باہر نکل پڑتا ہے۔ تو طغیانی کہلاتا ہے۔ جو بہت زیادہ پھیل جائے اور بڑی سرکشی کرے۔ وہ طاغوت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۶)

۳۹ - وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۹﴾

اٰثَرَ : ایک چیز کو دوسری چیز سے زیادہ پسند کیا
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۶)

۴۱ - وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۱﴾

هَوٰى : گری ہوئی نکمی خواہش (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صفحہ ۳۰۶)

۴۳ - يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۳﴾

مُرْسٰى : انتہائے سیر اور اس کا ٹھہراؤ۔ کشتی جب چل کر ٹھہر جاتی ہے تو مرسے السفینة کہتے ہیں۔

ایک سوال اور اسکا جواب : آریہ لوگ نادانی سے اعتراض کرتے ہیں (کیونکہ انہیں حقائق معاد سے بالکل ناآشنائی ہے) کہ انسان کے جزاء دینے میں اس قدر دیر لگانا انصاف کے خلاف ہے۔ چاہیئے کہ فوراً سزا ہو۔ قیامت تک ہر شخص کو حوالات میں رکھنا اور پھر کسی کو کم کسی کو زیادہ دیر رکھنا سخت بے انصافی ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں اوّل تو یہ کہنا کافی ہے۔ کہ اسلام کی حقیقت سے اگر وہ واقف ہوتے تو ایسا لغو اعتراض نہ کرتے۔ یوم کا لفظ ہر آن پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور اعمال کی جزا و سزا اسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب کوئی عمل حیطہ فعل میں آتا ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ جو مر گیا اسکی قیامت قائم ہو گئی۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ خود اسی سورت میں اسکا جواب موجود ہے۔ کہ قبر کا زمانہ ایسا ہو گا کہ گویا پہر بھر ٹھہرے ہیں تو پھر توقفِ جزا یا حوالات کا اعتراض نہایت ہی لغو ہو جاتا ہے۔

یہ اعتراض تو آریوں پر ہوتا ہے۔ کہ کیوں اعمال کی جزاء کو دوسرے جنم تک ملتوی کیا جاتا ہے اور پھر ایسے دوسرے جنم میں جو بھوگ جونی کہلاتا ہے۔ پہلے جنم کے اعمال و افعال کا کچھ بھی شعور نہیں ہوتا

اور نہ پہلا تشخص قائم رہتا ہے۔ جو اُن کے مجوزہ اور مقررہ انصاف کے صریح خلاف ہے۔ پھر مہاپرلے کے وقت جو خلق فنا ہوتی ہے۔ ان کی جزا و سزا کو اگلی دنیا تک جو آٹھ ارب کا زمانہ ہے ٹکائے رکھنا کس اصول دیانت و انصاف پر مبنی ہے۔ کیا مخلوق کا کام ہے کہ خالق کو مشورہ دے؟

عرض یہ سوال یا اعتراض بالکل فضول اور لغو ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۶)

۴۴- فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ﴿۴۴﴾

اے پیغمبرؐ تم اس کا وقت بتانے کے کہاں بکھیڑے میں پڑے ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیشہ لوگ قیامت کے تعینِ وقت کا سوال کیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اور اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (آیت: ۴۵) نازل ہوئی۔ تو لوگ سوال سے باز آگئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۶)

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ⓵

اس سورۃ کی ابتدائی آیتوں کے شانِ نزول کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر میں ابھی کروں گا۔ اس سے پہلے اس امر کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شانِ نزول سے ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتا کہ ان آیات کے نزول سے وہی امر مراد ہے جو شانِ نزول کے تحت میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے۔ کہ وحی الٰہی کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اس واقعہ پر بھی وہ آیات چسپاں ہوتی ہیں ورنہ اگر کسی ایک واقعہ کو مخصوص کرلیں تو پھر قرآن مجید کی عظمت جو اس کے عام اور ابدی ہونے میں ہے کم ہوجاتی ہے۔

غرض اس کی ابتدائی آیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر بدل حریص تھے۔ کہ یہ لوگ ہدایت پا جاویں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر فرمایا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء : ۴) یعنی کیا تو اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈال دے گا۔ اس خیال اور فکر سے کہ یہ مومن ہوجائیں" آپ کے دل میں ازحد تڑپ تھی اس امر کی کہ یہ لوگ ہدایت پائیں۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ سے امر دین میں کچھ دریافت کرنا چاہا چونکہ وہ نابینا تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ یہاں کن لوگوں کو حضرتؐ خطاب کر رہے ہیں۔ اور آداب الرسول کے موافق انہیں کیا طرز اختیار کرنا چاہیئے۔ وفورِ شوق اور اخلاص سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ام مکتوم کا یہ فعل پسند نہ آیا۔ اور اس کے آثار آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ اور کافروں کی طرف منہ پھیر کر ان سے باتیں کرنے لگے۔ آپ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس کے بعد آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کی بڑی دلداری کی اور اپنی چادر پچھا کر اسے بٹھایا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر یہ کلام الٰہی نہ ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور سچے نبی نہ ہوتے۔ تو یہ اس میں درج نہ ہوتا۔ جو گویا عتاب کا

رنگ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر خدا تعالیٰ کی کتاب اور وحی پر ایمان نہ رکھتے تو پھر اس کی تلافی نہ فرماتے۔ یہ ایک باریک بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رسالت پر خود ایمان لانا بھی ایک زبردست دلیل رسالتِ محمدیہ کے حق ہونے کی ہے۔

بہرحال یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید چونکہ اپنے اندر مستقل صداقتیں رکھتا ہے۔ اس لئے ان آیات سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے۔ اوّل۔ دین میں اخلاص اور عملی رنگ کا پیدا ہونا کسی رنگ و نسب پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ایسے معاملات میں ایک مبلغ اور واعظ کو کبھی یہ خصوصیت اختیار کرنی نہیں چاہیئے۔ کہ وہ طبقہ امراء کی وجہ سے ضعفاء اور غرباء کو چھوڑ دے۔ اور ان کی طرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ ضعفاء اور غرباء زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُن کی باتوں کی قدر کی جاوے اور انہیں محبت اور اخلاص سے دیکھا جاوے۔ انکی بات کو ہرگز رد کرنے کی کوشش نہ کی جاوے۔ وہ نہایت نازک دل رکھنے والی قوم ہے۔

اس وجہ سے اُن سے بے پرواہی نہیں کرنی چاہیئے کہ دل کے حالات کا اللہ ہی علیم ہے۔ وہی خوب جانتا ہے۔ کہ کون ہدایت پانے والا ہے اور کون نہیں۔ دوسری بات ان آیات سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ جو لوگ بے پرواہی کریں۔ ان پر تبلیغ اور اتمامِ حجت کافی ہے۔ ان کے پیچھے پڑنا ضروری نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ نبی کا کام کسی کو ہدایت یاب کر دینا نہیں ہے۔ لوگ غلطی کرتے ہیں جو کسی ماموِر ربانی سے ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں کہ آپ میری فطرت بدل دیں اور یہ کر دیں اور وہ کر دیں۔ یہ خدائی فعل ہے اور اسی کو سزاوار ہے۔

ایک اور بھی لطیف معنے ہیں اور وہ یہ کہ تیوڑی چڑھانے کا اثر ایک نابینا پر کیا ہو سکتا ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار (جو توجہ نہیں کرتے تھے) کی تیوڑی چڑھائی اور نابینا سے ملتفت ہوئے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ صداقت اور حق کا جویاں خواہ کیسا ہی غریب اور محتاج کیوں نہ ہو۔ وہ زیادہ حق دار ہے کہ اسکی طرف توجہ کی جاوے۔ بمقابلہ ایک ریاکار اور خدا سے دور دولتمند اور سرکش متموّل کے۔ اس سورۃ میں وَمَا يُدْرِيكَ کا خطاب عام ہے۔ یعنی اے مخاطب تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ کیسا پاک دل اور پاکباز انسان ہے۔ اس لئے اگر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بہ نظر استعجاب دیکھتا ہے کہ ایک قوم کے عمائد کی طرف سے توجہ پھیر کر ایک اندھے کی طرف مخاطب ہوئے۔ یہ تیری خیالی تہذیب کے ماتحت قابلِ اعتراض ہے مگر اللہ تعالیٰ دلوں کو جانتا ہے اور اسکے نزدیک قابلِ قدر وہی ہیں جو خدا سے ڈرتے اور تزکیۂ نفس کرتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰۶ ۱۹۱۲ء)

۲۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۝۲

عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ عَبَسَ سے تَلَھّٰی تک دس آیتوں میں اس بات کو ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز اور نکتہ گیر ہے۔ اس کے حضور بہت احتیاط اور حذر چاہیئے۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی۔ آنہاراکہ قریب تر اند خائف تر اند کا مضمون ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ تیوڑی چڑھایا اور منہ پھیر لیا۔ چونکہ شانِ نزول ایک خاص واقعہ کا پتہ صحیح حدیثیں دے رہی ہیں۔ اس لئے کفار کی طرف سے منہ پھیر لینا اور انکی طرف سے تیوڑی چڑھا کر ایک غریب کی طرف متوجہ ہونا یہ معنے بالعکس واقعہ کے ہیں۔ اس لئے جمع بین الضدّین صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ صحیح بات وہی ہے جو حدیثِ صحیح سے ثابت ہے اور نظمِ کلامِ الٰہی اس کا مؤیّد ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰۷)

بعض آدمی نیک بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے اندر ایک کبریائی ہوتی ہے جو بعد میں مشکل سے معلوم ہوتی ہے۔ بہت احتیاط چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امراءِ مکّہ کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اوپر سے ایک اندھا آگیا۔ اب وہ النازعات والی حالت نہ رہی یعنی توجہ ہٹ گئی۔ کچھ اِدھر کچھ اُدھر۔ ربّ کریم نے اندھے کی سفارش فرمادی کہ اس کی طرف توجہ تام فرمالیجئے۔

اس سورۃ میں بڑے بڑے تغیرات کی خبر دی ہے۔ پھر جیساکہ قاعدہ ہے چھوٹی باتیں بیان کرکے بڑی بات بتاتا ہے۔ قیامت کی خبر دی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۷)

۷۔ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۷

تم اُس کی طرف جھکے ہوئے ہو۔ اسکے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰۷)

۱۱۔ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۱

تم اسکی طرف سے غافل ہو۔ خیال کو ہٹائے ہوئے ہو (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰۷)

۱۴ تا ۱۷۔ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۴ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۵

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۶ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝۱۷

ان چاروں آیتوں میں قرآن شریف کے کاتبوں ۔ قاریوں ۔ حافظوں کی عظمت خود قرآن شریف کی عظمت اور اسلام کیلئے آئندہ زمانہ میں شان وشوکت کی پیشگوئی بڑی شد و مد سے بیان ہوئی ہے۔ گو ان سے مراد ملائکۃ اللہ بھی ہیں۔ سَفَرَةٍ مسافر کی جمع ہے ۔ جس طرح کَتَبَةٌ کاتب کی جمع ۔ اور سَفَرَةٌ سے لکھنے والے مراد ہیں۔ سَفَرَ کے معنے کسی چیز کو واضح کر کے بیان کرنے کے ہیں جیساکہ اسی سورۃ سَفَرَةٌ کے بیان میں آئے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ ۔ قرآن شریف کا ماہر سَفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ کے ساتھ ہوگا۔ قرآن شریف صرف یاد کرلینا اور بات ہے اور اس کا ماہر ہونا اور بات ہے۔ لوگ اسلام کے تنزل کے طرح طرح کے اسباب بیان کرتے ہیں۔ قرآن شریف کے ماہرین کیلئے ان آیات میں کیا کیا وعدے دئیے گئے ہیں۔ وہ غور فرماویں ۔ اور پھر اس کے ساتھ میں آیۃ کریمہ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان : ۳۱) بھی پڑھ لیں۔

بَرَرَةٍ : بَارٌّ کی جمع بمعنے نیک کردار کے ہیں۔ قرآن شریف کے مضامین۔ معانی ومطالب کے موضحین کے لئے سَفَرَةٌ اور بَرَرَةٌ کے لفظ میں بڑی خوش خبری ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفیر نیک کردار کے ساتھ دو سلطنتوں کے مقاصد و اغراض کو کیونکر بیان کرتے ہیں۔ ہر واعظ اپنی اپنی جگہ وعظ کے وقت سوچ لے کہ وہ اس وقت کس کام کے کرنے کیلئے کھڑا ہے۔

اگرچہ ان تفسیری نوٹوں میں مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی ایک یا دوسرے کو خطاب نہیں کیا گیا۔ تاہم کہیں کہیں بعض عام غلط فہمیوں کی تردید ضرور کی گئی ہے ۔ ہمارے شیعہ بھائی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطاعن بیان کرنے میں بیباکی سے کام لیتے اور ان پر نادانی سے الزام لگاتے ہیں۔ ان آیات پر غور کریں کہ خود خدا تعالیٰ نے انکی تطہیر اور تکریم کی شہادت دیدی ہے کیونکہ فرمایا فِىْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ ۔ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔ یعنی ان کاتبوں کے ہاتھ سے ہیں۔ جو مکرم ومبرور ہیں ۔ اللہ اکبر ۔ صحابہ کی شانِ بلند کو یہ آیت کیسی صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۷ و ۳۰۸)

۱۸۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۸﴾

قُتِلَ صرف بد دعا یا کوسنا نہیں ہے بلکہ ہر متکبر کفرانِ نعمت کرنیوالے کیلئے پیشگوئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے جو مجھ سے میری چادر چھینے گا۔ میں اسے ذلیل کروں گا۔ یہی قُتِلَ ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۸)

۲۲- ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۲﴾

قَبَرَهٗ، قبر میں رکھا اس کو اور اَقْبَرَهٗ قبر میں رکھوایا اس کو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۸)

۲۸- فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۸﴾

ہر قسم کے دانوں اور اناج کو کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے معنے پُر ہونے کے ہیں۔ جب تک دانہ خام رہتا ہے اور مغز سے پوری طرح بھر نہیں جاتا۔ حَبّ نہیں کہلاتا۔ محبت پورے کمال کے ساتھ سوائے ذات محبوبِ حقیقی کے کسی سے جائز نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ: ۱۶۶) اس کے بالمقابل سورۃ یوسف میں فرمایا ہے۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (یوسف: ۳۱) حدیث شریف میں ہے حُبُّكَ لِشَيْئٍ يُعْمِيْكَ وَيُصِمُّ۔ محبت کسی چیز کی انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ حضرت صاحب کی ایک نظم دعویٰ سے پیشتر کی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی ؎ زخم و مرہم برہِ یار تو یکساں کردی

اس آیت میں حَبّ یعنی پُر مغز دانوں کا بیان ہے۔ انسان کو بھی چاہیئے۔ کہ اپنے آپ کو حَبّ اور حَبّ پُر مغز بنائے ؎

پک کے گر جاتا ہے میوہ خاک پر ؎ خام ہے جب تک رہے افلاک پر

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ص۳۰۸)

۳۲- وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۲﴾

فواکہ میووں کو کہتے ہیں۔ جو بعد طعام کے تبدیلِ ذائقہ کیلئے کھائے جاتے ہیں۔ اَبًّا کے معنے خودرَو گھاس کے بیان کئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اَبّ کے معنے پوچھے گئے۔ اَبّ کے

معنے مویشی کا چارہ تو صاف ہے۔ باقی رہی تعیین۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے تعیین فرمائی۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۸)

۳۹۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۹﴾

مُّسْفِرَةٌ کے معنے صاف اور روشن کے ہیں۔ اسفار سے مشتق ہے۔ صبح جب روشن ہو جاتی ہے۔ تو اَسْفَرَ الصُّبْحُ کہتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۸)

۴۱، ۴۲۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۱﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۲﴾

جو گرد آسمان سے زمین کی طرف گرتی ہے اُسے غَبَرَةٌ کہتے ہیں اور جو غبار سیاہ زمین سے آسمان کی طرف اٹھتا ہے وہ قَتَرَةٌ ہے۔
رَهَقَ۔ کے معنے عجلت سے چڑھ جانے کے ہیں۔ رَهَقَ الْجَبَلَ کہا کرتے ہیں۔ معنے یہ ہوئے کہ آسمانی گرد و زمینی غبار دونوں ایک دوسرے پر چڑھ کر سیاہ رُوئی خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (الحج : ۱۲) کے ظہور پر ہوگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان صـ۳۰۸)

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

سورۃ تکویر بھی مکی سورۃ ہے۔ اس میں اوّلاً قیامت کے نشانات اور آخری زمانہ کی آیات کا ذکر کیا ہے۔ پھر قرآن مجید کے نزول پر شواہدِ قدرت کو پیش کیا ہے۔ اور اس کی سچائی کے دلائل دیئے ہیں۔

۲- اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۲

شمس کے معنے ضیاء الشمس یعنی سورج کی دھوپ کے بھی ہیں اور تکویر معنے لپیٹنے کے ہیں قرآن شریف کی سورۃ الفرقان (آیت ۴۶) ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا میں کفر کی ظلمت کو مٹانے والی چیز۔ نبی کا وجود۔ قرآن شریف اور وحی الٰہی کو قرار دیا ہے۔ جو بطور شمس کے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

می درخشم چوں قمر تابم چو قرص آفتاب
کور چشم آناں کہ در انکار ہا افتادہ رند

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۱)

۳- وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۳

نجوم کی روشنی سورج ہی سے ہے۔ جب ضیاء الشمس ہی نہ رہا تو تکدرِ نجوم لازمی ہے۔ نبی کے متبعین بھی نجوم ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ جن سے مسافروں کو راہ کا پتہ ملتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۴- وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۴

جبال سے مراد سلاطین وغیرہ بڑی بڑی قومیں بھی ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۵۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۵﴾

دس ماہ مہینے کی گابھن اونٹنی کا معطل اور بیکار ہونا اس زمانہ کی موجودہ نو ایجاد سواریوں کی وجہ سے ظاہر ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۶۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۶﴾

عاشورہ محرم کی تاریخوں میں لوگ انسان ہو کر شیر، چیتا، ریچھ وغیرہ کا سوانگ لیتے ہیں۔گویا عملی طور پر انسانیت سے مسخ ہو کر وحشی بن جانے کا ثبوت دیتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۷۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۷﴾

حضرت قتادہؓ سے سُجِّرَتْ کے معنے منقول ہیں کہ دریاؤں کا پانی خشک ہو جائے گا۔کینال ڈیپارٹمنٹ نے بڑے بڑے دریاؤں سے نہریں نکال کران کو تقریباً ایسا ہی کر دیا۔گویا کہ (دریا) سوکھ گئے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۸۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۸﴾

حدیث شریف میں اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔کہ ہر آدمی کا جوڑا اس کی نظیر کے ساتھ ملا دیا جاوے گا۔آجکل گرجاؤں میں مرتدین کا جوڑ گانٹھ اسی پیمانہ سے عمدہ طور سے ہو جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۹، ۱۰۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۹﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۱۰﴾

مَوْءٗدَةُ کے معنے مٹی یا کسی وزن دار چیز کے نیچے دبا دینا ہے۔اسی قبیل سے ہے۔ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (بقرہ: ۲۵۶) اسقاط حمل بھی زندہ در گور کرنا ہے۔آجکل دختر کشی بلکہ اسقاط حمل پر بھی قصاص کی سزائیں ملتی ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

انسان پیدا ہوا لڑکی ہو لڑکا۔تمام بلاد میں علی العموم اور عرب میں بالخصوص رواج تھا۔لڑکیوں

کو مار ڈالتے تھے ۔ اور لڑکیوں کی نسبت کثرتِ اولاد کو ناپسند کرتے تھے ایک یونانی حکیم کا قول ہے
لنگڑے لڑکے قانوناً مارے جاویں۔ کثرتِ اولاد پر اسقاط جنین اور مانع حمل ادویہ پوچھنے والے بہت سے
لوگ میرے پاس آئے۔ انسانی قربانی کا جسے ہند میں نربلی کہتے ہیں۔ یہود میں عام رواج تھا۔ عرب کے
بُت پرست بھی اس بلائے بد میں گرفتار تھے۔ مگر حضور نے ان امراض کا علاج ایسا کیا جس کی نظیر نہیں۔
اور یہی بات خرقِ عادت ہے۔ کہ ان امراض کا نام و نشان ملک عرب میں نہ رہا۔ دیکھو قرآن ان قبیح رسوم پر
کیا فرماتا ہے اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۔ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۔ جب بیٹی جیتی گاڑ دی
کوئی پوچھے کس گناہ پر وہ ماری گئی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل : ۳۲)

اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بیشک ان کا مارنا بڑی چوک ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۔ (انعام : ۱۳۸)

اسی طرح بھلی دکھائی ہے بہت مشرکوں کو اولاد مارنے اُن کے شریکوں نے کہ ان کو ہلاک کریں اور ان کا دین خلط کریں۔

(فصل الخطاب حصہ اول صـ۴۴)

۱۱۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۱﴾

جرائد۔ رسالجات۔ کتب وغیرہ کا انتشار فی زمانہ خوب ہو رہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۱۲۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۲﴾

سَمَاء کے معنی بلندی کے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ (الحج : ۱۶)
اور اِکشاط کے معنے اِکشاف یعنی کھول کر ننگا کر دینے کے ہیں۔ اَکْشَطَ عَنْ ظَهْرِ الْفَرَسِ
گھوڑے کی پیٹھ پر سے زین اتار لی۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ آسمانی اجرام اور علم نجوم کے متعلق باریک در
باریک اسرار اور غوامض کھل پڑیں گے۔ گویا بال کی کھال نکالی جاوے گی۔ اسٹرانومی کے علوم والے جانتے

ہیں۔ کہ اس قرآنی پیشگوئی کا ظہور اس زمانہ میں کیسا کچھ ہو رہا ہے۔ اور آئندہ کہاں تک اس علم کی ترقی کی امید ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رجون ۱۹۱۲ء)

۱۴،۱۳ - وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿۱۴﴾

تَسْعِير: آگ روشن کرنا۔ أُزْلِفَتْ: کے معنے اُدْنِيَتْ نزدیک کئے جانے کے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر: ۴) فی زمانہ اسباب تنعم اور مصائب و شدائد دونوں بہت بڑھ گئے ہیں۔

ابتداء سورۃ سے بارہ آیتوں میں کلام ذوالمعارف کئی کئی مضامین کو ساتھ لئے ہوئے بڑی بلاغت سے بیان ہوا ہے۔ قیامت کے احوال اور مبادی قیامت دونوں کو نہایت خوبی سے ادا فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ کہ بعض اہلِ تاویل کی یہ رائے ہے کہ بارہ حوادث موت کے وقت جسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ پیش آتے ہیں۔ انسان کی روح بمنزلہ آفتاب کے ہے۔ جس کی شعاع سے اسکا بدن زندہ اور باقی رہتا ہے۔ رُوح کا نکلنا کیا ہے۔ گویا تکویرِ شمس ہے۔ ان کے حواس و قویٰ کا موت کے وقت بیکار ہونا انکدارِ نجوم ہے۔ اعضائے رئیسہ کا باطل ہونا، ان پہاڑوں کی جنبش ہے۔ ہڈیوں کی چربی اور دودھ کا خشک ہونا، تعطلِ عِشار ہے۔ افعال بہیمیہ و سبعیہ کے نتائج کا ظہور ہونا حشرِ وحوش ہے۔ رطوباتِ بدن اور خون کا خشک ہونا، دریاؤں کا سوکھ جانا ہے۔ (کبھی یہ دریا موت کے وقت سوکھ جاتے ہیں۔ اور کبھی بہا دئے جاتے ہیں۔ سجرت کا لفظ دونوں معنوں پر مشتمل ہے۔ اور ملکات مکسوبہ کا باہم اجتماع یعنی ظلماتی کا ظلماتی سے اور نورانی کا نورانی سے تزویجِ نفوس ہے۔ زندگی کے گراں قدر حصہ کو جو اس دار المحن میں جو طرح طرح کی مشقتوں کے نیچے دبایا گیا ہے۔ مَوْءُوْدَةُ فرمایا کہ اس کو ثواب کے مصرفوں میں خرچ کیا یا گناہ کے۔ نامۂ اعمال کا کھلنا نشرِ صحائف ہے۔ آخرت کی جزا و سزا کا عیاں ہو جانا روح پر انکشاط سماء یعنی سماوی امور کا اس پر کھل جانا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (ق: ۲۳)

بعد الموت شدائد و مصائب کا دیکھنا سلگتے ہوئے جہنم کا دیکھنا ہے اور فرحت و نیک جزا کا دیکھنا جنت کا نزدیک ہونا ہے۔ آگے فرمایا۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ

حضرات صوفیہ نے بھی ان بارہ حالتوں کو مراتبِ سلوک کے طے کرنے پر حمل کیا ہے۔ غرض کہ اس قسم کے کلام ذوالمعارف جو پیشگوئیوں پر بھی مشتمل ہو اور واقعاتِ صحیحہ و حقہ پر بھی مشتمل ہوں۔ کسی

دیوانے کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۱۶، ۱۷ - فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۶﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۷﴾

یہ کلام بھی کلامِ ذوالمعارف کے طور پر ہے۔ منجملہ اس کے معارف کے ایک یہ ہے۔ کہ قسمیہ طور پر فرمایا کہ کفر اب تین طرح سے ٹوٹے گا۔ اوّل: ترقی کفر کی تھم جائے گی۔ دبک جائے گی۔ پسپا ہو جائے گی۔ دوم: کچھ لوگ رُوبراہ ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ باقی رہے سہے پر جھاڑو پھیر دی جائے گی، آسمانی بلاؤں سے، زمینی بلاؤں سے، جنگوں سے کفر کا صفایا ہو جاوے گا۔ یہی اس کیلئے تکنس ہے۔ سورج کی روشنی سے ستاروں کا ماند پڑجانا بھی خنس ہے اور کنس کے معنے ڈوب جانے اور غروب ہو جانے کے ہیں۔ لا نافیہ کی توجیہہ سورۃ قیامۃ میں دیکھو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۱۸، ۱۹ - وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۸﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۹﴾

رات گئی اور صبح نمودار ہوگئی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْا كِتَابَهٗ اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ

عَسْعَسَ اضداد سے ہے جس کے معنے آنے اور جانے کے ہیں۔ یعنی کفر گیا اور اس کی جگہ اسلام نے لے لی ہے۔ عَسْعَسَ کے لفظ سے زمین کا گول ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک طرف سے ظلمت روشنی پر چڑھی چلی آتی ہے تو ساتھ ہی دوسری طرف سے پیچھے سے روشنی ظلمت پر سوار ہو رہی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک زمین گول نہ مانی جاوے

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۴۱)

کے معنے بھی لیل کے تعسعس اور صبح کے تنفس کے قریب قریب ہیں یا عسعس کے لفظ سے زمین کا گول ہونا یوں سمجھ لیجئے کہ جب رات ہماری طرف سے گئی اور ہم پر دن آیا تو زمین کی دوسری طرف والوں پر رات آئی اور اسی طرح سے اس کے بالعکس۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۰۹ء)

۲۰ تا ۲۳ - اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۰﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي

الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۲﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۳﴾

اس قدر کلام ذوالمعارف بیان فرمانے کے بعد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جنون کے الزام کو دفع فرمایا اور استشہاد کیا۔ اس ذوالمعارف و پُراز حقائق کلام سے کہ کیا مجنون ایسے مدلل اور پُرمعانی عبارات بیان کرسکتا ہے۔ مجنون تو بے تُکی باتوں میں پکڑا جاتا ہے۔ مجنون کے ساتھ صَاحِبُكُمْ کے لفظ لانے سے یہ غرض ہے کہ جنون کی پہچان چند ساعت یا چند روزہ مصاحبت سے خوب اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے۔ اور سورۃ نٓ وَالْقَلَمِ میں یہ سمجھایا کہ تحریر میں مجنون ذرا بھی باربط عبارت سے نہیں چل سکتا۔ آیہ کریمہ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (سبا: ۴۷) میں بھی مصاحبت ہی سے جنون کو پہنچانوایا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی دنیا میں مُکرّم۔ ذی قوۃ۔ مکین اور مطاع ہوجانا بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ صفتیں جبرائیل کی بھی ہیں۔ اس صورت میں قول کے معنے قرأت جبرائیل کے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

یعنی وہ رسول ہے اعلیٰ درجہ کی عزت والا۔ طاقتوں والا۔ رُتبے والا۔ اور ملائکہ اس کے ماتحت چلتے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کے خزانہ کا امین ہے۔ (بدر ۴ر فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

۲۵۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۵﴾

ضَنِيْنٍ کے معنے مُتَّهِم۔ اپنے پاس سے بات بنانے والا۔ آسمانی خبروں کے اور معاد کے احوال بنانے میں بخیل۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۲۷۔ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

ایسے کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

۳۰۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

تم نہ چاہا کرو مگر وہی جو رضاء الٰہی ہو۔ یہ واؤ حالیہ ہے۔ اس کے معنے ہوئے "حالانکہ نہ چاہو

گے تم" (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ر جون ۱۹۱۲ء)

ان آیات کریمہ کا ذکر فرماتے ہوئے جن سے پادری صاحبوں یا اور نا فہموں نے انسان کے مجبور ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

معدوم کو موجود کرنا خدا کا کام ہے مخلوق میں۔ ہاں حیوان اور انسان کے دل میں کسی ارادے اور مشیت کا پیدا کر دینا بے شک باری تعالیٰ کا کام ہے۔ اِلاّ ہر ایک مصنف جانتا ہے۔ کہ صرف مشیت اور ارادے کے وجود سے کسی فعل کا وجود ضروری اور لازمی امر نہیں۔ یقیناً قویٰ فطری کا خلق اور عطا کرنا جن پر ہر گونہ افعال کا وجود و ظہور مترتب و متفرّع ہو سکتا ہے۔ خالق ہی کا کام ہے۔ اس لطیف نکتہ کے سمجھانے کیلئے اور نیز اس امر کے اظہار کرنے کو کہ قوائے طبعی اور کائنات سے کوئی وجود اصل امر خلق میں شریک نہیں۔ سب اشیاء کی علّت العلل مَیں ہی ہوں۔ باری تعالیٰ سب افعال کو بلکہ ان افعال کو بھی جو ہم معائنہ اور مشاہدہ کے طور پر انسان اور حیوان سے سرزد ہوتے دیکھتے ہیں۔ اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ کہیں قرآن میں فرماتا ہے۔ ہوا بادلوں کو ہانک لاتی ہے۔ کہیں فرماتا ہے۔ ہم بادلوں کو ہانکتے ہیں۔ ہم ہی گایوں اور بھینسوں کے تھنوں میں دودھ بناتے ہیں۔ ہم ہی اناج بوتے ہیں۔ ہم ہی کھیت اُگاتے ہیں۔ اور تاَمّل کے بعد یہ سب نسبتیں جو ظاہراً متضاد الطرفین ہیں۔ بالکل صحیح اور حقیقۃً بالکل صداقت ہیں۔

(فصل الخطاب حصہ دوم ص۱۶۲)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۲﴾

آخری زمانہ کی پیشگوئی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ظہور دنیا میں بھی ہونا چاہیئے۔ اگر آسمان پھٹ جاوے اور سیارے گر پڑیں وغیرہ وغیرہ اور دنیا زیر و زبر ہو جاوے۔ تو وہ وقت انسانی ہدایت اور اصلاح کا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تو ہلاکت کا سماں ہوگا۔ ان سورتوں میں جو قیامت کے متعلق واقعات ہیں۔ دراصل یہ آخری زمانہ کے نشانات ہیں۔ اور آسمان کے پھٹ جانے سے یہ مراد نہیں کہ فی الواقعہ آسمان پھٹ جائے گا۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آسمان بھی بیکار ہو گا۔ آسمان سے فیوض نازل نہ ہوں گے۔ اور دنیا ظلمت و تاریکی سے بھر جائیگی۔ علاوہ بریں اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیتوں پر آجکل کے زمانہ کے حسب حال یا مسلّمات کی رُو سے اعتراض ہو سکتا ہے کہ آسمان تو مجرد پول ہے۔ اس کا پھٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے آسمان کو مجرد پول قرار نہیں دیا بلکہ اُسے ایک لطیف وجود قرار دیا ہے۔ اور اگر کہا جاوے کہ پھر اسکے پھٹنے سے کیا مراد ہے؟ تو یہ یاد رہے۔ کہ سماء سے مراد قرآن کریم میں كُلّ مَا فِي السَّمَاءِ بھی ہے علاوہ بریں کسی لطیف مادہ میں عدم خرق کس نے تسلیم کیا ہے۔ بہر حال قرآن مجید نے یہ شہادت دی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ہر چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دیگی۔ اور تجلیاتِ الٰہیہ اُس کی جگہ لے لیں گی اور عللِ ناقصہ کی فنا اور انعدام کے بعد علّتِ تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمان: ۲۷، ۲۸) اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں فرمایا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن: ۱۷) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قہری تجلّی سے ہر ایک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانگت کو دکھلائے گا۔ اس سورۃ شریف میں بھی آخر یہی فرمایا ہے۔ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (انفطار: ۲۰) یہ اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے جو لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

اَلْقَهَّار میں ادا کیا گیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی قہری تجلی نمودار ہوگی۔ اور فنا کا زبردست ہاتھ اپنا اثر دکھائے گا۔ اور آسمانی اجرام میں ایک انقلاب واقع ہوگا۔ ان آیات کو واقعات پر اگر مبنی قرار دیا جاوے تو بھی درست ہے۔ کہ جب آسمان پھٹ جاوے گا۔ تو ستاروں کا گر پڑنا یقینی امر ہے۔ اور ستاروں اور سمندروں کے تعلقات میں جو کشش کام کر رہی ہے جب اس میں فرق آجائے گا۔ تو سمندر کا اپنی حدوں سے نکل جانا بھی مسلم امر ہے۔ آجکل کے سائنس دانوں نے تسلیم کیا ہے کہ زمین سکڑتی جاتی ہے اور سمندر اپنے کناروں سے بڑھا چلا آتا ہے۔ یہ ان آیات کے مضامین کی صداقت کی دلیل ہیں۔

۲ تا ۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۴﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۵﴾

اِنْفَطَرَتْ کو دوسری جگہ اِنْشَقَّتْ فرمایا ہے۔ جدید تحقیقات میں آسمان کو لطیف چیز قرار دیا ہے۔ لطیف ہی سہی۔ لطیف پر بھی شق کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے بادل پھٹ گیا وغیرہ۔ بڑی بھاری مصیبت کے وقت بھی عرفاً کہتے ہیں کہ آسمان پھٹ پڑا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑی مصیبت اُمت کیلئے میری وفات ہے۔ کواکب کے انتشار سے ظاہری معنے کے علاوہ بڑے بڑے اہل اللہ کا انتقال فرمانا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بَحْر صرف کھارے پانی کے سمندر ہی کو کہتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ (فاطر: ۱۳) دریاؤں سے نہریں چیر کر نکالنا جیسا کہ اس زمانہ میں ہوا ہے۔ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ قرآن شریف کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ کوئی دوسری آسمانی کتاب ایسی اس وقت موجود نہیں جو ایسی صفائی سے پیشگوئی کا پورا ہونا دکھلاوے۔ بَعْثَرَ اور بَحْثَرَ کے ایک معنے ہیں جو بعث اور بحث سے مرکب ہے۔ ان کے اصلی معنے پلٹ دینے کے۔ کریدنے کے ہیں۔ اور اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کر دینے کے ہیں۔ عرب کا خاص محاورہ ہے۔ کہ جب مٹی کو پلٹ دیتے ہیں تو بَعْثَرَ يُبَعْثِرُ بَعْثَرَةً سے تعبیر کرتے ہیں اور اسباب کو اُلٹ پلٹ کرنے کے وقت بَعْثَرَ الْمَتَاعَ کہتے ہیں۔ آجکل قبریں ایک جگہ سے اکھیڑ کر دوسری جگہ دفن کئے جاتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ مسیح کی قبر بھی محلہ خانیار سری نگر کشمیر سے تحقیق کیلئے اکھیڑی جاوے۔ اور پھر مع حواریوں کی قبروں کے تبرکاً

لے جائے جائیں۔ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ۔ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (عادیات: ۱۰، ۱۱)
سے بھی کچھ اشارات ملتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۶۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۶

جو کام نہ کرنے تھے وہ کئے۔ اور جو کام کرنے کے تھے وہ نہ کئے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ جو کیا اور جو کچھ نہ کیا۔ قطع نظر اس کے کہ اچھا کیا یا بُرا کیا۔ بات ایک ہی ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۷۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝۷

کریم کے کرم سے ناامید بھی نہ ہو اور صرف کرم ہی کی امید پر دھوکا نہ کھا بیٹھو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (الحجر: ۵۰-۵۱) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۸، ۹۔ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۸ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۹

خلق۔ تسویہ۔ تعدیل۔ ترکیب و تناسب اعضاء۔
خداوند تعالیٰ کی ان چار نعمتوں پر ہی اگر انسان غور کرے تو جزاء و سزا کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے اُس کو بہت کچھ مدد مل جاوے گی۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ ان میں سے ایک تیسری نعمت ہی پر انسان غور کر لے کہ کس طرح اس کو حرارت، برودت اور رطوبت، یبوست، ان چار خلطوں سے معتدل المزاج رکھا ہے اگر ذرا بھی ان اخلاط میں افراط یا تفریط ہوتی ہے۔ تو فوراً جزا و سزا ملنے لگتی ہے۔

چار چیزے مخالف و سرکش ٭ چند روزے بوند باہم خوش
گر یکے زیں چہار شد غالب ٭ جانِ شیریں برآید از قالب

انسان پیدا کیا۔ اَنعام میں سے نہیں بنایا۔ تَسْوِیَۃ خلق ایسا عمدہ کیا کہ شیر ہاتھی وغیرہ سب کو قابو کر لیتا ہے۔ بڑا ہی معتدل المزاج بنایا ہے۔ صورتوں اور آوازوں کی ترکیب ایسی کہ لاکھوں کروڑوں

انسانوں میں صورت اور آواز ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہ سب اسکی ربوبیت اور کرم ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ جون ۱۹۱۲ء)

۱۲، ۱۳- كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿۱۲﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۳﴾

نامۂ اعمال کے لکھے جانے اور اس کے محفوظ رہنے پر جن لوگوں کو استبعادِ عقل معلوم ہوتا ہے وہ آجکل کے ایک نو ایجاد آلہ گراموفون ہی کو دیکھ لیں کہ کس طرح ریکارڈ اس میں محفوظ رہتا ہے۔ اور دوبارہ چکر دینے سے کس طرح ذرا ذرا سی حرکات یہاں تک کہ کھانسی اور تنفس کی کمی زیادتی بھی اس سے ظاہر ہونے لگتی ہے۔

آواز آ رہی ہے یہ فونو گراف سے — ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ جون ۱۹۱۲ء)

۱۶، ۱۷- يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۶﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۷﴾

دوزخیوں کے ذکر میں وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ فرمایا۔ مگر جنتیوں کے ذکر میں وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ (الحجر: ۴۹) فرمایا۔

ان دونوں آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخی دوزخ میں گو احقاب در احقاب مدت رہیں گے اور گو وہ اپنی مدت لبث میں ذرا سی دیر کیلئے بھی دوزخ سے غائب نہ ہو سکیں۔ مگر بالآخر وہ مَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ کے مصداق نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر استدلال کے طور پر فرمایا کرتے تھے يَأْتِي عَلَى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ وَنَسِيمُ الصَّبَا تُحَرِّكُ أَبْوَابَهَا۔ غالباً یہ عبارت تفسیر معالم میں ہے۔ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (ہود: ۱۰۹) اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (البروج: ۱۷) سے بھی یہی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس سورہ شریفہ کے ربّ کریم کے لفظ سے بھی یہی پتہ لگتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ جون ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۲

مُطَفِّفِيْنَ : کم دینے والے ۔ تطفیف کے معنے وزن اور پیمانہ ہیں ۔ کچھ تھوڑی سی چیز خفیہ طور پر کم لینے کے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۳۔ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۳

اِذَا اكْتَالُوْا : اکتال کو مِنْ کے ساتھ متعدی نہیں کیا ۔ بلکہ عَلٰی کے ساتھ متعدی کیا اور اس میں دقیق رعایت یہ رکھی کہ اکثر اوقات ماپ تول برضا و رغبت جھکتی ڈنڈی سے لیا جاتا ہے اور دینے والا بھی جھکتی تول خوشی سے دیتا ہے ۔ ممنوع لینا جھکتی تول وہ ہے ۔ جو ضرر کے لئے ہو۔ کہ بلا رضامندی دینے والے کے جھکتی تول لی جاوے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگ ناپ تول میں خیانت کرتے ہیں تو خداوند کریم بارشوں کو روک لیتا ہے ۔ قحط شدید پڑتا ہے ۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں یہ مرض خصوصیت سے ہوگا ۔ مگر اس وقت تو بات حد سے بڑھ گئی ہے ۔ بلکہ مزید خصوصیت ایک اور یہ ہوگئی ۔ کہ مباحثات میں وہ اعتراض کئے جاتے ہیں ۔ جو خود معترضین پر بھی وارد ہوتے ہیں ۔ جس پیمانہ سے خصم کو جواب دیتے ہیں ۔ اسی پیمانہ سے جواب لینا پسند نہیں کرتے ۔ حدیث شریف میں ہے :

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

مباحثات کے وقت دیکھ لیا کریں کہ کیا یہی اعتراض پلٹ کر ہم پر تو نہیں پڑتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۸۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۸

سِجِّیْنَ : سجن سے مشتق ہے۔ خواہ یہ سجن کہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیشگوئی مکی سورۃ میں بے کسی اور بے سروسامانی کی حالت میں کی تھی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فتوحات اور کفار کے دار و گیر سے پوری ہوگئی۔ اور اس سجن نے آخرت کے عذاب کو بھی ثابت کردیا۔ سِجِّیْن سے مراد قیدیوں کا رجسٹر اور علیّین سے مراد ابرار کا رجسٹر۔ یہ معنے بھی عمدہ ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء)

۱۱- وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۱﴾

جیسا مطفّفین کے ساتھ وَیْلٌ کا لفظ تھا۔ یہاں مُکَذِّبِیْنَ کے ساتھ بھی وَیْل کا لفظ ہے۔ معلوم ہوا کہ کذب کسی صادق کا بڑا مطفِّف ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء)

۱۵- کَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

یہاں لفظ بَلْ کے بعد سکتہ ہے۔ اس لئے کہ انسان یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ فرما کر صادق راستباز کے نہ پہچاننے کی وجہ پچھلی شامتِ اعمال قرار دی ہے۔ وہ میرے کون سے عمل کی شامت ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں اسی بات کو یوں ادا فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ اَرْکَسَهُمْ بِمَا کَسَبُوْا (النساء: ۸۹) رکس کے معنے مت ماری جانا۔ نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھنا۔ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا (الاعراف: ۱۴۷) یہی رکس ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء)

۱۹- کَلَّا اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ﴿۱۹﴾

سِجِّیْنَ کے بالمقابل عِلِّیِّیْنَ ہے۔ خواہ کہیں ہوں۔ اس سے بحث نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (المومن: ۵۲) کی پیشگوئی ہو کر علو حاصل ہوا یا نہیں؟ یہ علو کچھ جنگ پر ہی موقوف نہیں۔ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْهِ اسلام بغیر جنگ کے بھی محبت و برہان سے اور خداوند کریم کی تائیدات سے سماوی نشانات و دیگر

فتوحات سے عالی رہتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۲۴- عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۲۴﴾

اَرَائِكِ : جمع اَرِيكَةٌ کی ۔ ہم اَرِيكَةٌ چھپر کھٹ کو کہتے ہیں۔ ایسا تخت جو اوپر سے مزین و مسقف ہو اور اردگرد سے بھی مزین ہو۔ ایسا درخت جو قبہ کی طرح اپنی شاخوں اور پتوں سے خوشنما ہو۔ وہ بھی اَرِیکہ ہے۔ پیلو کا درخت قریب قریب ایسا ہوتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۲۵- تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۵﴾

نَضْرَةَ اس تازگی کو کہتے ہیں جو انتہائے سرور اور تنعم کے باعث چہرہ پر ظاہر ہوتی ہے کھاتے کے گال اور نہلائے کے بال، مشہور ہے۔ فاتح قومیں عموماً دنیا میں خوبرو ہوتی ہیں۔ آخرت کی سب سے بڑی نعمت رویت باری تعالیٰ و دیدار الٰہی ہے۔ وہاں کی نَضْرَةَ کا باعث یہی ہوگی۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیٰمۃ : ۲۳-۲۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ ؍جون ۱۹۱۲ء)

۲۶، ۲۷- يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿۲۶﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۷﴾

رَحِيقٍ نام شراب کا ہے جس کی صفت قرآن شریف میں لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ (الصّٰفّٰت : ۴۸) مَخْتُومٍ کے کئی معنے ہیں۔ ایک یہ کہ پینے کے بعد دیر تک اس کی خوشبو مِسْكٌ کی آتی رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تل چھٹ ایسا ہے جیسا مِسْک (کستوری) تیسرے یہ کہ سر بمہر کہ سوائے ان رواج والوں کے دوسروں کو نہ ملے گی۔ اور جیسے یہاں مُہر کی لاک (لاکھ) ہوتی ہے وہ مہر مِسک سے لگائی جاوے گی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ ؍جون ۱۹۱۲ء)

تَنَافُس کے معنے نفسا نفسی کرنے کے ہیں۔ جھگڑے کے بھی ہیں۔ یہ مبارک لفظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں ہے۔ جو کتاب البریّہ میں درج ہے۔

مخالفوں میں پھوٹ اور تنافس سگِ دیوانہ پر پھٹکار۔ اس تنافس کو حبس کا جی چاہے۔ کتاب البریہ میں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ میں فرمایا۔ کہ تَسَابُق وتَنَافُس یعنی ایکدوسرے پر نعمت کے حاصل کرنے میں پیش دستی کرنا۔ دنیا کی جاہ وحشم وصدر نشین یا نعمتوں پر کوئی پائیدار چیز نہیں۔ اگر کرنا ہے تو فِیْ ذٰلِکَ یعنی ان رحیق مختوم وغیرہ پر کرو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۲۸- وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴿۲۸﴾

تَسْنِیْم کے لغوی معنے ارتفاع اور بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان کو سَنَامُ الْبَعِیْر کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو حدیث میں ذِرْوَةُ سَنَامِ الْاِسْلَامِ فرمایا ہے۔ تسنیم جنت میں وہ چشمہ ہے۔ جو جنت کے تمام پانیوں کے چشموں سے اشرف اور اعلیٰ ہے۔ جنتیوں کو اس چشمے سے بطور گلاب اور کیوڑے کے امتزاج کرکے دیا جاوے گا۔ مگر مقربین کیلئے خالص یہی شراب ہوگی جیساکہ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ سے واضح ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۳۱- وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۱﴾

غمز کے معنے پلکوں اور بھوؤں سے اشارہ کرنے کے ہیں اور عیب لگانے کے بھی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۳۲- وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۲﴾

ثعلبی کا قول ہے کہ فَکِهِیْنَ اور فَاکِهِیْنَ بظاہر دو مختلف لفظ ہیں۔ جیسے طامع اور طمع اور فارہ اور فرہ مگر معنے دونوں کے ایک ہی ہیں۔ تبدیلِ ذائقہ کیلئے میوہ خوری لذیذ کھانوں سے تلذذ۔ غرض قصہ کہانیوں اور ناولوں سے دل بہلانا۔ مزے لینا۔ یہ سب فَکِهِیْنَ میں داخل ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ معظمہ میں کفار کو یہ سنا رہے ہیں۔ کون یقین کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے اتباع ایسے کامیاب اور بامراد ہوجائیں گے کہ انہیں بڑے بڑے درجات ملیں گے۔ چنانچہ جب صحابہؓ نے عجم وشام کی فتوحات حاصل کیں تو یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی۔ بہتے ہوئے چشمے اور دریا اور سبزہ زار اور ہر قسم کے

مرغزار ان کیلئے موجود تھے اور تختوں پر بیٹھنے کی پیشگوئی تو صراحتاً بلا تاویل موجود ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تخت نشینی عطا کی۔ یہ تمام انعامات جو اگلی آیات میں بیان کئے ہوئے ہیں۔ انہیں ملے۔ اور ان کے متعلق تفسیری نوٹ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ غرض منکرین رسالت کی ناکامی اور نامرادی اور آپؐ کے صادق مخلصین اور متبعین کی کامیابیوں نے جن کے متعلق پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ پورا ہو کر آخرت کے عذاب اور آرام جنت کے متعلق بھی تصدیق کر دی۔ بالآخر پھر یہ بتایا کہ اگرچہ آج یہ حالت ہے کہ خدا سے قطع تعلق کرنیوالے مومنین پر بہتان اڑاتے ہیں اور ٹھٹھے مارتے ہیں مگر وقت آتا ہے کہ مؤمنین کامیاب ہو جائیں گے اور یہ ہنسنے والے خود ہنسی کا موجب ہو جاویں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

غرض اس سورۃ شریفہ میں بھی یَوْمُ الدِّیْن کا ثبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ان واقعات سے دیا ہے۔ جن کو قبل از وقت پیشگوئی کے رنگ میں بتایا گیا تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳؍جون ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲- اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۲

آسمان میں جس قدر اجرام فلکی ہیں۔ وہ سب سماء کے لفظ میں داخل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انشقاق و انفطار و سماء پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ مختصراً یہ ہے۔ کہ سماء سے مراد کُلّ مَا فِی السَّمَآءِ ہے۔ لطیف چیزیں بہ نسبت کثیف کے سریع الخرق ہوتی ہیں۔ خواہ آسمان لطیف ہو یا کثیف۔ الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالم کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ ہر ایک جو بنایا گیا ہے۔ توڑا جائے گا۔ قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفطار کے لفظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہے۔ اُن سے ایسے معنے مراد نہیں۔ جو کسی جسم صلیب یا کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (زمر: ۶۸)

اگر شق السمٰوٰت سے درحقیقت پھاڑنا ہی مراد لی جاوے۔ تو مطویات کا لفظ اس سے متغائر اور منافی پڑے گا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ

(الانبیاء: ۱۰۵)

یعنی ہم آسمانوں اور زمین کو ایسا لپیٹ لیں گے۔ جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے۔ اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی۔ انہی قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبب پوشیدہ ہے۔ اُس وقت مُسبّب ظاہر اور اسباب زاویہ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیات قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر ایک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دیگی اور تجلیات الٰہیہ اس کی جگہ لے لیگی۔ یہی سمٰوٰت کا انشقاق انفطار اور مطویات ہونا ہے۔ ؎

آسمان بارد نشاں الوقت میگوید زمین

یہ جملہ بھی حضرت صاحب کا ان آیات کی مختصر سی تفسیر ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍جون ۱۹۱۲ء)

۳- وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۳﴾

اَذِنَتْ : اذن سے مشتق ہے۔ جس کے معنے کسی بات کے سننے کیلئے کان لگائے رکھنا، حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ حُقَّتْ کے معنے یہ ہیں کہ آسمان کا حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍جون ۱۹۱۲ء)

۴، ۵- وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۴﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۵﴾

آسمان کا پھٹنا۔ زمین کا کشادہ ہونا اور اپنے مافیہا کو اپنے اندر سے اُگل دینا۔ ان واقعات کو قرآن کریم میں بلفظِ دیگر یوں فرمایا ہے۔
اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا
(الانبیاء: ۳۱)
یعنی زمینی اور آسمانی برکتیں بند تھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی زمینی اور آسمانی برکتوں میں ترقیات ہونے لگیں۔ آپؐ کے عہدِ مبارک میں ان دونوں کا رتق ٹوٹا اور زمینی و آسمانی ترقیات کا سمندر بہہ نکلا۔ زمینی علوم و فنون جس قدر ترقی کر گئے اور کر رہے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ جس طرح آسمان کا اثر زمینی اشیاء قبول کر رہی ہیں۔ اسی طرح انسان بھی ذوجہتین ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍جون ۱۹۱۲ء)

۷- يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۷﴾

انسان کے معنے خدا سے بھی اُنس رکھنے والا۔ اور اہل و عیال بیوی بچوں سے بھی اُنس رکھنے والا دو طرف کے تعلقات کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ انسان کادح ہو۔ کدح کے معنے کسی چیز میں نہایت مشقت

کے ساتھ کوشش کرنے کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ لَیْسُوْا عِبَادُ اللّٰہِ بِمُتَنَعِّمِیْنَ خدا کے بندے تن آسان وتن پرور نہیں ہوتے۔ اور خاص کر خدا کی رضا کو پالینا اور اس سے ملاقات کرنا دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ لَغَالٍ۔ خدا کا سودا مہنگا ہے۔ اس زمانہ کی دشواریوں کا ذکر مختصراً حدیث شریف میں ابن ماجہ باب شدۃ الزمان میں یوں فرمایا ہے۔

لَا یَزْدَادُ الْاَمْرُ اِلَّا شِدَّۃً وَلَا الدُّنْیَا اِلَّا اِدْبَارًا۔ وَلَا النَّاسُ اِلَّا شُحًّا وَلَا الْمَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ۔ (ابنِ ماجہ کتاب الفتن باب شدۃ الزمان)

۸۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ ﴿۸﴾

یُمن کے معنے دایاں ہاتھ۔ طاقت۔ جناب الٰہی کی پروانگی دعاؤں کے قبول ہونے کے راست بازی۔ اکلِ حلال۔ قوتِ بازو کی کمائی۔ جناب الٰہی کی مرضیات کی روشنی۔ یہ ضروری امور ہیں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں۔ تو حدیث شریف میں اَنّٰی یُسْتَجَابُ لَہٗ آیا ہے۔ کیونکر اس کی دعا قبول ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍جون ۱۹۱۲ء)

۹۔ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ﴿۹﴾

حساب یسیر صرف بندہ کیلئے اس کے اعمال کا اس کے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اور اس کی خطاؤں سے چشم پوشی و درگزر کرنا ہے۔ امام احمد حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔ پوچھا کہ حساب یسیر کیا ہے فرمایا صرف نامۂ اعمال کا پیش کرنا اور درگزر فرمانا ہے۔ اور فرمایا۔ مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ عُذِّبَ جس کے حساب میں کرید کی گئی۔ وہ مُعَذَّب ہوگا۔ ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ہیں۔ کہ ان سے حساب یسیر ہوگا۔ ایک یہ کہ جو اسے محروم رکھے اور نہ دے۔ اسے دیا کرے۔ دوسرے یہ کہ جو ظلم کرے اس کو معاف کرے۔ تیسرے جو اس سے قطع رحمی کرے وہ اس سے وصل کرے (اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍جون ۱۹۱۲ء)

۱۴۔ اِنَّہٗ کَانَ فِیْۤ اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۴﴾

اس آیت کے بالمقابل دوسری جگہ مومنوں کی صفت یوں بیان فرمائی ہے۔

إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ (طور: ۲۷)

مومن کو دنیا میں ہزار قسم تنعم ہو مگر آخرت کی فکر جاں گداز رہتی ہے۔ اور دنیا کی راحت ان پر تلخ رہتی ہے ولنعیم ما قیل ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم ۔۔۔ جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

اور بھی کسی نے کہا ہے۔

عشرت امروز بے اندیشہ فردا خوش است ۔۔۔ ذکر شنبہ تلخ دارد جمعۂ اطفال را

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۳ر جون ۱۹۱۲ء)

۱۷ تا ۲۰۔ فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۷﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۸﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۹﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۲۰﴾

لَآ أُقْسِمُ کی توجیہہ سورۃ القیامۃ میں بیان ہو چکی ہے۔ شفق غروب آفتاب سے قبل اور بعد کی سُرخی۔ وَسَقَ کے معنے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ رات جامعُ المتفرقین ہے چرند پرند۔ حیوانات۔ انسان سب رات کو اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اِتَّسَقَ چاند کا بھرپور ہوتا ہے اور یہ تدریجاً ہوتا ہے۔ اسی کو لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ میں واضح فرمایا۔ سورۃ التکویر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے آپ کے زمانہ میں جو ترقیات ہونے والی تھیں ان کو وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (التکویر: ۱۹) فرما کر ذکر فرمایا۔ اور اس جگہ ان آیات کے باب میں آپ کے خلیفوں کے ذریعہ سے جو ترقیات مقدر تھیں ان کا ذکر فرمایا ہے۔ شَفَق نورِ نبوت کا دنیا سے رحلت فرمانا ہے۔ اور یہ زمانہ کسی قدر خوف آمیز بھی ہوتا ہے۔ شَفَق کے لفظ میں اور لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ (النور: ۵۶) میں ایک لطیف مناسبت ہے۔ صدیق اکبرؓ کے ابتداء زمانہ خلافت میں ارتداد عرب سے یہ شفق اور خوف دونوں واقع ہوگئے۔ بعد اختلاف یسیر کے مہاجرین و انصار کا اتفاق اور ایک خلیفہ کے ہاتھ پر اُن کا جمع ہو جانا اسی ظلمت کے وقت میں وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ کا ایک عجیب نظارہ تھا اور اب تو خداوند کریم کے فضل سے ایام بیض ولیالی بدر ہیں۔ جو وَالْقَمَرِ کے إِذَا اتَّسَقَ کے مصداق ہیں اور یہ جملہ ترقیات چونکہ تدریجاً ہیں اس لئے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فرمایا۔ زبان انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے۔ جو لَتَرْكَبُنَّ الآیہ سے موافقت رکھتی ہے

فورٹ از ناٹ بلٹ ان اے ڈے
(FORT IS NOT BUILT IN A DAY)

قمر کی تدریجی ترقی بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہمارا بدر پہلے البدر تھا اور اب خدا کے فضل سے بدر ہوا۔

شَبَّهْتُهُ بِالْبَدْرِ قَالَ ظَلَمْتَنِيْ　　يَا وَاضِعِيْ وَاللّٰهِ ظُلْمًا بَيِّنٌ
اَلْبَدْرُ يَنْقُصُ وَالْكَمَالُ فِيْ طَلْعَتِيْ　　فَلِاَجْلِ هٰذَا صِرْتُ مِنْهُ اَحْسَنُ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ جون ۱۹۱۲ء)

۲۴- وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾

يُوْعُوْنَ وِعَاء سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ظرف میں کسی چیز کے بھرنے کے ہیں۔ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ (یوسف: ۷۷) انہی معنوں میں ہے۔ اَوْعِيَة وِعَاءٌ کی جمع ہے۔ بات کو سن کر محفوظ رکھنا بھی وِعَاء ہے۔ تَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقۃ: ۱۳) یہاں يُوْعُوْنَ سے مطلب کفار کی اس منصوبہ بازی سے ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کی نسبت دل میں ٹھان رکھی تھی جو آفتاب کی صبح کے تنفس سے لیکر شفق تک اپنی تمامی منزلیں طے کرتا ہو۔ اس کو درمیان میں کون روکے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ جون ۱۹۱۲ء)

۲۶- اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ: غیر ممنون۔ غیر مقطوع۔ قرآن شریف کے سجدات تلاوت میں سے اس سورہ شریفہ میں تیرہواں سجدہ ہے ...... (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ جون ۱۹۱۲ء)

شق آسمان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تحریر فرمایا ہے۔ اسکا اندراج بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ اعتراض پیش ہو کہ قرآن کریم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی وقت آسمان پھٹ جائیں گے اور ان میں شگاف ہو جائیں گے۔ اگر وہ لطیف مادہ ہے تو اس کے پھٹنے کے کیا معنے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر قرآن کریم میں سماء سے مراد کُلّ مَا فِی السَّمَآءِ کو لیا ہے جس میں آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے داخل ہیں۔ ماسوا اس کے ہر ایک جرم لطیف ہو یا کثیف قابل خرق ہے

بلکہ لطیف تو بہت زیادہ خرق کو قبول کرتا ہے ۔ پھر کیا تعجب ہے کہ آسمانوں کے مادہ میں بحکم ربّ قدیر و حکیم ایک قسم کا خرق پیدا ہو جائے وَ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا بالآخر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے ۔ کہ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے ۔ اور اللہ جلشانہ‘ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارہ لطیفہ سے بھرا ہوا ہے ۔

سو ہمیں اس فکر میں پڑنا کہ انشقاق اور انفطار آسمانوں کا کیونکر ہوگا ۔ درحقیقت ان الفاظ کے وسیع مفہوم میں ایک دخل بے جا ہے ۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ اور اس قسم کے اور بھی عالم مادی کے فناء کی طرف اشارہ ہے ۔ الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالم کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے ۔ ہر ایک جو بنایا گیا ۔ توڑا جائے گا اور ہر ایک ترکیب پاش پاش ہو جائے گی اور ہر ایک جسم متفرق اور ذرہ ذرہ ہو جائے گا ۔ ہر ایک جسم اور جسمانی پر عام فنا طاری ہوگی ۔ اور قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفطار کے لفظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں ۔ اُن سے ایسے معنے مراد نہیں ہیں جو کسی جسم صلب اور کثیف کے حق میں مراد لیے جاتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں اللہ جلشانہ‘ فرماتا ہے ۔

اَلسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر : ۶۸)

یعنی دنیا کے فنا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا ۔ اب دیکھو کہ اگر شَقّ السَّمٰوٰت سے درحقیقت پھاڑنا مراد لیا جائے تو مَطْوِيّٰتٌ کا لفظ اس سے مغائر اور منافی پڑیگا ۔ کیونکہ اس میں پھاڑنے کا کہیں ذکر نہیں ۔ صرف لپیٹنے کا ذکر ہے ۔ پھر ایک دوسری آیت ہے جو سورۃ الانبیاء جز ۱۷ میں ہے اور وہ یہ ہے ۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۵)

یعنی ہم اس دن آسمانوں کو ایسا لپیٹ لیں گے جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے ۔ اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی ۔ انہیں قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائے گا ۔ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے ۔ جس کو ہم کرنیوالے ہیں ۔ بخاری نے بھی اس جگہ ایک حدیث لکھی ہے ۔ جس میں جائے غور یہ لفظ ہیں ۔ وَتَكُوْنُ السَّمٰوٰتُ بِيَمِيْنِهٖ یعنی لپیٹنے کے یہ معنے ہیں کہ خداوند تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں چھپالے گا اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبّب پوشیدہ ہے ۔ اُس وقت مسبّب ظاہر اور اسباب زاویۂ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر ایک چیز اس کی

طرف رجوع کرکے تجلیاتِ قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر ایک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دیگی اور تجلیاتِ الٰہیہ اسکی جگہ لے لیں گی اور عللِ ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علّتِ تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (رحمٰن: ۲۷-۲۸)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن: ۱۷)

یعنی خدا تعالیٰ اپنی قہری تجلّی سے ہر ایک چیز کو معدوم کرکے اپنی وحدانیت اور یگانگت دکھلائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدوں سے مراد یہ بات نہیں کہ اتفاقاً کوئی بات منہ سے نکل گئی اور پھر بہرحال گلے پڑا ڈھول بجانا پڑا۔ کیونکہ اس قسم کے وعدے خدائے حکیم و علیم کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ صرف یہ انسان ضعیف البنیان کا خاصہ ہے۔ جس کا کوئی وعدہ تکلّف اور ضعف یا مجبوری اور لاچاری کے مواقع سے ہمیشہ محفوظ نہیں رہ سکتا اور بایں ہمہ تقریبات اتفاقیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ علم اور یقین اور حکمت قدیمہ پر۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدے۔ اس کی صفات قدیمہ کے تقاضے کے موافق صادر ہوتے ہیں اور اس کے مواعید اُس کی غیر متناہی حکمت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ر جون ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲تا۴- وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۲ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۳

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۴

بُرُوْجٌ، عربی زبان میں روشن ستاروں کو کہتے ہیں۔ بُرج کے لغوی معنے ظاہر کرنے کے ہیں۔ اَلسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے مراد معروف بارہ بُرج۔ حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ سرطان وغیرہ لئے ہیں مگر اسی قدر پر ٹھہر جانے سے آگے مطلب نہیں چلتا اور نہ آیات ماسبق کی آیات مالحق سے کوئی مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ بالاتفاق یہ سورۃ مکی ہے۔ اور اس وقت نازل ہوئی جبکہ نومسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کا شکار ہو رہے تھے۔ کوئی گرم تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا جا رہا تھا اور کوئی بڑی بڑی بے رحمیوں سے قتل کیا جاتا تھا کہ گویا کہ آسمانی سطوت وجبروت کا مقابلہ زمینی حکومت سے کیا جا رہا تھا۔ اور یہ جانکاہ چیزیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری میں درپیش تھیں جن سے آپ کو اور نومسلم کمزور اصحاب کو صدمۂ عظیم تھا۔ اس لئے ان مظالم کے جواب میں جو زمینی حکومت کے ذریعہ سے کی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تین ملکوتی سطوت اور جبروت کو پیش کیا ہے جو سماء ذات بروج۔ یوم موعود۔ شاہد ومشہود ہیں۔

سماء ذات بروج سے سارا ملکوتی اقتدار مراد ہے۔ نہ صرف روشن ستارے یا سرطان۔ اسد سنبلہ۔ میزان۔ عقرب وغیرہ بروجِ معروفہ یا یوں تصور فرمادیں کہ "دولتِ برطانیہ" کہنے کو تو ایک لفظ ہے مگر اس ایک لفظ کے مفہوم میں انگلینڈ۔ آئرلینڈ۔ سکاٹ لینڈ اور ویلش اور ان کے تمامی مختلف ڈیپارٹمنٹ اور صوبے اور حکومتیں ہیں۔ جن پر رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے کسی ساعت میں بھی آفتاب کا زوال نہیں ہوتا۔ زمینی حکومت کے ذریعہ سے جو تعذیب کی جا رہی تھی اس کے بالمقابل سماء ذاتِ بروج۔ یوم موعود۔ شاہد ومشہود کو رکھا ہے۔

یوم موعود میں دس بارہ قول بیان ہوئے ہیں۔ اس توجیہہ سے جو اوپر بیان ہوئی۔ سارے ہی قول صحیح ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس شاہد و مشہود بھی۔

یوم موعود کی نسبت کہا گیا ہے۔ کہ بدر کا دن۔ فتح مکہ کا دن۔ جمعہ کا دن قیامت کا دن۔ عاشورہ کا دن۔ فرعون کے غرق ہونے کا دن۔ غرض کہ ہر جزا سزا کے ملنے کا دن۔ یہ سارے ہی دن ٹھیک اور درست ہیں۔ اسی طور پر شاہد و مشہود یعنی عرفہ کا دن لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (الحج: ۲۹) قیامت کا دن ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ہود: ۱۰۴) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (الانفطار: ۱۲) اور مخلوق۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت۔ تمامی انبیاء اور انکی امتیں۔ کل فرشتہ اور مخلوق۔ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ (ق: ۲۲) حتیٰ کہ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (نساء: ۸۰) سے ذات باری تعالیٰ اور تمامی مخلوق سالم بن عبداللہ نے مراد لیا ہے۔ غرض کہ یہ تین آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کے نومسلم اور مظلوم اصحاب کی تسلی و تشفی کیلئے نازل فرمائیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی سطوت اور جبروت اور ملکوتی اقتدار کا بیان ہے۔ جو کفار سے انتقام کیلئے کافی ووافی ہیں۔ اس کے بعد نظیرًا اصحاب اخدود کے واقعہ کو تین ہی آیتوں میں بالمقابل فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء)

۶ تا ۸ - النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝

زمینی حکومت کے ذریعہ سے آگ کی خندقوں کا تیار کرنا۔ اور ان پر تماشہ بینی کیلئے کرسیں بچھا کر بیٹھنا اور بالآخر اس وقت کے مؤمنین کو (جو غالباً عیسائی موحد تھے) اُن خندقوں میں جھونکنا یہ ایک ایسا نظارہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا تھا کہ جس سے ان کی اپنی تکلیفوں کا اندازہ مقابلتہً ان کو معلوم ہو گیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان آیات کو پڑھتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَآءِ وَدَرْكِ الشَّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ۔

اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ کے قصہ کو امام مسلم۔ احمد ترمذی نے صہیبؓ رومی سے نقل کیا ہے۔
اَلنَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ کے مقابلہ میں سَمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ تھا۔
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ کے مقابلہ میں اَلْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ تھا۔
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ کے مقابلہ میں وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ تھا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۱﴾

سابق کلام میں چونکہ خاص واقعات کا بیان تھا۔ اس لئے اس آیت شریفہ میں اسی قسم کے مظالم اور ان کے انتقام کو عام کر دیا۔ فتنہ کا لفظ ہر چھوٹے بڑے ابتلاء اور امتحان کیلئے ہے۔ آگ میں ڈالنا یہ بھی فتنہ ہے۔ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ (الذاریات: ۱۴)
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۱۸، ۱۹۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۸﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۹﴾

فرعون۔ ثمود اور ان کے علاوہ اور اور جنود کفار کے اپنے وقت کے پیغمبروں اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو مظالم برت کر موردِ انتقام ہوئے۔ اصحاب اخدود کے ساتھ ان کو بھی بطورِ ضمیمہ کے یاد کر لو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۲۱۔ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۱﴾

وَرَاء: لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی پوشیدہ کرے یا کسی چیز کی اوٹ میں آجاوے اور اس کا اطلاق پس و پیش دونوں پر آتا ہے۔ اور اس آیت میں بطورِ اشتراک معنوی دونوں معنوں کو شامل ہے۔ معنے آیت کے یہ ہیں۔ آگے پیچھے گھیر رہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۲۲، ۲۳- بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿۲۲﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۳﴾

جو کوشش کہ قرآن شریف اور اسلام کے مٹانے کیلئے کی گئی تھی۔ اس کا اضراب بَلْ کے لفظ سے کیا۔ اور قرآن کے لفظ میں فرمایا کہ یہ ہمیشہ پڑھنے پڑھانے اور درس و تدریس میں آتا رہے گا تختیوں، کاغذوں پر لکھا جایا کریگا اور محفوظ و مصئون رہے گا۔ فللّٰہ الحمد کہ ایسا ہی ظہور میں آرہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ر جون ۱۹۱۲ء)

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۲﴾

طرق کے لغوی معنے ٹھونکنے کے ہیں۔ اس سورہ شریفہ میں نجم ثاقب کو اس لئے طارق فرمایا کہ وہ شیاطین کو ٹھوک پیٹ کر کھدیڑتے ہیں۔ اور آسمان کیلئے محافظ ہیں۔ جب کہ ہر نفس کے محافظ ہیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صیانت وحفاظت بالاولیٰ ضروری ہے۔ راستہ ٹھونکنے پیٹنے سے اور اقدام کی رفتار سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس لئے طریق کہلاتا ہے۔ مسافر لوگوں کے رات کو سونے کے بعد جو دروازہ کو کھٹکھٹائے وہ بھی طارق ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے:

طَرَقْتُ الْبَابَ حَتّٰی كَلَّمَتْنِیْ   فَلَمَّا كَلَّمَتْنِیْ ۔ كَلَّمَتْنِیْ

غرض کہ سورۃ شریفہ کا موضوع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صیانت اور حفاظت اور آپؐ کے اعداء کو آپؐ پر حملہ کرنے سے ٹھوک پیٹ کر دفع کرنا سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ حفاظت وذب ودفاع ظاہری اور باطنی دونوں طور سے متصور ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۴- النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۴﴾

ثَاقِبُ، دُور کا ستارہ۔ ثریا اور تمامی ستارے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ کل اصحاب رضی اللہ عنہم آپؐ کی حفاظت کیلئے نجم ثاقب تھے۔ بعض ستاروں کے طلوع کے وقت بیماریوں کے اجرام ان ستاروں کی تاثیر سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑا شیطانوں کو ٹھوک پیٹ کر کھدیڑنے والا وجود نبی ہی کا ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے اس بات کو ایک شعر میں ادا کیا ہے

آسماں سے نجمِ ثاقب اس شبِ تاریک میں   سر پہ شیطانوں کے پڑنے کیلئے نازل ہوا

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

۶ تا ۸- فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝

پس دیکھ لے کس چیز سے آدمی بنایا گیا ہے۔ اُچھلتے ہوئے پانی سے جو صلب اور ترائب کے درمیان کی جگہ سے نکلتا ہے۔

اس آیتِ قرآنی پر جس میں انسان کی فطرت کا بیان مشاہدے کے طور پر بتایا گیا ہے۔ پادری صاحب اعتراض کرتے ہیں .... افسوس ہے کہ یہ لوگ کبھی قرآن کے اصلی لٹریچر سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ عوام کی سنی سنائی باتوں کو دل میں رکھ کر اعتراض جمانے لگتے ہیں۔ کسی کتاب پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کے اصلی ادب سے بلاواسطہ واقف ہونا فرض ہے۔

اعتراض : " نیچرل فلاسفی کے ڈاکٹر صاف صاف دکھلا سکتے ہیں کہ منی خصیے میں پیدا ہوتی ہے یہ بات غلط ہے۔ کہ منی باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینے میں ہو۔ جیسے قرآن میں ہے۔"

جواب : ہم کو نہایت تعجب آتا ہے جب ہم پادریوں کو نیچرل فلاسفی وغیرہ سائنٹفک مصطلحات بولتے سنتے ہیں۔ انجیل اور فلاسفی، انجیلی تعلیم سخت ہچکچاتی ہے کہ میدان میں نکل کر سائنس سے مقابلہ کرے۔ پادری ڈی۔ ڈبلیو تھامس (تشریح التثلیث صـ۲۲) معمائے تثلیث کے حل سے عاجز آ کر کیسے بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں۔

" خلقت (نیچر۔ قانونِ الٰہی) کے احوال سے استدلال اور عقلی دلائل اس میں چل نہیں سکتے۔ اس کا ثبوت ہم کلام الٰہی پر موقوف ہے۔"

نیچرل فلاسفی! بڑا لفظ بولا۔ دوسرے مذاہب پر تو اعتراض کرنے کیلئے تو بے اختیار لفظ زبان سے نکلے گا۔ اندرونِ خانہ تو امید ہے کم ہی استعمال کرنے کا موقع آتا ہوگا۔

پادری صاحب! نیچرل فلاسفی کے ڈاکٹر یوشع بن نون کی خاطر سورج کا کھڑا ہونا۔ مُردوں کا زندہ کرنا۔ مجسم انسان کا آسمان پر چڑھ جانا۔ بے باپ کے لڑکا پیدا ہونا کب تسلیم کرتے ہیں۔ پہلے انہیں ہی نیچرل فلاسفی کی کسوٹی پر کس لیا ہوتا۔

اب حقیقی جواب دینے سے پہلے ایک دو باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ قرآن مجید کی عظمت بخوبی واضح ہو جاوے۔

شیخ سعدی ملک ایران میں پیدا ہوئے۔ جس ملک کی نسبت مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یونان اور

عرب کے علوم مصر سے اور مصر کے علوم ہند یا ایران سے۔ اور بہتوں کا خیال ہے کہ ہند کے علوم بھی ایران سے لائے گئے۔ پھر اسلام کے ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ مسلمانوں کے علوم اپنے اوج پر پہنچے ہوئے تھے۔ مزید براں حضرت شیخ نے اپنے علوم کو سیاحت وتجربہ زمانہ سے اور بھی جلادی تھی۔ بایں ہمہ شیخ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے "صلب آورد نطفہ در شکم" جس پر آجکل کی علمی دنیا ہنسی اڑاتی ہے۔

ملک عرب میں بھی بالخصوص صلب واصلاب ہی کا محاورہ دائرو سائر تھا اور یہیں تک ان کے محدود ذہن کی رسائی تھی۔ مگر قرآن کریم پر قربان جائیے جو ہمیشہ ہر زمانے میں اپنی راستی اور صداقت دکھانے کو تیار ہے۔ اور ابد تک رہے گا۔

یہیں سے انسانی کلام اور کلامِ الٰہی کا تفرقہ معلوم ہوتا ہے۔ اب قرآن کا مطلب سنئے۔

حقیقی جواب: فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔

انسان کو چاہیئے دھیان کرے کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا گیا ہے۔ اُچھلتے پانی سے جو پُشت اور سینے کی ہڈیوں کے بیچوں بیچ سے ہو کر نکلتا ہے۔

کیا معنی کہ نطفہ صُلب اور ترائب کے بیچوں بیچ سے آتا ہے۔ صُلب پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ ترائب جمع ہے تریبہ کی۔ سینے کی ہڈی۔ (تَرِيْبَةٌ وَهِيَ عَظْمُ الصَّدْرِ مِنْ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ۔ صحاح) اب غور کرو نطفہ اور منی شریانی خون سے بنتی ہے۔ اور وہ شریان دل سے نکلتا ہے۔ اور دل صُلب وترائب کے بیچوں بیچ ہے۔

اور طرح پر مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ باری تعالیٰ متکبر انسان کی گردنِ عُجب توڑنے کو اُسے اسکی خلقتِ جسمانی منبع کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور چونکہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اور ہر مجلس میں جوانوں بوڑھوں عورتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسانی اصلاح کے ہر قسم کے مطالب وارشادات اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور تہذیب سے ادا کرے۔

یہاں دانا سمجھ گئے ہوں گے اور حق شناس تو سمجھتے ہی ہیں کہ "دن کش النسان کو نصیحت کرنا قرآن کریم کو منظور ہے اور کس جگہ کی طرف اشارہ اُسے مقصود ہے۔

مگر اللہ اللہ کس خوبی اور لطافت سے اس مضمون کو نبھایا ہے۔ یہی اس کتاب کریم کا اصلی اور سچا معجزہ ہے۔

معترضو! خواہ مخواہ کی طعنہ زنی کے عاشقو! ترائب سے نیچے نگاہ کرتے جاؤ اور صُلب کی طرف

جاؤ۔ عین بین یعنی بیچوں بیچ میں تم کو وہ پمپ یا فوارہ نظر آویگا۔ جس میں سے وہ اُچھلتا پانی نکلتا ہے جو ان کی پیدائش کا منبع یا مبدأ ہے۔

غور کرو، سوچو، ایمان اور انصاف سے کام لو۔ کیا مقصود تھا۔ کیا مطلب تھا۔ کس طرز پر ادا کیا۔ اس سے بڑھ کر فصیح اور پاک کلام کوئی دنیا میں ہے۔

علمِ ادب اور عربی سے آگاہی حاصل کرو۔ فصحائے عرب عضوِ تناسل کا نام جب بتقاضائے وقت لازم ہو۔ ایسے ہی نہج سے لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ افصح العرب والعجم ایک حدیث میں فرماتے ہیں

مَنْ یَضْمِنُ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ فَاَضْمَنُ لَہُ الْجَنَّۃَ

یعنی جو شخص مجھے ضمانت دے اس چیز کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور اس چیز کی جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (........) میں اس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔

یعنی جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کو فواحش اور ممکنات سے روکے۔ میں اُسے جنت دلاؤں گا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ اِنْ ھُوَ اِلَّا مَآ اَلْھَمَنِیْ بِہٖ رَبِّیْ

(فصل الخطاب حصہ اوّل صـ۱۳۲ - ۱۳۵)

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ : دافق۔ سیّال پانی۔ یکے بعد دیگرے، متواتر گرنے والے قطرے۔ دافق مدفوق کے معنوں میں ہے۔ عرب کی بولی میں فاعل مفعول کے معنوں میں کثرت سے بولا جاتا ہے۔ جیسے سِرٌّ کَاتِمٌ اَیْ مَکْتُوْمٌ۔ وَفِیْ قَوْلِہٖ۔ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ۔ (حاقہ: ۲۲) اَیْ مَرْضِیَّۃٍ

حضرت صاحب کی ایک نظم میں دفق کا لفظ اس طرح آیا ہے ؏

ہر کہ بر دفقِ حکم مشغول است بر سرا جرت است ومقبول است

(براہین احمدیہ)

دفق کے معنے اس شعر میں حکم کے ساتھ ہی کودنے، پھاندنے فوراً چلے جانے کے ہیں۔ قرآن شریف کی ماسبق آیات کا ربط آیات ملحق سے یہ ہے کہ کفار جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل اور ایذاء اور مقابلہ کی ٹھان رکھی تھی۔ ان کو توجہ دلائی اس طرف کہ غرور تکبر نبی کے مقابلہ میں چھوڑ دیں۔ اور اپنی پیدائش کو سوچیں کہ کس حقیر اور ناچیز قطرۂ آب سے ہوئی ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ جون ۱۹۱۲ء)

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ : ترائب کے معنے پستان کے صحیح نہیں ہیں۔ اگر پستان مراد ہوتے تو صیغہ تثنیہ کا ہوتا۔ ترائب تریبہ کی جمع ہے۔ ترائب سینہ کے دائیں بائیں دونوں طرف کی پسلیوں کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ دل چونکہ صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے۔ اور دل سے شریانی عروق پیوستہ ہیں اور انہیں شریانی خون سے مَنی پیدا ہوتی ہے۔ (گو اوعیہ منی بَیْضَتَیْن ہوں۔ جو فلٹر کا کام دیتے ہیں مگر یہاں تو ذکر مخرج کا ہے نہ کہ فلٹر کا) اس لئے انسان کی حقیر پیدائش کا ذکر نہایت تہذیب کے ساتھ کیا۔
كَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍ جون ۱۹۱۲ء)

۹- إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿۹﴾

ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مسئلہ مہتم بالشان ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے اس زمانہ میں مسیح کی وفات کے مسئلہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سے شرک اور بُت پرستی کے علاوہ بعث بعد الموت کا سخت انکار کیا گیا تھا اس لئے قرآن شریف میں رجعت یعنی بعث بعد الموت کا ذکر بار بار کیا ہے۔ اور شریروں کو عقوبتِ اُخروی سے ڈرایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۰- يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿۱۰﴾

تُبْلَى بمعنے تظھر ہے۔ سَرَائِرُ سِر کی جمع ہے۔ امتحان میں بھی مخفی استعداد ظاہر کی جاتی ہے اس لئے بلاء امتحان کے معنے دیتا ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس دن جو کچھ مخفی در مخفی طور پر عمل کئے تھے وہ بھی ظاہر ہو جائیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۲- وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۲﴾

سَمَآءِ۔ بادل۔ رَجْعِ۔ بارش چونکہ بخارات سمندروں سے اور زمین سے اوپر چڑھ کر بادلوں کی شکل میں مینہ بن کر واپس زمین ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس لئے بادلوں کا نام سماء اور بارش کا نام رجع ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)
جس طرح زمین کا پانی آسمان کے پانی پر موقوف ہے اسی طرح عقلی چشمے الہام الٰہی کے محتاج ہیں
(تشحیذ الاذہان جلد ۹ صفحہ ۴۸۸-۴۸۹)

۱۳- وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾

صَدْع کے معنے پھٹنے کے ہیں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ (الروم:۴۴) اَیْ یَتَفَرَّقُوْنَ۔ صَدْع کے لفظ سے صرف اسی قدر توجہ دلانا مقصود ہے کہ زمین کے پھٹنے سے کھیتیں اور درخت پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ آسمانی بارش سے جس طرح زمین سرسبز ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر کے آنے سے اور وحی آسمانی سے اہلِ زمین برگ وبار لاتے ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

ایں چنیں کس، چو رُو نہد بہ جہاں ÷ بر جہاں، عظمتش کند عیاں
چوں بیاید، بہار باز آید ÷ موسمِ لالہ زار باز آید
وقتِ دیدارِ یار، باز آید ÷ بے دِلاں را قرار باز آید
ماہِ رُوئے نگار، باز آید ÷ خور، بہ نصف النہار باز آید
باز خندد بناز لالہ و گل ÷ باز خیزد، زِ بُلبُلاں غلغل

(براہین احمدیہ) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۴- اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۴﴾

اِنَّہٗ کا مرجع قرآن شریف ہے یا آسمانی بارش کے ذریعہ زمینی سرسبزی۔ دونوں ہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۶- اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا ﴿۱۶﴾

کفارِ مکہ جس وقت اُس بنی نوع انسانی کے سچے خیر خواہ رؤوف ورحیم ہادی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی تدابیر وفکر میں لگے ہوئے تھے۔ قرآن کہتا ہے اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وہ خفیہ داؤں بچھا رہے ہیں اور میں ان کے داؤں کو باطل کرنے کے درپے ہوں۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صـ۱۳۸)

۱۸- فَمَہِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْہِلْھُمْ رُوَیْدًا ﴿۱۸﴾

امہال کے معنے مہلت دینے۔ ڈھیل دینے کے ہیں۔ رُوَیْدًا رود کی تصغیر ہے۔ امر کے معنے میں آیا کرتا ہے۔ جیسے نحوی اسم فاعل بمعنے امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے رُوَیْدَ زَیْدًا

ای اُتْرُعْهُ وَدَعْهُ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍جولائی ۱۹۱۲ء)

جب آنحضرتؐ اور ان کے اصحابؓ قلتِ تعداد اور بے سر و سامانی کے باعث مکے سے نکالے گئے تو ان کے ہادی سے قرآن نے پیشنگوئی کے طور پر فرمایا:

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ان کافروں کو کچھ مدت فرصت دے۔ اور اپنے آپ کو چونکہ موسیٰؑ کے مثیل کہا تھا اس لئے آپؐ نے دل بھر کے موسیٰؑ کے اتباع کا حال سنایا

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (اعراف ۱۳۸)

اور ہم نے انہی لوگوں کو جنہیں وہ ضعیف سمجھتے تھے زمین (مکہ) کے مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنایا۔

اور صاف صاف تاکیدی الفاظ سے مکے میں یہ آیت پڑھ پڑھ کر سنائی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (قصص: ۸۶)

بے شک وہ جس نے تجھے قرآن کا پابند بنایا یقیناً تجھے اصلی وطن (مکہ) میں پھر لے جائے گا۔

یہ پیشنگوئیاں صاف صاف پوری ہو گئیں کہ تھوڑے عرصے میں کل سرزمینِ مکہ پر اہلِ اسلام کا تسلط ہو گیا۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۹۶، ۹۷)

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۲﴾

سَبِّحِ : پاک بیان کر۔ شرک وغیرہ کے عیوب سے اس کی تنزیہ کر۔ آیۃ شریف میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے۔ سبّوحیت۔ ربوبیت۔ علوّ شان۔ اس کے ماتحت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تین پیشگوئیاں تھیں جو بڑی صفائی سے پوری ہوئیں۔ آپؐ جنون افتراء وغیرہ عیوب سے پاک تسلیم کئے گئے۔ آپ کی ربوبیت مکی زندگی کی ادنیٰ حالت سے یوماً فیوماً بڑھتی گئی اور اعلیٰ ترین مقام پر یہاں تک پہنچائی گئی کہ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر : ۳)

اور اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ : ۴)

کی آواز آپ نے سن لی۔ روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے ہر صادق راست باز کیلئے عام مخاطبت ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

۳، ۴- الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۴﴾

خَلَقَ ، تسویہ ۔ تقدیر ۔ اور ہدایت ان چار باتوں کو علی الترتیب علّت اور معلول کے سلسلہ میں بیان فرما کر حصولِ ترقی کیلئے راہ سمجھائی ہے۔ روئے سخن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور مفہوم کے اعتبار سے ہر ترقی کے خواہاں کیلئے اس میں ہدایت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

آیت اَلَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى میں آریہ کا رد ہے جو خلقِ عالم کا منکر ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ اس مضمون کو بلفظ دیگر قرآن شریف میں یوں ادا فرمایا ہے۔
اَلَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰهٰ : ۵۱) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

۵-۶ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۵ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۶

مَرْعٰی: زمینی گھاس پات سبز۔ غُثَآءً: خشک کوڑا کرکٹ۔ غثاء جمع ہے۔ اس کا واحد غُثَاۃ آیا کرتا ہے۔ اَحْوٰی۔ حوۃ سے مشتق ہے۔ سبزی کے بعد کسی چیز کا سیاہ ہو جانا حُوَّۃ ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں کفار کا جو انجام ہونیوالا تھا۔ ان دو آیتوں میں دکھلایا ہے۔ جو خس کم جہاں پاک کے مصداق ہو گئے۔ روئے سخن۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ ربیعہ وغیرہ اس وقت کے کفار کی طرف ہے۔ مگر مفہوم کے اعتبار سے مصداق اس کے ہر صادق، راست باز کے معاند ہیں۔ انہیں کا وجود ان کے کھیت کیلئے کھاد بن جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

۷-۸ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝۷

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ قرآن شریف جسے یاد ہے۔ وہ اس کو پڑھتا پڑھاتا رہے۔ اگر پڑھنے میں ڈھیل دے دی گئی تو وہ کھلے ہوئے اونٹ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سینوں سے نکل جاتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر سال ایک بار دور کیا کرتے تھے سالِ وفات آپؐ نے دو بار دور کیا" س "کے معنے ضرور بالضرور کے ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ کے تحت میں موجود قرآن شریف کے علاوہ جس قدر مختلف قرأتیں عرب کے لب ولہجہ کی وجہ سے تھیں سب نَسْيًا مَّنْسِيًّا ہو گئیں۔ جو زیادہ تر مشہور قرأت تھی۔ وہی متلو رہی۔ قرآن شریف کے جمع کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہ کا فعل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل تھا۔ شیعہ معترضین اس پر غور فرماویں۔

ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے سلسلہ میں بتایا کہ ہم تجھے پڑھائیں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا۔ جیسے پہلی آیتوں میں بتایا تھا کہ ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے ایسے فطرتی قویٰ دیئے ہیں جو اس کی تکمیل کیلئے ضروری ہیں۔ ایسا ہی اس کو اسکے کمالِ مطلوبہ تک پہنچنے کا طریق بتایا ہے پس جس باوجود ہستی کو نورِ نبوت دیا جاتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس کے قویٰ میں بھی وہی قوت اور طاقت ہو اور اس بارِ نبوت کے اٹھانے کیلئے وہ ہمہ تن تیار ہو۔ اور ہر قسم کی مشکلات جو اس راہ میں پیش آویں

ان کے برداشت کرنے کا حوصلہ اور استقلال اس میں موجود ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بشارت دی جاتی ہے۔ کہ تیرے آنے کی جو غرض دنیا میں ہے۔ اس کے حسب حال آپ کو قوٰی دئے ہیں اور اس کی تکمیل کی جو راہ ہے۔ وہ آپ کو بتلادی جاتی ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ علوم جو نبوت کے متعلق ہیں وہ کس طرح پر محفوظ رہیں گے اور آپ کس طرح پڑھ لیں گے۔ تو سنو۔ اس کے متعلق ہم پیشگوئی کرتے ہیں۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى۔ ہم تجھ کو پڑھا دیں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا۔ اب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور بشارت دی تھی کہ تو ہمارے پڑھائے ہوئے علوم کبھی نہیں بھولے گا۔ اس وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید پڑھایا اور تمام اسرار و حقائق و معارف و دقائق آپؐ پر منکشف کئے۔ علومِ اولین و آخرین عطا فرمائے۔ اور اس پر بھی رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) کی دعا سکھائی۔ اس آیت میں یہ بھی بتلایا ہے کہ بھولے گا نہیں۔ مگر اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ بھی اس کے ساتھ ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ضروریاتِ دین اور کلام ربانی جس کا دنیا کو پہنچانا مقصود ہے۔ وہ تو کبھی آپ کو بھول ہی نہیں سکتا اور نہ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر امان ہی اٹھ جاوے۔ قرآن مجید خود اس کی تشریح دوسری جگہ کرتا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔ (بنی اسرائیل: ۸۷) یعنی اگر ہم چاہتے تو جو کچھ تیری طرف وحی کیا ہے اُسے لے جاتے۔ مگر ایسا وقوع میں نہیں آیا۔ اس لئے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ یا لَئِنْ شِئْنَا سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ ایسا وقوع میں بھی آیا۔ اور اگر آیا بھی۔ تو دیکھنا یہ ہے۔ کہ کیا کوئی قرآن کریم میں اس کا پتہ ہے۔ اس لئے ایک جگہ فرمایا۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (الحج: ۵۳) یعنی شیطانی القاء کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔ اور اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے۔ اور ایک اور جگہ فرمایا۔ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (الشوریٰ: ۲۵) اللہ تعالیٰ باطل کو محو کر دیتا ہے اور اپنے کلمات حق کو حق ثابت کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ سے اگر کوئی مراد ہے تو وہ باطل اور ارادہ و تدابیر شیطانی ہیں۔ جو آپؐ کی مخالفت کیلئے کی جاتی تھیں۔ یہ بھی گویا عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اس کو واقعات سے ملا کر دیکھو کہ کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پڑھایا گیا وہ قائم رہا۔ اور دنیا اس کو نہیں بھول سکتی۔ قرآن کریم کی وحی آج تک بھی اسی قوت و شان کے ساتھ زندہ اور محفوظ ہے۔ پھر اس کو مؤکد کرنے کیلئے فرمایا اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (الاعلیٰ: ۸) یعنی یہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے جو ظاہر اور مخفی تمام امور کا پورا

علیم و خبیر ہے۔ پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل برنگ پیشگوئی فرمائی کہ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۔ یعنی تیرے ہر ایک کام میں سہولتیں اور آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ مکی زندگی جس عسر اور تنگی کی زندگی تھی وہ تاریخی اوراق سے عیاں ہے لیکن بعد میں آپؐ کیلئے جس قدر سہولتیں پیدا ہوئی ہیں۔ وہ بھی ایک ظاہر امر ہے۔ ہر کام میں سہولت اور آسانی پیدا ہو گئی اور اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اس کے بعد پھر ایک پیشگوئی فرمائی۔ کہ آپ کا کام تذکیر ہے۔ آپ اس نصیحت کو لوگوں تک پہنچاتے جائیں۔ یہ خالی از فائدہ نہ ہوگی۔ ضرور اپنا مفید نتیجہ پیدا کریگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

۹۔ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿۹﴾

مکی زندگی آپؐ کی جس قسم کی عسرت کی تھی۔ اس کو پیش نظر رکھ کر آپؐ کے عروج اور کمال تک نظر کی جاوے۔ تو آیت کا مفہوم خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لائے ہیں۔ اس کی تعریف آپ نے یوں فرمائی ہے۔ مَا بُعِثْتُ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحِيَّةِ یعنی افراط و تفریط اور رہبانیت سے منزہ سہل اور آسان دین کے ساتھ آپ مبعوث ہوئے۔ سفر میں قصر ہے۔ عذر ہو تو تیمم ہے مسجد نہ ہو تو سب جگہ مسجد ہی مسجد ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۰۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۱۰﴾

اِنْ بمعنے قَدْ ہے۔ جیسے فرمایا سُبْحَانَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (بنی اسرائیل: ۱۰۹) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران: ۱٦۵) اِنْ کے معنے ہر جگہ شرطیہ نہیں ہوتے۔ ان دو مقام کے علاوہ قرآن شریف میں کثرت سے اِنْ قَدْ کے معنوں میں آیا ہے۔ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ (زخرف: ٦) سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنے یا نہ سنے۔ وعظ و نصیحت کبھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ گوش زدہ اثرے دارد۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر جولائی ۱۹۱۲ء)

۱۵ تا ۱۷۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۵﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱٦﴾

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

فلاح کیلئے ظاہری و باطنی طہارت پراگندہ خیالات سے دلجمی۔ ذکر و نماز و بالآخر دین کو دنیا پر مقدم کرنا۔ یہ باتیں ضروری ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ہے۔

" مصفّٰی قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا " (آئینہ کمالات اسلام صہ ۵۵) ایک ڈاکٹر صاحب نے جو ایم اے ہیں۔ اعتراض کیا کہ موتی تو کیڑے کے لعاب سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حال کی تحقیقات کا مشاہدہ ہے مگر جب ان کو توجہ دلائی گئی کہ سیپ میں کیڑا کس چیز سے پیدا ہوتا ہے۔ تو چونکہ ڈاکٹر تھے۔ خاموش ہو گئے۔ ایک اور الہام حضرت صاحب کا ہے۔ جس کو تزکیۂ نفس اور ذکر سے تعلق ہے وہ یہ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ عُرِضَ عَلٰى اَقْوَامٍ فَمَا دَخَلَ فِيْهِمْ وَمَا دَخَلُوْا فِيْهِ اِلَّا قَوْمٌ مُّنْقَطِعُوْنَ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اور اس کیلئے دو قسم کی چیزیں ضروری ہیں۔ ایک جسم جو ہمیں نظر آتا ہے۔ اس کیلئے ہوا کی ضرورت ہے۔ کھانے، پینے، پہننے، مکان کی ضرورت ہے۔ کوئی اسکا یار و غمگسار ہو۔ اسکی ضرورت ہے۔ دور دراز ملکوں کے دریاؤں کے اس پار جانے کی ضرورت ہے۔ زمیندار کو کھیت کی ضرورت ہے۔ کیا زمین انسان بنا سکتا ہے۔ پھر ہل کیلئے لکڑیاں چاہئیں۔ مضبوط درخت ہو جب جا کر ہل بنتے ہیں۔ ہل کیلئے لوہے کی ضرورت ہے۔ پھر اوزار بھی لوہے کے ہوتے ہیں۔ لوہے کا بھی عجیب کارخانہ ہے۔ لوہا کانوں سے آتا ہے۔ جس کیلئے کتنے ہی مزدوروں کی ضرورت ہے۔ پھر اور کئی قسم کی محنتوں اور مددوں کے بعد ہل بنتا ہے۔ مگر یہ ہل بھی بیکار ہے جب تک جانور نہ ہوں۔ پھر جانوروں کیلئے گھاس چارہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ پھر اس ہل چلانے میں علم فہم اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہی کی مدد سے چھوٹے چھوٹے جتنے پیشے بنتے ہیں۔ وہ عالی شان بنتے ہیں۔

مثلاً چکی پیسنا ایک ذلیل کسب تھا علم کے ذریعہ ایک اعلیٰ پیشہ ہو گیا۔ یہ جو بڑے بڑے ملوں کے کارخانے والے ہیں۔ دراصل چکی پیسنے کا ہی کسب ہے اور کیا ہے۔ ایسا ہی گاڑی چلانا۔ کیا معمولی کسب تھا۔ گاڑی چلانے والا ہندوستان میں لنگوٹ باندھے ہوتا تھا۔ اب گاڑی چلانے والے کیسے عظیم الشان لوگ ہیں یہ بھی علم ہی کی برکت ہے۔

حجام کا پیشہ کیسا ادنیٰ سمجھا جاتا۔ یہی لوگ مرہم پٹی کرتے اور ہڈیاں بھی درست کر دیتے۔ اسی پیشے کو علم کے ذریعے ترقی دیتے دیتے سرجنی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ اور سرجن بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔

مَیں نے تاجروں پر وہ وقت بھی دیکھا ہے۔ کہ سر پہ بوجھ اٹھائے وہ دربدر پھر رہے ہیں۔ رات کسی مسجد میں کاٹتے ہیں۔ مگر اب تو تجارت والوں کے علیحدہ جہاز چلتے ہیں۔

وہ حکومت بھی دیکھی ہے کہ دس روپے لینے ہیں اور ایک زمیندار سے دھینگا مشتی ہو رہی ہے یا اب منی آرڈر کے ذریعہ مالیہ ادا کرتے ہیں۔ سنسان ویران جنگلوں کو آباد کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی علم ہی کی برکت ہے کہ اس سے ادنیٰ چیز اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جسم کے علاوہ کچھ اور بھی عطا کیا ہے۔ یہ آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ جب تک اندر آنکھ نہ ہو۔ زبان نہیں بولتی جب تک اندر زبان نہ ہو کان نہیں سنتے جب تک اندر کان نہ ہوں۔ مگر یہ تو کافر کو بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور آنکھ وزبان وکان بھی ہے جو مومن کو دئے جاتے ہیں۔ یہ وہ آنکھ ہے۔ جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ حق و باطل کا شنوا ہو سکتا ہے۔ حق و باطل کا اظہار کر سکتا ہے۔ اگر انسان حق کا گویا و شنوا و بینا نہ ہو تو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کا فتویٰ لگتا ہے۔

اللہ جلشانہٗ جس کو آنکھ دیتا ہے۔ وہ ایسی آنکھ ہوتی ہے۔ کہ اس سے خدا کی رضا کی راہوں کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر ایک آنکھ اس سے بھی تیز ہے۔ جس سے مومن اللہ کی راہ پر علیٰ وجہ البصیرت چلتے ہیں پھر اس سے بھی زیادہ تیز آنکھ جو اولوالعزم رسولوں کو دی جاتی ہے۔ ان حواس کے متعلق اللہ اپنے پاک کلام میں وعظ کرتا ہے۔ دیکھو آج[1] لوگوں نے کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کیا ہے۔ غسل کیا ہے۔ لباس حتی المقدور عمدہ و نیا پہنا ہے۔ خوشبو لگائی ہے۔ پگڑی سنوار کر باندھی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں کیا۔ صرف اس لئے ہم باہر بے عیب ہو کر نکلیں۔ بہت سے گھر ایسے ہوں گے جہاں بیوی بچوں میں اسی لئے جھگڑا بھی پڑا ہوگا۔ اور اس جھگڑے کی اصل بناء یہی ہے کہ بے عیب بن کر باہر نکلیں۔

جس طرح فطرت کا یہ تقاضا ہے۔ اور انسان اسے بہر حال پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں تمہارا مربی، میں تمہارا محسن ہوں جیسے تم نے اپنے جسم کو مصفّٰی و مطہر بے عیب بنا کر نکلنے کی کوشش کی ہے۔ ویسے ہی تم اپنے رب کے نام کی بھی تسبیح کرتے ہوئے نکلو اور دنیا والوں پر اسکا

---

[1] جمعہ کا دن

بے عیب ہونا ظاہر کرو۔ ادنیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ مومن اپنی زبان سے کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ

پھر وہ کلمات جن سے میں نے اپنے خطبہ کی ابتداء کی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اس میں بھی اس کی کبریائی کا بیان ہے۔ پھر اس سے ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ وہ یہ کہ تسبیح دل سے ہو۔ کیونکہ یہ جناب الٰہی کے قرب کا موجب ہے۔

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور فرماتا ہے کہ وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ (الحج: ۳۸) پس ضرور ہے کہ یہ تسبیح جو کریں تو دل کو مصفا کر کے کریں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل پر ناراض نہ ہوں اور یہ یقین کریں کہ جو کچھ خدا کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ اور جو کچھ کریگا وہ بھی ہماری بھلائی و بہتری کیلئے کریگا۔ ہمارے مربی و محسن پر اللہ رحم فرمائے کہ اس نے میرے کانوں میں بھی آواز پہنچائی اور مجھے مشق کیلئے یہ شعر لکھ دیا۔ ؏

سرنوشت ما ز دست خود نوشت

خوشنویس است و نخواہد بد نوشت

پس ہمیں چاہیئے کہ اس اللہ کو جس کی ذات اعلیٰ اور تمام قسم کے نقصوں اور عیبوں سے بالاتر ہے ہے۔ رنج و راحت۔ عسر و یسر میں بے عیب یقین کریں اَلشَّرُّ اِلَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ایک جمعہ میں میں نے اپنی طرف سے الوداعی خطبہ پڑھا کہ میری حالت ایسی تھی کہ تھوک کے ساتھ بہت خون آتا۔ اندر ایسا جل گیا تھا کہ خاکستری دست آتے اور میں رات کو جب سوتا تو یہی سمجھتا کہ بس اب رخصت۔ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ۔ گھر والے بعض وقت ہمدردی سے مجھے ملامت کرتے کہ تم پرہیز کرتے۔ بہت وعظ کرتے ہو۔ سبق بدستور پڑھائے جاتے ہو۔ تو میں کہتا۔ بیشک جس قدر نقص و عیب ہیں میری طرف منسوب کر لو۔ میرا مولیٰ تو جو کچھ کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ سچ ہے وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ۔

غرض تم زبان سے سبحان اللہ کا ورد کرو۔ تو اس کے ساتھ دل سے بھی ایسا اعتقاد کرو۔ اور اپنے دل کو تمام قسم کے گندے خیالات سے پاک کر دو۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھو کہ مالک ہماری اصلاح کیلئے ایسا کرتا ہے۔

پھر اس سے آگے اللہ توفیق دے تو اللہ کے اسماء پر اللہ کے صفات و افعال پر۔ اللہ کی کتاب

پر۔ اللہ کے رسولؐ پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں۔ ان کو دُور کرو۔ اور ان کا پاک ہونا بیان کرو۔

ہمارے ملک میں اس قسم کے اعتراضوں کی آزادی حضرت جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں شروع ہوئی ہے کیونکہ اس کے دربار میں وسعت خیالات والے لوگ پیدا ہو گئے۔ اس آزادی سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مطاعن کا دروازہ کھول دیا۔ ان اعتراضوں کو دور کرنے کیلئے ہمارے بزرگوں نے بہت کوشش کی ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت شیخ احمد سرہندی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی بہت کوشش کی ہے۔ جلال الدین اکبر نے جب صدر جہاں کو لکھا کہ چار عالم بھیجیں جو ہمارے سامنے ان اعتراضوں کے جواب دیا کریں۔ تو یہ بات حضرت مجددؒ صاحب کے کان میں بھی پہنچی۔ انہوں نے صدر کو خط لکھا کہ آپ مہربانی سے کوشش کریں کہ بادشاہ کے صرف ایک ہی عالم جائے۔ چار نہ ہوں۔ خواہ کسی مذہب کا ہو مگر ہو ایک ہی۔ کیونکہ اگر چار جائیں گے تو ہر ایک یہی چاہے گا کہ میں بادشاہ کا قرب حاصل کروں اور باقی تین کو ذلیل کرنے کی کوشش کریگا۔ اگر چاروں گئے تو بجائے اس کے کہ دین کا تذکرہ ہو ایکدوسرے کو رد کرکے چاروں ذلیل ہو جائیں گے۔ اور یہ لوگ اپنی بات کی پیچ میں بادشاہ کو ملحد کر دیں گے۔

یہ تو اس وقت کا ذکر ہے۔ جب اسلام کی سلطنت تھی۔ اسلام کے متوالے دنیا میں موجود تھے۔ اس وقت کا بیج بویا ہوا اب تین سو برس کے بعد ایک درخت بن گیا ہے۔ کیسے دُکھ کا زمانہ ہے۔ کہ نبی کریمؐ کے سوانگ ڈراموں میں بنائے جاتے ہیں۔ عجیب عجیب رنگوں میں لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔ جس سے متأثر ہو کر بعض لڑکوں نے غنیمت کی آیت پر لکھ دیا۔ محمدؐ لٹیرا تھا۔ اگرچہ اس کا جواب مجھے دیا گیا۔ کہ نقل اعتراض تھا مگر یہ داغ مٹتا نہیں۔ اور میں سربان اقتضاء کا مسئلہ خوب جانتا ہوں۔ اسی کے ماتحت اس کو لا کر اس کا ذکر کرتا ہوں۔

پس میری سمجھ میں یہ وقت ہے کہ جہاں تک تم میں کسی سے ہو سکے۔ اللہ کے اسماء، صفات، افعال اللہ کی کتاب۔ اللہ کے رسولؐ۔ اللہ کے رسولؐ کے نواب وخلفاء کی پاکیزگی بیان کرے۔ اور ان پر جو اعتراض ہوتے ہیں۔ انہیں بقدر اپنی طاقت کے سلامت روی و امن پسندی کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کریں۔

یہ مت گمان کرو کہ ہم ادنیٰ ہیں۔ وہ طاقت رکھتا ہے۔ کہ تمہیں ادنیٰ سے اعلیٰ بنا دے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ خَلَقَ فَسَوّٰى۔ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ: ۳، ۴)

جو ان پڑھ ہیں۔ انہیں کم از کم یہی چاہیئے کہ وہ اپنے چال وچلن سے خدا کی تنزیہ کریں۔ یعنی اپنے طرز عمل سے دکھائیں کہ قدوس خدا کے بندے۔ پاک کتاب کے ماننے والے۔ پاک رسولؐ کے متبع اور اسکے

خلفاء اور پھر خصوصًا اس عظیم الشان مجدد کے پیرو ایسے پاک ہوتے ہیں۔

(بدر ۱۳ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۸، ۹)

ہر شخص پر جو قرآن پر ایمان لایا۔ جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا۔ جو اللہ پہ ایمان لایا۔ اسکی کتابوں پر ایمان لایا۔ فرض ہے کہ وہ کوشش کرے کہ خداتعالیٰ کے کسی نام پر کوئی اعتراض نہ کرنے پائے۔ اگر کرے تو اس کا ذب کرے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے۔ سَبِّحْ ۔ جناب الٰہی کی تنزیہ کر، اس کی خوبیاں، اس کے محامد بیان کر۔

میں نے بعض نادانوں کو دیکھا ہے۔ جب جناب الٰہی، اپنی کامل حکمت و کمالیت سے اس کے قصور کے بدلے سزا دیتے ہیں۔ اور وہ سزا اسی کی شامتِ اعمال سے ہی ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ: ۳۱) تو وہ شکایت کرنے لگ جاتے ہیں مثلاً کسی کا کوئی پیارے سے پیارا مر جائے تو اس ارحم الراحمین کو ظالم کہتے ہیں۔ بارش کم ہو تو زمیندار سخت لفظ بک دیتے ہیں۔ اور اگر بارش زیادہ ہو تو تب بھی خداتعالیٰ کی حکمتوں کو نہ سمجھتے ہوئے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اس لئے ہر آدمی پر حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس و تسبیح کرے۔ آپ کے کسی اسم پر کوئی حملہ کرے تو اس حملہ کا دفاع کرے۔

اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں کوئی بُرا کہے یا تمہارے ماں باپ یا بھائی بہن یا محبوب کو سخت سُست کہہ دے تو تمہیں بڑا بڑا جوش پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہو۔ لیکن جس وقت اللہ کے کسی فعل پر (کہ وہ بھی اس کے اسم کا نتیجہ ہے) کوئی نادان یا شریر اعتراض کرتا ہے تو تم کہتے ہو۔ جانے دو۔ کافر ہے۔ بکتا ہے۔ اس وقت تمہیں جوش نہیں۔ حالانکہ جن کیلئے تم نے اتنا جوش دکھایا ان میں تو کچھ نہ کچھ نقص یا عیب و قصور ضرور ہوگا۔ مگر اللہ تو ہر بُرائی سے منزہ، ہر حمد سے محمود ہے ہر وقت تمہاری ربوبیت کرتا ہے۔ اب جو اس کے اسماء کیلئے اپنے تئیں سینہ سپر نہیں کرتا وہ نمک حرام ہی ہے اور کیا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کوئی پڑھے ہوئے ہیں۔ جو لوگوں سے مباحثے کرتے پھریں، تعجب کی بات ہے کہ اگر کوئی ان کے ماں باپ یا بھائی بہن کو یا کسی دوست کو یا خود ان کو بُرا کہہ دے تو ناخواندگی یاد نہیں رہتی۔ اور سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جس طریق سے ممکن ہو۔ اس کا دفاع کرتے ہیں۔ مگر جنابِ الٰہی سے غافل ہیں۔ اسی طرح خدا کے برگزیدوں پر طعن کرنا دراصل خداتعالیٰ کی برگزیدگی پر طعن رکھنا ہے۔ اس کیلئے بھی مومنوں کو غیرت چاہیئے۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے۔ شیعہ محلہ میں رہتے ہیں۔

ان کے تبرّے سُنتے سُنتے کچھ ایسے بے غیرت ہوجاتے ہیں کہ کہنے لگتے ہیں کہ ایسے صحابہ کو بُرا کہنا معمولی بات ہے۔ حالانکہ ان کی بُرائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ پر حملہ ہے جس نے ان کو تیار کیا
اسی طرح مشنری عیسائی بڑی بداخلاق قوم ہے۔ کوئی خُلق ان میں ہے ہی نہیں۔ ایک شخص نے کہا۔ ان کی تعلیم میں تو اخلاق ہے اور ایک نے کہا ان میں بڑا خُلق ہے۔ ایسا کہنے والے نادان ہیں ان کے ہاں ایک عقیدہ ہے۔ نبی معصوم کا جس کے یہ معنے ہیں۔ ایک ہی شخص دنیا میں ہر عیب سے پاک ہے۔ باقی آدم سے لے کر اس وقت کے کل انسان گنہگار اور بدکار ہیں۔ ان لوگوں نے یہاں تک شوخی سے کام لیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے عیوب بیان کئے ہیں۔ پھر حضرت نوحؑ کے، حضرت ابراہیمؑ کے، حضرت موسیٰؑ کے، الغرض جس قدر انبیاء اور راستباز پاک انسان گزرے ہیں ان کے ذمہ چند عیوب لگائے ہیں۔
پھر ہماری سرکار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ان کو خاص تعاہے اور دھت ہے ان کو گالیاں دینے کی۔ باوجود اس گندہ دہنی کے پھر بھی ایسے لوگوں کو کوئی بُرے اخلاق والا کہتا ہے تو اسکی غیرتِ دینی پر افسوس۔ ایک شخص تمہارے پاس آتا ہے اور تم کو آکر کہتا ہے۔ میاں تم بڑے اچھے بڑے ایمان دار۔ آئیے تشریف رکھئے، باپ تمہارا بڑا ڈوم، بھڑوا، کنجر، بڑا حرام زادہ، سؤر، ڈاکو، بدمعاش تھا۔ تم بڑے اچھے آدمی ہو اور ساتھ ساتھ خاطرداری کرتا جائے تو کیا تم اس کے اخلاق کی تعریف کروگے۔
تمام جہان کے ہادیوں کو جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ اور میرا تو اعتقاد ہے کہ ان کو کوئی گن نہیں سکتا۔ بدکار گنہگار کہنے والا ایک شخص کی مزورانہ خاطرداری سے خوش اخلاق کہلا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی توہتک کرتے ہیں اور تم ان کی نرمی اور خوش اخلاقی کی تعریف کرو حد درجہ کی بے غیرتی ہے۔
یہاں تک تو انہوں نے کہہ دیا کہ شریعت کی کتابیں لعنت ہیں، پُرانی چادر ہیں۔ ان کتابوں کو جو حضرت رب العزت سے خلقت کی ہدایت کیلئے آئیں لعنت کہنا کسی خوش اخلاق کا کام ہوسکتا ہے۔ دیکھو گلاتیوں کا خط کہ اس میں شریعت کو لعنت لکھتا ہے۔ پھر خدا سے بھی نہیں ٹلے۔ کہتے ہیں، اس کا بیٹا ہے
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم : ۹۱-۹۲) پھر اس بیٹے پر اس غضب کی توجہ ہے کہ اپنی دعائیں بھی اسی سے مانگتے ہیں۔ بیٹے پر ایمان لانے کے بدُوں کسی کو نجات نہیں۔ خدا کسی کو علم نہیں بخش سکتا۔ یہ تو روح القدس کا کام ہے نہ اللہ تعالیٰ کا۔
غرض اس درجہ بداخلاقی سے کام لینے والوں کو خوش خُلق کہنا محض اس بناء پر کہ جب کوئی ان کے

پاس گیا تو مشنری نے انجیل دیدی۔ کسی کو روپیہ دیدیا، کسی کی دعوت کر دی۔ حد درجہ کی بے غیرتی ہے ان ظالموں نے ہمارے سب ہادیوں کو بُرا بھلا کہا۔ تمام کتب الٰہیہ کو بُرا بھلا کہا۔ جناب الٰہی کے اسماء و صفات کو بُرا کہا۔ اسے سَمِیْعُ الدُّعَاء۔ علم دینے والا نہ سمجھا۔ پھر اخلاق والے بنتے ہیں۔ توبہ! توبہ! ان کے کفارہ کا تو ہی سیدھا نہیں ہوتا۔ جب تک یہ تمام جہان کے راستبازوں کو اور تمام انسانوں کو گنہگار۔ بدکار اور لعنتی نہ کہہ لیں۔ ان میں خوش اخلاقی کہاں سے آ گئی۔

ان حالات میں مومن کا فرض ہے کہ جناب الٰہی میں تسبیح کرے۔ اس کے اسماء کی تسبیح میں کوشاں رہے۔ ان کے انتخاب شدہ بندوں کی تسبیح کرے۔ ان پر جو الزام لگائے جاتے ہیں۔ جو عیوب انکی طرف شریر منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دفاع و ذبّ کرے اور سمجھائے کہ جنہیں میرا رب برگزیدہ کرے، وہ بدکار اور لعنتی نہیں ہوتے۔ انکی تسبیح خدا کی تسبیح ہے۔ یہ معنے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کے۔

تمہارا خدا تو ایسا ہے کہ اسکی مخلوقات سے اس کی تسبیح و تقدیس عیاں ہے۔ اُس نے خلق کیا اور پھر تمہارے اندر نسلِ انسانی کو ایسا ٹھیک کیا۔ کہ سب کچھ اس کے ماتحت کر دیا۔ آگ، پانی، ہوا سب عناصر کو تمہارے قابو میں کر دیا۔

پھر چونکہ سارے جہان نے اس سے کام لینا تھا اس لئے ہر مخلوق کو ایک ضابطہ و قانون کے اندر رکھا تاکہ انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکے اور خدمت لے سکے۔ مثلاً یہ عصا ہے میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں۔ یوں اگر بجائے ٹیک کا کام دینے کے یہ یکدم چھوٹا ہو جائے یا مجھے دبائے یا اپنی طرف کھینچ لے تو میرے کام نہیں آسکتا۔ پس اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا یعنی جس ترتیب سے وہ چیز مفید و بابرکت ہو سکتی ہے۔ اُس ترتیب سے اُسے بنا دیا اور پھر انسانوں کو اس سے کام لینا سکھایا

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى

پھر ان چیزوں پر غور کریں تو ان کا ایک حصہ ردّی اور پھینک دینے کے قابل بھی ہوتا ہے یا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھیتی ہے پہلے پھل دیتی ہے۔ لوگ مزے سے کھاتے ہیں۔ مگر اس کا ایک حصہ جلا دینے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور انبیاء اور ان کی پاک تعلیم سے رُو گردانی کرتے ہیں وہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ پڑھاتا ہے اور وہ یاد رکھتا ہے جس قدر اللہ چاہے اس میں سے بھول بھی جاتا ہے۔ غرض اس نے اپنی پاک راہوں کو دکھانے کیلئے اپنی تعلیم بھیج دی ہے اور بتا دیا ہے کہ نیکی سیکھنے اور اس پر چلنے کا طریق یہ ہے۔

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی

کہ اللہ تعالیٰ کو دانائے آشکارا غیب جانے۔ دیکھو میں اس مقام پر کھڑا ہوں۔ یہ مقام چاہتا ہے کہ میں گند نہ بولوں۔ بدی کی راہ نہ بتاؤں۔ نیک باتیں جو مجھے آئیں تمہیں سنادوں۔ ہاں ایک امر مخفی بھی ہے۔ وہ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کیلئے کھڑا ہوں، یا ریاء، سمعت و حرص کیلئے جیسا کہ کشمیر میں واعظ کرتے ہیں۔ گھنٹوں منبر پر کھڑے رہتے ہیں۔ ایک شخص آکر کہتا ہے۔ حضرت اب بس کرو۔ جمعہ کا وقت تنگ ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں بس کیا خاک کریں۔ ابھی تو دو آنے کے پیسے بھی نہیں ہوئے۔ تب ایک شخص اٹھتا ہے اور چندہ کرتا ہے۔ اور اس طرح اس سے رہائی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح تم کو کیا خبر میرے دل میں کیا درد ہے، اور کتنی تڑپ ہے دوسری طرف تم یہاں جمعہ کا خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کیلئے آئے ہو مگر تمہارے دلوں کی کیا خبر کہ ان میں کیا ہے کیونکہ آخر تمہی میں سے میری مخالفتیں کرتے ہیں۔ میری ہی نہیں۔ میرے گھر تک کی بھی۔ گو نادان ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔ سنبھل کر کام کرو ایسا نہ ہو کہ خدا ناراض ہو جائے۔ ایک جگہ اخفٰی کو سر کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی وہاں منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ میں ان خیالات کو بھی جانتا ہوں جو آج سے سال یا دو سال یا اس سے زیادہ مدت بعد تمہارے اندر پیدا ہوں گے اور اب خود تمہیں بھی معلوم نہیں۔ ایسے نگران علیم و خبیر، لطیف و بصیر خدا سے ڈر جاؤ اور نافرمانی نہ کرو۔

فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی

ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے۔ نصیحت کرتے رہو۔ نصیحت ضرور سودمند ہوتی ہے میرا جی چاہتا ہے کہ تم باہر والوں کیلئے نمونہ بنو۔ تمہارا لین دین۔ تمہاری گفتار و رفتار۔ تمہارا چال چلن (تمہارا ستر و علن) تمہارا اٹھنا بیٹھنا۔ تمہارا کھانا پینا ایسا ہو کہ دوسرے لوگ بطور اسوہ حسنہ اسے قرار دیں میں افسوس کرتا ہوں کہ یہاں بدمعاملگی بھی ہوتی ہے۔ بدزبانی بھی ہوتی ہے۔ بدلگامی بھی ہوتی ہے اور اس سے مجھے رنج پہنچتا ہے۔ تم اللہ کو علیم و خبیر و بصیر مان کر اپنے آپکو بدیوں سے روکو۔ یہ بھی ایک قسم کی تسبیح ہے۔ تم ایسا کروگے تو دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بڑھے گا۔ اللہ توفیق دے۔

(الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲-۱۳)

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۲﴾

حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ اکثر اہلِ تفاسیر نے قیامت کے حوادث مراد لئے ہیں۔ یہ صحیح بات ہے کہ قیامت کے حوادث اپنے ہولناک ہونے کی وجہ سے غاشیات ہی ہوں گے۔ کہ انسانوں کے ہوش وحواس عقل وفکر سب کچھ مارے جائیں گے۔ مگر قرآن کریم کے اسلوب اور اس کے لٹریچر پر نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ كَذَا وَكَذَا آیا ہے وہاں دنیوی عقوبات واُخروی عقوبات کے ساتھ پیوستہ بلکہ مقدم رکھے گئے ہیں جیساکہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ (بروج: ۱۸) اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى وغیرہ آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے جیساکہ انبیاء سابقین اور ان کی اُمم کے ساتھ جو معاملات ہوئے۔ ان کے ہم رنگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کوئی عظیم الشان عقوبت آسمانی آنے والی تھی۔ اس کو هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ میں ذکر فرمایا۔ عقوبتیں تو کفار پر بہت سی آئیں۔ مگر الفاظ قرآنی کا تتبّع کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ حدیث الغاشیہ قحط شدید تھا۔ جو سات سال تک بزمانہ نبویؐ واقع ہوا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ کے الفاظ سے دُعا کی تھی۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا۔ کہ وہ قحط شدید پڑا جس کا ذکر سورۃ دخان میں ان الفاظ سے ہے۔ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الدخان: ۱۱-۱۲) اس سورۃ شریف کی پہلی آیت میں حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ہے اور سورۃ الدخان میں يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۳، ۴- وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۳﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۴﴾

جب قحط شدید ہوتا ہے تو فاقوں کی وجہ سے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ ذلت اور مسکنت چہروں

پر جم جاتی ہے ۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۔ لوگ یوں ہو جاتے ہیں کہ کھیتیوں زراعتوں کے پیچھے محنت کرتے تھک کر چُور ہو جاتے ہیں ۔ مگر پیداوار کچھ نہیں ہوتی ۔ محنت کرنا اور تھکنا ہی پلے پڑتا ہے ۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۵، ۶ ۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝

عَذَابُ الجُوع کی آگ سے شکم تنور ہو جاتا ہے ۔ سرد پانی کہاں جو پینے کو ملے ۔ کہیں دور دراز جگہ سے یا عمیق در عمیق چاہ سے لایا جاوے گا ۔ اٰنِيَةٍ لفظ أَنَى بمعنی تاخیر سے مشتق ہے ۔ دوسری جگہ فرمایا ۔ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمان ۴۵) پہاڑوں میں جہاں سے چشمے نکلتے ۔ بعض چشموں کا پانی نہایت سخت گرم ہوتا ہے ۔ پیاسے کیلئے جس کی جان جاتی ہو ۔ یہی گرم پانی غنیمت سمجھا جاتا ہے ۔

تشنہ را دل نخواہد آب زلال

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۷ ۔ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝

ضَرِيْعٍ ایک قسم کی گھاس ہے ۔ جب تک پانی کی وجہ سے ہری رہتی ہے شبرق کہلاتی ہے مگر جب سوکھ جاتی ہے تو اسی کو ضریع کہتے ہیں ۔ کانٹے دار اور بدبودار تلخ ہوتی ہے ۔ تضرع اسی سے مشتق ہے ۔ سورۃ المومنون رکوع چہارم پارہ ۱۸ میں فرمایا ہے کہ قحط شدید میں ضریع کو کھا کر بھی تضرع نہیں کیا ۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ (المومنون ۷۷)

اس آیت شریف کا نزول مفسرین نے قحط شدید کے وقوع کے بارے ہی میں لکھا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں ہوا تھا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۸ ۔ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝

قحط کے مارے ہوؤں میں موٹاپا کہاں باقی رہتا ہے ۔ جسم ایک پنجرے کی طرح ڈراؤنی شکل کا ہو جاتا ہے ۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۹- وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۹﴾

آیت ۸ سے ۱۶ تک مومنوں کے خوش وخرم اور متنعم رہنے کا بیان ہے۔ جن لوگوں کے شاملِ حال خداوند کریم کا فضل ہوتا ہے۔ ان کیلئے ضرر کے سامان بھی ضرر رساں نہیں ہوتے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے شدید قحط پڑے مگر جو فاتح قومیں تھیں۔ قحط میں بھی وہ متنعم ہی رہیں۔ ع

منعم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست ؛ ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

یہ ظاہر امر ہے کہ مکہ میں یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو رہی ہیں۔ اور اسی حالت میں اہلِ مکہ کو بتایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو آج تم ایک بے کس اور بے بس یقین کرتے ہو اور فی الواقعہ آج بھی وہ ایسا ہی ہے بھی۔ کیونکہ کوئی جتھہ اور جمعیت اس کے ساتھ نہیں اور تم سمجھتے ہو کہ بہت جلد اسے نابود کر دو گے۔ مگر یاد رکھو کہ ایک وقت آتا ہے کہ اسکی قوت اور شوکت کا دائرہ وسیع ہوگا اور تم سب اس کے زیرِ اقتدار ہو گے۔ اس وقت مخالفین عجیب گھبراہٹ کی حالت میں ہوں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ ایک آگ میں وہ داخل کئے جائیں گے۔ آگ سے مراد نارالحرب بھی ہوتی ہے۔ اور جہنم بھی۔ پس دنیا کی جنگ میں انکی ناکامی اور نامرادی نارِ جہنم کیلئے دلیل ہے۔ وہ اس مقابلہ میں ہار جائیں گے۔ ان کو کھولتا ہوا پانی اور خاردار جھاڑیاں جن کو چتر تھوہر کہتے ہیں۔ کھانے کو ملیں گی۔ اس کا ثبوت دنیا میں یوں ملتا ہے کہ آتشک کے مریض کیلئے تھوہر کے دودھ میں گولیاں بنا کر دی جاتی ہیں اور اوپر سے گرم گرم پانی پلایا جاتا ہے۔ غرض دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آخرت میں بھی ہوگا۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ (الفرقان: ۶۶)۔ آمین۔

ان کے بالمقابل ایک گروہ خوش وخرم ہوگا اور اپنی تدابیر کے پورے ہونے اور مساعی میں خدا کے فضل سے کامیاب ہونے پر شاداں و فرحاں ہوگا۔ ان کیلئے باغات عالی مرتبہ ہوں گے۔ جن میں لغویات کو دخل نہیں۔ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور تخت ہوں گے۔ کوزے آبخورے قرینہ سے رکھے ہوں گے قالین اور تکیے لگے اور بچھے ہوئے۔ غرض یہ تمام انعامات اس دنیا میں صحابہؓ کو ملے اور انہوں نے ایسے باغات حاصل کئے۔ ان تمام امور پر پہلے مختلف جگہ ہم نے بحث کر دی ہے۔ اب زیادہ تفصیل اور توضیح کی ضرورت نہیں۔ المختصر مکہ معظمہ میں منکرین کو عذاب کی اور موافقین و متبعین کو کامیابی اور جنّاتِ عالیہ کی خوشخبری برنگ پیشگوئی دی جاتی ہے۔ اور بتایا ہے کہ قیامت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ دنیا میں اس طرح پر ہوا۔ اور یہ قیامت کا ثبوت ٹھہرا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۱۸ - اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۸﴾

اس آیت شریف اور اس کے مابعد کی اور تین آیتوں میں صبر اور استقلال اور مصائب کے وقت یک رنگی کا بیان ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کا ذکر فرمایا کہ کس طرح وہ بارکش اور نافع للناس وجود ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں: ؎

برخواں افلاینظرون قدرت ما بینی | بکرہ بشتر بنگر تا صنع خدا بینی
در خار خوری قانع، در بارکشی راضی | ایں وصف اگر جوئی در اہل صفا بینی

علیٰ ھذا القیاس نزولِ بلا کے وقت اہلِ صفا آسمان کی طرح مرفوع الاحوال پہاڑوں کی طرح مستقل المزاج اور زمین کی کشادگی کی طرح وسیع الحوصلہ ہوتے ہیں۔ بعض کوتاہ نظر معترضوں نے ابل سماء جبال اور ارض ان چار مناظر کو ایک جگہ مذکور دیکھ کر اعتراض کیا ہے کہ کلام بے ربط ہے۔ کوئی بات آسمان کی ہے تو کوئی زمین کی۔ ایک جانور ہے تو دوسرا پہاڑ۔ یہ اعتراض قلّتِ تدبّر اور سوءِ فہم کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مناسبت ایسی تام اور ابلغ ہے کہ نظارۂ قدرت میں اس سے بڑھ کر جامع الصفات چیزیں دوسری ہیں نہیں جو فہمائش کیلئے پیش کی جائیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۲۲ - فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿ؕ۲۲﴾

میں ایک دفعہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ کسی تذکرے میں بات پر بات چلی۔ تمام بھلائیوں اور برائیوں پر جب ہمارے فطری قویٰ گواہی دیتے ہیں تو انبیاء و رُسل کی ضرورت کیا تھی۔ اُس وقت یہ آیت سامنے کھڑی پکار رہی تھی۔ تم نہیں سمجھتے۔ تمہارے نبی کے حق میں الٰہی کلام اور میرا متکلّم کیا کہتا ہے۔
فَذَکِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ سو تو سمجھا۔ تیرا کام یہی سمجھانا ہے۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صہ ۹)

۲۳ - لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴿ۙ۲۳﴾

مُصَیۡطِرٍ س اور ص دونوں سے لکھا جاتا ہے۔ اس کے معنے جابر کے ہیں۔ نبی کا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ جو نہ مانے۔ ان پر نبی جبر نہیں کیا کرتے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۲۵- فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ؕ﴿۲۵﴾

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے عذاب کے علاوہ کوئی اور بھی عذاب ہے جس کا نام عذاب اکبر رکھا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (السجدہ، ۲۲) سورۃ دخان اور سورۃ المومنون میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت قحط کی آیتوں سے سورۃ الغاشیہ کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے حدیث الغاشیہ سے مراد قحط شدید کی پیشگوئی ہم نے مراد لی ہے۔ اور بھی سورۃ الغاشیہ میں ایسے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جیسے ضریع۔ لا یسمن۔ عاملۃ۔ ناصبۃ وغیرہ قحط ہی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ حدیث الغاشیہ سے بطور معارف کوئی اور بھی قسم عذاب کی مراد ہو تو ممکن ہے۔ کیونکہ کلام الٰہی ذو المعارف ہوتا ہے تا وقتیکہ تضاد نہ ہو۔ سارے ہی معارف صحیح سمجھے جا سکتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کو اکثر نماز جمعہ اور عیدین میں ان سورتوں کے ذو المعارف ہونے کی وجہ سے تلاوت فرماتے تھے۔ نماز عشاء میں بھی ان دو سورتوں کا کثرت سے پڑھنا آپؐ کا ثابت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۲ تا ۶۔ وَالْفَجْرِ ② وَلَيَالٍ عَشْرٍ ③ وَّالشَّفْعِ
وَالْوَتْرِ ④ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ⑤ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ
لِّذِيْ حِجْرٍ ⑥

صبح کا وقت ۔ دس راتیں ۔ جفت اور طاق اور رات جبکہ رواں ہو پڑے ۔ ان پانچ اوقات متبرکہ و مخصوصہ کو واسطے اظہار انکی عظمت کے بطور قسم کے یاد فرمایا ہے ۔ ان پانچ اوقاتِ متبرکہ و مخصوصہ کے تعین میں بہت سے قول بیان ہوئے ہیں ۔ جفت اور طاق کے تعین میں وقت کے علاوہ کوئی اور دوسری شئے بھی مراد سمجھی گئی ہے ۔ ان سب اقوال میں زیادہ تر اقرب بفہم جو بات معلوم ہوتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ ان آیات کے مابعد ساتھ ہی ذکر بعض بڑی بڑی قوموں مثلاً عاد ارم وغیرہ کی ہلاکتوں کا نبیوں کے مقابلہ کی وجہ سے بیان ہوا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ہتھیار پیغمبروں کے ہاتھ میں دشمنوں کے مقابلہ کے وقت دعا ہی کا ہوتا ہے ۔ دعاؤں کی قبولیت کیلئے بعض اوقاتِ مخصوصہ و مقاماتِ متبرکہ خاص مناسبت رکھتے ہیں ۔ اس لئے ایک شق ان میں سے جو اوقات مخصوصہ و متبرکہ کی ہے ۔ ذکر کی جاتی ہے ۔ سب سے زیادہ متبرک ایام و لیالی عشرہ اواخر رمضان المبارک ہیں ۔

۱۔ صبح کو بیسویں کی اعتکاف میں داخل ہوتے ہیں اور یہی مسنون ہے ۔ اگر چاند تیسویں کا ہو تو دس[۲] راتوں میں اعتکاف ختم ہو جاتا ہے ۔ اور اگر چاند انتیس کا ہو تو دنوں کی تعداد جفت اور راتیں وتر[۳] ہو جاتی ہیں ۔ بعد ختم عشرہ آخر رمضان المبارک کے شوال کی پہلی رات لیلۃ الجائزہ کہلاتی ہے ۔ کہ اس رات میں تمامی ماہِ رمضان المبارک کا اجر و ثواب اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کو عطا فرماتے ہیں ۔ پہلی شب شوال کی بہ اعتبار اس کے کہ سارے رمضان شریف کا ثواب اس میں مرحمت کیا جاتا ہے ۔ حدیث شریف میں نہایت بابرکت رات بیان ہوئی ۔ جو وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ کی مصداق ہے ۔

صبح کے اوقات کی نسبت خصوصیت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ :۔
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔
اس کے علاوہ ان پانچ باتوں کی توجیہات اور بھی بیان ہوئی ہیں ماحصل ان سب کا یہی ہے کہ کہ ان سے امکنہ مراد ہوں یا ازمنہ ۔

دعا کیلئے یہ بڑے زبردست ہتھیار ہیں۔ جنہوں نے دشمنوں کی بڑی بڑی قوموں کو ہلاک کر دیا ۔
وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ سے شب قدر بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ بخلاف اور راتوں کے یہ رات ساری کی ساری بابرکت ہوتی ہے ۔

ان دس راتوں کے نظارے کو حشر کے نظارے سے بھی تشبیہ دی اور اس سے یہ بتایا ہے کہ کس طرح پر مختلف حصص عالم سے لوگ اس بیت الحرام کی طرف چلے آتے ہیں ۔ اور جو لوگ مکہ اور عرفات میں جمع ہوتے ہیں ۔ وہ ہر طرف ان قوموں کے آثار اور نشانات کو مشاہدہ کرتے ہیں ۔ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا اور آخر عذاب الہٰی میں گرفتار ہوئے ۔ جیسا کہ آگے کھول کر بیان کیا ہے ۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ آیت ۷ سے ۱۵ تک اس میں اہلِ مکہ کو یہی سمجھانا مقصود ہے ، اگر تم اس مبارک اور محترم شہر میں ایسے عظیم الشان رسولؐ کی مخالفت کر رہے ہو۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کا سردار اور سرتاج ہے ۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ تم ہلاک کر دئے جاؤ گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ یہ کیسا عظیم الشان اعجاز ہے ۔ کہ آنحضرتؐ کے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا اور مکہ معظمہ میں ابدالآباد کیلئے آنحضرتؐ کا کوئی دشمن نہ رہنے دیا ۔ مکی زندگی جن مصائب اور مشکلات سے بھری ہوئی ہے وہ تاریخ اسلام کا زہرہ شگاف باب ہے ۔ پھر انہی ایام میں یہ پُر شوکت پیشگوئیاں اور جلالی تحدیاں مخالفینِ رسالت کو سنائی جاتی ہیں ۔ جل جلالہٗ جیسا کہ الفجر کے متعلق کہا گیا ہے کہ ثمود کی قوم کے عذاب کے وقت کی طرف اس میں اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جیسے وہ فجر مامورین و مرسلین کی حقانیت پر مہر کرنیوالی تھی اسی طرح وَلَیَالٍ عَشْرٍ سے ان راتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں فرعونیوں کا خاتمہ ہوا اور بنی اسرائیل نے ان کے ہاتھوں سے نجات پائی

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

قرآن کریم میں کوئی بہت بڑا عظیم الشان مضمون جیسے اللہ جلشانہٗ کی ہستی کا ثبوت ، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ۔ اللہ تعالیٰ کے افعال ، اللہ تعالیٰ کی عبادتیں ، یہ چار باتیں جناب الہٰی کے متعلق ہوتی ہیں ۔ ملائکہ ۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء ، اللہ تعالیٰ کے رسول ۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ، ان کو روکنا ، جزا و سزا ، کتب الہٰی پر ایمان ، یہ بڑے مسائل ہیں ۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں آتے

ہیں۔ ان دلائل میں سے سب سے بڑی عظیم الشان بات جو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کریمہ میں فرمائی ہے۔
ہر ملک میں کوئی نہ کوئی قوم بڑی سخت ہوتی ہے۔ جس شہر میں میرا پرانا گھر تھا۔ وہاں پر ایک سید کی زیارت ہے۔ اس شہر میں ان کی قبر پر جاکر قسم کھانا بڑی قسم ہے۔ اسی طرح بعض زمیندار جھوٹی قسم کھالیتے ہیں۔ مگر دودھ پوت کی قسم نہیں کھاتے۔ اسی طرح ہندو گائے کی دُم پکڑ کر قسم نہیں کھا سکتے۔ غرض کہ ہر قوم اپنے ثبوت کیلئے کسی نہ کسی عظیم الشان قسم کو جڑھ بنائے بیٹھی ہے۔ عرب کے لوگ ہر ایک جرم کا ارتکاب کر لیتے تھے۔ لیکن مکہ معظمہ کی تعظیم ان کے رگ وریشہ میں بسی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ جن ایام میں مکہ معظمہ میں آمدورفت ہوتی تھی۔ کیا مطلب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور رجب میں وہ اگر اپنے باپ کے قاتل پر بھی موقع پاتے تھے۔ تو اس کو بھی قتل نہیں کرتے تھے۔ تم جانتے ہو کہ جب شکاری آدمی کے سامنے شکار آجاتا ہے۔ تو اس کے ہوش وحواس اُڑ جاتے ہیں۔ لیکن عرب میں حدودِ حرم کے اندر شکار آجاتا تھا تو اس کو نہیں چھیڑتے تھے۔ پھر دس راتیں حج کے دنوں کی بڑے چین و امن کا زمانہ ہوتا تھا۔ ان دنوں میں بدمعاش لوگ بھی فساد اور شرارتیں نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے کہ ان امن کے دنوں میں تم اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی باوجود قابو یافتہ ہونے کے قتل نہیں کرتے تھے۔ تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ اب تم لوگ اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کو ان دنوں میں بھی نہیں چھوڑتے اور تم کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول جو عرب سے باہر آئے ہیں مثلاً مصر کے ملک میں فرعون تھا اس کے پاس رسول آیا یعنی فرعون کو سزا دی جو خدا کے رسول موسیٰؑ کے مقابلے میں تھا۔ پھر ہم نے عاد اور ثمود کی اقوام کو سزائیں دیں جو ہمارے رسول کے مقابل کھڑی ہوئیں اور تم تو مکہ میں اور پھر حج کے دنوں میں بھی شرارت کرتے ہو اور نہیں رُکتے تو تم ہی انصاف سے کہو۔ کہ آیا تم سب سے زیادہ سزا کے مستحق ہو کہ نہیں؟ نیکی ہو یا بدی بلحاظ زمان ومکان کے اس میں فرق آجاتا ہے۔
ایک شخص کا گرمی کے موسم میں کسی کو جنگل ریگستان میں ایک گلاس پانی کا دینا جبکہ وہ شدتِ پیاس سے دم بہ لب ہو چکا ہو ایک شان رکھتا ہے مگر بارش کے دنوں میں دریا کے کنارہ پر کسی کو پانی کا ایک گلاس دینا وہ شان نہیں رکھتا۔ یہ بات میں نے تم کو کیوں کہی۔ تم میں کوئی رسول کریمؐ کے صحابہ مکہ میں تو بیٹھے ہوئے ہے نہیں۔ میں تم کو سمجھانے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ یاد رکھو جو امن اور اصلاح کے زمانہ میں فساد اور شرارت کرتا ہے وہ سزا کا بہت ہی بڑا مستحق ہے۔

میرا یہ اعتقاد ہے۔ جہاں کوئی پاک تعلیم لاتا ہے۔ جہاں لوگ سفر کرکے جاتے ہیں۔ وہاں مکانوں کی تنگی۔ کھانا۔ سادہ ملتا ہے یا نہیں ملتا۔ ایسی مصیبتیں اٹھا کر جو لوگ یہاں آئے ہیں۔ اور وہ رات دن قرآن سیکھتے ہیں۔ یہاں اگر کوئی فساد کرے تو وہ اصلاح کا کیسا خطرناک دشمن ہے۔ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

اَلْفَسَادَ - فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ الْعَذَابِ (الفجر: ۱۳، ۱۴)
مجھ کو یقین ہے کہ جہاں بڑے بڑے لوگ ہیں وہاں بڑے بڑے سامان بہت سے مل سکتے ہیں۔ ان مکانوں کو چھوڑ کر جب کوئی یہاں[1] آتا ہے تو وہ ہم کو بطور نمونہ کے دیکھتا ہے۔ ابھی ایک شخص بنگالہ سے یہاں آئے تھے۔ اتفاق سے ان کو مہمان خانہ میں کوئی داڑھی منڈا مونچھ بڑیالہ شخص مل گیا۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ہم تو خیال کرتے تھے کہ قادیان میں فرشتے رہتے ہیں۔ یہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص بھی آگیا۔ جس کی شکل سے مجھ کو شبہ ہوا کہ یہ مسلمان ہے یا ہندو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے؟ کہنے لگا کہ میں بیمار ہوں علاج کرانے کیلئے یہاں آیا ہوں۔ (باہر سے آنیوالے احباب کو چاہیئے کہ حسنِ ظن سے کام لیا کریں۔ جلدی سے اعتراض کرنا اچھا نہیں۔ وہ شخص غیر احمدی تھا۔ علاج کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اور سب انسان یکساں حالت میں ترقی نہیں کرتے ہا ور نہ سب فرشتے بن سکتے ہیں۔ ہر شخص اپنی عقیدت اور اخلاص کے مطابق خدا سے بدلہ پاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

الغرض جب لوگ یہاں آتے ہیں تو تم کو بہت دیکھتے ہیں۔ اب تم کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر تم اصلاح کیلئے آئے ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں امن اور اصلاح ہو۔ وہاں فساد اور شرارت بُری بات ہے۔ جہاں کوئی مصلح آیا ہو۔ وہاں فساد کیسا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر تم یہاں فساد کرو تو فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ الْعَذَابِ کے سب سے بڑھ کر مستحق ہو یا نہیں۔ مَیں تمہارے سامنے بطور اپیل کے پیش کرتا ہوں جناب الٰہی مکہ والوں کو فرماتے ہیں کہ تم ہی انصاف کرو۔ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ۔ کیا کوئی عقل مند ہے جو ہماری بات کو سمجھ جائے اور تہہ کو پہنچ جائے۔ باہر تم گند کرو تو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جس قدر یہاں پہنچا سکتے ہو۔ جناب الٰہی فرماتے ہیں۔ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ (الفجر: ۱۶) بعض کو آسودگی سے ابتلاء میں ڈالتے ہیں۔ وہ جناب الٰہی کے فضل کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ رَبِّي أَكْرَمَنِ۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں رَبِّي أَهَانَنِ کہ ہماری بڑی اہانت ہوئی۔ مَیں تم کو اور اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر کسی کو یہ تعلیم ناپسند ہے اور یہاں تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو تمہارے یہاں سے چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔
كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (الفجر: ۱۸، ۱۹)
یتیموں کا تم لحاظ کرو۔ وہ میرے پاس آتے ہیں۔ میرے میں اتنی گنجائش نہیں۔ میری اتنی آمدنی نہیں کہ

---

[1] قادیان۔ مرتب

سب کا خرچ برداشت کر سکوں۔ مسکینوں کے کھانے کی فکر کرو۔

یہاں مدرسہ میں ایک طالبعلم آیا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا۔ کہ یہاں جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔ لنگرخانہ میں تو پچاس ساٹھ روپے ماہوار خرچ کرتے ہوں گے مگر باہر سے ہزاروں روپیہ منگوانے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مدرسہ میں کس قدر خرچ ہوتا ہے۔ کہا دس روپے ماہوار اکیلے کا خرچ ہے۔ آخر وہ یہاں سے چلا گیا۔ تم نیک نمونہ بنو۔ اگر غلطیاں ہوتی ہیں تو لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھو۔ جناب الٰہی رحم فرمائیں گے۔

(بدر ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ و ۵)

۷- اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ عاد کے ساتھ تمہارے خدا نے کیسا کیا۔

عاد کا واقعہ ولادتِ آنحضرتؐ سے پیشتر واقع ہو چکا ہے۔ ایسے موقعوں پر لفظ "دیکھا" یہ معنی نہیں رکھتا کہ موجود و حاضر ہو کر بایں چشم سر دیکھا بلکہ وہ واقعات جو مسلّم اور متداول لاریب چلے آتے ہیں اور جن کی صداقت کو خلاف واقعہ چشم دید سے کچھ کم اعتقاد نہیں کرتے۔ لفظ "دیکھا" سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ محاورہ ہر زبان کی عام بول چال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں۔ دیکھو مصر میں انگریز کیا کارروائی کر رہے ہیں۔ دیکھو آئرلینڈ کے لوگ کیسا فساد مچا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ فقرات ہندوستان میں بیٹھا ہوا ایک شخص کہہ رہا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس کے کلام کے مخاطبین ان آنکھوں سے مصر اور آئرلینڈ میں موجود ہو کر وہ کارروائی اور فساد دیکھ رہے ہیں۔

لغت میں رویت اور رأی کے معنے جن سے یَرٰی کا لفظ مشتق ہوا ہے۔ غور کے قابل ہیں۔ دیکھو قاموس اللغۃ اَلرُّؤْيَةُ النَّظَرُ بِالْعَيْنِ وَالْقَلْبِ وَالرَّأْيُ الْاِعْتِقَادُ یعنی آنکھ سے دیکھنے اور دل سے دیکھنے اور رائی اعتقاد کرنے کو کہتے ہیں۔

(فصل الخطاب حصہ اول صـ۱۴۳)

۸- اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

ارمؔ یا تو عاد کے دادا عوصؔ کے باپ کا نام ہے۔ یا ارمؔ ان کے شہر کا نام ہے۔ دونوں مراد ہو سکتے ہیں یعنی اہلِ ارم۔ یہ لوگ سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ ھود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث

ہوئے تھے۔ طویل القد، بلند عمارتوں والے تھے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۱۱۔ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۱﴾

کثرتِ لشکر اور ان کے خیموں اور خیموں کے لوازم کی وجہ سے ذِی الْاَوْتَادِ فرعون کی صفت بیان ہوئی یا سزا چومیخہ اس کی عادت تھی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۱۴۔ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۴﴾

ایسی سخت چابک جس سے خون بہنے لگے سوط کہلاتی ہے۔ شاید ہماری زبان میں سونٹا اسی لفظ سے بگڑ کر بنا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۱۵۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۵﴾

مِرْصَاد: صید کیلئے گھات کی جگہ۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کو گھات یا تاک اور تاڑنے کی ضرورت نہیں۔ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (بقرہ: ۸۲) اسکی تفصیل ہے۔ گناہوں کا حلقہ جب چاروں طرف سے پورا ہو جاتا ہے تو یہ نخچیر شکار ہو جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۱۸۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۸﴾

يَتِيْمَ: کے لفظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ عام یتیم بھی اس سے مراد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاوے۔ اور بدتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کو دکھ دیا جاوے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۲۳۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۳﴾

دھرم پال کے اس اعتراض کے جواب میں کہ "خدا کو آنے کی کیا ضرورت ہے" آپ نے تحریر فرمایا جَآءَ فعل ہے۔ افعال اور صفات کا طریق کیا ہے۔ یہ ہے کہ فاعل اور موصوف کے لحاظ

سے افعال اور صفات کا رنگ اور حالت بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو مثلاً بیٹھنا ایک فعل ہے۔ ایک آپ کا بیٹھنا ہے اور ایک کسی جانور کا بیٹھنا۔ دیکھو اس بیٹھنے میں ایک جسم خاص کی ضرورت ہے۔ مکان کی ضرورت ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا ساہوکار تھا مگر اب بیٹھ گیا ہے۔ دیکھو یہ بیٹھنا اور طرح کا ہے یا کہا جاتا ہے کہ آجکل ہند و انگلستان کے تخت پر ایڈورڈ ہفتم بیٹھا ہے۔ اس بیٹھنے میں ایڈورڈ سوتا ہو چلتا ہو۔ کہیں کھڑا ہو۔ بہر حال بیٹھا ہے۔ ...."

اب اس سے بھی لطیف موصوف اور فاعل کا حال سنو۔ تمہارے دل میں اسلام کا بغض بیٹھ گیا ہے تمہارے دل میں آریہ سماج کی محبت بیٹھ گئی ہے۔ کیا محبت کوئی جسم ہے؟ نہیں۔ اسی طرح آنا اور حرکت کرانا ایک صفت اور فعل ہے۔ فلانا آدمی آیا۔ یہ آنا ایک طرف۔ ایک مکان کے چھوڑنے کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک مکان کی طرف آنے کو۔ سرور میرے دل میں آیا۔ علم میرے قلب میں آیا۔ مجھے سکھ ملا۔ اگر بولا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ سرور اور علم اور سکھ کوئی جسم ہے اور اس نے کوئی مکان ترک کیا اور سنو! تمہارے گرو نے تو اپنی دعاؤں میں الٰہی حرکت کو بھی مانا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ ستیارتھ پرکاش

" اے پرمیشور جس جس مقام سے آپ دنیا کے بنانے اور پالنے کیلئے حرکت کریں اس اس مقام سے ہمارا خوف دور ہو "

سنو! ہاں اگر پرمیشر حرکت کرسکتا ہے تو ملائکہ (دیو) تو محدود ہوتے ہیں۔ ان کا حرکت کرنا کیوں حیرت انگیز ہے۔ اگر حرکت کیجئے کوئی مبنے سماج کرسکتی ہے اور رُوپک انکار میں اس کو لے سکتی ہے تو قرآن کریم میں مسلمان کیوں مجاز نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر قدرت میں جلوہ گری کرتا ہے۔ وہ حلول و اتحاد سے منزّہ وراء الوراء مظاہر قدرت میں اپنی قدرتوں طاقتوں بلکہ ذات سے جیسے اس کی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ ذات اور انو پیم کی شان ہے آتا ہے۔ اور کہیں سے جاتا ہے۔ کیا جیسے وہ دان دھارمک کے ہردے میں آتا ہے ویسا ہی دُشٹ اناڑی کے ہردے میں بھی ہوتا ہے اور آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تمہارے ہاں تو پھاند کر بھی جاتا ہے۔ پھر اتنا کیا مشکل ہے۔ یجر وید اکتیسواں ادھیائے پہلے اشلوک میں لکھا ہے۔ وہ سب جگت کو الانگھ کر ٹھیرا ہے۔

(نور الدین طبع سوم صہ ۱۱۳-۱۱۴)

۲۴۔ وَجِاۤيْءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ

الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ کا عذاب رویت عذاب سے پہلے توبہ اور استغفار سے ٹل جاتا ہے۔ اور یہی سنت اللہ ہے۔ مگر جب عذاب کی رویت ہو جاوے تو پھر توبہ استغفار و انابت الی اللہ بھی کام نہیں پڑتے۔ جیسا کہ فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (مومن : ۸۶)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۲۵- يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۵﴾

حیات موت کے بعد کی جاودانی زندگی کو کہا گیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

۲۸ تا ۳۱- يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۹﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۱﴾

ہر سورۃ کے ابتداء کو اس کے آخر سے لطیف مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ سورۃ شریفہ کی ابتدائی آیات میں اوقاتِ مخصوصہ منجملہ ان کے عشرہ آخرہ رمضان المبارک اور ان کے شفع اور وتر کا ذکر تھا۔ جن میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔ تخلیہ ہو اور اطمینانِ قلب نہ ہو تو وہ اوقات بابرکات بھی مفید نہیں پڑتے۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل — بہ تنہائی اندر صفائی نبینی
ورت مال و جاہت و زرع و تجارۃ — چو دل با خدا ایست خلوۃ نشینی

اطمینانِ قلب نہ حاصل ہونے کی ایک وجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے ؎

از طمع جستیم ہر چیزے کہ آں بے کار بود — خود فزوں کردیم ورنہ اندکے آزاد بود

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾

مخاطب کے مافی الضمیر میں جو امور مستبعد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی نفی کیلئے کلمہ لَا ہے۔ یہی بَلَد ایک وقت ایک مقام ذی زرع تھا۔ اور اب جس خدا نے اس کو بلد بنا دیا ہے۔ اسی خدا کا منشاء ہے کہ ایک یتیم بے سروسامان کو بادشاہ بنا دے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۳- وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۳﴾

اور تو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ اس شہر میں مُحِل ہونیوالا ہے۔ یعنی نزول کرنیوالا ہے
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

تجھ کو اس شہر میں ذبح کر حلال سمجھا گیا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۸)

۴- وَّوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۴﴾

مکّہ کے اُمّ القریٰ ہونے کی وجہ سے اہلِ مکہ اپنے آپکو اَوروں کا والد سمجھتے تھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ گویا یوں فرماتے ہیں کہ ہم تو سب والدوں کے بھی والد ہیں۔ بہتر نمونہ والد اور ولد کا حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۵- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۵﴾

اس چوتھی آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ میں یہ ظاہر فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو شاہانہ شان و شوکت ملے گی وہ آپؐ کی محنتوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے اور کفّار کو جو جان و مال کی تباہی دیکھنی پڑی وہ انکی الٹی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہوگا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۶- اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۶

لَنْ نفی تاکیدی زمانہ مستقبل کیلئے ہے۔ اور يَقْدِرَ کے ساتھ عَلٰی کا لفظ ہے جو ضرر کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کفار کو شکست ہوگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍اگست ۱۹۱۲ء)

۷، ۸- يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۷ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۸

يَقُوْلُ صیغہ مضارع کا ہے۔ حال اور استقبال دونوں پر شامل ہے۔ مگر واقعات کے لحاظ سے مستقبل زمانہ کی طرف زیادہ تر توجہ دلاتا ہے۔ کچھ تو مال مخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کر چکے ہیں۔ اور زیادہ تر اور بھی خرچ کر کے ناکام رہیں گے۔
گزشتہ اَيَحْسَبُ کے ساتھ لَنْ تھا اس اَيَحْسَبُ کیساتھ لَمْ ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کس کی کوششیں راہِ صواب پر ہیں اور کس کی کوششیں راہ خطا پر ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍اگست ۱۹۱۲ء)

۹ تا ۱۱- اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۹ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۱۰ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۱

مکہ غیر ذی زرع مقام تھا۔ اس کا آباد بن جانا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام والد اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وَلَد کی صدق و ثواب کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آنکھوں سے دیکھو کہ یہ کعبہ باپ اور بیٹے دونوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے۔ لِسَان اور شَفَتَيْنِ سے زمزم کو پی کر دیکھو کہ یہی ان کو محن کے ایام میں اکل و شرب کا کام دیتا تھا۔ صفا اور مروہ کی دونوں ٹکڑیوں پر جا کر دیکھو کہ کس قدر پریشانی اٹھوتی یہاں والد اور ولد کے ساتھ والدہ بھی شامل ہے۔ یہ ایک تنگ اور دشوار گزار درہ تھا جس میں سے وہ تینوں علیہم الصلوٰۃ گزر گئے عَيْنَيْن، شَفَتَيْنِ اور نَجْدَيْنِ سے بچہ کی سمجھ۔ اسکا دودھ چوسنا اور ماں کے پستان بھی مراد سمجھے گئے ہیں۔ اس میں بھی کوئی خلاف نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍اگست ۱۹۱۲ء)

۱۴۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۲﴾

اقتحام کے معنے کسی خطرناک جگہ میں بغیر پس وپیش کو سوچے دھنس جانے کے ہیں۔ اس اقتحامِ عقبہ کو چند آیات میں ایثار نفس وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ ایثار جبھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ انسان اپنی تنگی کو قبول کرے اور دوسرے کی راحت کو مقدم کرے۔ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ دنیا کی مفتوح قومیں جب کبھی فاتح بن گئی ہیں تو اسی اقتحام کی وجہ سے بن گئی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۱۵۔ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۵﴾

مَسْغَبَة مصدر میمی ہے۔ سَغَبَ يَسْغَبُ سَغْبًا فَهُوَ سَاغِبٌ وَسَغْبَانُ۔ سَاغِب اور سَغْبَان بھوکے کو بولتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۱۸۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۸﴾

ثُمَّ واسطے تاخیر کے نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے ایثار نفسی کے کام کرنے سے جو مذکور ہوئے۔ انسان مومن بن جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۱۹۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۹﴾

مَيْمَنَةٌ يُمْن سے مشتق ہے۔ یہ لوگ بابرکت ہو جاتے ہیں بِالْيَمِيْنِ سے یعنی راست باز نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پانے والے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۲۰۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۲۰﴾

مَشْئَمَة، شامت اور بدبختی والے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۲۱ - عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۱﴾

مُؤْصَدَةٌ کے معنے مُطْبَقَۃٌ کے ہیں۔ یعنی دوزخ کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍ اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۲﴾

یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔

۳- وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۳﴾

اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے۔

۴- وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۴﴾

اور قسم ہے دن کی جب اپنی روشنی کو ظاہر کرے۔

۵- وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۵﴾

اور قسم ہے رات کی جو بالکل تاریک ہو۔

۶- وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۶﴾

اور قسم ہے رات کی اور اس کی جس نے اُسے بنایا

۷- وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۷﴾

اور قسم ہے زمین اور اس کی جس نے اُسے بچھایا۔

۸- وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۸﴾

اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اسکی جس نے اسے اعتدالِ کامل اور وضع استقامت کے جمیع کمالاتِ متفرقہ عنایت کئے اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اگست ۱۹۱۲ء)

۹ تا ۱۲۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۹﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۱۰﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۲﴾

یعنی خدائے تعالیٰ نے نفسِ انسان کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت، ویرانی اور سبزی کی دونوں راہیں اس کیلئے کھول دی ہیں۔ جو شخص ظلمت فجور یعنی بدکاری کی راہیں اختیار کرے تو اس کو ان راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر پرہیزگاری کا نورانی راستہ اختیار کرتا ہے تو اس نور کو مدد دینے والے الہام اس کو ہوتے ہیں۔

جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلی رزائل اور اخلاقِ ذمیمہ سے دستبردار ہو کر خدائے تعالےٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈال دیا۔ وہ اس مراد کو پہنچ گیا اور اپنا نفس اس کو عالم صغیر کی طرح کمالات متفرقہ کا جامع نظر آئے گا۔ لیکن جس شخص نے اپنے نفس کو پاک نہیں کیا۔ بلکہ بے جا خواہشوں کے اندر گاڑ دیا۔ وہ اس مطلب کے پانے سے نامراد رہے گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اگست ۱۹۱۲ء)

۱۴۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۴﴾

اس وقت کے رسول نے نصیحت کے طور پر کہا کہ نَاقَةَ اللّٰهِ یعنی خدائے تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی جگہ کا تعرض مت کرو۔ یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے نفس کو نَاقَةَ اللّٰهِ سے مشابہت دینے کیلئے اس جگہ لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے انسان کا نفس بھی درحقیقت اسی غرض کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ تا وہ ناقۃ اللہ کا کام دیوے۔ اور اس کے فنافی اللہ ہونے کی حالت میں خدائے تعالیٰ اپنی پاک تجلی کے ساتھ اس پر سوار ہو جیسے کوئی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔ سو نفس پرست لوگوں کو جو حق سے منہ پھیر رہے ہیں۔ تہدید اور انذار کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قوم ثمود کی طرح نَاقَةَ اللّٰهِ کا سُقیا یعنی اس کے پانی پینے کی جگہ جو یادِ الٰہی اور معارفِ الٰہی کا چشمہ ہے جس پر اس ناقہ کی زندگی موقوف ہے۔ اس پر بند کر رہے ہو۔ اور نہ صرف بند بلکہ اس کے پَیر کاٹنے کے

فکر میں ہو تا وہ خدائے تعالیٰ کی راہوں پر چلنے سے بالکل رہ جائے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ راگست ۱۹۱۲ء)

۱۵،۱۶- فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۵ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۶

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا : یعنی پیغمبر کی نصیحت کی تکذیب کی اور صالحؑ کی اونٹنی کے پیر کیا کاٹے اپنے ہی نفسوں پر چھری پھیرلی۔ سو تم اگر اپنی خیر مانگتے ہو تو اس زندگی کا پانی اس پر بند مت کرو اور اپنی بے جا خواہشوں کے تیغ و تیر سے اس کے پیر مت کاٹو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ ناقہ جو خدا تعالیٰ کی سواری کیلئے تم کو دی گئی ہے مجروح ہو کر مر جائے گی تو تم بالکل نکمے اور خشک لکڑی کی طرح متصور ہو کر کاٹ دیئے جاؤ گے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤ گے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا : مگر انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹے۔ سو اس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کی مار ڈالی۔ اور انہیں خاک سے ملا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ ان کے مرنے کے بعد انکی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور بے کس عیال کا کیا حال ہو گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ راگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۵- وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۳﴾ وَمَا
خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴿۴﴾ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ﴿۵﴾

ماحصل ان چاروں آیتوں کا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نتائج ہر کام کے اسی قدر نکلیں گے جس قدر کہ خیر یا شر کے وہ کام کئے گئے ہیں ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو

رات دن کا کام نہیں دیتی۔ دن رات کا کام نہیں دیتا۔ مرد جن کاموں کیلئے پیدا کئے گئے ہیں عورتوں سے وہ کام نہیں ہوتے۔ عورتیں مردوں کا کام نہیں دے سکتیں۔ ہر ایک کے مختلف کام اپنے حسب حال مختلف نتیجے پیدا کرتے ہیں۔ یہ تمہید اس سورہ شریفہ کی ہے۔ تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ سورہ شریفہ کا نزول حضرت ابوبکرؓ اور امیہ بن خلف کا متضاد مختلف کوششوں کے بارہ میں ہوا مضمون اور واقعات کے لحاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ نہ خصوصی سبب کا ہمالے اس وقت کے حسب حال صادق کو قبول کرنے والے اور دینی کاموں میں چندہ دینے والے اور ان کے مخالفوں کیلئے بھی خصوصیت سے اس سورہ شریفہ میں عبرت ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اگست ۱۹۱۲ء)

" جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم کو بیان کرتا ہے۔ وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے وہ چیز قانونِ قدرت میں قسم والے مضمون کے واسطے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے۔ اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہوگا۔ مثلاً اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی الخ ایک مطلب ہے جس کے معنے ہیں " لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں اور ان کے نتائج بھی الگ الگ ہیں "۔

قرآن مجید اس مطلب کو قانونِ قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی۔ وَالنَّهَارِ

اِذَا تَجَلّٰى ۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۔ کیا معنی ۔ رات پر نظر کرو جب اس کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے ۔ پھر دن پر نظر ڈالو جب اس نے اپنے انوار کو ظاہر کیا ۔ پھر مرد اور عورت کی خلقت اور بناوٹ پر غور کرو اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کو سوچو تو تمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ اور اس کے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں " (تصدیق براہین احمدیہ ص۱۹۰)

دھرم پال کے اعتراض کے جواب میں فرمایا :

" اگر قسم ہنسی کی بات اور بری ہے ۔ تو جو یجر وید بھاش چھٹا باب منتر بائیس میں بانی آریہ سماج نے لکھا ہے وہ تو ضرور رد کے مقابل ہے " ہے (درن) نیا کرنیوالے سبھا پتی (منصف راجہ) کٹے ہوئے میں نیا اگھنیا نماز نے یوگ گئو (نہ مارنے کے لائق وغیرہ جانوروں کی) آدمی پشوؤں کی شپت (قسم سوگند) ہے ۔ اتی سی پرکار (اسی طرح) جو آپ کہتے ہیں اور ہم لوگ بھی شیام ہی شپت کرتے ہیں آپ بھی اس پرتگیا (قانون) کو مت چھوڑیئے اور ہم لوگ بھی نہیں چھوڑیں گے "

غور کرو ۔ گئو آدی پشوؤں میں کس قدر گائے ۔ بیل ۔ ہرن ۔ بکری ۔ اونٹ ۔ سؤر ۔ کوے ۔ مرغ ۔ چیل کیڑے مکوڑے داخل ہیں ۔ انصاف کرو اور پھر سوچو ۔ وہ جو منوجی اور بھرگ جی کی جامع سنگھتا میں برا بول بولا جس نے کہا اور ویدک قانون بنایا دیکھو منوجی ۸ ۔ ۸۸ گئو بیج اور سونا کی قسم دیکر ویشیہ سے پوچھے منو ۸ ۔ ۸۹ میں ہے ۔ سوگند کے وسیلہ سے اصلی بات کو دریافت کرے اور کیا غلط کہا جو منو ۸ ۔ ۱۱۰ میں ہے ۔ دیوتا اور بڑے بڑے رشی لوگوں نے کام کے واسطے سوگند کھائی ہے اور بسوامتر کے جھگڑے میں بشسشٹ رشی نے پیون کے بیٹے سداماں راجہ کے روبرو قسم کھائی تھی ۔

ہماری پاک کتاب میں قسموں کا ہونا ایک معجزہ ہے اور عظیم الشان معجزہ ہے ۔ بلکہ اسلامی اصطلاح کے مطابق ایک آیت اور نشانِ نبوت ہے اور عظیم الشان نشانِ نبوت ہے ۔ کیونکہ عرب میں ایک مثل تھی ۔ اِنَّ الْاَیْمَانَ تَدَعُ الْاَرْضَ بَلَاقِعَ قسمیں ملک کو ویران کر دیتی ہیں ۔

اور منو کہتا ہے ۸ ۔ ۱۱۱ کیونکہ جھوٹی قسم کھانے سے اس لوگ میں اور پرلوگ میں نشٹ ہوتا ہے ۔ پنجابی میں مثل ہے ۔ " جھوٹی قسم تاں پٹ ماردی اے " ۔ اب سوچو اور خوب سوچو کہ قرآن اور صاحب قرآن اس قدر قسموں کے ساتھ کیسا فاتح اور کیسا کامیاب ہوا کہ اس کے دشمنوں کا نام و نشان نہ رہا ۔ ذرا اس پر غور و تامل کرو ۔ ان قسموں کا ثبوت تجارب و ضرب المثلوں اور منو کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور تمہارے خیال میں ایک مجنون اور جھوٹے کا فعل ہے ۔ جلسہ مہوتسو کے اسلامی مضمون میں امام مہدی نے اور بھی واضح فرما دیا ہے ۔ اور بانی اسلام تو تمہارے نزدیک جیسے ہیں ۔ تمہارے

اقوال و افعال سے ظاہر ہے۔ مگر دیکھ لو کہ کس طرح روز افزوں ترقی اسلام اور بانیٔ اسلام اور عرب کو ہوئی۔ پس اگر قسم زہر بھی تو اس نے تریاق کا کام دیا اور اگر حق ہے تو کیسی حقیقت حق کی ظاہر ہوئی کہ تمہارے ملک میں بھی آ براجا۔

" قسم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول بڑے ضروری۔ دوسرے ان سے کم درجہ کے۔ بڑے ضروری مطالب کو بہ نسبت دوسرے مطالب کے تاکید اور براہین اور دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ میرا دعویٰ بہت صاف اور ظاہر ہے۔

تاکید کیلئے ہر زبان میں مختلف کلمات ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی عربی زبان میں بھی تاکید کیلئے بہت الفاظ ہیں مگر ایشیائی زبانوں میں علی العموم قسم سے بڑھ کر کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔ ایسے ہی عربی کے لٹریچر میں بھی قسم سے زیادہ کوئی تاکیدی لفظ نہیں۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اسی لئے اس میں عربی محاورات پر ضروری مطالب میں قسموں کا استعمال بھی ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ اہم اور ضروری امور میں براہین اور دلائل کا بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان مطالب میں قسموں کے علاوہ اور کیا ثبوت دیا ہے۔ سو یاد رہے جہاں قرآن کریم کسی مطلب پر قسم کو بیان کرتا ہے وہاں جس چیز کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے۔ وہ چیز قانونِ قدرت میں قسم والے مضمون کے لئے ایک قدرتی شاہد ہوتی ہے۔ اور یہ قسم قدرتی نظاروں میں اپنے مطلب کی مثبت ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہوگا۔

مثلاً اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى الخ ایک مطلب جس کے معنے ہیں۔ لوگو! تمہارے کام مختلف ہیں اور انکے نتائج بھی الگ الگ ہیں۔ قرآن مجید اس مطلب کو قانونِ قدرت سے اس طرح ثابت کرتا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى۔ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى۔ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (الیل ۲تا۴)

کیا معنی؟ اس کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے۔ پھر دن کی بناوٹ پر غور کرو جب وہ اپنے انوار کو ظاہر کرتا ہے پھر مرد اور عورت کی خلقت پر نظر ڈالو۔ اور ان کے قدرتی فرائض اور واجبات کو سوچو تو تمہیں صاف طور پر عیاں ہوگا کہ بے ریب تمہاری کوششیں الگ الگ اور ان کے نتائج علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے ہی باری تعالیٰ کے نام پر جان و مال کو دینے والے اور نافرمانیوں سے بچنے والے اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کے مصداق اور اس کے مقابل جان اور مال سے دریغ کرنے والے نافرمان اور اعلیٰ درجہ کی نیکی کے مکذب بھی الگ الگ نتیجہ حاصل کریں گے۔

حضرت امام حجۃ الاسلام نے توضیح (مراد توضیح مرام) میں فرمایا ہے۔

" تمام قرآن شریف میں ایک عادت وسنت الٰہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات وحقائق کیلئے

ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے۔ جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کُھلا کُھلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا کہ سورج موجود ہے اور اس کی دھوپ بھی ہے۔ اور چاند بھی موجود ہے اور وہ نور آفتاب سے حاصل کرتا ہے۔ اور روزِ روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور آسمان کا پول بھی سب کے سامنے ہے۔ اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا کھلا کھلا وجود اور کھلے کھلے خواص رکھتی ہیں۔ جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور نفسِ انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود میں ہی صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں۔ کہ نفس یعنی رُوح انسانی بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کیلئے قائم رہ سکتی ہے اور جو لوگ نفس کے وجود اور اس کی بقاء اور اثبات کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس کی باطنی استعدادات کی وہ قدر نہیں کرتے۔ جو کرنی چاہیئے تھے۔ بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ ہم صرف اسی غرض کیلئے دنیا میں آئے ہیں کہ حیوانات کی طرح کھانے پینے اور حظوظِ نفسانی میں عمر بسر کریں۔ وہ اس بات کو جانتے بھی نہیں۔ کہ نفسِ انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور توفیق اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر وہ کسبِ کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات و فضائل و محاسن پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ سو اللہ جلشانہٗ نے اس سورہ مبارکہ میں نفسِ انسان اور پھر اس کے بے نہایت خواصِ فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے پس اوّل اس نے خیالات کو رجوع دلانے کیلئے شمس و قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کر کے پھر نفسِ انسانی کی طرف اشارہ فرمایا۔ کہ وہ جامع ان تمام کمالاتِ متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفسِ انسان میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات و خاصیات بتمامہا موجود ہیں جو اجرام سماویہ و ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی۔ کہ ایسے عظیم الشان اور مستجمع کمالاتِ متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو موت کے بعد باقی رہ سکے یعنی جبکہ یہ تمام خواص جو ان مشہود و محسوس چیزوں میں ہیں۔ جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ ایک اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے۔ نفسِ انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں تو نفس کے مستقل اور قائم بالذات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو چیز اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتی ہو۔ اور اس جگہ قسم کھانے کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جلشانہٗ نے پسند کیا ہے کہ قسم قائم مقام شہادت کی ہوتی ہے اسی وجہ سے حکّام مجازی بھی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کر دیتے ہیں۔ اور ایک مرتبہ کی قسم سے وہ فائدہ اٹھالیتے ہیں۔ جو کم سے کم

دو گواہوں سے لے سکتے ہیں۔ سو چونکہ عقلاً و عرفاً و قانوناً و شرعاً قسم شاہد کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اسی بناء پر خدا تعالیٰ نے اس جگہ شاہد کے طور پر اس کو قرار دیدیا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی در حقیقت اپنے مرادی معنے یہ رکھتا ہے۔ کہ سورج اور اس کی دھوپ یہ دونوں نفس انسانی کے موجود بالذّات اور قائم بالذّات ہونے کے شاہدِ حال ہیں۔ کیونکہ سورج میں جو جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ کے پائے جاتے ہیں یہی خواص مع شےٴ زائد انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں۔ مکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفوسِ کاملہ میں پائی جاتی ہے اس کے عجائبات سورج کی گرمی اور روشنی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ سو جبکہ سورج موجود بالذّات ہے تو جو خواص میں اس کا ہم مثل اور ہم پلّہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یعنی نفسِ انسان ہے۔ وہ کیونکر موجود بالذّات نہ ہوگا۔

اسی طرح خدا کا یہ کہنا کہ قسم ہے چاند کی۔ جب وہ سورج کی پیروی کرے۔ اس کے مرادی معنے یہ ہیں۔ کہ چاند اپنی خاصیت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے۔ نفسِ انسان کے موجود بالذّات اور قائم بالذّات ہونے کے شاہدِ حال ہے۔ کیونکہ جس طرح چاند سورج سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ اسی طرح نفسِ انسان کا جو مستعد اور طالبِ حق ہے ایک دوسرے انسانِ کامل کی پیروی کر کے اس کے نور میں سے لے لیتا ہے۔ اور اس کے باطنی فیض سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے کیونکہ چاند تو نور حاصل کر کے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ پس جبکہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذّات اور قائم بالذّات مانا جائے مگر نفسِ انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بکلّی انکار کر دیا جائے۔

غرض اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفسِ انسان کے پہلے قسم کھا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کی رُو سے شواہد اور ناطق گواہ قرار دیکر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نفسِ انسان واقعی طور پر موجود ہے۔ اور اسی طرح ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان قسموں سے ہر جگہ یہی مدّعا اور مقصد ہے کہ تا اُمور بدیہیہ کو اسرارِ مخفیہ کیلئے جو ان کے ہم رنگ ہیں بطور شواہد کے پیش کیا جائے" (توضیح مرام صـ۵۶ تا ۶۱)

(نور الدین طبع سوم صـ۸۸ تا ۹۱)

۶تا۸ - فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۶﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۷﴾

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿۸﴾

چندہ دینے والے متقی اور صادق کو قبول کرنے والے اس دنیا میں بھی مشکلات سے امن میں رہے اور آخرت میں بھی امن سے رہیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام میں سب سے پہلے یہ کام کیا تھا۔ خلافت کے ابتداء میں جو مشکلات پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان سب سے بہ آسانی خلیفہ اوّل کو عبور کرادیا۔ اور ہر ایک کیلئے یہی وعدہ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ راگست ۱۹۱۲ء)

۹تا۱۱ - وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۹﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۱۰﴾

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۱﴾

جنہوں نے نہ مال خرچ کیا نہ تصدیق۔ ان پر ایسی عُسرت پڑی کہ جو خوشحالی پہلے تھی وہ بھی جاتی رہی۔ جو رسائل اشاعتِ دین کے نام سے نکلتے تھے۔ وہ بھی بند ہو گئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ راگست ۱۹۱۲ء)

۱۳،۱۴ - اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۴﴾

مشکلات کے وقت آسانی کی راہیں متقیوں کیلئے سُجھا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اُوْلٰی یعنی دنیوی فتوحات اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو خوب دیں۔ اِنَّ لَنَا سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے اور یہ فتوحات دنیوی آخرت کیلئے گواہ ٹھہریں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ راگست ۱۹۱۲ء)

۱۸ - وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۸﴾

الْاَتْقٰى سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی مالی خدمات کا ذکر اس طور پر ہے کہ قرآن شریف اور حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں آپکی اس صفت کے

بیان کرنے میں متفق اللفظ و اللسان ہیں۔ اور اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ نہ کسی خاص سبب کا۔ آگے فرمایا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اگست ۱۹۱۲ء)

۱۹- الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۹﴾

یوں تو صحابہ میں سے ہر ایک نے بقدر اپنی طاقت اور وسعت کے عُسرت کے ایام میں خدمات کیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی خدمات کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی جس قدر ابوبکرؓ کے مال نے مجھے نفع پہنچایا اس قدر کسی اَور کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا۔ اور یہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا محض بوجہ اللہ تھا۔ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے طور پر نہیں تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اگست ۱۹۱۲ء)

۲۰تا۲۲- وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۲۰﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۱﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۲﴾

ان ہر سہ آیات کے ترجمہ میں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ مَا اَشْبَهَ اللَّيْلُ بِالْبَارِحَةِ یعنی کل کی رات کو جو گزر گئی۔ آج کی رات سے بہت شدید مشابہت ہے۔ رَبِّهِ الْاَعْلٰى کا جملہ بھی پوری موافقت و مناسبت رکھتا ہے۔ يَرْضٰى کا مرجع رَبّ اللہ اَتْقٰی دونوں کی طرف صحیح ہو سکتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

آیت نمبر ۲۰ وَمَا لِاَحَدٍ الخ بطور جملہ معترضہ کے درمیان میں آپڑی ہے۔ اس لئے ترجمہ کسی قدر پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس درمیانی آیت کو تھوڑی دیر کے لئے الگ کر کے آیت ۱۹ سے پڑھی جاوے تو عبارت سہل اور سریع الفہم ہو جاتی ہے یعنی تقدیر عبارت کی یوں ہے۔ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى لِابْتِغَآءِ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى یعنی وہ اتقٰی دیتا ہے مال کو تزکیۂ نفس کیلئے صرف اپنے رب کی رضا کی خاطر وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اور نہ کسی کا اس پر احسان تھا۔ جس احسان کا بدلہ اتارنے کیلئے وہ اتقٰی اپنا مال دے رہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲، ۳- وَالضُّحٰى ﴿۲﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۳﴾

ضُحٰى کے معنے سخت روشنی کے ہیں اور لَیْل سَجٰی کے معنے سخت اندھیرے کے ہیں۔ یہ دونوں کلمے ایک دوسرے کے متقابل بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ آئندہ آنیوالی عبارت میں بھی یتیم ایوا عیل غنیٰ۔ اس قسم کے الفاظ اور ان کے معانی و مطالب ایک دوسرے کے متضاد آپڑے ہیں۔ اس لئے تمہیدی طور پر ان دوکلموں کو قسمیہ شہادت کے طور پر ذکر فرمایا۔

(اخبار بدر قادیان ۸ اگست ۱۹۱۲ء)

۴- مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۴﴾

وَدَّعَ کے معنے دوستی کو وداع کرنے اور قطع محبت کر دینے کے ہیں۔ قَلٰی بمعنی عداوت دشمنی۔ بیزاری۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (الشعراء: ۱۶۹) وجہ اس سورہ شریفہ کے نزول کی یہ بیان ہوئی ہے۔ کہ چند روزہ فترتِ وحی کی وجہ سے ابوسفیان کی بہن نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ یوں کہا تھا۔ کہ مَا اَرٰى شَيْطَانَكَ اِلَّا قَدْ تَرَكَكَ اس پر رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کو رنج ہوا اور یہ آیتیں تسلی بخش نازل ہوئیں۔ اس شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھ کر آیہ کریمہ مَا وَدَّعَكَ الخ کے ساتھ ضُحٰی اور لَیْلِ سَجٰی سے مراد چہرۂ انور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے سیاہ گیسو مبارک عمدہ توفیق اور توجیہ رکھتے ہیں ع

والضحیٰ رمزے ز روئے ہمچو ماہ مصطفیٰ است
معنی و اللیل گیسوئے سیاہ مصطفیٰ است

مائیں اپنے بچوں کو پیار اور محبت کے وقت دیکھا گیا ہے کہ اسی قسم کے الفاظ سے خطاب کرتی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اگست ۱۹۱۲ء)

۵۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۵﴾

آیت شریفہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یَوْمًا فَیَوْمًا سَاعَۃً بَعْدَ سَاعَۃٍ ہر آن لا انتہاء ترقیات کا ذکر ہے۔ ہر اگلا قدم آپ کا پچھلے قدم سے بڑھ کر رہا۔ امت کے جس قدر حسنات ہیں۔ جس قدر درود شریف دنیا میں آپؐ پر پڑھا جا رہا ہے۔ کسی دوسرے بانی مذہب کیلئے اس قدر دعائیں نہیں کی جاتیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اگست ۱۹۱۲ء)

۶۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۶﴾

سورۃ الفتح اور سورۃ الکوثر سے بڑھ کر اور کوئی تفصیل اس آیت کی کیا ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک ایک بھی امتی میرا دوزخ میں رہے گا۔ میں راضی نہ ہوں گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اگست ۱۹۱۲ء)

۷تا۱۲۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۸﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۹﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۱﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۲﴾

اس سورہ شریف کے ابتداء سے اخیر تک ایک عجیب طور پر لف ونشر بیان ہوا۔ آیات ۲-۷-۱۰ ایکدوسرے کے بالمقابل ہیں اور آیات ۵-۸-۱۱ ایکدوسرے کے بالمقابل ہیں۔ قَلٰى کے مقابلہ میں يَتِيْمًا فَاٰوٰى اور فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ہے۔ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی تشریح ضَآلًّا فَهَدٰى سے اور اَلسَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ سے کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ضَآل کے معنے سائل یعنی سالک راہِ طریقت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف: ۹۶) فرمایا۔ یعنی آپ تو یوسف کی محبت میں اپنے آپ کو گم گشتہ کئے ہوئے ہو۔

یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کے مقابلہ میں اَغْنٰی اور بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ہے۔ یتیم کے ساتھ لَا تَقْهَرْ کی نہی اور سائل کے ساتھ لَا تَنْهَرْ کی نہی مناسبت رکھتی ہے۔ کہ سائل کا تعلق صرف ایک وقتی تعلق رکھتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کیلئے اور لَا تَقْهَرْ کے معنے یہ ہیں کہ اس پر ہمیشہ دباؤ نہ ڈالتے رہو۔ اس کے مال میں اسے مقہور نہ کرو۔ کَہَرَ ۔ قہر کے معنے میں یہی آیا۔ کَہَرَ خفیف دباؤ۔ قَہَرَ سخت دباؤ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر اگست ۱۹۱۲ء)

وَوَجَدَکَ ضَالًّا میں ضلال کا اثبات نبی کریمؐ کیلئے ہے۔ مگر مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ (النجم ۳) میں ضلال کی نفی بھی آپ کے حق میں موجود ہے۔ تو دونوں پر ایمان لا کر ایک جگہ ضلال کے معنے محب طالب سائل کے کرو۔ جو اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی ترتیب سے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری جگہ گمراہ کے معنے بوجہ مَا غَوٰی کی مناسبت سے درست ہیں۔

(نور الدین طبع ثالث ص۱۰۱)

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۲﴾

اس سے ماقبل کی سورۃ سورۃ الضحٰی میں ظاہری وجسمانی انعامات کا ذکر تھا۔ اور اس سورہ شریفہ میں آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روحانی نعمتیں ہوئیں ان کا ذکر ہے۔ شرح صدر ایک کشفی کیفیت تھی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی۔ جبکہ آپؐ کی عمر دس سال سے کچھ اوپر تھی اور بعد میں نبوت کے زمانہ میں بھی دوبارہ وہ کشفی اور روحانی معاملہ شرح صدر کا آپؐ سے کیا گیا۔ ظاہری اثر اس کا آپؐ پر یہ تھا کہ جو وسیع الحوصلگی آپؐ کی تھی۔ اس کی نظیر اوروں میں کیا اولوالعزم نبیوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ نوح علیہ السلام نے قوم سے دُکھ اُٹھا کر رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح : ۲۷) کہہ دیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم سے دُکھ اُٹھا کر وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس : ۸۹) کی دعا کرتے ہیں۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب طائف کے شریروں سے اس قدر پتھروں کی مار سے دُکھ اٹھایا کہ سارا بدن آپؐ کا خون آلود ہو گیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا تو یہ فرمایا۔ کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بخاری کتاب الانبیاء باب۵۴) جبرئیل علیہ السلام نے طائف والوں کی ہلاکت کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ نہیں میں امید رکھتا ہوں کہ ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں۔ انسان ایک دو بیبیوں کی ناز برداری سے تنگ آجاتا ہے۔ مگر آپؐ سے تمام بیبیاں خوش تھیں۔ آیۃ تطہیر کے اترنے پر جو سورۃ الاحزاب میں ہے۔ آپؐ نے سب بیویوں کو اختیار دے دیا تھا۔ مگر کسی نے بھی آپؐ کے حُسنِ اخلاق اور انشراح صدر کو معلوم کرکے آپؐ سے جدائی کو پسند نہ کیا۔ یہ کیسا انشراحِ صدر اور عالی حوصلہ تھا کہ فتح مکہ کے روز جن ظالموں نے آپؐ کو شہر سے نکالا تھا اور آپؐ کے اصحابؓ کو طرح طرح کی بے رحمیوں سے قتل کیا تھا۔ ان سب کو آپؐ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر یک لخت

معافی دے دی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ دسمبر ۱۹۱۲ء)

اَلَمْ نَشْرَحْ: غور کرو موسیٰؑ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي کی دعا کرتے ہیں اور یہاں اَلَمْ نَشْرَحْ۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ء ۹ صفحہ ۴۸۸)

۴۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝

سینہ کی تنگی۔ یہ سب سے بڑھ کر وِزْر انسان پر ہوتا ہے۔ عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی کے برابر سبکدوش رکھنے والی انسان کیلئے کوئی دوسری چیز نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ دسمبر ۱۹۱۲ء)

اس آیت شریفہ فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح: ۲) کی تفسیر کیلئے قرآن ہی عمدہ تفسیر ہے۔ اور وہ آیت مفسرہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ہے فتح سے مراد ہے۔ دل پر علومِ باری اور آسمانی بادشاہت کے اسرار کھولنا اور جب وہ کھلتے ہیں تو توبہ اور خشیت اور خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ جس کے باعث گناہ نہیں رہتے۔ انسان نئی زندگی پاتا ہے۔ نیا جلال حاصل کرتا ہے۔ (فصل الخطاب حصہ اول صفحہ ۱۶۹-۱۷۰)

۵۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

اذان میں کلمۂ شہادت سب اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپؐ کا بھی نام تمامی دنیا میں بلند آوازوں سے پکارا جا رہا ہے۔ مکی زندگی آپؐ کی ایسی تھی جیسی کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کی تھی اس وقت اس قسم کی زبردست پیشگوئی کا کیا جانا اور پھر اس کا پورا ہونا یہ بجائے خود آپؐ کی رفعتِ شان پر دلیل ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۶،۷۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

ایک روایت میں آیا ہے کہ لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آئے گی۔ اگرچہ عُسر کا لفظ بھی دو بار ہے۔ اور یُسر کا لفظ بھی دو بار ہے۔ مگر اَلْعُسْرُ

معرف باللام مکرر ہے۔ اور وہ معرف ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہے اور یُسر نکرہ دوبارہ ہے۔ اس لئے یُسر الگ الگ مُراد ہوں گے۔ اسی مضمون پر کسی کا ایک شعر ہے۔ ؏

اِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْبَلْوٰی ۔ فَفَكِّرْ فِی اَلَمْ نَشْرَحْ
فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ ۔ اِذَا فَكَّرْتَهٗ فَافْرَحْ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ؍ اگست ۱۹۱۲ء)

۹،۸- فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۸ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۹

یہ سنّت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے کہ ظاہری کوشش اور محنت کے ساتھ باطنی عقدِ ہمت دعا اور توجہ اِلَی اللہ ان کا کام ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہری محنتوں سے کعبہ کو بنایا مگر ساتھ ہی عقدِ ہمت سے دعائیں بھی کیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ: ۱۲۸)

محنت ہو۔ کوشش ہو۔ مگر دعا نہ ہو۔ کام ناتمام ہے۔ اسی طرح صرف دعا ہی دُعا ہو۔ مگر کچھ محنت نہ ہو۔ پھر بھی کام ناتمام ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ؍ اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ التِّیْنِ مَکِّیَّةٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲- وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۲﴾

تین۔ زیتون۔ طُور حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ کیلئے تجلّی کی جگہ اور یہ بلدِ امین آپؐ کیلئے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۸)

" خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں شریعت ہے۔ ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا " (توریت کتاب استثناء ۵ باب ۳۳ آیت ۲)۔

آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمان کو جمال سے چھپا دیا اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔ حبقوق باب ۳ آیت ۳۔ سینا سے موسیٰ جیسا بادشاہ صاحبِ شریعت ظاہر و باطن نکلا شعیر جس کے پاس بیت لحم اور ناصرہ ہے مسیح ظاہر ہوا۔

قرآن نے اس پیشگوئی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بیان کیا ہے۔ دیکھو۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ

قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی

ان تین مقامات کی خصوصیت نہایت غور کے قابل ہے۔ عہد عتیق میں اس تخصیص کی وجہ مفصل مذکور ہوئی ہے۔ قرآن کا طرز ہے کہ جس بات کی تفصیل عہد عتیق وجدید میں نہ ہو۔ اس کی تفصیل کرتا ہے۔ اور جس کا بیان وہاں مفصل ہو اس کی طرف مجمل اشارہ کرتا ہے۔ اب دیکھو۔ قرآن نے مسیح کے مبدائے ظہور کو تین اور زیتون سے تعبیر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیتون کے پہاڑ کے پاس مسیح نے ایک گدھے کا بچہ منگوایا اور اس کے ذریعے سے اپنی نسبت ایک بڑی پیشگوئی کو ثابت کیا دیکھو لوقا باب ۱۹-۲۰ متی باب ۲۱-۱ مرقس باب ۱۱-۱

تین کے درخت کے پاس ایک معجزہ ظاہر کیا۔

دیکھو مرقس باب ۱۱-۱۴۔ اور انجیر کا نشان دینے پر ایک شخص ایمان لایا۔ یوحنا باب ۰۰ ۴۸-

وادیٔ فاران اور دشتِ فاران کی تفسیر قرآن نے یہ فرمائی ہے کہ فاران سے شہر مکہ مراد ہے۔ جہاں مسیح جیسا بشیر اور موسیٰ جیسا بشیر و نذیر نکلا۔ جس کی شریعت کی نسبت کہا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ : ۴)

آج میں نے پورا کر دیا تمہارے لئے دین کو تمہارے اور پوری کر چکا میں اوپر تمہارے نعمت کو اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو۔

۱۔ فاران کے پہاڑ سے ایسا ظاہر ہوا کہ تمام دنیا اس کا لوہا مان گئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ہے۔ اس کا لشکر ملائکہ کا لشکر ہے۔ اس کے سبب سے خدا جنوب سے آیا۔ اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔ موافق اور مخالف نے محمدؐ محمدؐ یا احمدؐ احمدؐ پکارا۔ اس سے زیادہ زمین ستائش سے اور کیا بھرتی۔ دشمن بھی محمدؐ کے نام سے پکارتے ہیں۔ پرانے عربی ترجموں میں " اس کی ستائش سے زمین بھر گئی" کی بجائے یہ لفظ لکھے ہیں۔ وَامْتَلَأَ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَدَ[ل]

نوٹ : محمدؐ بمعنے ستائش کیا اور احمدؐ بڑا ستائش کیا گیا۔ کیونکہ صیغۂ فعل مبالغہ فاعل اور مفعول دونوں کیلئے آتا ہے۔

۲۔ سینا کی جنوبی حد سے فاران شروع ہوتا ہے۔ مکہ مدینہ اور تمام حجاز فاران میں ہے۔ کون دنیا کی ابتداء سے سوائے نبی عربی صاحب شریعت ستائش کیا گیا۔ یعنی محمدؐ یا احمدؐ کے فاران میں پیدا ہوا۔

۳۔ وادیٔ فاطمہ میں گل جذیمہ یعنی پنجۂ مریم بیچنے والوں سے پوچھو کہ وہ پھول کہاں سے لاتے ہیں تو لڑکے اور بچے بھی یہی کہیں گے کہ مِنْ بَرِيَّةِ فَارَانَ یعنی دشتِ فاران سے۔

۴۔ وہ کون سا فاران ہے جس سے خدا ظاہر ہوا۔ جہاں سے مسیحؑ کے بعد رسول نکلا اور اس پر روشن شریعت نازل ہوئی۔ وہ کون سا مذہب ہے جو فاران سے نکل کر تمام دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیل گیا

۵۔ اسماعیلؑ کی اولاد کو برکت کا وعدہ تھا۔ وہ اولاد اسمٰعیلؑ کی عرب میں آباد ہوئی تھی اور ان میں سے موسیٰ کا سا نبی ظاہر ہونا تھا۔

۶۔ فاران کے معنے وادی غیر ذی زرع کے ہیں۔ اور یہی مکے کی صفت قرآن میں بیان ہوئی۔ اسی مضمون کے شروع میں دیکھ لو۔

ل ۔ اور بھر گئی زمین ستائش سے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

۷۔ یسعیاہ ۲۱ باب ۱۶ میں دیکھو۔ قیداریوں کا عرب میں ہونا ثابت ہے۔ اور وہ اسمٰعیل کا بیٹا ہے
لشکر ملائکہ کے ثبوت کے لئے۔ دیکھو یہودا کا عام خط باب ۱-۱۴۔ دیکھ خداوند اپنے
لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آتا ہے۔ تاکہ سبھوں کی عدالت کرے۔ عیسائیوں نے اس بشارت پر بڑی
کوششوں سے اعتراض جمائے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان کے اعتراض اور تردیدوں کا بیان کیا جاوے
حضرت ہاجرہ والدۂ اسمٰعیلؑ اور اسماعیلؑ کا قصہ مختصراً بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اعتراضات
اور جوابات میں امتیاز رہے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ جب بہت بوڑھے ہوئے چاہا کہ اپنے غلاموں سے کسی کو وارث بنادیں۔ خدائے تعالیٰ
نے فرمایا۔ تیرا بیٹا ہی وارث ہوگا۔ پیدائش باب ۱۵-۴

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی حضرت سارہ بہت بوڑھی ہوگئی تھیں: اس لئے انہوں نے حضرت
ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ کے نکاح میں دیدیا۔ پیدائش باب ۱۶-۳

۳۔ حضرت ہاجرہ اور سارہ میں جیسی کہ عادتاً سوتوں میں رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ کچھ کشیدگی سی
ہوگئی۔ اس لئے حضرت ہاجرہ تنگ آکر وہاں سے نکلیں۔ راستے میں فرشتے نے کہا۔ واپس جا۔ اللہ تجھے
برکت دیگا۔ تیری اولاد وسیع اور بے شمار ہوگی۔ تیرے ایک لڑکا ہوگا۔ اُس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ وہ
عربی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب پر ہوگا۔ پیدائش ۱۶ باب ۶-۱۱

نوٹ: حال کے ترجموں میں "اس کا ہاتھ سب کی ضد میں" لکھا ہے۔ اگرچہ اس ترجمے کو نسلی اور
برکت کا لفظ باطل کرتا ہے۔ الّا پھر بھی ایک عجیب بات اس کے صحیح ماننے پر ہمیں مائل کرتی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ اہلِ کتاب کو ہمیشہ سے حضرت اسمٰعیل اور بنی اسمٰعیل سے ضد رہتی تھی۔ یہ ایک قدرتی ثبوت ہے
جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت اسمٰعیل کی حقیقت کھٹکتی چلی آتی ہے۔

اور وہ بمقابلے اپنے بھائیوں کے سکونت کریگا پیدائش ۱۶ باب ۱۲

۴۔ حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں۔ اور لڑکا جنیں اور اس کا نام اسمٰعیل ہوا۔ پیدائش باب ۱۶-۱۵

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اب تیرا نام ابرام نہ پکارا جاوے گا۔ بلکہ ابراہام۔ کیونکہ
تجھ سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی۔ اور سب کا باپ کہلائے گا۔ پیدائش ۱۷ باب ۵

۶۔ پھر ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کیلئے دعا کی۔ خدا نے کہا۔ میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں سنی۔ بیشک
میں اسے برکت دوں گا۔ اور برومند کروں گا۔ اس کی اولاد بکثرت ہوگی اور اسکی پشت سے بارہ امام یا
شہزادے پیدا ہوں گے اور میں ان کو ایک قوم عظیم اور ممتاز کروں گا۔ پیدائش باب ۱۷-۲۰

۷۔ اسمٰعیل کیلئے برکت اور عہد دونوں ہیں۔ پیدائش باب ۱۷۔۷
۸۔ حضرت اسمٰعیلؑ جب تیرہ برس کے ہوئے۔ ان کا ختنہ ہوا اور کہیں اسحاق پر ہنسنے۔ سارہ اس پر ناراض ہوئیں اور کہا ہاجرہ کو مع اس کے فرزند کے نکال دے اسلئے کہ یہ بشمول اسحاق وارث نہ ہو۔ (سارہ کا یہ کلام رنجش اور کمزوری کے سبب سے ہے۔ خدا کی طرف سے الہام نہیں۔ کہ اس سے استدلال کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے دل سارہ کی طرف سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو اسمٰعیلؑ کی نسبت اُن کے دل صاف نہیں ہوتے) خدائے تعالٰی نے ابراہیمؑ سے فرمایا۔ رنجیدہ مت ہو۔ جیسے سارہ کہتی ہے۔ ویسے ہی کر۔ اسحاق تیری اولاد ہے۔ مگر مجھے ہاجرہ کے فرزند سے ایک قوم بنانا ہے۔ کیونکہ وہ تیرا نطفہ ہے۔ علی الصباح ابراہیم نے ہاجرہ اور اسمٰعیل کو روٹی اور پانی دیکر نکال دیا۔ اور انہوں نے بیر شبع پر راستہ گم کیا۔ قصہ مختصر خشک بیابان میں تکلیف اٹھاتے اٹھاتے ایک دفعہ پانی سے ناچار ہو گئیں اور درخت کے نیچے بچے کو ڈال دیا۔ اور آپ دور جا بیٹھیں۔ تاکہ اسکی پیاس کی موت کو نہ دیکھیں اور آسمان کی طرف مُنہ کرکے روئیں۔ تب فرشتے نے آواز دی۔ کیا تو بیمار ہے؟ خوف مت کر خداوند نے تیرے بچے کی آواز سُن لی۔ اے ہاجرہ! اٹھ اور بچے کو اٹھا۔ اس واسطے کہ میں اُسے قوم کا بزرگ بناؤں گا۔ اور خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں۔ تب انہوں نے ایک چشمہ پایا (وہی جسے مسلمان چاہ زمزم کہتے ہیں) اسمٰعیلؑ بڑھے اور تیر انداز ہوئے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ہاجرہ نے پھرتے پھرتے آخر کہاں مقام فرمایا۔ اور کس جگہ سکونت اختیار کی تحقیق طلب بات ہے۔ لیکن ہم دعوٰی کرتے ہیں کہ فاران میدان میں بمقام بیت اللہ مکہ معظمہ میں وہ ٹھہریں اور اس امر کے ثبوت کیلئے وجوہات ذیل ہیں۔

۱۔ تواتر۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ اگر اسی پر وثوق نہ رہے۔ تو پھر تواریخ قدیمہ کے اثبات کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ تورات کو موسٰیؑ کی کتاب مانا تو تواتر سے۔ مسیحؑ کو ناصری یا ابن داؤد مانا تو تواتر سے

۲۔ ملکی اور قومی روایات اور مشہور حکایات سے جن کا ذکر تواریخ میں اور لوگوں کی زبانوں پر غیر متبدل اور مستحکم چلا آتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اس قصے کی تصدیق ضروری اور لابدی امر ہے۔ کیونکہ کسی تاریخی واقعے کی تکذیب دینا بااینکہ وہ عقل کے مخالف نہ ہوں۔ سخت غلطی ہے۔

پس جبکہ ملکی روایات اور مشہورہ حکایات اور تواریخ قدیمہ متفقاً ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ نے وادیٔ مکہ میں سکونت کی اور ملک حجاز۔ وہی دشت فاران ہے۔ تو کونسی بات ان امور کے قبول کرنے سے ہمیں مانع ہے۔ کیا کوئی قانون قدرت اسے محال بتلاتا ہے۔ یا عقل اس کو باور کرنے سے کتراتی ہے۔

۳۔ پُرانے جغرافیوں اور قدیم کھنڈرات کی تحقیقات کرنی چاہیئے کہ اسمٰعیلؑ کہاں آباد ہوئے۔ جہاں وہ مقام ملے۔ وہی انکی سکونت کا مقام ہوگا۔ اور وہی مقام وادیٔ فاران ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ۱۲ بیٹے تھے۔ پہلا بن یرث عرب کے شمال مغربی حصے میں آباد ہوا۔ ریورنڈ کاتری پی کاری ایم اے نے اپنے نقشے میں اس کا نشان ۲۸، ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶، ۳۸ درجہ طول مشرقی کے درمیان لگایا ہے۔ ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں۔ کہ بن یرث کی اولاد عریبیا پیٹرا سے مشرق کی طرف عریبیا ڈیزرٹا تک اور جنوب کی طرف سے خلیج الامتک و حجاز تک پھیل گئی تھی۔

اسٹریبر کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ کہ بن یرث کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا۔ اور مدینے تک اور بندر حورا اور بندر ینبو تک جو بحر قلزم کے کنارے پر ہے۔ اور مدینے سے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اُن کی عمل داری ہو گئی۔ ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بن یرث کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رہی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی۔

ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ بن یرث کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصے پر پھیل گئی ہو۔ اِلّا یہ بات کہ بن یرث کی سکونت اور اس کی اولاد کی سکونت عرب ہی میں تھی۔ بخوبی ثابت ہے۔

دوسرا بیٹا قیدار (معنی لفظ قیدار صاحب الابل۔ ابن خلدون جلد دوم ص۳۳۱) لفظ قیدار کے معنی ہیں اونٹوں والا۔ معلوم ہوا کہ قیدار ہی حضرت اسماعیلؑ کے ولی عہد اور منتہی بہ شخص تھے۔ آپ کا نام بھی عرب اور اسکی خصوصیات سے عجیب مناسبت رکھتا ہے) بن یرث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا۔

ریورنڈ مسٹر فاسٹر لکھتے ہیں کہ اشعیا نبی کی کتاب سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ شامل ہیں۔ اور زیادہ ثبوت اس کا حال کے جغرافیے میں شہر الخذر اور بنت سے پایا جاتا ہے۔ جو اصل میں القیدار اور بن یرث ہیں۔ یورنیس اور بطلیموس اور پلینئ اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں۔ کیڈری یعنی قیدری۔ دری مخفف قیدری اور گڈرو ناٹینی یعنی قیداری کدربتی یعنی قیدری۔ دیکھو ہسٹری جغرافیہ جلد اول ص۲۴۸۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا۔ کاتری پی کاری نے اپنے نقشے میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶، ۲۷ درجہ عرض شمالی اور ۳۷، ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا۔

تیسرا لڑکا ادبئیل ہے۔ بموجب سندِ جوزیفس کے ادبئیل بھی اپنے ان دونوں بھائیوں کے

ہمسائے میں آباد ہوا۔

چوتھا لڑکا مِسام ہے مگر اس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں بیٹا شماع ہے۔ مسٹر فاسٹر کا یہ قیاس صحیح ہے کہ عبرانی میں جس کو شماع لکھا ہے۔ اُسی کو یونانی ترجمہ سبٹوجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسماس اور بطلیموس نے مسمیز لکھا ہے اور عرب میں اس کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا اوّلاً قریب نجد کے آباد ہوا۔

چھٹا بیٹا دومہ تھا۔ مشرقی اور مغربی جغرافیہ دان قبول کرتے ہیں کہ یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تھا۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ دومۃ الجندل کا نام واقدی کی حدیث میں دوماہ الجندل آیا ہے۔ اور ابن فقیہ نے اس کو اعمالِ مدینہ میں گنا ہے۔ اس کا نام دوم ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کے نام پر ہوا۔ اور زجاجی کہتا ہے۔ کہ اسمٰعیل کے بیٹے کا نام دومان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام دمہ تھا۔ ابن کلبی کہتا ہے کہ دومہ اسمٰعیل کا بیٹا تھا۔ جب تہامہ میں حضرت اسماعیلؑ کی بہت سی اولاد ہوگئی تو دومہ وہاں سے نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا اور وہاں ایک قلعہ بنایا اور اس کا نام دومہ اپنے نام پر رکھا۔ اور ابوعبیدہ سکونی کا قول ہے کہ دومۃ جندل قلعہ اور گاؤں شام اور مدینے کے درمیان میں ہیں۔ قریب جبل طئی کے اور دومہ وادی قری کے گاؤں میں سے ہے۔ مسٹر فاسٹر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہ ایک مشہور جگہ عرب میں موجود ہے۔

ساتواں بیٹا مسا تھا۔ یہ بیٹا حجاز سے نکل کر یمن میں آباد ہوا۔ اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے۔ کاتری پی کاری نے اپنے نقشے میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجے اور ۳۰ دقیقے عرض شمالی اور ۴۳ درجے اور ۳۰ دقیقے طول شرقی میں قائم کیا ہے۔ اسمٰعیلؑ اور انکی اولاد حجاز میں تھی۔ بلاشبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہوگئی۔ تب مختلف مقاموں میں جاکر سکونت اختیار کی۔ مگر عمدہ بات قابلِ غور یہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے۔

آٹھواں بیٹا حدد۔ اس کو عہد عتیق میں حداد بھی لکھا ہے۔ یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام بتلا رہا ہے۔ اور قومِ حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے۔ اسی کے نام کو یاد دلاتی ہے۔ زہیری مؤرخ کا بھی یہی قول ہے اور مسٹر فاسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتا ہے۔

نواں بیٹا تیما تھا۔ اس کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گیا۔

دسواں بیٹا یطور تھا۔ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اس کا مسکن جدور میں تھا۔ جو جبل کیسونی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے۔

گیارہواں بیٹا نافیش تھا۔ مسٹر فاسٹر جوزیفس اور تورات کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈیزوٹا میں اُن کی نسل کے نام سے آباد تھے۔

بارہواں بیٹا قدیمہ انہوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی۔ مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے کہ اصحاب الرس اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور وہ دوؔ قبیلے تھے۔ ایک کو قدمان اور دوسرے کو یامین کہتے تھے۔ اور بعضوں کے نزدیک دعویل اور یہ یمن میں تھے۔

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیے کی رُو سے نہایت اطمینان کے قابل ہیں دوؔ باتیں ثابت ہوگئیں ایک یہ کہ حضرت اسماعیلؑ اور انکی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی اور دوسرے یہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا۔ جہاں اسمٰعیلؑ کی مقدم اولاد کا مسکن ہوا تھا اور پھر اُس مرکز سے اور طرف عرب میں پھیلے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی اور اسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت حبقوق نے اپنی اپنی بشارتوں میں بتایا۔

عیسائیوں کے اعتراض

اگرچہ یہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادیٔ حجاز اور وادیٔ فاران دونوں ایک ہیں۔ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر باایں ہمہ عیسائی اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں قرار دیتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ اس وسیع میدان کو جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ فاران کہتے ہیں۔

۲۔ قادیش جہاں ابراہیمؑ نے (بیر شبع) کھودا اور فاران ایک ہے۔

۳۔ فاران اسی وادی کا نام ہے جو سینا سے غربی نشیب پر ہے۔ جہاں قبریں عمارتیں اب ملی ہیں۔

جواب

۱۔ بتاؤ یہاں اسمٰعیلؑ اور اسکی صلبی اولاد کب آباد ہوئی۔

۲۔ کتاب ۳-۱۳-۲۰ ، ۲۶ وہ سردار کنعان کو دیکھ کر پھرے تو بیابانِ فاران میں سے قادیش میں پہنچے (قادیش شمالی حد فاران کی ہے) یاد رہے اس آیت کی اصل عبری عبارت یہ ہے۔ اِلْ مِدْبَرْ فَارَان قَادِشَیَہ لفظی ترجمہ طرف وادی فاران کے بہ نیل مرام۔ قادیش کے معنے حائل کے بھی ہیں دیکھو ترجمہ القس۔

فاران تین ہیں۔ ایک حجاز میں۔ دوسرا طور یا سینا کے پاس تیسرا سمرقند میں۔ سمرقند والا فاران

مبحث سے خارج ہے۔ اور جو فاران طور یا سینا کے قرب میں واقع ہے۔ وہ فاران نہیں جو ابراہیمؑ کے وقت تھا۔ وہ نہیں جس کا تورات میں ذکر ہے۔ وہ نہیں جہاں ہاجرہ نے اسمٰعیل کے ہمراہ بیرشبع میں راستہ گم کرکے اقامت کی اور وہ نہیں جہاں ابتداءً اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی۔ وہ نہیں جہاں سے بعد سعیر خدا نے ظہور کیا۔

ہاں بلاشبہ زمانے کے دور میں اسمٰعیلؑ کی اولاد حجاز سے نکل کر تمام عرب میں خلیج فارس تک پھیل گئی۔ پس اگر حجاز کے سوا اور جگہ سے پرانے ایسے کھنڈرات ملے ہوں جو بنی اسمٰعیل کے ناموں کے مشابہ ہوں یا مطابق تو وہ اس نفس الامری بات کو اٹھا سکتے ہیں کہ اسمٰعیلؑ حجاز میں آباد ہوا۔ جو فاران سینا کے مغرب میں ہے۔ اور جس کے آثار ملے ہیں۔ وہ توریت کا فاران نہیں۔ موسیٰ کے زمانے میں اسکا وجود نہ تھا۔ موسیٰ مصر سے نکلے بحر احمر سے پار ہوئے۔ تو شور میں پہنچ کر سین کو طے کرکے رفیدیم میں ٹھہرے وہاں خروج باب ۱۷ آیت ۸ تا ۱۶ میں ہے عمالیق آن کر اترے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ عمالیق رفیدیم کی نہ تھی۔ یہاں یاد رکھو کہ رفیدیم کوہ سینا کے مغرب اور مصر کے شرق میں ہے۔ پھر رفیدیم سے موسےٰ مشرق کی طرف سینا کو چلے اور سینا میں پہنچے۔ اس سینا کے غربی فاران کا ذکر موسیٰ نے نہیں کیا۔ پھر سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے۔ اس راہ میں حضرت موسیٰ کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل۔ بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھہر گیا۔ (گنتی باب ۱۰ آیت ۱۱ تا ۱۳)

اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت فاران کوہ سینا کے شمال مشرق میں قادیش کے قریب واقع تھا اور وہی حجاز کا بیابان ہے۔ نہ غربی نشیب سینا کا۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ عرب کی ایک قوم جو فاران بن حمیر کی اولاد میں سے تھی اور بنی فاران کہلاتی تھی کسی زمانے میں سینا کے مغرب میں آباد ہوئی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہوگیا۔ یہ وہ فاران نہیں جس کا ذکر توراۃ میں ہے

(خطبات الاحمدیہ بتبدیل یسیر) (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۳۶ تا صفحہ ۴۲)

تین اور زیتون۔ ان دو چیزوں کو قسمیہ بطور شہادت کے اس لئے بیان کیا کہ علاوہ غذا کے جسمانی امراض کیلئے بھی بطور دوا کے یہ دونوں چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ کبھی طبیب تین تجویز کرتا ہے تو کبھی تبدیل نسخہ کیلئے زیتون مفید سمجھتا ہے۔ زیتون کو مؤخر اور تین کو مقدم ذکر کرنے کی وجہ انشاء اللہ تعالےٰ آگے بیان ہوگی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ اگست ۱۹۱۲ء)

۳، ۴۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۳﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۴﴾

ایک زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّتوں کے توسط سے اپنے تخت کو بنی اسرائیل کیلئے طورِ سینین اور اور ملک شام کی طرف بچھایا۔ اور اب دوسرے زمانہ میں اپنی حکمت اور مصلحت کی بناء پر بنی اسمٰعیل اور تمام دنیا کیلئے اپنے تخت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط سے بلد اللہ الامین میں تجویز فرمایا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

۵۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝

اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کے لفظ میں یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ذرا سی بے اعتدالی سے انسان تقویم کے اعتدال سے یکسُو ہو کر جسمانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے۔ تین یا زیتون کا نسخہ تجویز کرنا پڑتا ہے۔ ایک سے اچھا نہ ہو تو دوسرا بدلنا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانیت کی تقویم کا بھی ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہو کر انسان اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ میں جا گرتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

۶۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝

رَدَدْنٰهُ میں یہ اشارہ فرمایا کہ بادشاہیاں چھن جاتی ہیں۔ محتاجیوں کے قعر میں جا پڑتے ہیں نبوتیں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایک قوم نالائق ہوتی ہے۔ تو محروم رکھی جاتی ہے اور اس کی جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری قوم کو منتخب فرماتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اور بنی قیدار کا حال ہوا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

۷تا۹۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝

یہ استثناء بڑا ضروری تھا اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کہ نئی نبوت کے قائم ہونے کے وقت پرانے نبی کے متبعین اگر موجودہ زمانہ کے مرسل کو بھی قبول کر لیں گے۔ تو ان کا اجر ممنون یعنی منقطع نہ ہوگا بلکہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ (الحدید:۲۹) یعنی دوہرے اجر ملیں گے۔ اگلے بھی اور پچھلے بھی۔

معنے دین کے جزا سزا کے ہیں۔ سورۂ شریفہ بہت چھوٹی ہے۔ مگر ایک ایک لفظ سے اشارات یہ پائے جاتے ہیں کہ انتقالِ نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں جو ہوا۔ تو حق اور حکمت کے ساتھ ہوا۔ بے وجہ نہیں ہوا۔ طبیب نے نسخہ تبدیل کیا تو سوچ سمجھ کر ہی کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ : اب اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری تکذیب سے ان کو کیا فائدہ جبکہ جزا سزا، یا یوں کہو کہ مرض کی دوا موافق طبیعت کے ملی ہے۔

حاکموں پر جو حاکم ہوتا ہے۔ اسکا یہی کام ہوتا ہے کہ حکمت اور مصلحت کی بناء پر ماتحت حکومتوں کو بدل دے۔

حضرت مسیحؑ کا پتہ تین اور زیتون سے دیا گیا۔ وہ پہاڑ جس پر یروشلم آباد ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک کو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں۔ اور ساعیر ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ سو تین اور زیتون کے ذکر سے حضرت مسیحؑ کی جائے ظہور کا پتہ دینا منظور ہے کیونکہ زیتون پہاڑ کے پاس مسیحؑ نے ایک گدھے کا بچہ منگوایا تھا اور اس کے ذریعہ سے اپنی نسبت ایک بڑی پیشگوئی کو ظاہر کیا تھا (لوقا باب ۱۹ آیت ۳۰، متی باب ۲۱ آیت ۱، ۲، مرقس باب ۱۱ آیت ۱، ۲) اور تین پہاڑی کے پاس (جس کو تین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہاں انجیر کے درخت تھے) حضرت مسیحؑ نے ایک معجزہ ظاہر کیا تھا (دیکھو مرقس باب ۱۱ آیت ۱۴) اور انجیر کا نشان دیکھنے پر ایک شخص ایمان لایا (یوحنا باب ۱ آیت ۴۸)

طورِ سینا پر حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے احکام ملے اور ان پر تجلی الٰہی ہوئی۔ امن والا شہر یعنی مکہ معظمہ دشتِ فاران میں ہے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ کو حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اسی سرزمین میں چھوڑ گئے تھے (دیکھو پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۱)۔

اس دشت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فتح مکہ کے دن مکہ میں تشریف لائے۔ اور ان کے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی۔

پس تین و زیتون۔ طور سینین۔ بلد الامین (یعنی شہر مکہ) تین عظیم الشان انسانوں کی یادگاریں ہیں۔ جن کی ستائش ہزارہا سال سے تمام عالم میں ہو رہی ہے۔

یہ بات اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے اور روحانی اور جسمانی دونوں حیثیتوں سے اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ خلقت عطا ہوئی ہے۔ جس کے نمونے یہ تینوں برگزیدہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور جن کی تبلیغ سے ہر ایک انسان اپنی فطرت پر قائم اور فطری نقشے پر جما رہ سکتا ہے۔ مگر بدعملی اور بے ایمانی کی وجہ سے بھی انسان ایسا خراب ایسا بد

اور ایسا غلیظ ہو جاتا ہے کہ اَرذل ترین حیوانات سے بھی پرے جا رہتا ہے۔ ہاں جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالح پر قائم ہیں اور اس تنزّل اور فساد سے محفوظ رہتے ہیں وہ اجرِ غیر منقطع حاصل کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر اگست ۱۹۱۲ء)

سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲ تا ۶۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۲ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۳ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۴
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۵ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۶

ان آیات میں آپؐ کی ترقی اور کامیابی اور کمالات پر جو کچھ لفظ رَبِّكَ اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اور رَبُّكَ الْاَكْرَمُ اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ وہ عقل والے آدمی سے مخفی نہیں۔ پھر یہ پیشگوئی جیسی پوری ہوئی وہ بالکل معجزہ ہے۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صہ ۲۶)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ یہ پہلے الفاظ ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئے۔ ہر کام بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیئے۔ خلق کے بعد ربوبیت لازمی اور ضروری ہے۔ ظاہری جسمانی پرورش سے پرورشِ روحانی مقدم ہے۔ ربّ کے لفظ میں یہ بھی سمجھایا کہ آپؐ کی روحانی نشوونما کا یہ پہلا اور ابتدائی قدم ہے جو بتدریج ترقی کر کے آپؐ کو عظیم الشان بنا دے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر اگست ۱۹۱۲ء)

پہلا الہام جو ہمارے سیّد و مولیٰ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ وہ بھی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ہی تھا اور پھر رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علم کی کس قدر ضرورت ہے۔ سچے علوم کا مخزن قرآن شریف ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور عمل کے واسطے پڑھنے کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے۔ تقوی اللہ سے مامور من اللہ کی پاک صحبت میں رہ کر۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنی سلامتی، صدقِ نیت، شفقت علی خلق اللہ، غایت البعد عن الاغنیاء، آسانی، جودتِ طبع، سادگی، دوربینی کی صفات

سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ (الحکم ۱۷/اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ : علق بغیر ہڈی کے گوشت کے کیڑے کو کہتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کی ابتداء اس باریک کیڑے سے ہوتی ہے جو نطفہ مَنی میں ہوتا ہے۔ جس کو ڈاکٹری اصطلاح سپرموٹوزہ کہتے ہیں۔ ربوبیت کی ابتدائی کیفیت اور علق کی ابتدائی کیفیت مساوی الحال ہوتے ہیں۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ : اکرم کے لفظ میں پیشگوئی فرمائی کہ آپؐ مکرم و معظم ہو جائیں گے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ : عرب ایک ایسا جزیرہ تھا کہ اسلام سے پہلے کوئی تاریخ نہیں بتا سکتی کہ وہاں سے کوئی کتاب تصنیف ہوئی ہو۔ ایسی عظیم الشان ربوبیت ہوئی کہ اسلام کی کتابوں کو اب کوئی گن بھی نہیں سکتا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۳۴)

۸،۷۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ﴿۷﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۸﴾

اب یہاں سے ذکر مخالف کا چل پڑا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے ساتھ مخالف کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالفت کرنیوالے بڑے اغنیاء ہی ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا (الانعام:۱۲۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵/دسمبر ۱۹۱۲ء)

۱۰ تا ۱۵۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۱۰﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۱﴾

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىٓ ﴿۱۲﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۳﴾

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۴﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ

يَرٰى ﴿۱۵﴾

اَرَءَيْتَ فرما کر ایک ہی سیاق سے اپنے نبی اور مخالف کو مخاطب فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵/دسمبر ۱۹۱۲ء)

۱۶ - كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۶﴾

سَفْعٌ کے معنے زور سے کھینچنے اور گھسیٹنے کے ہیں۔ نَاصِیَۃ پیشانی اور مقدم راس کے بال۔ غیظ و غضب کے وقت پیشانی پر بل ڈال کر نہایت ڈراؤنی شکل سے انسان اس کو گھورتا ہے۔ جس کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ یہ حرکت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوجہل نے کعبہ میں کی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے یہ پیشگوئی اس کے حق میں بدر کے دن پوری ہوئی کہ ناصیہ سے پکڑ کر گھسیٹ کر گڑھے میں اس کی لاش کو ڈالا گیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ راگست ۱۹۱۲ء)

۱۸، ۱۹ - فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۸﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۹﴾

نَادِی سے اہل نادی مراد ہیں۔ اور نادی کے معنی مجلس کے ہیں۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰے وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ (العنکبوت: ۳۰) مکہ کے دارالندوہ کو اسی لئے نادی کہا کہ اس میں مشورہ کرنے کیلئے لوگوں کو پکار کر بلایا جاتا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ ہمارے وطن کے علماء جو قوم کے پیشوا کہلاتے ہیں اپنے لئے بجائے ندوۃ العلماء کے قُدوۃُ العلماء نام تجویز کرلیں تو بہتر ہے

بُلبُلا مژدۂ بہار بیار ﴿﴾ خبر بد بہ بُوم شُوم گذار

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا

زَبَانِیَۃَ: زبن سے مشتق ہے جس کے معنے دفع کے ہیں۔ جن و انس میں سے ہر متمرد شخص زَبْنِیَۃ کہتے ہیں۔ اکثر اہلِ لغت کا قول ہے۔ کہ زبانیہ ان جمعوں میں سے ہے۔ جن کا مفرد نہیں۔ جیسے ابابیل وغیرہ۔ غرض کہ زبن جس کے معنے دفع کے ہیں۔ ابتداء ہی سے اسلام میں یہ قاعدہ رکھا گیا ہے کہ جنگ صرف دفاعی طور پر کی جائے۔ آیت بالا کے الفاظ کی ترتیب بھی یہی تعلیم دے رہی ہے۔ پہلا مقابلہ نادیہ اور زبانیہ کا اسلام میں بدر کے دن ہوا۔ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابوجہل نے ایسا طمانچہ مارا تھا۔ جس سے ان کا کان پھٹ گیا تھا۔ بدر کے دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کا سر کاٹنے کیلئے اس پر مسلط کیا تھا۔ جب سر کاٹ چکے تو اس کے کان میں رسہ

پر دکر سر کو گھسیٹتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لایا گیا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اُذُنٌ بِاُذُنٍ وَالرَّأْسُ هٰهُنَا مَعَ الْاُذُنِ

(درس القرآن)

۲۰۔ كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۲۰﴾

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ: قرآن کریم کے سجداتِ تلاوت میں سے یہ آخری سجدہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں خدا تعالیٰ سے بہت ہی نزدیک تر ہوتا ہے۔ حدیث شریف کا اور آیت شریف کا مطلب گویا ایک ہی ہے۔ وضو نہ ہو تو تیمم ہی کافی ہے۔ گو بے وضو بھی جائز ہے مگر کم از کم تیمم کر لیا جاوے تو بہتر ہے۔ دعا کیلئے سجدہ ایک بے نظیر موقعہ ہے جس کو زبان عربی نہ آتی ہو وہ اپنی مادری زبان ہی میں تسبیح کے ساتھ اپنی مشکلات کیلئے دعا بھی کرے۔ سجدات کے وقت کی دعائیں خطا نہیں جاتیں۔ یہ وقت بہت ہی قربِ الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔ جس قدر سجدات کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اسی قدر قرب کے مدارج بھی زیادہ ہوں گے۔ جن کیلئے یہ نعمت مقدر ہی نہیں وہ اس ادنیٰ سی حرکت کی توفیق پانے سے محروم رہتے ہیں۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا تمام عبادتوں کا مغز ہے اور سجدہ تمام منازلِ قرب کا انتہائی مقام ہے۔ یہ دونوں باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔

اس کلامِ الٰہی میں پانچ پیشگوئیاں ہیں۔ اوّل رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربوبیتِ الٰہی نے جو تیری خاص پرورش فرمائی ہے اور اپنے اندازہ خاص سے قویٰ مرحمت کئے اور خاص کلام کیلئے تجھے منتخب کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے تیرا پیڑ لگایا ہے اور تیرے مبارک پھلوں کے انتظار میں بیٹھی ہے وہ تجھے ضرور کامیاب اور سرسبز کرے گی اور تیرے نونہال کو اعداء کے تبر اور مخالف جھونکوں سے محفوظ رکھے گی۔

دوسری پیشگوئی خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ یعنی اس مٹی کے کیڑے یا جونک کی طرف دھیان کرو کہ وہ کیسا حقیر اور ذلیل تھا جس کا ایسا خوبصورت اور باکمال انسان بنا۔ جب ہماری ربوبیت نے نظرِ عنایت سے ایک کیڑے کو اس صورت و شکل تک پہنچایا ہے اور ایک مقصد اور غایت کیلئے جو ربوبیت کا اصلی تقاضا ہے۔ یہ خلعت کمال مرحمت فرمایا ہے۔ تو کیا اب ہماری ربوبیت اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ ہم اپنی ربوبیت کا سایہ عاطفت اس پر رکھیں گے۔ جب تک وہ انسان اپنی خلقت کی علتِ غائی کو پہنچ نہ جائے۔ قرآن کریم میں تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ نبوت کی تربیت اور اس کے کمال مطلوب تک پہنچانا

خدا تعالیٰ کے اسم رب کا خاصہ ہے ۔ اور جہاں جہاں خدا تعالیٰ نے ضرورتِ نبوت کی قرآن کریم میں بحث چھیڑی ہے دلیل میں اپنے اسم ربّ کو مذکور فرمایا ہے ۔ اس لئے کہ جیسے اس ربوبیت نے انسان کے عالم اجسام کیلئے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی اشیاء کو مسخر کیا اور خدمت میں لگا دیا ہے ویسے ہی اس کی ربوبیت نے تقاضا کیا کہ ان کی روح کی تربیت کیلئے جو اصلی مقصود اور ابدی غیر فانی شئے ہے اس کی تربیت کے مناسب حال سامان مہیا کرے ۔ سو اس کیلئے اس نے نبوت کا سلسلہ اس جہان میں قائم کیا ۔ اور جہاں نبوت کے اعداء اور مخالفین کو مقابلہ سے ڈرانا چاہا اور ان کے بارے میں خوفناک وعید بیان کرنے چاہے ہیں وہاں نبوت کی حمایت و دفاع میں اسم اللّٰہ کو جو جامع جمیع صفاتِ کاملہ ہے پیش کیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ نبوت کا اصلی مقصد توحیدِ الوہیت کا قائم کرنا اور الٰہہ باطلہ اور ہر قسم کی طواغیت کا ابطال کر کے خدا تعالیٰ کیلئے معبودیت اور الوہیت کا یگانہ استحقاق اور لاشریک منصب مخصوص کرنا ہوتا ہے تو جب عداوت اور مخالفت اپنے ہتھیار پہن کر اس کا استیصال کرنے پر آمادہ ہوں ۔ تب غیرت اور جوش بھی اسی کو آنا چاہیئے جس کی خدمت کیلئے نبوت میدان میں نکلی ہے ۔ بہر حال اس علق اور الانسان کے لفظ میں بڑی بھاری پیشگوئی ہے ۔

تیسری پیشگوئی ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تبلیغ میں تیری سخت مخالفت ہوگی اور ایک عالم تجھے ذلیل و خوار کرنے پر آمادہ ہوگا ۔ اور حکمت الٰہیہ کے اقتضاء سے کچھ عرصہ تک بظاہر ایسا ہوگا تو مغلوب اور شکستہ نظر آئے گا ۔ اور کفر و شرک اپنی جیت پر ناز کریگا مگر آخر کار غلبہ اور فتح تیرے حصہ میں آئے گی ۔ اور تو اکرم اور عزیز ہوگا ۔ اس لئے تیرا رب جس نے تجھے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے پرورش کیا ہے ۔ وہ اکرم ہے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا مربوب بھی بطور ظل کے اکرم ہو ۔

چوتھی پیشگوئی اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔ اسکا مطلب یہ ہے ۔ کہ اس کتابِ عجیب میں جو تجھے دی جاتی ہے ۔ اور جو بظاہر انسانی قلم سے لکھی جاتی ہے ۔ وہ وہ علومِ عالیہ ہوں گے کہ کل بنی آدم کی معلومات اس کے مقابلہ سے عاجز آجائیں گے ۔ اَلْاِنْسَانَ سے مَالَمْ یَعْلَمْ ملا کر یہ ارشاد فرمایا ہے ۔ کہ فطرتاً اور اکتساباً انسان کی بساط میں اور اس کے قویٰ کی رسائی میں وہ علومِ عالیہ آ ہی نہیں سکتے ۔ جن پر قرآن مجید مشتمل ہے ۔ لہٰذا یہ علوم لاریب خداوند علیم خالق انسان کی طرف سے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ذہینوں کے ذہن ۔ عقیلوں کی عقلیں اور عالموں کے علم اور محرروں کی قلمیں ان سماوی علوم کے مقابلہ میں ٹوٹ جائیں گی ۔

پانچویں پیشگوئی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ فَلْیَدْعُ نَادِیَهُ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ کَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق ۱۶ تا ۲۰) دشمن کی عداوت کی پیش رفت نہ جائے گی۔ اور اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی جھوٹی خطاکار چوٹی کو پکڑ کر زور سے کھینچیں گے اور یوں ذلت سے گھسیٹ کر ہاویہ میں گرائیں گے۔ پھر وہ اپنی مجلس کو جن کے بل بوتے پر اسے ناز تھا بلائے اور اُن کی دُہائی دے ہم بھی سیاست کے پیادوں کو بلائیں گے۔ وہ ہرگز اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوگا۔ تو اپنے کام میں لگا رہ اور ان کے خلاف کی ذرہ بھی پرواہ نہ کر اور کبھی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملا۔ اس لئے کہ ان کے ہاتھ تیرا کوئی نفع اور ضرر نہیں اور ہماری فرماں برداری میں لگا رہ۔ اور جس قدر تو ہمارا فرماں بردار ہوگا ہماری جناب میں تیرا قرب اور درجہ اتنا ہی بڑھے گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ ,اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲- اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۲﴾

لَيْلَ - ظلمت اور قَدْر دال کے سکون کے ساتھ بمعنے مرتبہ - یہ دونوں صفتیں ایک جگہ اکٹھی کی گئی ہیں - لیلۃ القدر - ایک خاص رات رمضان شریف کے آخر دھاکا میں ہے - جس کا ذکر سورۃ الفجر میں وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ (فجر: ۵) میں بھی کیا گیا ہے - اور ایک جگہ فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ: ۱۸۶) اور دوسری جگہ بیان فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲) ان دونوں آیتوں کے ملانے سے بھی معلوم ہوا - کہ لیلۃ القدر رمضان شریف میں ہے - پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بھی زیادہ تشریح کر کے یہ پتہ دیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخیر دھاکا کی طاق راتوں میں ہوا کرتی ہے -

کسی سال اکیسویں شب کو - کسی سال ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ ویں شب کو - اس شب کے فضائل صحیح حدیثوں میں بے حد بیان فرمائے ہیں -

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کا مرجع جس طرح قرآن شریف سمجھا گیا ہے - اسی طرح اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک بھی مراد ہے - اسی لئے اَنْزَلْنٰهُ فرمایا - کہ قرآن اور منزل علیہ القرآن دونوں ہی مرجع ٹھہریں - ورنہ اَنْزَلْنٰهُ هٰذَا الْقُرْاٰنَ فرمانا کوئی بعید بات نہ تھی (لیل وہ ظلمت کا زمانہ ہے - جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت سے پہلے کا زمانہ تھا - جس کو عام طور پر ایام جاہلیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور قَدْر دال کی سکون کے ساتھ وہ قابلِ قدر زمانہ ہے - جس زمانہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شروع ہوئی اور اسکی مدت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سے ۲۳ سال کی مدت تھی - جس میں ابتداء الی آخر سارے قرآن شریف کا نزول ہوا - ایک طرف ظلمت کے ایام ختم ہوئے اور دوسری طرف قابلِ قدر زمانہ شروع ہوا - اس لئے یہ متضاد صفت لَيْل اور قَدْر یہاں آکر اکٹھے ہو گئے) شبِ قدر اور لیلۃ القدر دال کی حرکت کے ساتھ صحیح نہیں ہے - قرآن شریف

میں بھی شہر اور فجر کی طرح قدر کی دال متحرک نہیں ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو اسوقت انکی بعثت کی بڑی ضرورت تھی۔ لوگ نہ اسماء الہٰیہ کو جانتے تھے نہ صفات الہٰیہ کو۔ نہ افعال سے آگاہ تھے، نہ جزاء و سزا کے مسئلہ کو مانتے تھے۔ انسان کی بدبختی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مالک، اپنے خالق کے نہ اسماء کو جانتے، نہ صفات کو۔ غرض لوگ اسکی رضامندی سے آگاہ تھے، نہ اسکے غضب سے۔ ایسا ہی انسانی حقوق سے بے خبر سب سے بڑا مسئلہ جو انسان کو نیکیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ وہ جزا و سزا کا مسئلہ ہے۔ اگر شریف الطبع انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس کام کے کرنے سے میری ھتک ہوگی یا مجھے نقصان پہنچے گا تو وہ کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ بلکہ ہر فعل میں نگرانی کرتا ہے۔ مختلف طبائع کے لوگ اپنے مالک کے اسماء۔ صفات کے علم اور جزاء و سزا کے مسئلہ پر یقین کرنے سے نیکیوں کی طرف توجہ کرتے اور بدافعالیوں سے رکتے ہیں چنانچہ ملک عرب میں شراب کثرت سے پی جاتی اور اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ صحیح بات ہے۔ پھر فرمایا اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ۔ سوم۔ ملک میں کوئی قانون نہیں تھا۔ ایسا اندھیر پڑا ہوا تھا۔ جن سعادتمندوں نے نبی کریمؐ کے ارشاد پر عمل کیا۔ وہ پہلے بے خانماں تھے۔ پھر بادشاہ ہو گئے۔ خشن پوش تھے حریر پوش بن گئے۔ نہ مفتوح تھے نہ فاتح۔ مگر اس اطاعت کی بدولت دنیا میں فاتح قوموں کے امام خلفاء راشدین اور اعلیٰ مرتبت سلاطین کہلائے۔

یہ سب اس کتاب کی برکت تھی جسے اللہ نے ایسی اندھیری رات میں جسے لَیْلَۃُ الْقَدْرِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اپنے بندے پر نازل کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی حالات میں ہم میں ایک مجدد کو بھیجا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرک کا زور تھا۔ سو اس کی تدبیر میں آپؐ نے پوری کوشش کی۔ قرآن مجید کا کوئی رکوع شرک کی تردید سے خالی نہیں۔ اِس زمانہ کے لوگوں میں یہ مرض عام ہے کہ دنیا پرستی غالب ہے۔ دین کی پرواہ نہیں۔ اس لئے آپؑ نے بیعت میں یہ عہد لینا شروع کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ کیونکہ دنیا پرستی کا یہ حال ہے جیسے کہ چوہڑے کا چھرا حلال و حرام جانور دونوں پر یکساں چلتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کی فکر اور عقل حرام حلال کمائی کے حصول پر ہر وقت لگی رہتی ہے۔ فریب سے ملے۔ دغا سے ملے۔ چوری سے ملے۔ سینہ زوری سے ملے۔ کسی طرح روپیہ ملے سہی۔ ملازم لیکد وسرے سے تنخواہ کا سوال نہیں کرتے۔ بلکہ پوچھتے ہیں بالائی آمدنی کیا ہے۔ گویا اصل تنخواہ آمد میں داخل نہیں۔ مسلمانوں پر ایک تو وہ وقت تھا۔ کہ اپنی ولادت۔ موت تک کی تاریخیں یاد اور لکھنے کا رواج تھا اب یہ حال ہے کہ لین دین شراکت تجارت ہے مگر تحریر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تحریر ہے۔ تو ایسی بے ہنگم

جس کا کوئی سر پیر نہیں ۔ نہ اختلاف کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ نہ اصل بات سمجھ میں آسکتی ہے ۔ ہمارے بھائیوں (احمدیوں) کو چاہیئے کہ وہ امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ۔ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا ۔ پس وہ دنیا میں ایسے منہمک نہ ہوں کہ خدا کو بھول جائیں ۔ پھر فرمایا کہ جھوٹے قصے اپنے وعظوں میں ہرگز روایت نہ کرو ۔ نہ سنو ۔ مخلوق الہٰی کو قرآن مجید سناؤ ۔ ہدایت کیلئے کافی ہے ۔

سلیمان کی انگشتری اور بھٹیاری کا بھٹ جھونکنے کا قصہ بالکل لغو اور جھوٹ ہے ۔ اگر ایک پتھر میں جو جمادات سے ہے اتنا کمال ہے تو کیا ایک برگزیدہ انسان میں جو اشرف المخلوقات ہے ۔ یہ کمال نہیں ہو سکتا ۔ انبیاء ذات میں کمال ہوتے ہیں ۔ اِسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام : ۱۲۵)

پس تم خوب یاد رکھو کہ انبیاء دنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوتے ۔ جیسا کہ سلیمانؑ کی نسبت شیاطین نے دنیا میں مشہور کیا ۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کی شکل بن سکتا ۔ تو امان ہی اُٹھ جائے ۔ مثلاً ایک نبی وعظ کرنے لگے ۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ یہ نبی ہے ۔ یا نعوذ باللہ کوئی بُرا آدمی ہے ۔ خدا نے ایسی باتوں کا ردّ فرمایا ہے ۔ کہ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (بقرہ : ۱۰۳) تم ایسی باتوں سے توبہ کر لو ۔ اگر کوئی ایسا وعظ سنائے تو صاف کہہ دو کہ انبیاء کی ذاتِ جامع کمالات ایسے افتراؤں سے پاک ہے ۔ (بدر ۲۷ جولائی ۱۹۱۱ء صـ۲)

۴ ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۥ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۴

لیلۃ القدر کے اگر صرف اسی قدر معنے ہوتے کہ رمضان شریف کے آخری دھاکہ میں طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے ، و بس ۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں ۔ تو اس صورت میں بارہ [۱۲] مہینے ہی بجائے ہزار مہینے کے کافی تھے ۔ کیونکہ دوسرے رمضان شریف میں تو لیلۃ القدر پھر دوبارہ بالیقین موجود ہے ۔ پھر اس سے آگے اور آئندہ رمضان شریف فَهَلُمَّ جَرًّا ۔

ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ کسی سال تو رمضان شریف میں لیلۃ القدر ہوتی ہے اور کسی سال نہیں ہوتی بلکہ بالیقین رمضان شریف میں ہر سال کسی نہ کسی طاق رات میں لیلۃ القدر ضرور ہوتی ہے ۔ خواہ ستائیسویں کو ہو یا اکیسویں کو مگر پہلی آیت میں اس قرآن شریف کے جیسا کہ بیان ہوا ہے ۔ اَنْزَلْنٰهُ کا مرجع منزل علیہ القرآن بھی ہے اور ایک اَور مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف دونوں کو ایک ساتھ نازل شدہ فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ (الطلاق : ۱۱،۱۲) اس جگہ ذِکْرًا کا بدل رَسُوْلًا واقع ہوا ہے۔ یعنی ذکر بھی نازل ہوا اور رسول بھی نازل ہوا۔ قرآن شریف رَسُوْلٌ یَّتْلُوْا نہیں ہے۔ رَسُوْلًا ہے۔ غرض پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور آپؐ کی بعثت کے انوار پوری آب وتاب کے ساتھ قرونِ ثلاثہ مشہود لھا بالخیر تک تھے۔ ہزار مہینے گزرنے تک دنیا نے ظلماتی حالت پھر اختیار کرلی اور پھر وعدۂ الٰہی لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ کا پورا ہوا فَھَدَمَ جِدًّا۔ اسی طرح سے ہزار مہینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اس قرآنی وعدہ کے موجب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تجدید کیلئے ہر صدی پر جو قریباً ہزار مہینے کے بعد آتی ہے مجددین کو نازل فرماتا رہا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ حدیثِ نبویؐ اور آیت قرآنی دونوں متفق ہوگئے۔ قرآن شریف میں پیغمبروں کی نسبت جبکہ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (المومن : ۷۹) تو مجددین کی تفتیش کہ کون کون تھے۔ یہ عبث ہے۔ لوگ جن جن کو مجدد قرار دیں گے ہم ان کو مان لیں گے مگر دیکھنا تو یہ ضروری ہے کہ ہماری اس صدی چہاردہم میں یہ وعدہ قرآن شریف کا اور حدیث شریف کا وقوع میں آیا بھی یا نہیں۔ اگر اور صدیوں میں وقوع میں آتا رہا اور اس صدی میں وقوع میں نہیں آیا تو ہمارے جیسا بدبخت اور کوئی نہیں کہ ظلمت میں چھوڑ دیا گیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ راگست ۱۹۱۲ء)

۵۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ۚ

مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ۝۵

مِنْ کُلِّ اَمْرٍ کے معنے بِکُلِّ اَمْرٍ ہیں۔ ہر کام کی سلامتی سے یہ مراد ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی سے زمانہ نے اپنی دینی و دنیوی دونوں قسم کی ترقیات کا رنگ پکڑ لیا۔ سائنس کی نت نئی تحقیقات اور انکی ایجادیں دنیوی اعتبار سے مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کی طرف مصداق ہو رہی ہیں۔ تو دینِ اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی دوسرے پہلو پر مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کو دکھلا رہی ہے۔ ہر کارے و ہر مردے۔

رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں جو نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ وہ بھی بجائے خود مسلّم و متیقن ہے اور صدی کے رأس پر جو نزول ملائکہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی تاثیرات اور شواہد کی رُو سے مشہود و مرئی ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ راگست ۱۹۱۲ء)

۶ - سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۶﴾

زبانِ خلق نقارۂ خدا۔ یہ جملہ ایک حد تک بہت صحیح ہے۔ عام طور پر ہمارے اس موجودہ زمانہ کو روشنی کا زمانہ، روشنی کا زمانہ کہا جارہا ہے۔ مگر غور سے اسے دیکھا جاوے تو یہ روشنی کا زمانہ بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے ہی شروع ہوگیا ہے اور اب تو ضحیٰ کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ دابۃ الارض ضحیٰ کے وقت نکلے گا یَخْرُجُ الدَّابَّةُ عَلَى النَّاسِ ضُحًا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ضحیٰ کے وقت کیا نکلے گا۔ روشنی کے زمانہ میں نکلے گا۔ اب اگر کہو کہ دابّۃُ الارض نہیں نکلا تو کہنا پڑیگا۔ کہ روشنی کا زمانہ اس زمانہ کو کہنا بھی غلط ہے۔ مگر نہیں زمانہ ضرور روشنی کا ہے۔ اور دابۃ الارض نے بھی زمینی علوم اور سائنس کی ایجادوں میں بڑی ترقی کی ہے اور مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ کے وعدہ کے بموجب دنیوی ترقیات کے ایک حصّہ کو پورا کیا ہے۔ باقی رہا دوسرا حصّہ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ اور هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کا جو دینی ترقیات کا دوسرا پہلو ہے۔ وہ اس شخص کی ذاتِ بابرکات سے وابستہ ہے۔ جس نے دنیا میں آکر بڑے زور سے چلّا کر کہا ؎

مژدہ اے دل کہ مسیحا دمِ است و مہدیٔ وقت ⁂ بشانِ اُو، دِگرے کے زا تقیا باشد
چو غنچہ بود جہانے خموش و سر بستہ ⁂ من آمدم بقدومی کہ از صبا باشد

(تریاق القلوب صـ۳)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲؍ اگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲ تا ۴ ۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۲
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۳ فِيْهَا كُتُبٌ
قَيِّمَةٌ ۝۴

لَمْ يَكُنْ ... مُنْفَكِّيْنَ کے معنے یہ ہیں کہ اہلِ کتاب کے تمامی فرقے اور مشرکین کے تمامی فرقے شرک اور بُت پرستی کے اغلال سے کبھی جدا ہونیوالے نہ تھے۔ اگر بیّنہ نہ آتی۔ آگے بیّنہ کے معنی خود ہی بیان فرمادئے۔ آیت شریفہ میں پتہ دیا گیا ہے۔ اس بات کا کہ رسول کے آنے کا زمانہ کب ہوتا ہے۔ پہلے پارہ کے چودہویں رکوع میں بھی رسول کے آنے کے زمانہ کی خبر دی ہے۔ جہاں فرمایا ہے

قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (البقرہ ۱۱۴)

اور مزہ یہ ہے کہ دونوں ہی فرقے آسمانی کتاب سے استدلال لے رہے ہیں۔ دونوں فرقوں کے پاس آسمانی کتاب ہو اور پھر وہ باہم استدلال میں ایک دوسرے کی مخالفت میں تل جائیں۔ تو بالطبع ضروری اور لازمی ہوگا کہ کوئی تیسرا حکم اور عدل آوے اور خدائی فیصلہ ان کو خدا کی طرف سے سنادے۔ یہی حال ہمارے وقت میں اندرونِ اسلام قرآن کریم ہی سے تمسّک کرنے والے مسلمانوں کا ہو گیا تھا۔ اہلِ حدیث غیر اہلِ حدیث کے اور ائمہ سلف کے متبعین باہم ایکدوسرے باوجود ایک ہی آسمانی کتاب کے متمسک ہونے کے سخت مخالف ہوگئے تھے۔ وقت بتلا رہا تھا کہ اب کوئی آسمانی حکم اور عدل آوے۔ سو خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے بمقتضائے وقت حکم وعدل آیا۔ چاہیئے تو تھا

کہ فیصلہ ہوجاتا مگر نظیر موجود ہے۔ کہ

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ

(البینۃ : ۵)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ر اگست ۱۹۱۲ء)

اہلِ کتاب اور مشرکوں کا کافر گروہ اپنی شرارت و کفر سے کبھی نہیں ٹلتے۔ اگر اللہ کا ایسا رسول جو ایک کھلی دلیل ہے۔ اور یہ پاک صحیفہ جس میں تمام مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ نہ پڑھ سناتا۔

(تصدیق براہین احمدیہ صـ۳۰۶)

گزشتہ ایام میں چونکہ رستے صاف نہ تھے۔ تعلقات باہمی مضبوط نہ تھے۔ اس لئے ایک ایک قوم میں نبی اور رسول آتے رہے۔ جب مشرق اور مغرب اکٹھا ہونے لگا۔ خدا کے علم میں وہ وقت خلط ملط کا آگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ انبیاء علیہم السلام اور جس قدر رسول آئے۔ فرداً فرداً قوموں کی اصلاح کیلئے۔ ان کا جامع اور راستبازوں کی تمام پاک تعلیموں کا مجموعہ قرآن کریم ہے۔ جو جامع اور مھیمن کتاب ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ فرمایا۔

(الحکم ۳ر مارچ ۱۸۹۹ء صـ۴)

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ کل دنیا کی صداقتیں اور مضبوط کتابیں سب کی سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

(الحکم ۱۲ر مئی ۱۸۹۹ء)

کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور ساری صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

(الحکم ۱۷ر مارچ ۱۹۰۲ء صـ۱۱)

قرآن کریم تمام انبیاء کی پاک کتابوں اور کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ قرآن کریم سب کتابوں کا محافظ ہے اس میں دلائل کو اور زیادہ کر دیا ہے۔

(بدر ۲۷ر فروری ۱۹۱۳ء صـ۴)

ساری مضبوط تعلیمات اور ہدایات کی جامع کتاب حضرتِ قرآن ہے جس نے تمام اگلی صداقتوں کو بھی بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ رنگ میں فرمایا ہے۔ (الفضل ۳۰ر جولائی ۱۹۱۳ء صـ۱۵)

قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ جو کتاب دنیا میں آئی اور جو اس میں نصیحتیں ہیں۔ ان تمام کا جامع قرآن ہے۔ باوجود اس جامع ہونے کے ایک ایسی زبان میں ہے جو ہر ایک ملک میں بولی جاتی ہے۔ (الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۳ء صـ۱۵)

۵ - وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۵

حکم وعدل کی بات کو بھی لوگ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرہ ۲۱۴) کی وجہ سے نہیں مان لیا کرتے۔ آیت شریفہ میں ۲ دو اگلی نظیریں موجود ہیں۔ اہلِ کتاب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر بھی بیّنہ آنے پر تفرقہ کیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے تفرقہ کو تو نظیر ہی اگلے تفرقہ کی بتلایا ہے۔ اِذا تَثَنّٰی فَتَثَلَّثْ۔ جو ۲ دو نظیریں موجود ہوں تو تیسری نظیر کیوں نہ قائم ہو؟ یہ اختلاف نبی کی صداقت کی دلیل ہے۔ نبی مسلّمات کو ماننے کیلئے نہیں آیا کرتے۔ بلکہ کچھ اپنی منواتے کیلئے آتے ہیں۔ قرآن شریف میں ۱۱۴ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء)

۶ - وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۶

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ۔ حنیف کے معنے خود ہی اس جگہ مخلص موجود ہیں۔ دوسری جگہ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام: ۸۰) فرمایا ہے۔ یہاں بھی عدم شرک جو اخلاص کے مترادف ہے۔ حنیف کی صفت بیان ہوئی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء)

خدا کی عبادت ایسے طور سے کی جاوے۔ کہ کوئی چیز خدا کے سوا دل میں، زبان میں، حرکات میں سکنات میں معبود نہ رہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ يہودی اور عیسائی اس اسلامی اصل کا بظاہر اقرار کرتے ہیں اور حسب کتبِ مقدسہ خود اسلام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں بھی شروع کا بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ کہ "خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان۔ اپنی ساری سمجھ سے پیار کر" (متی باب ۲۲ آیت ۳۷۔ استثناء باب ۶ آیت ۵)

فائدہ۔ خلوص کا لفظ۔ اور لَا تُشْرِكْ کا لفظ اس سارے، سارے، ساری کہنے سے اعلیٰ

درجے پر ہے۔

انصاف کرو۔ عیسائیوں کے صرف لسانی اور کتابی اقرار کی کیا قدر کی جاوے۔ جب وہ اس کے ساتھ مسیحؑ ابن مریم جیسے خاکسار بندے کے سر پہ الوہیت کا تاج دھر الیقین کرتے ہیں۔ اگر وہ کہیں، مسیحؑ کوئی علیحدہ اللہ نہیں، بلکہ اسی خالقِ زمین و آسمان، جامع صفاتِ کاملہ، تمام نقائص سے منزّہ نے جس جسم کو قبول فرمایا تو مسیح ابن اللہ کہلایا۔ ذاتاً وہ ایک ہی ہے۔ تو یہ بڑی سخت غلط فہمی اور غلطی ہوگی۔ کیوں؟

عیسائی خدا کو بے حد اور بے انت مانتے ہیں اور اسے ہر جگہ موجود یقین کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ بے حد ہر جگہ ہے تو وہ صرف محدود رحم مریم میں کیونکر سمایا۔ جب وہ محیط کُل ہے تو جسمانی حدود نے اس کا کیسے احاطہ کیا۔ اگر ابنِ مریم باعتبار مظہر الوہیت ہونے کے ابن اللہ اور اِلٰہِ مجسّم ہے تو پھر کیوں تمام مخلوق مظہر نہیں ہو سکتی؟

اور کیوں ابن اللہ اور اِلٰہِ مجسّم مانی نہیں جاتی۔ مسیح کھاتا پیتا لڑکپن سے تیس بتیس برس کی عمر تک پہنچا۔ جو کھانے پینے کا محتاج ہوا۔ وہ تمام مخلوق کا محتاج ہوا۔ پانی، ہوا، چاند، سورج، مٹی نباتات، جمادات سب کی ضرورت اُسے لاحق ہوئی۔ جب محتاج بنا تو خدا صفاتِ کاملہ کا متصف نہ رہا۔ پھر عیسائی کہتے ہیں۔ یہود کے ہاتھ سے پٹا اور ان کے ٹھٹھوں میں اڑایا گیا۔ آخر ایلی ایلی پکارتے جان دی۔

یہ عذاب اور پھر جامع صفاتِ کاملہ اور الوہیت کا مستحق۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صـ۲۷-۲۸)

اور نہیں حکم کئے گئے وہ لوگ مگر اس بات کا کہ عبادت و پرستش کریں اللہ کی صرف اس لئے کہ خالص کرنیوالے ہوں اپنے دین کو۔ (نورالدین طبع ثالث صـ۱۴۱)

۷-۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

بَرِیَّۃ اور برایا دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی مخلوق بَرَاءَ خَلَقَ باری خالق کے خداوند تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء)

۹- جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

جو وعدے صحابہؓ کو دئے گئے تھے ۔ وہ صرف آخرت ہی کے نہیں تھے ۔ بلکہ دنیا اور آخرت دونوں ہی کے تھے ۔ دنیا کی انہار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے جیحوں ۔سیحوں ۔ دجلہ اور فرات تھے اَبَدًا کی شہادت اس وقت تک کے قبضہ سے موجود ہے ۔ آیت ۸ میں اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ کی کمزوری جس قدر ہوگی ۔ اسی قدر ان انہار و جنات وغیرہ کے قبضہ میں بھی کمزوری واقع ہوگی ۔ اہلِ شیعہ پر بھی یہ آیت شریف حُجّت ہے ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوتے تو یہ انہار و جنات ان کو کس طرح ملتے ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ آگے فرمایا کہ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۔ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم غاصب نہیں تھے ۔ خشیۃ اللہ ان میں سب سے بڑھ کر تھی ۔

اس سورۃ کی ابتداء میں تو بتایا کہ مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور اہلِ کتاب میں جو انقلاب مقدر تھا ۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پر موقوف تھا ۔ چنانچہ یہ بات کسی مزید توضیح کی محتاج نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور آپؐ سے پہلے ساری قومیں تمام فرقے اور اہل مذاہب اپنے مرکزِ توحید سے دور جا پڑے تھے اور ہر قسم کی بداعتقادیوں بداخلاقیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے ۔ اس لئے قرآن کریم نے فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم : ۴۲)

علاوہ بُت پرست مشرکوں کے ، اہلِ کتاب بھی مختلف قسم کے شرکوں اور عملی نجاستوں میں گرفتار تھے ۔ اور اس طرح پر روحانی نکتۂ خیال سے دنیا مر چکی تھی اور یہ بگڑی ہوئی قومیں اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی تھیں ۔ جب تک اَلْبَیِّنَۃ نہ آوے ۔ چنانچہ وہ موعود البَیِّنَۃ (نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے اور آپؐ نے دنیا کو اس گند اور ناپاکی سے پاک کیا ۔ جس میں وہ مبتلا تھی ۔ البَیِّنَۃ کے معنی

خود قرآن کریم نے کر دیئے ہیں۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً یعنی وہ اللہ کا موعود رسول جو ان پر پاک صحیفے پڑھتا ہے۔ کتب مقدسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس میں یہی لکھا تھا کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی۔ اس میں بھی یہی کہا گیا تھا کہ ایسا رسول مبعوث فرما۔ جو تیری آیتیں ان پر تلاوت کرے یہی وجہ ہے۔ کہ قرآنِ مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں بار بار آیا ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (جمعہ: ۳) غرض وہ کامل اور خاتم رسول آگیا۔ اور وہ پاک صحیفے ان پر تلاوت کرنے لگا۔ مگر باوجود اس کے زمانہ کی حالت طبعی اور قوموں کی عملی اور اعتقادی سخت تقاضا کر رہی تھی کہ ایک زبردست رسول آئے اور خود اہلِ کتاب بھی تورات اور صحائف انبیاء اور عہدِ جدید کی پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ مثیلِ موسیٰ اور مبشرِ عیسیٰ (فارقلیط) آنے والا ہے۔ مگر جب وہ آگیا تو بغض و حسد سے انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ضرورتِ نبوت کے وہ قائل اور مثیلِ موسیٰ اور مبشرِ عیسیٰ کے وہ منتظر اور پھر آنیوالے نے کوئی نئی تعلیم نیا مذہب پیش نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاک صحیفے ان پر تلاوت کرتا ہے۔ اور تمام دنیا کی صداقتیں اس کی کتاب میں موجود ہیں۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے کہ تمام دنیا کی الہامی کتب کی جمیع محکم اور مستقل صداقتیں اس میں موجود ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ پر شامل اور جامع اور مہیمن کتاب ہے اور ہر قسم کی تحریف و تبدیل، ترمیم و تنسیخ سے پاک اور خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الکتاب ہے۔ بہرحال اس نبی نے کوئی نئی تعلیم پیش نہیں کی اور کہا کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۱۰) اور وہی تعلیم دی جو سب نبی دیتے آئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اخلاص کے ساتھ اپنی عملی اور اعتقادی حالت کی اصلاح کرو۔ شرک چھوڑ دو۔ نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ کیونکہ یہی دینِ قیم ہے اس طرح پر ان پر اتمام حجت کیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ راگست ۱۹۱۲ء)

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱

۲تا۴۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۲ وَاَخْرَجَتِ
الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۳ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۴

زمینی تزلزل اور اِخراجِ اثقال کے معنے دو طرح پر ہیں۔ ایک تو قیامت کو زمین کا سخت بھونچال ہونا اور تمامی مدفونوں کا باہر نکلنا اور دوسرے معنے یہ کہ اَلْاَرْضُ سے مراد اہلِ ارض ہیں۔ جیسا کہ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ (العلق: ۱۸) میں نادی سے اہلِ نادی مراد ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء)

زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا سے مراد ہے کہ خوب زور شور کی جنبش اہلِ ارض میں پیدا ہو گی۔ دراصل اس سورۃ شریفہ کے الفاظ سورۃ القدر کے بیان کے مفسّر ہیں۔ سورۃ القدر میں فرمایا تھا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (آیت: ۵) یعنی قابلِ قدر زمانہ میں فرشتوں کا نزول کثرت سے ہوگا۔ اور الرُّوْحُ جو فرشتوں کے سردار ہیں ان کا بھی نزول ہوگا۔ اس جگہ آیت ۳ میں اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ فرشتوں ہی کی تحریکات سے اہلِ ارض زمین سے ہر قسم کے اثقال باہر نکال دیں گے۔

یہ اثقال معدنیات کی قسم سے بھی ہیں اور علوم و فنون کے قسم سے بھی ہیں۔ جس قدر معدنیات اس وقت میں نکلے اور نکل رہے ہیں۔ اس کی نظیر اگلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اور جس قدر علوم و فنون اہلِ ارض کے ہاتھوں سے ملائکۃ اللہ کی تحریکات سے اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس کی بھی نظیر سابقہ زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ چوتھی آیت میں جو قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ہے۔ اس سے زیادہ ترجمان اسی

بات کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات قبل از قیام ساعت دنیا ہی میں ہونیوالے ہیں۔ کیونکہ انسان کا استعجاب سے مَالَهَا کہنا۔ دنیوی روز افزوں ترقیات وعجائبات کے ظہور کی وجہ سے ہوگا۔ آخرت میں بعث بعد الموت کے وقت تو تمامی امور سب پر حق الیقین کے طور پر کھل جاویں گے۔ اس وقت انسان تعجب کا کلمہ نہیں کہے گا بلکہ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (الفجر: ۲۵) کہے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۵، ۶۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝

اہلِ ارض جس قدر اپنے اخبار اس وقت شائع کر رہے ہیں۔ وہ ظاہر ہے۔ جس قدر باریک در باریک علوم وفنون اہل ارض اس وقت ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ ملائکۃ اللہ ہی کی تحریک کے نتائج ہیں یہ ایسی وحی ہے جیسے کہ شہد کی مکھی (نحل) کی وحی۔ وحی کے معنے حرفِ لطیف، رموز و اشارات و کنایات کے ہیں۔ وحی کے تین مراتب سورۃ الشوریٰ میں مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (الشوریٰ: ۵۲) میں بیان ہوئے ہیں۔ جہاں صرف لغوی معنے وحی کے مراد ہیں۔ اور دوسری اور تیسری قسم وحی کی بھی لی جاوے تو بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نزول ملائکہ کے ساتھ الرُّوْح کے بھی نزول کا ذکر ہے جو ملائکہ کے سردار ہیں۔ اور سردار سرداروں سے ملا کرتے ہیں مشہور قول ہے۔ کہ جیسی روح ویسے فرشتے" (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

اس آیت پر اعتراض کرتے ہوئے ایک آریہ نے اعتراض کیا کہ:

"زمین باتیں کرے گی سورج چاند کیوں نہ کریں گے ستارے کیوں خاموش ہیں"

الجواب: اوّل تو سورج اور چاند کی خاموشی کا ذکر نہیں جو آپ کو اس پر تعجب ہوا۔ دوم ستارے بھی تمہارے دیانند کے اعتقاد میں زمین ہی ہیں۔ پس انکی خاموشی بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ وہ بھی زمین ہیں یا زمین کی طرح ہیں۔ پس جیسے یہ باتیں کرے گی۔ وہ بھی باتیں کریں گے۔

سوم یہ تاتستھ اوپادہی ہے۔ اگر تم کو اس کی سمجھ نہیں تو پڑھو۔ ستیارتھ پرکاش صد ۲۵۴ اہم برہم اسمی کے ارتھ میں لکھا ہے۔ اس موقعہ پہ تاتستھ اوپادہی (استعارہ ظرف و مظروف) کا استعمال ہے۔ جیسے:

(منجاکری شرنتا) منج پکارتے ہیں۔ چونکہ منج جڑ ہیں۔ ان میں پکارنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے منج کے جاگزیں آدمی پکارتے ہیں۔ پس اسی طرح اس موقع پر بھی سمجھنا چاہیئے۔

چہارم تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (الزلزال: ۵،۶) بیان کرے گی زمین اپنی خبریں اس لئے کہ تیرے رب نے اسے وحی کے ذریعہ حکم کیا ہے۔

پس ہمہ سارتھ (القادر) سرب شکتیمان (الغنی القادر) جو دوسرے کا محتاج نہیں۔ اگر وہ زمین کو فرمادے کہ تو بیان کر تو کیا وجہ ہے کہ پھر بیان نہ کرسکے؟ تم بھی تو قویٰ خداداد سے ہی بولتے ہو۔ زمین بھی قویٰ خداداد سے بول سکتی یا بیان کرسکتی ہے۔

"تحدث میں یہ ضرور نہیں کہ ہماری تمہاری طرح پنجابی یا اردو بولے۔ ہر ایک کا بولنا اس کے مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ پھر الفاظ کی ضرورت بھی نہیں۔ ایک لسان الحال اور ایک لسان الافعال بھی ہوتی ہے۔ اب تم خود سمجھ لو۔ کہ زمین کی لسان کس نوع کی ہے۔ جس سے وہ بولے گی۔ اور ظرف و مظروف کے استعارہ پر کیوں تم خود سمجھ نہیں سکتے۔ (نورالدین طبع ثالث ص۱۱۷)

وحی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

كُلُّ مَا اَلْقَيْتَهُ اِلٰى غَيْرِكَ فَهُوَ وَحْيٌ جو بات کسی کو پہنچائی جاوے وہ وحی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ عام ہے۔ حتی کہ زمین کی نسبت بھی فرمایا ہے۔ کہ اُسے وحی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔ اس لئے کہ تیرے رب نے اُسے وحی کی۔ (نورالدین طبع سوم ص۱۶۱)

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۷

صُدُور ضد ہے وُرُود کا۔ ماحصل آیت کا بلفظ دیگر یہ ہے کہ كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ ہر برتن سے وہی چیز ٹپکے گی جو اس ظرف میں ہوگی۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ملائکۃ اللہ کے ذریعہ سے وحی تو ہوئی مگر "ہر چہ گیرد علتے علت شود" کے قاعدہ کے بموجب دابۃ الارض یعنی زمینی کیڑے سفلی علوم کی ترقی کی طرف جھک پڑے اور خداوند تعالیٰ کے پاک روحوں کو پاک روح کے نزول سے ایسے حقائق معارف کھلے۔ کہ جو دین اور دارِ آخرت کیلئے مفید ہے۔ صدور جس کے معنے لوٹنے کے ہیں۔ اس سے مراد ملائکۃ اللہ کے اثر سے متاثر ہوکر مخفی استعدادوں کو ممکن قوت سے حیز فعل میں لانے کے ہیں۔ یہی لوگوں کا صدور اور ان کا لوٹنا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۸،۹۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں آیتوں کو جَامِعَةٌ فَاذَّةٌ فرمایا ہے۔ ہر نیکی بدی کے تولنے کیلئے یہ کانٹے کی میزان ہے۔ مثقال ترازو کے بٹے کے وزن کا نام ہے اور ذرّہ بہت کم مقدار چیز ہے۔ جزا و سزا بھی انسان کو ہر وقت ملتی رہتی ہے۔ اگر غور کرتا رہے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ لازمی عمل کی یہ جزا ملی اور فلاں کی یہ۔ نامۂ اعمال کے جزا و سزا کا حال بھی آنکھ کے بند ہونے پر معلوم ہو جائے گا۔ ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ۔ کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء)

موت کی کوئی خبر نہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہر وقت مسلمان بنے رہو۔ یہ مت سمجھو کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کی کیا ضرورت ہے اور وہ کیا کام آئے گا۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کے فعل کو ضائع نہیں کرتا۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مَیں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات کیا کرتا تھا۔ کیا اس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہوگا۔ فرمایا۔ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ تیری وہی نیکی تو تیرے اس اسلام کا موجب ہوئی۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور اس کی سچی فرماں برداری کے نمونے سے ثابت کرو۔ ٹھیک یاد رکھو۔ کہ ہر نیک بیج کے پھل نیک ہوتے ہیں۔ بُرے بیج کا درخت بُرا پھل دے گا۔ ؎

گندم از گندم بروید جَو ز جَو ۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو

(الحکم ۱۷؍مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اس سورۃ شریفہ کا مضمون شریف الطبع گھوڑے کی وفاداری اور اس کے بالمقابل انسان کی بیوفائی اور اس پژمُردہ دلوں سے پروردگار کی طرف سے مناقشہ ہے۔ ترتیبِ آیات میں وفاداری کی تدریجی ترقیات کو دکھایا ہے۔

۲- وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۲﴾

عادیہ کی جمع عادیات ہے۔ عادیہ عدو سے مشتق ہے۔ عدو کے معنے دوڑنے کے ہیں۔ جمع میں و۔ ی سے بدل گئی۔

ضَبْحٌ۔ گھوڑے کی اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو دوڑنے کے وقت اس کے حلق و سینہ سے نکلتی ہے۔ یہ وفاداری کا پہلا قدم ہے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۳- فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۳﴾

اَیْرا کے معنے آگ نکلنے کے ہیں۔ بیچارہ بے زبان محبت کی آگ کس ذریعہ سے نکالے۔ پتھریلی زمین میں ٹھوکریں کھا کر نعل در آتش ہو کر آگ جھاڑتا ہے۔ اور اپنے سوار کو وفاداری دکھلاتا ہے یہ وفاداری کا دوسرا قدم ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۴- فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۴﴾

مالک کے دشمن پر رات بھر کی دوڑ کا تھکا ہوا صبح کے وقت جا پڑتا ہے۔ یہ وفاداری کا تیسرا قدم ہے۔ غَارَ چھاپہ مارنے کو کہتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۵- فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۵﴾

نَقْعَ کے معنی گردو غبار کے ہیں اور اَثَرْ ان کا اڑانا ہے۔ یہ وفاداری کا چوتھا قدم ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر یاد آگیا۔

اگرچہ در درِ جاناں چو خاک گردیدم
دِلم تپد کہ فدایش غبارِ خود بکنم

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۶۔ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

عادیات، مُوریات وغیرہ ہر فعل کو جمع کے صیغہ سے بیان فرما کر آخر بھی جَمْعًا فرمایا۔ اس تاکید میں یہ اشارہ ہے کہ جس جماعت کا شیرازہ کمزور ہے۔ وہ جماعت فاتح نہیں ہوسکتی۔ پانچواں قدم وفاداری کا یہ بیان ہوا ہے کہ میدانِ جنگ کے وسط میں تلواروں اور نیزوں کی زد کے نیچے یہ گھوڑے اپنے مالک کو پشت پر سوار لئے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر آگے وفاداری و جاں بازی کی جو کچھ حرکات اس شریف الطبع بے زبان جانور سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کو ان کے سوار ہی جانتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۷۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾

یہ ساتویں آیت جوابِ قسم ہے۔ کَنُوْد کَنَدَ سے ماخوذ ہے۔ اور کَنَدَ کے معنے قطع کرنے کے ہیں۔ رسی کاٹ دینے کو کَنَدَ الْحَبْلَ کہتے ہیں۔ گھوڑا گھاس۔ توڑی۔ بھوسہ کھاتا ہے۔ اور وفاداری میں بڑا جانباز ہے۔ انسان ہزاروں قسم کی لذیذ سے لذیذ نعمتیں اپنے رب کی دی ہوئی کھاتا ہے اور وفاداری کے وقت اس رشتۂ ربوبیت کو کاٹ دیتا ہے۔ بے وفا ناز پروردہ انسان جو بھینسے کی طرح پھولا ہوا ہوتا ہے۔ اسکی مثال اس شعر میں خوب بیان کی گئی ہے۔ ؏

اسپِ لاغر میاں بکار آید ٭ روزِ میداں نہ گاوِ پرواری

گھوڑا میدان کے دن بڑا چست ہوتا ہے مگر بے وفا انسان کُنَد ہوتا ہے۔ کنود میں اسی بات کو بیان فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۹۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۹﴾

شَدِیْد کے معنے بخیل اور مُمْسِک کے بھی ہیں۔ فَلَانٌ شَدِیْدٌ وَ تَشَدَّدَ۔ خَیْر بمعنی مال۔ جیساکہ فرمایا اِنْ تَرَكَ خَیْرَا الْوَصِیَّةُ (بقرہ: ۱۸۱) حُبّ کے لُغت کے معنے پُر ہونے اور بھر جانے کے ہیں۔ معنے آیت یہ ہیں۔ کہ دل کے ہر گوشہ میں مال کی محبت جاگزیں ہوگئی اور پُر ہوگئی ہے۔ کہ رب کی وفاداری کے لئے کوئی گوشہ خالی نہیں رہا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۱۰ تا ۱۲ - اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۱۰﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

بُعْثِرَ کے معنے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (الانفطار: ۵) میں بیان ہوچکے ہیں۔ بُعْثِرَ اور بحثر کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور یہ دونوں بعث اور بحث سے مرکب ہیں۔ جن کے معنے کریدنے اور مناقشہ کرنے کے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ نُقِشَ عُذِّبَ۔ جس کے حساب میں ذرا بھی کُرید کی گئی۔ وہ عذاب کیا جائے گا۔ ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ مُردہ دل بے وفا جو پنجر قالب میں مقید ہے۔ ان کی وفاداری اور بے وفائی کی جب کُرید ہوگی تو ان کا پرورش کنندہ ان سے انکی باغیانہ حرکتوں کی خوب خبر لے گا۔ ل تاکید کیلئے ہے۔ یہ کُرید حساب کی دنیا میں ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ (الانبیاء: ۲) میں دونوں حساب مراد ہیں۔ بلکہ نبی کی معرفت دنیوی محاسبہ اقرب ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲، ۳- اَلْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾

اَلْقَارِعَةُ : قَارِعَة قرع سے مشتق ہے۔ قَرْع کے معنے کسی چیز کو سختی اور شدت سے بجانے اور مارنے کے ہیں۔ خوفناک حادثہ اور مصیبت کو بھی قارعۃ اسی لئے کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا ہے ۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (الرعد: ۳۲) معلوم ہوا کہ دنیا کا عذاب بھی قارعہ ہے اور آخرت کی مصیبت بھی قارعہ ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء)

۵ - يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۵﴾

فَرَاش : ٹڈیاں بلکہ کل پردار چھوٹے چھوٹے جانور جو چراغ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔
مَبْثُوْث : منتشر۔ بکھرے ہوئے (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء)

۶ - وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۶﴾

عِهْن : اُون یا صوف مختلف رنگ ۔ نفش کے معنے دُھنکنے کے ہیں۔ مَنْفُوْش دُھنکے ہوئے۔ جبال کا اطلاق بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ آیت میں دونوں قسم کے عذاب اور تباہیوں کا ذکر ہے۔ جو جنگوں میں ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ جیساکہ تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (الرعد: ۳۲) سے واضح ہے۔

۹ تا ۱۲- وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۹﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۱۰﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۱﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۲﴾

فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ : ہاویہ کو اُم کہنے میں یہ مطلب ہے۔ کہ جب تک تربیت یافتہ نہ ہو۔ ماں سے تعلق رہتا ہے۔ بعد تربیت پا لینے کے ماں سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد طول مکث کے دوزخی دوزخ سے نکال دئے جائیں گے۔ ھاویہ ۔ طبقے بھی نکال دئے جائیں گے۔ جو سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ اسی لئے وہ طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔ اُمّ اور ھوٰی دونوں ایک جا جمع ہونے سے یہ اشارۃً پائی جاتی ہے۔

نَارٌ حَامِیَۃٌ : نارِ دوزخ اور نارِ حرب دونوں مراد ہیں۔ حرب کو بھی نار ہی فرمایا ہے۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ (مائدہ: ۶۵)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

" تمام وہ لوگ جن کے اچھے اعمال ہیں یا ان کے اچھے اعمال کم ہیں ۔ وہ دوزخ میں جائیں گے دوزخ کی گود میں رہیں گے وہی ان کی ماں ہے۔ دیکھو قرآن۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاھِیَہْ نَارٌ حَامِیَۃٌ۔

اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو اسکا ٹھکانہ گڑھا۔ اور تجھ کو نہ معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے آگ ہے دھکتی ہوئی۔

بھلا جن کی ماں دوزخ کی گرم آگ ہوئی۔ وہ لُوؤں کی آگ سے نہ بنے ہوں تو پھر کس سے بنیں سنو۔ سارے شریر شیطان یا شیطان کے فرزند ہیں (یوحنا باب ۸ آیت ۴۴، متی باب ۱۳ آیت ۳۹، متی باب ۱۶ آیت ۲۳)۔ جس طرح شریر شیطان کا فرزند ہے اور عیسائی مسیح کے فرزند۔ اُسی طرح دوزخ کی آگ شریر کی ماں ہے۔ اور وہ لُوؤں کی آگ سے بنا ہے۔ بھلا صاحب جب عام شریروں کی ماں حاویہ دوزخ ٹھہری تو ان اشرار کا شرارتی آپ شیطان دشمنِ آدم لُوؤں سے کیونکر نہ بنا ہوگا۔ ضرور وہ ہمارا دشمن نار السموم سے بنا۔ وہ تو پہلے ہی سموم نار سے بنا تھا۔ اور یہی سچی فلسفی ہے جس کے خلاف پر کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں۔"

(فصل الخطاب حصہ اوّل صد ۱۷۹)

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۲ تا ۹۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ② حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ③

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ⑤ كَلَّا

لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑦ ثُمَّ

لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑧ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ

عَنِ النَّعِيْمِ ⑨

اللہ جل شانہٗ نے انسان کو ایسا تو بنایا ہے۔ کہ یہ کھانے کا بھی محتاج ہے۔ پینے کا بھی محتاج ہے۔ کپڑے کا بھی محتاج ہے۔ مکان اور بیوی کا بھی بہت محتاج ہے۔ بچوں کی بھی ایک حاجت مخفی در مخفی رکھتا ہے۔ عزت کو بھی چاہتا ہے اور ذلت سے بھی بچنا چاہتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی خواہشیں لگا رکھی ہیں۔ جس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل ہو تو اور بات ہے۔ پاگل اور عقلمند میں بھی ایک بڑا بھاری فرق ہے۔ پاگل کی باتیں سن سن کر عقلمند بول اٹھا کرتے ہیں کہ یہ تو بڑا احمق ہے۔

بہت بولتے رہنا اور زیادہ بکواس کرتے رہنا بھی احمق کا کام ہے۔ اور جو آٹھوں پہر چپ رہے وہ بھی پاگل ہوتا ہے۔ بہت بولنا اور بہت چپ رہنا پاگل اور احمق کا نشان ہے۔ جو شخص ہمیشہ کھانے پینے میں مصروف رہے وہ بھی پاگل اور جو نہ کھائے وہ بھی پاگل۔ غرض جب بات حد سے بڑھ جائے تو وہ جنون ہوتا ہے۔

ضرورتیں تو بے شک انسان کو بہت لگی ہوئی ہیں۔ خواہ کتنے ہی امور کیوں نہ ہوں اور خواہ کیسی ہی حاجتیں کیوں نہ ہوں۔ ان تمام کاموں میں انسان تکاثر کو چاہتا ہے۔ اکثر اوقات انسان چاہتا ہے کہ

عیش وعشرت کے ایسے ایسے سامان میسر آجاویں۔ ایسا مکان ہو۔ ایسا لباس ہو۔ اور یہ سب خواہشات انسان کے شاملِ حال ہیں۔ پھر ان میں غلطی کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی ایک دعا سکھائی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً (البقرہ:۲۰۲) اس دعا میں اللہ کریم سے اسی دنیا میں حسنہ مانگی گئی ہے۔ مگر یاد رکھو غلطی صرف یہ ہے کہ ناجائز طریقوں سے یہ خواہشات پوری کرنے کی کوشش کی جاوے۔ اور ان دھندوں میں پھنس کر اپنے مولیٰ سے انسان غافل ہو جاوے۔ اللہ جل شانہٗ سے غفلت بہت بُری بلا ہے۔

اکثر انسان آنکھیں بھی بند کیا کرتے ہیں۔ اپنے گھٹنوں میں سر بھی رکھا کرتے ہیں۔ نادان سمجھتا ہے کہ یہ جنابِ الٰہی میں دھیان لگائے بیٹھے ہیں اور روحانی نظارہ دیکھ رہے ہیں مگر وہ وہی دیکھتا ہے جو ظاہراً دیکھنے کا عادی ہے۔ پھر اسی غفلت عن اللہ میں مرجاتا ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

اس غفلت کا بدنتیجہ تم سمجھ ہی لوگے۔ پھر ہم ہشیار کرکے تمہیں کہتے ہیں کہ تم ضرور سمجھ لوگے آج جو فعل انسان کرتا ہے کل کے لئے یہ ایک سبب ہوتا ہے۔ اور کل جو فعل انسان کریگا۔ وہ پرسوں کیلئے ایک سبب ہوگا۔

انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے۔ کہ جب کبھی اسے کوئی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو اور علم والا عقلمند ہو تو پھر اس علم کے خلاف عمل نہیں کرتا۔ انسان کیا۔ بلکہ حیوان بھی ایسا نہیں کرتا۔ دیکھو ایک اونٹ کتنا بڑا حیوان ہے۔ مگر ایک بچہ بھی نکیل ڈال کر کہیں کا کہیں لئے پھرتا ہے مگر ایک گڑھے میں داخل کرنے کیلئے اسے کھینچیں تو وہ نہیں جاتا۔ کیوں نہیں جاتا۔ صرف اس لئے کہ اسے صحیح علم گڑھے کا حاصل ہے وہ یہ کہ اس میں ہلاکت ہے۔

مَیں نے اپنے بچوں کو دیکھا ہے کہ اگر گرم غذا انہیں دیں یا ان کا ہاتھ اٹھا کر اس گرم غذا پر رکھیں تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور کھاتے نہیں کیونکہ انہیں علم صحیح حاصل ہو جاتا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کو خدا کی سچی کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول اور نبی یقین کرتے ہیں۔ ائمہ کو سچا سمجھتے ہیں۔ کسی واعظ کو سچا سمجھتے ہیں وہ سوچیں کہ کیا ان لوگوں کے ذریعہ سے انہیں صحیح علم حاصل نہیں ہوا کہ اِن اِن کاموں سے خدا راضی ہے۔ اور اِن اِن باتوں سے ناراض ہے؟ پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ باوجود سُننے کے بھی تم علم کے خلاف کرتے ہو۔ خوب یاد رکھو کہ صحیح علم کے خلاف کرنا بہت بُرا ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین، رسول رب العالمین ہمارا رہبر ہے اور ہمارے

زمانہ کا امام اس کی اتباع کو نجات کا موجب سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کیسا علم ہے جو ان سب باتوں سے ہمیں غافل کر دیتا ہے۔

دنیوی کاموں میں مختلف اغراضوں میں کچھ باتوں میں جھوٹی قسمیں۔ حرفہ۔ پیشہ۔ تجارت۔ ملازمت میں ایسے اعمال کہ گویا اللہ پر ایمان نہیں۔ یہاں تک کہ نمازوں میں بھی ریاء۔ یہ کیا ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ یقین کم ہے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ (التکاثر: ۶،۷)

تم لوگ اگر یقین رکھتے تو جزا سزا کا خیال رکھ کر بُرے کاموں سے نفرت اور اچھے کاموں سے محبت رکھتے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۔ (التکاثر: ۸)

اور یاد رکھو کہ یہ صرف علم ہی نہیں رہے گا بلکہ تمہیں یہ بھی دکھا دیں گے کہ تمہارے اعمال کا کیا نتیجہ ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر: ۹)

اور پھر تم سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، زبان۔ علم و دولت دیا گیا۔ ہادی تمہاری طرف بھیجے گئے اور پھر ہم مسلمانوں کا تو رسول ہی افضل الرسل خاتم النبیین ہے جو ہماری رہبری کیلئے آیا۔ وہ تمام نبیوں کی فضیلتوں کا مجموعہ ہے۔

ہماری کتاب قرآن مجید سچی۔ محفوظ اور جامع کتاب ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہمیشہ مجدد ہوتے رہے۔ اور پھر موجودہ زمانہ کا امام جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر اتنی غفلت! اس سے ضرور پوچھے جاؤ گے۔ نتیجہ بھوگو گے۔

اس غفلت کو دور کرنے کے میں تین علاج تم لوگوں کو بتاتا ہوں۔ پہلا علاج تو ایسا ہے جو تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور وہ ہے استغفار۔ یاد رکھو۔ انسان کی بدیاں اور بدیوں کی طرف اس کو کھینچتی ہیں اور اس کی نیکیاں اور نیکیوں کی طرف اس کو کھینچتی ہیں۔ استغفار کا مطلب یہ کہ اے میرے خدا میری غفلت، غلط کاریاں اور ناراض کرنیوالی باتیں اور عدول حکمیں جو مجھے یاد ہیں یا میری یاد سے بھول گئی ہوں۔ ان کے بد نتائج سے مجھے بچالے اور آئندہ غلطیوں سے محفوظ رکھ

دوسرا علاج یہ ہے کہ لَاحَول بہت پڑھے۔

اپنی عاجزی کا اقرار کرے اور اپنے آپ کو محض کمزور اور ناکارہ سمجھے۔ اس طرح سے بہت

فائدہ ہوگا۔ اور بڑی مدد ملے گی۔

تیسرا علاج یہ ہے کہ دعائیں بہت مانگے۔ اپنے محسنوں کیلئے بھی دُعا کرے۔ انہیں دعاؤں میں سے ایک دُعا اور بڑی اعلیٰ دعا درود شریف بھی ہے۔ جو اپنے پیارے محسن اور نہایت ہی عظیم الشان محسن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مانگی جاتی ہے۔ وہ ہمارا بڑا بھاری محسن ہے۔ ایسے محسن پر اللہ جلشانہٗ اپنے خاص خاص فضل اور عام رحمتیں کرے تاکہ اس کے بدلہ میں ہم پر بھی خاص رحمیں اور عام فضل ہو۔ چاہیئے کہ درود شریف بہت پڑھا جاوے اور اپنے محسن کیلئے بہت دعا مانگی جاوے تاکہ ہم پر بھی رحم ہو۔ اللہ کریم ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔ (الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱-۱۲)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ اَلْہَا کے معنے کسی چیز سے غافل کرکے دوسری چیز میں مشغول کرنے کے ہیں جیسے فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) تَكَاثُر ایک دوسرے پر زیادتِ مال کی حرص کرنا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مَنْ شَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ صَنَمُكَ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ صحیحین میں روایت ہے کہ ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور دو چیزیں اس کی جوان رہ جاتی ہیں۔ ایک ان میں سے حرص مال ہے۔ ابوھریرہؓ سے یہ مروی ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ التکاثر پڑھی اور پھر فرمایا۔ بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ حالانکہ اس کا مال تو صرف اتنا ہی ہے۔ جو کھالیا۔ وہ تو فنا کر دیا اور جو پہن لیا اس کو پرانا کر دیا۔ اور جو خدا کی راہ میں دیدیا اس کو آگے کیلئے جمع کیا۔ ان تین قسموں کے سوا جو کچھ اور مال ہے وہ تو لوگوں کا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ ان ہر سہ آیات میں یقین کے تین مراتب کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک علم الیقین۔ دوسرا عین الیقین۔ تیسرا حق الیقین۔ دنیا میں بعض اوقات جزا سزا کے ملنے پر آخرت کی جزا سزا کا یقین علمی پیرایہ میں ہوجاتا ہے قبر اور برزخ کی جزا سزا۔ عین الیقین کے طور پر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں جنت یا دوزخ کی طرف سے کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں۔

یوم الحشر کی جزا سزا حق الیقین ہیں جو عین یقین ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲تا۴۔ وَالْعَصْرِ ﴿۲﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۳﴾ اِلَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۴﴾

دو صحابی آپس میں ملتے تھے تو کم از کم اتنا شغل کر لیتے تھے کہ اس سورۃ کو باہم سناویں۔ سو اس نیت سے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ: ۱۰۰) کے ماتحت رضامندی کا حصہ مجھے بھی مل جاوے۔ میں بھی تمہیں یہ سورۃ سناتا ہوں۔

عصر کہتے ہیں زمانہ کو جو ہر آن گھٹتا جاتا ہے۔ دیکھو میں کھڑا ہوں جو فقرہ بولا۔ اب اس کیلئے پھر وہ وقت کہاں ہے۔ قسم ہمیشہ شاہد کے رنگ میں ہوتی ہے۔ گویا بدیہیات سے نظریات کیلئے ایک گواہ ہوتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ انسان کی عمر گھٹ رہی ہے۔ جیسے کہ زمانہ کوچ کر رہا ہے۔ عصر کی شہادت میں ایک یہ نکتہ معرفت بھی ہے۔ زمانہ کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔ جیسا کہ بعض قوموں کا قاعدہ ہے فارسی لٹریچر میں خصوصیت سے یہ برائی پائی جاتی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ خدا جس کو گواہی میں پیش کرے۔ وہ ضرور عادل ہے۔ زمانہ برا نہیں ہمارے افعال برے ہیں جن کا خمیازہ زمانہ میں ہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔

عصر سے مراد نمازِ عصر بھی ہے۔ اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جیسے شریعت اسلام میں نماز عصر کے بعد کوئی فرض ادا کرنے کا وقت نہیں۔ اسی طرح ہر زمانہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ جو پھر نہیں ملے گا۔ اس کی قدر کرو۔

عصر کے معنے نچوڑنے کے بھی ہیں۔ گویا تمام خلاصہ اس صورت میں بطور نچوڑ کے رکھ دیا ہے۔
غرض عصر کو گواہ کرکے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایک برف کا تاجر ہے۔ جو بات لڑکپن میں ہے

وہ جوانی میں نہیں۔ جو جوانی میں ہے وہ بڑھاپے میں نہیں۔ پس وقت کو غنیمت سمجھو۔ ائمہ نے بحث کی ہے کہ جو نماز عمداً ترک کی جاوے۔ اسکی تلافی کی کیا صورت ہے؟ سو سچی بات یہی ہے کہ اسکی کوئی صورت سوائے استغفار کے نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس خسر کی تلافی کیلئے فرماتا ہے کہ ایک تو ایمان ہو جس کا اصل الاصول ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اسی واسطے میری آرزو ہے کہ ہمارے واعظ اذان کے واعظ ہوں کہ وہ اسلام کا خاصہ ہے۔ ایمان کیا ہے۔ اللہ کو ذات میں بے ہمتا، صفات میں یکتا۔ افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ یقین کیا جائے۔ چونکہ اس کے ارادوں کے پہلے مظہر ملائکہ ہیں اس لئے انکی تحریک کو تسلیم کیا جاوے۔ برہمو جو قوم ہے۔ یہ بڑی بُری زبان کے لوگ ہیں۔ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں۔ جب لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ تو تمام انبیاء کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی گالی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ خدا کے راستبازوں کو مفتری سمجھا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (الانعام: ۲۲) ایک برہمو سے میں نے انبیاء کے دعویٰ وحی حق کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے کہا دروغ مصلحت آمیز جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو انبیاء کی نسبت کیسا گندہ خیال ہے۔ یہ لوگ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت يُرْسِلُ رَسُوْلًا اور اس کے متکلم ہونے کے قائل نہیں۔ اور ملائکہ کو ماننا شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے انہیں عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء: ۲۷) فرمایا ہے۔ اور جن پر وہ نازل ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۱) پھر جزا و سزا کا ایمان ہے۔ وہ بہت سی نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ آپ تو ابدالآباد غیر منقطع عذاب کے قائل نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ بازار میں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ روپے لے لو اور دو جوت کھالو۔ نہ مجھے کوئی جانتا ہے نہ تمہیں۔ اس نے قبول نہ کیا۔ کہ میری ہتک ہوتی ہے۔ میں نے کہا۔ جہاں اولین آخرین جمع ہوں گے۔ وہاں یہ بے عزتی کیسے گوارا کر سکو گے۔

پھر ایمان بالقدر تمام انسانی بلند پروازیوں کی جڑ ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین ہو کہ ہر کام کوئی نتیجہ رکھتا ہے۔ تو انسان سوچ سمجھ کر عاقبت اندیشی سے کام لیتا ہے۔ دیکھو اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اور اس سے انگریز قوم نے خصوصیت سے فائدہ اٹھایا ہے پشاور سے کلکتہ تک رستہ صاف کیا تو کیا کچھ پایا۔ مسلمان اگر مسئلہ قدر پر ایمان مستحکم رکھتے تو ہمیشہ خوشحال رہتے۔ پھر جیسا ایمان ہو۔ اسی کے مطابق اس کے اعمالِ صالحہ ہوں گے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ

حج - اخلاقِ فاضلہ - بدیوں سے بچنا - یہ سب ایمان کے نتائج ہیں۔

پھر اسی پر مومن سبکدوش نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ جو حق پایا ہے۔ اسے دوسروں کو بھی پہنچائے۔ اور اس حق پہنچانے میں جو تکلیف پہنچے۔ اس پر صبر کرے۔ اور صبر کی تعلیم دے۔ صوفیاء میں ایک ملامتی فرقہ ہے۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتا ہے۔ جس سے لوگ ملامت کریں۔ رنڈیوں کے گھروں میں کسی دوست کے سامنے چلے جائیں گے۔ وہاں جاکر پڑھیں گے قرآن شریف اور نماز۔ مگر رات وہیں بسر کریں گے حضرت صاحب نے مجھے فرمایا۔ کہ آمر بالمعروف اور ناھی عن المنکر خود ملامتی فرقہ ہوتا ہے۔ جب مومن کسی کو بُری رسوم و عادات کی ظلمت سے روکے گا تو تاریکی کے فرزندوں سے ملامت سنے گا۔ میرا حال دیکھ لو کہ ملامتی فرقے والے مجھ سے زیادہ بدنام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس مومن کو کسی فرقے میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ حق کا مبلغ اور اس پر مستقل مزاجی اور استقامت سے قائم رہے۔ پھر وہ ہر قسم کے دنیا و آخرت کے خسران سے محفوظ رہے گا۔ (بدر ۳ رفروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲-۱)

میں دیکھتا ہوں کہ کچھ امراء ہیں۔ کچھ علماء۔ کچھ سجادہ نشین اور کچھ وہ لوگ ہیں جو قوم کیلئے آئندہ کالجوں میں تعلیم پانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اگر سُست ہوں تو عوام مخلوقات کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ سورۃ عصر پڑھی تھی۔ میرا مقصد اس کے پڑھنے سے یہ بتلانے کا ہے۔ کہ زمانہ جس طرح کی تیزی سے گزر رہا ہے۔ اسی طرح ہماری عمریں بھی گزر رہی ہیں۔ یعنی عصر کا آناً فاناً گزرنا ہماری عمروں پر اثر ڈال رہا ہے۔

اللہ نے اس کا یہ علاج بتایا ہے کہ تمہیں زمانہ کی پرواہ نہ ہو اگر ہمارا حکم مان لو۔ وہ حکم یہ ہے کہ مومن بنو اور عملِ صالح کرو۔ دوسروں کو مومن بناؤ اور حق کی وصیت کرو۔ پھر حق پہنچانے میں تکالیف سے نہ ڈرو۔

یہ وہ سورۃ ہے کہ صحابہ کرامؓ جب باہم ملتے تو اس سورۃ کو پڑھ لیا کرتے۔ تم اور ہم بھی آج ملے ہیں۔ اس لئے اسی سنّتِ کریمہ کے مطابق میں نے اس کو پڑھا ہے .... اسلام چونکہ حق کے اظہار کے لئے آیا ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ شریف سے ظاہر ہے۔ اس لئے جہاں دین کی بہت سی باتیں پہنچانی پڑتی ہیں۔ وہاں ہم تم کو دنیا کے متعلق بھی ایک مختصر سی بات سناتے ہیں اور وہ بھی دراصل دین ہی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا کا کام امن پر موقوف ہے۔ اور اگر امن دنیا میں قائم نہ رہے تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جس قدر امن ہوگا۔ اسی قدر اسلام ترقی کریگا۔ اس لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کے

ہمیشہ حامی رہے۔ آپؐ نے طوائف الملوکی میں جو مکہ معظمہ میں تھی اور عیسائی سلطنت کے تحت جو حبشہ میں تھی۔ ہم کو یہ تعلیم دی کہ غیر مسلم سلطنت کے ماتحت کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس زندگی کے فرائض سے "امن" ہے۔ اگر امن نہ ہو تو کسی طرح کا کوئی کام دین و دنیا کا ہم عمدگی سے نہیں کر سکتے۔ اس واسطے میں تاکید کرتا ہوں کہ امن بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور امن کیلئے طاقت کی ضرورت ہے۔ وہ گورنمنٹ کے پاس ہے۔ مَیں خوشامد سے نہیں بلکہ حق پہنچانے کی نیت سے کہتا ہوں کہ تم امن پسند جماعت بنو تا تمہاری ترقی ہو۔ اور تم چین سے زندگی بسر کرو۔

اس کا بدلہ مخلوق سے مت مانگو۔ اللہ سے اسکا بدلہ مانگو۔ اور یاد رکھو کہ بلا امن کوئی مذہب نہیں پھیلتا اور نہ پھول سکتا ہے۔

میں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کے اس احسان کے بدلہ میں ہم اگر امن کے قائم کرنے میں کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ ہم کو ضرور دیگا اور اگر ہم خلاف ورزی کریں تو اس کے بدنتیجے کا منتظر رہنا پڑے گا۔

دوسری بات جو سمجھاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ باہم محبت بڑھاؤ۔ اور بغضوں کو دُور کر دو۔ اور یہ محبت بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر تم صبر سے کام نہ لو۔ اور یاد رکھو۔ صبر والے کے ساتھ خدا خود آپ ہوتا ہے۔ اس واسطے صبر کنندہ کو کوئی ذلت و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

تیسری بات جو میں کہنی ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرت صاحب نے "فتح اسلام" میں پانچ شاخوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان پانچ شاخوں میں چندہ دینے کی تاکید کی۔ مثلاً آپکی تصانیف کی اشاعت اشتہارات کی اشاعت۔ آپ کے لنگر خانہ کو بلند کرنے کی تاکید اور مہمان خانہ کی ترقی کی طرف توجہ اور آمد و رفت پر بعض وقت جو خرچ پڑتے ہیں۔ ان کیلئے مکان بنانے پڑتے ہیں۔ ان میں انفاق کرنے کی تاکید آپ نے فرمائی ہے۔ مَیں اس تاکید پر تاکید کرتا ہوں۔ کہ ہمارا مہمان خانہ کسی قدر آپ لوگوں کی سستی کا مظہر ہے۔ میں جس طرح دیکھتا ہوں کہ ایک مدرسہ چلتا ہے۔ لنگر اور دینی مدرسہ بہت کمزور رنگ میں ہے۔

ہمارے بھائیوں کو چاہیئے کہ ان دونوں امور کی طرف بہت کوشش کریں اور انفاق سے کام لیں ...... میں یہ باتیں اس لئے بتاتا ہوں کہ تم کو دین اور دنیا دونوں کا وعظ کروں۔ یہ نہیں کہ مجھے دنیا کی غرض ہے۔ کیونکہ میری عمر کا بہت بڑا حصہ اللہ کے فضل سے گزرا ہے۔ یہ تھوڑے دن جو باقی ہیں میں مخلوق سے سوال کرنے میں اپنی ہمت کو ضائع نہیں کرتا۔ (بدر ۱۳ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۴-۵)

یہ سورۃ (وَالْعَصْرِ) میں نے بارہا لوگوں کو سنائی ہے چھوٹی سے چھوٹی سورت جو ہر شخص کیلئے

بابرکت ہو خدا تعالیٰ کی کتاب میں میرے خیال میں اس کے سوا اور نہیں آئی۔ قرآن کریم کے ہر فقرہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور محض فضل سے سارے جہان کی تعلیم و تربیت اور پاک تعلیم و تربیت حاصل اور ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو اس سورۃ کو پڑھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ میری آواز سب لوگوں کے کان میں نہ پہنچے کیونکہ میں بیمار ہوں صبح سے اب تک خطوط پڑھتا تھا۔ تھک گیا ہوں اور بوڑھا بھی ہوں جو لوگ دُور ہیں اور ان کے کانوں میں میری آواز نہیں پہنچ سکتی ان کے کانوں میں وہ لوگ جو سنتے ہیں پہنچا دیں اور کوشش کریں کہ سب کے کانوں میں اس سورۃ کی آواز ضرور پہنچ جائے۔ جو سنتے ہیں وہ اس شکریہ میں دوسروں تک پہنچائیں یہ بڑی مختصر سورۃ ہے۔ پہلی بات اس سورہ شریفہ میں یہ ہے۔ کہ وَالْعَصْرِ عصر ایک زمانہ کو کہتے ہیں۔ ہر آن میں پہلا زمانہ فنا اور ناپید ہوتا جاتا ہے۔ ہر وقت زمانہ کو فنا لگی ہوئی ہے۔ کل کا دن ۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء اب کبھی نہیں آئے گا۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء آج کے بعد کبھی دنیا میں نہ آئے گا۔ آج کی صبح اب کبھی نہ آئے گی۔ یہ زمانہ بڑا بابرکت زمانہ ہے۔ یہ جو آریہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ زمانہ مخلوق نہیں اور جو قدیم ہے وہ فنا نہیں ہوتا۔ وَالْعَصْرِ کا لفظ ان کیلئے خود ردّ ہے۔ میں جس زمانہ میں بولا۔ وہ اب چلا بھی گیا۔ اور جس میں آگے بولوں گا۔ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔ زمانہ کو غیر مخلوق ماننے والوں کیلئے کیا عمدہ ردّ ہے۔ زمانہ کو جہاں تک لے جائیں۔ ایک حصہ مرتا جاتا ہے۔ ایک حصہ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اس مرنے اور پیدا ہونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ایک فائدہ عصر میں یہ ہے۔ کہ ہر ایک وقت جو انسان پر گزرتا ہے اس کو فنا لازم ہے۔ اس طرح انسان کے اجزاء بھی ہر آن میں فنا ہوتے ہیں اور ہر آن نئے اجزاء پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک نئی مخلوق بن کر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ جب میں جوان تھا تو میرے سارے بال سیاہ تھے۔ آج کوئی بال سیاہ نہیں۔ جب ہم نئی حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ مجھ میں بینائی کی قوت ہے۔ اگر بینائی رُک جائے تو کیا کیا جائے۔ غرض کہ ہر آن اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے ہیں کہ ہر آن میں تم ہمارے محتاج ہو۔ اگر میرا فضل و کرم نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔

ایک بات عصر میں یہ ہے کہ لوگ زمانہ کو بُرا کہتے ہیں۔ شاعروں نے تو یہ غضب کیا کہ دنیا کا ہر ایک دُکھ اور مصیبت زمانہ کے سر تھوپ دیا۔ خدا تعالیٰ کا نام ہی درمیان سے نکال دیا۔ گردشِ روزگار کی اس قدر شکایت کی ہے۔ جس کی حد نہیں۔ گویا ان کا دار و مدار۔ ان کا نافع اور ضارّ سب کچھ زمانہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ زمانہ کی شکایت نہ کرو۔ یہ بھی قابلِ قدر چیز ہے۔ عصر کے بعد کوئی وقت نہیں ہوتا جو ہم

فرض نماز ادا کریں۔ میرا یقین ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی غرض ہے کہ اب قرآن شریف جیسی کتاب اور محمد (مصطفےٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا رسول جس کے جانشین ہمیشہ ہوتے رہیں گے اب دنیا میں نہ آئے گا۔ عصر سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں کا زمانہ ہے۔ اب اور کیلئے زمانہ نہیں رہا۔ یہاں تک کہ دنیا کا زمانہ نہ ختم ہو۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ جس طرح زمانہ گھاٹے میں ہے، اسی طرح انسان۔ ایک شخص مجھ سے کہنے لگا کہ زمانہ قدیم ہے۔ میں نے کہا جب تم ماں کے پیٹ اور باپ کے نطفہ میں تھے۔ وہ وقت اب ہے، اور جب تم مروگے۔ وہ زمانہ اب موجود ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا۔ ایک موجود ہے۔ وہ معدوم ہے۔ وہ موجود ہوگا۔ انسان کا جسم ایک برف کی تجارت ہے۔ اسی طرح زمانہ ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ گھاٹے میں تو سب ہیں۔ مگر ایک شخص مستثنیٰ ہے۔ وہ کون؟ ایماندار کہ اس کو گھاٹا نہیں۔ ایمان کیا ہے۔ غیب الغیب ذات پر ایمان رکھنا۔ اس کو مقدس سمجھنا۔ اس کی نافرمانی سے ڈرنا اور یہ یقین کرنا کہ اگر ہم نافرمان ہوں تو اس پاک ذات کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ نماز پڑھنا اور سنوار کر پڑھنا۔ لغو سے بچنا۔ زکوٰۃ دینا۔ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنا۔ اپنی امانتوں اور عہود کا لحاظ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک، صفات، افعال، اسماء، اس کے محامد اور اسکی عبادات میں کسی کو شریک نہ کرنا، ملائک کی نیک تحریک کو ماننا، انبیاء کی باتوں اور کتابوں کو ماننا۔ قرآن کریم تمام انبیاء کی باتوں اور کتابوں کے مجموعہ کا خلاصہ ہے۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینۃ: ۴) قرآن کریم سب کتابوں کا محافظ ہے۔ اس میں دلائل کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ اس کتاب (قرآن کریم) کو اپنا دستور العمل بنانا، اس کو پڑھنا، سمجھنا، اس پر عمل کرنا، خدائے تعالیٰ سے توفیق مانگنا کہ اس پر خاتمہ ہو، جزا و سزا پر یقین کرنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم کمالاتِ نبوت و رسالت اور خاتم کمالات انسانیت یقین کرنا، دنیا میں جس قدر ہادی ان کے بعد اور آئیں گے، سب انہی کے فیض سے آئے۔ ہمارے مسیح آئے مگر غلام احمدؐ ہو کر آئے۔ وہ فرماتے ہیں:

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم ☆ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یہ حضرت صاحب کا سچا دعویٰ ہے اور اسی پر عمل درآمد ہے۔ ایک نقطہ بھی دینِ اسلام سے علیحدہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔ تم خدا تعالیٰ کی تعظیم کرو۔ اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ مخلوق کا لفظ میں نے بولا ہے۔ تم ایسے بنو کہ درختوں، پہاڑوں، جانوروں سب پر تمہارے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔ مخلوقِ الٰہی پر شفقت کرو۔ انسان پر جب تباہی آتی ہے۔ تو اس کی وجہ سے سب پر تباہی ہوتی ہے۔

از زنا رفته وباء اندر جہات

جنابِ الہٰی نے جس طرح حکم دیا اس پر عمل کرو۔ گھاٹ پر پاخانہ پھرنے سے۔ درختوں کے نیچے اور راستوں پر پاخانہ پھرنے سے ہماری شریعت نے منع فرمایا ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمال بھی نیک ہوں۔ جس میں بگاڑ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ کام نہیں۔ پھر ان سچے علوم کو میری زبان سے کچھ سنا ہے اپنے گزشتہ امام سے سنا ہے۔ اور اس کی پاک تصانیف میں دیکھا ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ پاک تعلیم یعنی حق کو دوسری جگہ پہنچاؤ۔ بہت سے لوگ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور ہم سے محبت اور اخلاص چاہتے ہیں مگر ایمان کے حاصل کرنے اور ایمان کے مطابق سنوار کے کام کرنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے میں متامل ہیں۔ بہت سے لوگ یہاں بھی آتے ہیں اور مجھ سے ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہم سے بالکل مِل جائیں تو ہم آپ کے ہوجاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ہماری تعلیم پر عمل کروگے؟ تو کہتے ہیں۔ تعلیم تو ہماری آپ کی ایک ہی ہے۔ میں نے کہا جبکہ تم ہماری تعلیم پر عمل کرنے سے جی چُراتے ہو تو پھر ہم تم ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ سُن کر شرمندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ سب کے سب منافق طبع لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے منافق بہت ہیں۔ یہ سب ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ تم حق کو پہنچاؤ اور حق کے پہنچانے میں علم و حکمت اور عاقبت اندیشی سے کام لو۔ جو عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتے۔ وہ بعض اوقات ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں۔ جن سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ کسی شخص نے مجھ کو خط لکھا کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں میرے لئے دُعا کرنا۔ ایک احمدی نے سُن کر کہا کہ مکہ مدینہ کا کیا کوئی الگ خدا ہے۔ اس پر اس شخص کو بڑا ابتلاء پیش آیا۔ اگر نرمی سے کہا جاتا تو نتیجہ خطرناک نہ ہوتا۔ اس طرح کہ مکہ مدینہ بیشک قبولیتِ دُعا کے مقام ہیں۔ پھر کہتا ہوں کہ خدا یہاں بھی ہے۔ وہاں بھی ہے۔ تم دونوں جگہ دُعا مانگو یعنی یہاں بھی دُعا ضرور مانگو۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے خسر سے کہا تھا کہ میرے لئے عرفات میں دُعا کرنا۔ میرے خسر کا بیٹا جو ان کے ہمراہ حج میں موجود تھا۔ اب موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے باپ نے عرفات میں دعا مانگی اور میں آمین آمین کہتا جاتا تھا۔

مگر انسان سے اس قسم کی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ ان غلطیوں کے دُور کرنے کیلئے میں نے کہا تھا کہ میں تین مہینے میں قرآن شریف پڑھا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ پانچ سات آدمیوں کی ایک جماعت ہو۔ قرآن کے لئے بھی دعا مانگنی چاہیئے اور متقی بننا چاہیئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۸۳) جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اس کو خدا سکھاتا ہے۔ قرآن پڑھو سیکھو۔ اسکے علم میں ترقی کرو۔ اس پر عمل کرو قرآن سے تم کو محبت ہو۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ حق کے پہنچانے میں کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ اس تکلیف

کو برداشت کرنے کیلئے دوسرے کو صبر سکھاؤ اور خود بھی صبر کرو۔ یہ سورۃ اگر تم نے سمجھ لی ہے تو دوسروں کو بھی سمجھاؤ اور برکت پر برکت حاصل کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔ اس کے ملائکہ سے نبیوں اور رسولوں سے محبت کرو۔ اور کسی کی بے ادبی نہ کرو۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمت عطا کی ہے۔ حضرت صاحب کا دنیا میں آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ تم اس طرح یہاں بیٹھے ہو۔ یہ انہی دعاؤں کا نتیجہ ہے دعائیں بہت کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوسروں تک حق پہنچانے کیلئے توفیق دے۔

(بدر ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳،۴)

وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ عصر کے معنے مطلقاً وقت کے ہیں۔ قسم کے طور پر وقت کو اس لئے یاد فرمایا کہ اسکی عظمت اس کا مفید ہونا انسان سوچے۔ انسان کی عمر کا وقت برف کے تاجر کی طرح ہے۔ کہ ہر لمحہ ہر دقیقہ معرضِ خسران میں پڑا ہوا ہے جس نے جھٹ پٹ اس سے فائدہ اٹھا لیا۔ وہ مزے میں رہا۔ عصر کے معنے نچوڑنے کے ہیں۔ اس سورۃ میں وَالْعَصْرِ کے یہ معنے ہیں کہ اسلام سارے ادیان کے حقائق و معارف کا نچوڑ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ

یعنی جس کے دو دن برابر رہے۔ اور اس نے کوئی ترقی نہ کی یا ان دو دنوں میں کوئی کسبِ خیر نہ کیا وہ گھاٹے میں ہے۔ ابو مزینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ جب دو صحابی بھی آپس میں ملاقات کرتے تو تذکیر کے طور پر سورہ شریفہ ایک دوسرے کو سناتے۔ نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی فرض نماز نہیں۔ سنت الطواف کے سوائے بھی کوئی نفل نماز نہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور شریعت نہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ کیلئے بعض زمانہ بڑا ہی قابلِ قدر ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ایک اور مقام میں فرمایا ہے۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ۔ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا (الحدید : ۱۱)

حدیث شریف میں اسی آیت کی تفسیر یوں ہے۔ کہ سابقین اولین میں سے جو اصحاب پہلے پہل ایمان لائے اور انفاق فی سبیل اللہ ایک مٹھی بھر جَو کے ساتھ کیا۔ بعد میں ایمان لانے والے اور پہاڑ برابر سونا خرچ کرنے والے ان اگلوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید: ۱۱) اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب کو نیک وعدے دئیے ہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کی نسبت بھی

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جو حق بات جانتا ہے اور بیان نہیں کرتا وہ گونگا شیطان ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایسے کو بروزِ قیامت آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ ایمانؑ۔ اعمالِ صالحہؑ۔ وصیت بالحقؑ اور وصیت بالصبرؑ جو اسلام کا نچوڑ ہے۔ اس چھوٹی سی سورۃ میں بیان فرما دیا۔ اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم بطور تذکیر ملاقاتوں کے وقت ایک دوسرے کو سنا دیا کرتے۔ احباب بھی اس سنتِ صحابہ پر عمل کریں۔

گوشش زدہ اثرے دارد۔ وصیت بالحق میں اتنا غلو نہ کرے کہ هَمْز اور لَمْز تک نوبت پہنچ جاوے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲- وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝۲

هُمَزَہ میں ۃ مبالغہ کے واسطے ہے۔ جیسے علام علامۃ ھمز کے معنے توڑنے کے ہیں اور لُمز کے معنے طعنہ مارنے کے ہیں۔ ھُمَزَہ۔ لُمَزَہ کے معنے لوگوں کی آبروؤں عزتوں میں طعن وتشنیع کے ذریعہ شکستگی پیدا کرنے کے ہیں۔ ہامز وہ شخص ہے جو روبرو بدگوئی کرے۔ یا آنکھ اور ابرو وغیرہ کے اشارات سے کسی کی تحقیر کرے۔ اور لامز جو پسِ پشت کسی کی بدگوئی کرے۔ کُلّ کا لفظ جامع ہے۔ ہر قسم کے ھامزین اور لامزین پر۔ کیسے باشد مسلم ہو یا کافر۔ انبیاء کے اخلاق میں کبھی یہ ضعف پایا نہیں جاتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۳- الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۳

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ مال کے جمع کرنے کی حرص کو ہر قسم کے گناہ سے شدید مناسبت ہے۔ منجملہ ان کے ایک ھمّازی اور لمّازی بھی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۶- وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۶

حَطَمَ کے لغوی معنی بھی توڑنے ہی کے ہیں۔ زراعت کا غلہ جو چھڑنے کیلئے جانوروں کے پیروں سے روندا جاتا ہے۔ وہ حُطام کہلاتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا (الواقعہ : ۶۶) ہمز اور لمز کی جزا میں بھی سزا بالمثل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم کے طبقہ کا نام حُطَمَۃ بیان فرمایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

۸ تا ۱۰۔ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِؕ۝۸ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌۙ۝۹ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۝۱۰

جو شخص مال کے جمع کرنے کی فکروں میں چُور رہتا ہے۔ اس کے دِل پر ذرا ذرا سے نقصان کے وقت آگ کی لپٹ کی طرح صدمات شعلہ زن ہوتے رہتے ہیں۔ اسی دنیا میں ایسا شخص زندہ در آتش ہوتا ہے۔ اس دل کی کیفیت کے اعتبار سے آگ کی لپیٹ کی نسبت دل کی طرف کی۔

آیت نمبر ۹ میں مُّؤْصَدَةٌ کے لفظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا کی راحتوں اور آرام کے دروازے بھی باوجود مال و دولت کے ہونے کے ان لوگوں پر بند ہوتے ہیں۔

فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ لمبی لمبی امیدوں میں مبتلا ہو کر اس عذاب کا مزہ دنیا میں بھی چکھتے رہتے ہیں۔ اور یہی عذاب آگ کا دنیا سے وہ آخرت میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

اس سورہ شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں اور نکتہ چینوں کو جو مکہ میں تھے آگاہ کیا ہے کہ ایک وقت آتا ہے کہ تمہارے یہ مال و منال جو تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کیلئے جمع کئے ہوئے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے پاس ہمیشہ رہیں گے اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کام نہ آئیں گے اور تم ہلاک ہو کر خطرناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور عام طور پر دوسروں کی حقارت۔ نکتہ چینی اور عیب چینی سے منع کیا کہ بالآخر یہ خصالِ بد انسان کو ہلاکت کے کنوئیں میں گرا دیتی ہیں۔ مخالفینِ مکہ آخر اس پیشگوئی کے موافق مبتلائے عذاب ہوئے اور ان کے اموال کام نہ آئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ؍ستمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲- اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۲﴾

اَلَمْ تَرَ کے معنی اَلَمْ تَعْلَمْ کے ہیں۔ کیونکہ اصحٰب فیل کا واقعہ متواتر بیان سے ایسا معتبر و مشہود تھا کہ رُؤیت اور علم کا حکم رکھتا تھا۔ جس سال اصحاب فیل تباہ ہوئے۔ اسی سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپؐ کی ولادت ۵ ؍ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔

آپؐ کی ولادت باسعادت کیلئے اصحاب الفیل کا واقعہ بطور توطیہ وتمہید کے تھا۔ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ فرما کر ربوبیت کے لفظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی فرمائی کہ آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی جبکہ آپؐ کے رب نے آپکی خاطر اس قسم کی صیانت کی ہے کہ ایک بادشاہ کے زبردست لشکر کو ہلاک کر دیا۔ تو کیا وہ ربوبیت جبکہ آپ پیدا ہو چکے ہیں تو آپ سے الگ ہو سکتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

عباسیوں کی سلطنت تھی۔ ایک دفعہ محمود غزنوی سے ان کی کچھ رنجش ہوگئی۔ محمود غزنوی نے اس خلیفہ کو لکھا کہ میں ہندوستان کا فاتح ہوں اور میرے پاس اتنے ہاتھی ہیں۔ خلیفہ نے اس کے جواب میں اَلَمْ اَلَمْ نہایت خوبصورت لکھوا کر بھیج دیا۔ محمود کے دربار میں تو سب فارسی دان ہی تھے چنانچہ اس زمانہ کی یادگار صرف " شاہ نامہ " ہی باقی ہے۔ وہ تو کچھ سمجھے نہیں۔ آخر محمود نے کہا کہ خلیفہ نے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ یاد دلائی ہے اور اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس ہاتھی ہیں تو ہمارا وہ رب ہے جو اصحاب الفیل کو ہلاک کر چکا ہے۔ بہت ڈر گیا اور معذرت کی جس پر تعلقات درست ہو گئے۔ مگر پھر بغداد کا حال ہمیں معلوم ہے۔ وہ محمود غزنوی جو خلیفہ کے اَلَمْ اَلَمْ سے ڈر گیا تھا۔ اسی پایۂ تخت کو ہلاکو اور چنگیز نے تباہ کر دیا۔ ایک ہزار شخص جن پر سلطنت کے متعلق دعوٰی کا گمان تھا ان سب کو دیوار میں چُن دیا۔ وہ بی بی جس کا نام نسیم بی بی رکھا تھا ایک گلی میں اس حالت میں دیکھی گئی کہ کتے اس کا لہو چاٹ رہے تھے۔

اور پھر میری آنکھوں کے سامنے بخارا۔ سمرقند۔ دہلی۔ لکھنؤ اور طرابلس کی سلطنتیں مٹ گئیں دہلی کے شہزادوں میں سے ایک کو میں نے جموں میں ستار بجاتے میراسیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔
(الفضل ۸؍اکتوبر ۱۹۱۳ء صہ ۱۵)

۳- اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾

تَضْلِيْل کے معنے تدبیر کے اکارت ہونے کے ہیں۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمدؐ : ۲) سورۃ محمدؐ کی اس آیت اور آیت بالا دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء)

۴- وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾

ابابیل کے معنے جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ لفظ جمع ہے۔ واحد اس کا نہیں ہوتا بعضوں نے اِبُّول اِبْیال اور ابالہ اس کا واحد قرار دیا ہے۔ غرضیکہ ابابیل کے معنے پرے باندھ کر قطار در قطار آنے والے جانوروں کے ہیں۔ عرب کہا کرتے ہیں جَاءَتِ الْخَيْلُ اَبَابِيْلَ مِنْ هٰهُنَا وَمِنْ هٰهُنَا یعنی گھوڑوں کا لشکر قطار باندھ کر اس طرف سے اور اُس طرف سے آ پہنچا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء)

۵- تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾

سِجِّيْل کے معنے سخت کنکری کے ہیں۔ سنگ اور گل سے اس لفظ کو مرکب جنہوں نے کہا ہے غلطی کی ہے۔ عربی جیسے وسیع اور با معنی زبان کو اس طور پر مرکب کرنے کی کیا ضرورت۔ جس مقام پر یہ لشکر ہلاک ہوا۔ وہ مزدلفہ اور منٰی کے درمیان کی جگہ ہے۔ اب بھی حاجی لوگ رمی جمار کیلئے اسی میدان سے کنکریاں چُن کر ساتھ لے آتے ہیں اور ان سے رمی جمار کرتے ہیں۔ غالباً علاج فاسد یا فصد اس کا مطلب ہو۔ سجیل سجال سے مشتق ہے۔ سجال اور ارسال ایک معنی ہیں۔ بعضوں کی تحقیق ہے کہ جن کفار پر وہ کنکریاں گرتی تھیں۔ ان کو چیچک نکل آتی تھی۔ مفصل بیان کتاب نورالدین صہ ۱۲۹ میں دیکھیں
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء)

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ : شکاری جانوروں کی عادت ہے کہ وہ گوشت کو پتھر پر مار کر

کھاتے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ ص۴۸۸)

۶ ۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

عَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ کے معنے خوید پس خوردہ کے ہیں۔ چڑیاں ان کی لاشوں کو نوچ کر لے جائیں اور پہاڑوں میں کھائیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

دھرم پال آریہ کے اعتراض " طَيْرًا اَبَابِيْلَ " کجا ہاتھی اور کجا کرم خود جانور" کے جواب میں تحریر فرمایا:

" قبل اس کے کہ ہم آپ کو اس سوال کا جواب دیں۔ ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کے سوال میں جو الفاظ آئے ہیں۔ ان کے معنے بتلائیں۔ پہلا لفظ کَیْد ہے۔ کَیْد کے معنی مفصّل ہم نے سوال ۲ میں لکھ دئے ہیں۔ مگر یہاں یاد رہے۔ کہ کَیْد کے معنے لڑائی کے ہیں۔ دوسرا لفظ تَضْلِيْل ہے تَضْلِيْل کے معنے باطل کرنے اور ہلاک کے ہیں۔ تیسرا لفظ اَبَابِيْل ہے۔ اَبَابِيْل جمع ہے ابیّل اور ابوّل کی۔ ابیّل اور ابوّل کے معنے جماعت کے ہیں۔ ابابیل کے معنے ہوئے بہت سی جماعتیں۔ ہماری زبان میں ترجمہ ہوا۔ ڈاروں کی ڈار۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے۔ قَالَ الزجاج فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالیٰ۔ طَيْرًا اَبَابِيْلَ جماعات من هٰهنا وجماعات مِنْ هٰهُنَا وَقِيْلَ يتبع بَعْضها بَعْضًا ابيّلا ابيّلا اَیْ قَطِيْعًا خَلْفَ قَطِيْعٍ۔

دوسرا سوال اس کے بعد یہ پیش آتا ہے کہ دشمن کی فوج کی ہلاکت کو جانوروں سے کیا تعلق ہے؟ اس کے واسطے سام وید فصل ۳ پرپاٹیک ۴ کی عبارت دیکھو اس میں لکھا ہے۔ ا۔ کووں اور مضبوط بازوؤں والے پرندوں کو ان کے تعاقب میں بھیج۔ ہاں تو اس فوج کو کرگسوں کی غذا بنا۔ اے اندر ایسا کر کہ کوئی ان میں سے نہ بچے۔ کوئی نیک بھی نہ بچے۔ ان کے پیچھے تو تعاقب کرنیوالے پرندوں کو جمع کر دے" پھر سام وید فصل دوم پرپاٹیک ۳ میں یوں ہے۔

" اے روشن اشاش جب تیرے وقت رجوع کرتے ہیں تو کل چوپائے اور دریاؤں والے حرکت کرتے ہیں اور تیرے گرد بازو والے پرندے آسمان کی تمام حدود سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ "

عربی میں ایسے محاورات بکثرت ہیں اور انہی معنوں اور استعاروں میں پرندوں کے الفاظ وہاں مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ النابغة الذبیانی کا شعر ہے ؎

اِذَا مَا غَزَا بِجَيْشٍ حَلَّقَ فَوْقَهُمْ عَصَائِبُ طَيْرٍ تَهْتَدِيْ بِعَصَائِبِ

جب وہ لشکر لے کر دشمنوں پر چڑھتا تو پرندوں کے غولوں کے غول دشمنوں کی لاشوں کے کھانے کو جمع ہو جاتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے اس موقعہ پر ایک شعر لطیف لکھا ہے۔ وہ ہمارے جواب کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ گو مولوی صاحب نے اس کے معنے کچھ ہی کئے ہوں مگر وہ ہماری وہ ذکر کردہ دلیل کا ہی مثبت ہے اور وہ شعر یہ ہے۔

اَيْنَ الْمَفَرُّ لِمَنْ عَادَاهُ مِنْ يَدِهٖ ؛ وَالْوَحْشُ وَالطَّيْرُ اَتْبَاعٌ تُسَايِرُهٗ

یہاں طیر سے مراد وہی مردار خور پرندے ہیں اور سباع بھی وہی مردار خور ہیں۔ جو فتمندی کا نشان ہیں۔ اسی قسم کے انداز بیان میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اشارہ کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہلاک کئے جاویں گے۔ جیسے فرماتا ہے :

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (النحل : ۸۰)

کیا وہ ان پرندوں کے حالات پر غور نہیں کرتے جنہیں ہم نے آسمان کی جو میں قابو کر رکھا ہے۔ ہم ہی نے تو انہیں تھام رکھا ہے (اور ایک وقت آنے والا ہے کہ انہیں نبی کریمؐ کے دشمنوں کی لاشوں پر چھوڑ دیں گے) مومنوں کیلئے ان باتوں میں نشان ہیں۔

یہاں بھی پہلے ایک شریر قوم کا بیان کیا ہے۔ جو بڑی نکتہ چینی کی عادی اور موذی تھی۔ اور اسلام کو عیب لگاتی تھی۔ اور بہت سے اموال جمع کر کے فتح کے گھمنڈ میں مکہ پر انہوں نے چڑھائی کی۔ یہ ایک حبشیوں کا بادشاہ تھا۔ جس نے اسی سال مکہ معظمہ پر چڑھائی کی جبکہ حضرت رحمۃ للعالمین نبی کریمؐ پیدا ہوئے۔ جب یہ شخص وادیٔ محسّر میں پہنچا۔ اس نے عمائد مکہ کو کہلا بھیجا کہ کسی معزز آدمی کو بھیجو۔ تب اہلِ مکہ نے عبدالمطلب نامی ایک شخص کو بھیجا جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ جب عبدالمطلب اس ابرہہ نام بادشاہ کے پاس پہنچے۔ وہ مدارات سے پیش آیا۔ جب عبدالمطلب چلنے لگے اس نے کہا کہ آپ کچھ مانگ لیں۔ انہوں نے کہا کہ میری سَو اونٹنیاں تمہارے آدمیوں نے پکڑی ہیں۔ وہ واپس بھیج دو۔ تب اس بادشاہ نے حقارت کی نظر سے عبدالمطلب کو کہا کہ تمہیں اپنی اونٹنیوں کی فکر لگ رہی ہے۔ اور ہم تمہارے اس مَعْبَد کو تباہ کرنے کیلئے آئے ہیں۔ عبدالمطلب نے کہا۔ کیا ہمارا مولیٰ جو ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ جب یہ معبد اسی کے نام کا ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ وہ اس کی حفاظت نہیں کرے گا؟ اگر وہ اپنے معبد کی خود حفاظت نہیں کرنا چاہتا۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ آخر اس بادشاہ کے لشکر میں

خطرناک وبا پڑی اور چیچک کا مرض جو حبشیوں میں عام طور پر پھیل جاتا ہے ان پر حملہ آور ہوا اور اوپر سے بارش ہوئی۔ اور اس وادی میں سیلاب آیا۔ بہت سارے لشکری ہلاک ہو گئے اور جیسے عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کثرت سے مُردے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو کوئی جلانے والا اور گاڑنے والا نہیں رہتا تو انکو پرندے کھاتے ہیں۔ اُن موذیوں کو بھی اسی طرح جانوروں نے کھایا۔ یہ کوئی پہیلی اور مُعمّا نہیں۔ تاریخی واقعہ ہے۔ پر افسوس تمہاری عقلوں پر!

مکہ معظمہ کی حفاظت ہمیشہ ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔ کوئی تاریخ دنیا میں ایسی نہیں جو یہ بتا سکے کہ اسلام کے مدعیوں یا ابراہیمؑ کے تعظیم کرنیوالوں کے سوا کوئی اور بھی اس کا مالک ہوا ہو۔ یونانی سکندر بگولہ کی طرح یونان سے اٹھ کر تمہارے ملک میں پہنچا اور اسے پامال کیا۔ اور رچرڈ سارے یورپ کے ساتھ اسلام کی بربادی کو اٹھا اور نپولین مصر تک پہنچ گیا۔ مگر عرب کی فتح سے سب ناکام اور نامراد رہے۔ اس میں خدا ترسوں کیلئے بڑے نشان ہیں۔ پہلا بابل میں ہلاک ہوا اور دوسرا ملک شام سے نامراد واپس ہوا اور تیسرا سینٹ ہلینا کے قلعہ میں بے انتہا حسرتوں کو دل میں لے کر مرا!

تمہارے آریہ ورت کو ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ اسلام اس کے مالک ہوئے یا اُن کے ساتھی اب اہلِ کتاب ہیں! تمہارے ہری دوار اور کاشی وغیرہ کی حکومت دوسروں کے قبضہ میں ہے! تمہارا کوئی معبد غیر مفتوح نہیں رہا۔ غیر قوموں کے گھوڑوں کے سُموں نے سدا انہیں پامال کیا۔ یہ عجائبات اور معجزات ہیں۔

(نورالدین طبع سوم صفحہ ۱۶۱-۱۶۳)

سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۵۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۲﴾ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَ
الصَّیْفِ ﴿۳﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ﴿۴﴾ الَّذِیْٓ
اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۵ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۵﴾

اس سورۃ شریف میں جو یہ حکم ہوا ہے کہ اس گھر کے ربّ کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو بھوک سے غنی کرنے کیلئے کھانا کھلایا۔ یہ آیت شریف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام والبرکات کی اس دُعا کے مطابق ہے کہ میرے پروردگا اس شہر کو امن کی جگہ بنا۔ اس دعائے ابراہیمیؑ کی قبولیت کے سبب قریش بڑے عیش وآرام میں زندگی بسر کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے گردو نواح کی مخلوق ہلاکت میں پڑی ہوئی تھی اسی مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں سورۃ نحل میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گاؤں کی مثال بیان فرمائی ہے جس کے باشندے اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ ہر طرف سے اس کو رزق بافراغت پہنچتا تھا۔ پھر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی جس پر خدا نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب وارد کیا۔ جو ان کی اپنی بدعملیوں کا نتیجہ تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

لِاِیْلٰفِ : اُلفت دلانے کیلئے

اس گھر کے ربّ کے ساتھ الفت دلانے کیلئے اصحاب الفیل کو اس واسطے قتل کیا گیا۔ اور شکست دی گئی اور خائب وخاسر واپس کیا گیا ہے۔ کہ قریش اور اہلِ عرب کا یقین تازہ ہو کہ اس گھر کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اس طرح وہ خدا تعالیٰ کی خالص عبادت میں مشغول ہوں اور قریش جو موسم سرما و گرما میں سفر پر جاتے تھے۔ اور تمام بلاد کے بادشاہ اور تجار ان کی عزت کرتے تھے۔ اس تجارت اور سفر میں فرق نہ آوے بلکہ ان کی عزّت اَور بھی زیادہ ہو۔

اِلٰفِهِمْ : ان کو اُلفت دلانے کیلئے
رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ : سردی اور گرمی کے سفر میں۔
قریش تجارت کے واسطے ہر سال دو سفر کرتے تھے۔ موسم سرما میں افریقہ۔ ہند۔ یمن کی طرف جاتے تھے۔ اور موسم گرما میں شام، ایران کی طرف جاتے تھے۔ ہر دو طرف کے لوگ ان کی بہت ہی عزت اور تکریم کرتے تھے۔ اور ہدیے اور تحفے دیتے تھے۔ اگر خدانخواستہ اصحاب الفیل کو فتح ہو جاتی تو ان کی یہ تمام عزت جاتی رہتی۔ اور امن اُٹھ جاتا لیکن اصحاب الفیل کو تباہ کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو اور بھی بڑھایا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ لوگ قریش کی تعظیم کرنے لگے۔ اور وہ سفر ان کے واسطے اور بھی زیادہ آسان اور بابرکت ہو گئے۔
فَلْيَعْبُدُوْا : پس چاہیئے کہ عبادت کریں۔
رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ : اس گھر کے پروردگار کی۔
الَّذِيْ : جس نے۔
اَطْعَمَهُمْ : ان کو کھانا کھلایا۔
مِنْ جُوْعٍ : بھوک سے۔
وَاٰمَنَهُمْ : اور ان کو امن دیا۔
مِنْ خَوْفٍ : خوف سے۔
بعض جاہل آریہ اور عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان چونکہ عبادت کے وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اس واسطے یہ بھی ایک شرک ہے۔ اور اس گھر کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس سورۃ شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا رد کر دیا ہے۔ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۔ عبادت اس گھر کے رب کی کی جاتی ہے۔ نہ کہ اس گھر کی۔ اور یہ گھر بطور ایک نشان کے ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی برتر اور قادر اور عالم الغیب ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں بڑے بڑے گھر لوگوں نے بنائے۔ اور بڑی بڑی قومیں ان کی امداد کیلئے کھڑی ہوئیں لیکن وہ تباہ ہو گئے۔ اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ اور یہ گھر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قائم ہے۔ اور اس کے ارد گرد رہنے والے ہر طرح کے خطرات سے محفوظ ہیں۔ عبادت کے وقت آخر کسی نہ کسی طرف تو انسان منہ کرتا ہے۔ وحدت کے واسطے سب نے ایک طرف منہ کیا اور ایک ایسی طرف منہ کیا جس طرف سے خدا تعالیٰ کا پاک کلام اُن تک پہنچا۔ اور اُن کے واسطے موجب ہدایت ہوا علاوہ اس کے اس میں ایک اور حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ زمین کے گول ہونے کے سبب دن رات

کے ہر ایک حصہ میں مسلمان خدا تعالیٰ کی عبادت میں معروف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی سیکنڈ میں کہیں عصر ہے کہیں مغرب کہیں عشاء۔ کہیں فجر اور کہیں ظہر۔ ان کے علاوہ تہجد اور اشراق اور دوسری نمازیں جدا ہیں۔ غرض کوئی بھی ایسا وقت نہیں ہوتا جس میں روئے زمین پر کسی نہ کسی جگہ مسلمان خدا کی عبادت نہ کر رہے ہوں۔ گویا مسلمان ہی ایک قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کے انوار کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ ایسا ہی عبادت کے وقت ایک خاص سمت کا مقرر کرنا ایک عجیب حکمت رکھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کے سبب اہلِ ہند کا منہ عبادت کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ اہلِ شام کا جنوب کی طرف اور اہلِ یمن کا شمال کی طرف۔ اہلِ مصر کا مشرق کی طرف ہوتا ہے۔ اور ان سمتوں کے درمیان جو مقام ہے ان کا منہ کم و بیش درجات کے ساتھ ان سمتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ الغرض کمپاس کا کوئی ایسا طرف نہیں جس طرف منہ کر کے مسلمان خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ گویا تمام روئے زمین پر اسلامی توحید کی شہادت کی لکیریں اس کثرت کے ساتھ ہر سمت سے گزرتی ہیں اور ہر وقت گزرتی ہیں کہ تمام روئے زمین ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے خدا تعالیٰ کی توحید اور تحمید اور تسبیح سے پُر رہتی ہے۔ کوئی اور مذہب دنیا میں ہے۔ جو اس قدر خدا کی عبادت کرنے والا۔

خدا کے کام بھی عجیب ہیں۔ کسی کو اپنا برگزیدہ بندہ بنانا چاہتا ہے۔ تو ایک غریب کو لیتا ہے۔ جو غیر مشہور ہو اور ظاہری علوم سے دنیا کی نظر میں ناواقف ہو اور کچھ طاقت نہ رکھتا ہو۔ نہ کوئی جتھا اس کے ساتھ ہو پھر اسے مامور بنا دیتا ہے۔ چار دانگ عالم میں اس کی قبولیت پھیلا دیتا ہے۔ تمام عالموں سے بڑھ کر اُسے عالم بنا دیتا ہے۔ اسے طاقتور بنا دیتا ہے اور اسکو ایک بڑی قوم کا امام بنا دیتا ہے۔ ایسا ہی اس نے جب ایک گھر کو اپنی طاقت و ہستی کے ثبوت میں نشان بنانا چاہا۔ تو کہاں بنایا۔ عرب کے میدان میں جہاں نہ پانی ملے۔ نہ چارہ نہ خوراک نہ سبزی۔ نہ کوئی بستی نہ کوئی آبادی نہ کوئی حفاظت کی جگہ۔ پھر اسے آباد کیا تو ایسا کہ ساری دنیا اسکی طرف دوڑی چلی جاتی ہے۔ تمام جہان کی دولت وہاں پہنچتی ہے۔ ہر ملک و ملت کا آدمی وہاں پایا جاتا ہے۔ ہر زبان وہاں سمجھی جاتی ہے۔ طاقت کا یہ حال ہے کہ فوجی لحاظ سے کوئی حفاظت کا سامان نہیں۔ پھر بھی سکندر رومی یونان سے نکلا ہند تک فتح کیا۔ واپسی پر عرب کی فتح کا ارادہ تھا۔ راستہ میں ہی ہلاک ہو گیا۔ خود اس زمانہ میں دجال یورپ سے نکلا اور ہند تک پہنچ گیا۔ مگر وہی بیت اللہ اس سے محفوظ رہا۔ نبی کریمؐ نے دجال کو دیکھا کہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ وہ طواف بھی ایک تو یوں ہو گیا کہ بحیرہ قلزم۔ بحیرہ عرب۔ عدن سے ہو کر خلیج فارس میں دجال گھوم رہا ہے۔ اور اس کے آگے جو ہو گا وہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ : چونکہ اہلِ عرب کے واسطے مقدر تھا۔ کہ جب نورِ محمدیؐ ان کے درمیان سے طلوع کرے۔ تو وہ اس سے منور ہو کر مشرق و مغرب میں پھیلیں۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے وارث بنیں۔ ایران و شام کو فتح کریں۔ مصر، الجیریا، مراکو کو مسلمان بناتے ہوئے ہسپانیہ میں جا گھسیں دوسری طرف ترکستان، افغانستان، ہند کے فاتح بنیں۔ چین کے لوگوں کو جا کر مسلمان بنائیں۔ اس واسطے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی طبائع ایسے بنائے تھے۔ کہ وہ سفر کو اور کیا گرمی اور کیا سردی۔ ہر دو موسموں میں سفر کیا کرتے تھے۔ پھر اس میں ایک پیشگوئی بھی مخفی ہے۔ کہ اے قریش خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے بڑے بڑے سفر مقدر کر رکھے ہیں۔ وہ سفر ایسے نہ ہوں گے کہ تم جس موسم میں جاؤ۔ اُسی میں تم واپس آ سکو۔ بلکہ وہ لمبے سفر ہوں گے۔ جن میں تم کو سردیاں بھی گزارنی پڑیں گی اور گرمیاں بھی گزارنی ہونگی۔

خدا تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کیا وسیع ہے۔ کہ اس نے عرب کی قوم ہاں اس پتھر کو جسے معماروں نے رد کر دیا تھا کہ یہ کام کا نہیں اسے ہی کونے پر لگایا۔ وہی قوم تمام دنیا کی سردار بنتی ہے۔ وہی قوم تمام یورپ کو مہذب بنانے والی ہوئی۔ مشرق و مغرب میں اُس نے علوم کا چراغ روشن کر دیا۔ آج تک تمام اعلیٰ علوم انہیں کی کتابوں سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ ایک ایک مسلمان نے وہ شاندار کتاب لکھی ہے جس کے برابر آج بڑی بڑی جماعتیں لگ کر اور لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی نہیں لکھ سکتیں۔ کیسا طاقتور قادر۔ توانا۔ آئندہ کی خبروں سے واقف خدا اس گھر کا ہے جو تیرہ سو سال سے اس قدر عزت پا رہا ہے۔ وہ جسے ابراہیم علیہ السلام والبرکات نے جنگل میں بنایا۔ جنگل بھی وہ جس کے گرداگرد سینکڑوں کوسوں تک کوئی آبادی نہ تھی۔ اس گھر میں خدا کی عبادت کے واسطے اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ دیا۔ اللہ اللہ کیا ہی وہ ایمان تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے سینہ اور دردِ دل میں تھا۔ کیا ہی توکل اور ایمان والی وہ بیوی تھی جس نے اپنے خاوند کو کہا کہ جب یہ خدا کا حکم ہے تو اب تُو جا۔ تیری اور نہ کسی اور کی ہم کو پرواہ ہے۔ کیا ہی پیارا وہ بچہ تھا۔ جس کی خاطر جنگل بیابان میں چشمہ جاری ہوا۔ اور ایسا جاری ہوا کہ آج تک تمام جہان کے لوگ اس کا پانی پیتے ہیں۔ خدا کی ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں تجھ پر اے خدا کے خلیل۔ اے نبیوں کے باپ اور ہزاروں ہزار برکتیں اور رحمتیں تجھ پر ہوں۔ اے عورتوں میں ایک بے نظیر عورت۔ مصر کی شاہزادی اور ابراہیمؑ کی بیوی اور اسمٰعیلؑ کی ماں۔ کیا ہی خدا رسیدہ تیرا دل تھا کہ تُو نے خدا کے حکم کی تابعداری میں اپنے بھاری امتحان کو اپنے سر پر قبول کیا کہ اگر وہ امتحان پہاڑ پر پڑتا تو پہاڑ اس کے بوجھ سے شق ہو جاتا۔ بے شک تو ہی اس قابل تھی کہ تیری اولاد میں سے نبیوں کا سردار محمدؐ پیدا ہوتا۔ تیری اس مضطربانہ دَوڑ کی یادگار میں آج تک لاکھوں انسان مختلف بلاد سے آ کر تیرے

قدم بقدم دوڑتے اور خدا کی حمد کرتے ہیں۔ ایک ابراہیمؑ کے اس گھرانے کی تاریخ خدا تعالیٰ کے دلدادہ اور مقبول بندوں میں ایسی پُر درد ہے کہ دلوں کی کثافت کو دور کرتی اور انسان کو خدا کے نزدیک لا دیتی ہے رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ : اس گھر کی عبادت کرو۔ اس میں اس گھر کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت کے نشانات ہیں۔ ان کی طرف اشارہ ہے۔ اس قسم کا محاورہ تورات میں بھی ہے۔ مثلاً ابراہیم کے خدا کی عبادت کرو۔ اسحٰق کے خدا کی عبادت کرو۔ تم اپنے باپ دادوں کے خدا کی عبادت کرو جو کہ تمہیں مصر سے نکال لایا۔ خانہ کعبہ کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔ اور بیت العتیق بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت یہ خطہ بھی سرسبز و شاداب نہروں اور نباتات کے ساتھ ہو جائے گا چنانچہ اس پیشگوئی کا پورا ہونا آج ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے اور اس کی عبادت میں مصروف ہونے اور توکل سے فائدہ اٹھا کر دنیوی احتیاج سے محفوظ رہنے کی مثالیں فرداً فرداً تو جو ہیں سو ہیں۔ مگر مجموعی طور پر ملک عرب میں اس علاقہ نے اس کا نمونہ دکھایا ہے۔ کہ جب ایک زمین خدا کی عبادت کے واسطے خاص ہوئی تو وہ باوجود بنجر بیابان ہونے کے تمام دنیوی نعمتوں سے متمتع ہو گئی۔ حدیثوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو کوئی اپنی آخرت کے اہتمام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کے نفس میں تونگری دے دیتا ہے۔ اور دنیا کے ہموم سے اسے کفایت کرتا ہے۔ مگر جس نے غافل ہو کر دنیا کے اہتمام سے شغل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے محتاجی کر دیتا ہے۔ اور دنیوی ہموم سے اسے کفایت نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا اس گھر کے واسطے کی تھی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ (بقرہ : ۱۲۷) وہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اور اس سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حرم کے متعلق قرآن کریم میں جو پیشگوئی کی ہے۔ کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت : ۶۸) یہ پیشگوئی آج تک پوری ہو رہی ہے۔ ایک مفسر لکھتے ہیں۔ عرب پہلے جاہل کہے جاتے تھے۔ اسلام لانے سے وہ دنیا کے عالم کہلائے اٰمَنَهُمْ بِالْاِسْلَامِ فَقَدْ كَانُوْا فِي الْكُفْرِ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعِ الْجَهْلِ بِطَعَامِ الْوَحْيِ۔ کافر تھے خدا نے ان کو مسلمان بنایا۔ جہالت میں بھوکے تھے۔ خدا نے طعام وحی سے مالا مال کر دیا۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ پر چڑھائی کی تھی اور اس کو فتح کیا تھا۔ اور آپؐ کے بعد دیگر خلفاء کو بھی ایسا کرنا پڑا اور سب کو فتح حاصل ہوئی اور اہل مکہ نے شکست کھائی

کیونکہ یہ صاحبان بیت اللہ کی تخریب کے واسطے حملہ آور نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس کی حرمت کو قائم کرنے کے واسطے اور فساد کو مٹانے کے واسطے انہیں ایسا کرنا پڑا تھا۔ اس سے ایک نکتہ معرفت حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص جگہ کسی خاص قوم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کہ وہ جو چاہیں سو کریں بہرحال ان کی ہی رعایت ہو گی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو اپنی توحید پیاری ہے۔ اور وہ متقی اور صالح لوگوں سے پیار کرتا ہے۔ خواہ وہ کہیں ہوں۔

اہلِ مکہ عرب والے اور گردونواح کے لوگ بسبب بیت اللہ کی عزت کے جیرانِ بیت اللہ کہلاتے تھے۔ اور اسی سبب سے ان کا نام سکانِ حرم۔ خدا تعالیٰ کی حرم میں رہنے والے وُلاۃُ الکعبہ کعبہ کے والی اور اہل اللہ بھی تھے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

عربی تفسیر کا ترجمہ :

کیا تو نے اس شخص کا حال دیکھا ہے۔ جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ ایسے ہی ایک مکذب ابرھہ نام شاہ حبشں کا ذکر اس سورہ شریف سے پہلے سورہ فیل میں ہو چکا ہے۔ اور اس کے بدانجام کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس سورہ شریف کی ابتداء میں بطور استفہام کے لکھا گیا ہے کہ کیا تو اس مکذّب کو جانتا ہے۔ یہ استفہام اس واسطے ہے کہ سننے والے کو اس مکذب کے معلوم کرنے کا خیال پیدا ہو۔ دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور عقاب ہے۔ جو کہ انسان کو اسکے اعمال پر ملتا ہے۔ مکذب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہ کرے اور اس کی مناہی سے پرہیز نہ کرے اور ابن عباس نے لکھا ہے کہ مکذّب وہ ہے۔ جو خدا کے حکم کی تکذیب کرے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا ہے کہ مکذّب وہ ہے۔ جو وقتِ حساب کا انکار کرے۔

آیت شریفہ فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيْمَ میں فَ سبب کیلئے ہے۔ کسی یتیم کو دھکے دینے کا فعل اس کیلئے مکذبِ دین ہونے کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ذٰلِكَ کا اشارہ تحقیر کے واسطے ہے۔ اور علتِ حکم کے بتانے کیلئے اور موصول صلہ کی تحقیق کیلئے۔ یَدُعُّ کے معنے ہیں۔ دفع کرتا ہے۔ جیسا کہ ابوطالب کے شعر میں ہے۔

يَقْسِمُ حَقًّا لِلْيَتِيْمِ وَلَمْ يَكُنْ
يَدُعُّ الَّذِيْ يسارِ عَنِ الْاصاغِر

جس کے معنے ہیں : یتیم کو اس کا حق تقسیم کرتا ہے۔ اور امراء کی خاطر غرباء کو دھکے نہیں دیتا۔ اور یتیم کا حق مارتا ہے۔ یہ ابن عباس کا قول ہے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ یتیم پر قہر کرتا اور ظلم کرتا ہے یہ اس شریر کی بداعمالی کیسی عجیب ہے کہ کھانا کھلانے اور امن دینے کے بدلے دھکے دیتا ہے۔

يَحُضُّ کے معنے ہیں کہ دوسرے کو اس امر کی ترغیب دیتا ہے کہ محتاج کو کھلائے اور دراصل سب کو خدا تعالیٰ کھانا کھلاتا ہے۔

وَیْلٌ : اس وادی کا نام ہے جو دوزخیوں کی پیپ سے بہ کر نکلے گی۔
سَاھُوْنَ کے لفظ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو نمازوں کے اوقات میں تاخیر کرتے ہیں
اور ابن عباس اور مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ سَاھُوْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز کے
تارک ہیں اور وہ منافق ہیں۔ اسی سبب سے کہا گیا کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ اور نصف مدنی ہے۔ اور سَاہَ
کے معنے ہیں سہو کیا۔
ریا کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے اچھے عمل لوگوں کو دکھانے کیلئے کرتے ہیں۔
مَاعُوْن منفعت کو کہتے ہیں۔ پس اس پانی سے منع کرنا جو بادلوں سے آتا ہے۔ ماعون ہے
عبدالراعی نے ایک شعر میں کہا ہے۔

قَوْمٌ عَلَى الْاِسْلَامِ لَمَّا يَمْنَعُوْا
مَاعُوْنَهُمْ وَيُضَيِّعُوا التَّهْلِيْلَا

وہ قوم جو اسلام پر ہے۔ انہوں نے کبھی ماعون سے منع نہیں کیا اور نہ کبھی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
کو ضائع کیا ہے۔
یہاں مَاعُوْن سے مراد اطاعت اور زکوٰۃ ہے۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ماعون سے
مراد زکوٰۃ ہے اور صدقہ مفروضہ ہے۔ یہ ابن مسعود اور ابن عمر کی روایت ہے۔ اور ماعون ایسی متاع
کو بھی کہتے ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مانگنے پر دیتے ہیں۔ جیسا کہ دیگچی اور ڈول اور کلہاڑی
اور ایسی اشیاء۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)
اس سورۃ کو اس کے پہلے لفظ کے لحاظ سے سورۃ اَرَاَیْتَ بھی کہتے ہیں جیسا کہ اور بھی
بعض سورتوں کا نام ان کے پہلے الفاظ کے لحاظ سے ہیں۔ مثلاً۔ وَالصّٰفّٰتِ۔ الرَّحْمٰن۔ النَّجْم۔
الطُّوْر وغیرہ۔
دوسرا نام اس سورہ شریف کا اَلدِّیْن ہے کیونکہ اس میں جزا و سزا کے ضروری اور اہم مسئلہ
کی تکذیب کرنے والے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔
تیسرا نام اس سورۃ شریف کا سورۃ المَاعُوْن ہے اور زیادہ تر مشہور یہی نام ہے۔ مَاعُوْن
کے معنے مفصّل آگے بیان ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ
چوتھا نام اس سورۃ کا سورۃ الیتیم ہے۔ کیونکہ اس میں یتیم کے ساتھ محبت کرنے اور اس
پر دستِ شفقت رکھنے کی طرف خاص طور پر ترغیب دی گئی ہے۔

بعض روایات کے مطابق یہ سورہ شریفہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور بعض کے نزدیک نصف اوّل مکہ میں نازل ہوا تھا۔ اور نصف دوم مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ اور چونکہ نصف آخر میں منافقین کی طرف اشارہ ہے۔ اور مکہ معظمہ میں بہ سبب تکالیف اور مصائب کے ہنوز صرف مخلص لوگ شامل تھے۔ اور ایسے وقت میں ممکن نہ تھا۔ کہ کوئی منافق کمزور شامل ہو سکے۔ اس واسطے قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ نصف آخر مدنی ہو۔ لیکن چونکہ اکثر آیات میں جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھیں آئندہ حالات کی بھی پیشگوئیاں ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قیاس بالکل صحیح نہیں ٹھہرتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایک بار بلکہ کئی بار نازل ہوئی ہوں۔ جیساکہ حضرت مسیح موعودؑ کے تازہ حالات میں دیکھتے ہیں کہ ایک پیشگوئی وحی الہٰی میں ایک دفعہ نازل ہو کر مثلاً کتاب براہین احمدیہ میں چھپ چکی ہے۔ لیکن جب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تو نزول اوّل کے بیس پچیس سال بعد پھر وہی الہام الہٰی کلام میں دوبارہ نازل ہوئے۔

ایسا ہی شانِ نزول کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ عطاء وجابر کا قول حضرت ابن عباسؓ سے ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور دوسرے قول میں ہے کہ یہ سورت نصف اوّل عاص بن وائل کے حق میں ہے اور نصف ثانی عبداللہ بن ابی بن سلول کے حق میں ہے۔ سدی نے کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ ضحاک نے کہا ہے کہ عمر بن عاید کے حق میں ہے۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ ابوسفیان کے حق میں ہے یتیم کے جھڑکنے کے متعلق ابوجہل کا ایک قصہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی دولتمند مکہ میں قریب المرگ ہوتا تو اس کے پاس جا کر کہتا کہ تیرے بال بچے تیرے بعد داوارثوں کے سبب خراب حال ہو جائیں گے بہتر ہے کہ تو اپنا مال متاع میرے سپرد کر دے۔ اس طرح یتیموں کا مال لے لیتا اور پھر جب وہ مر جاتا تو ان یتیم بچوں کو صاف جواب دے دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا۔ ذکر ہے کہ ایک یتیم جس کے ساتھ اس نے ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا تمام قصہ عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ یتیموں پر بہت رحم کرتے تھے اسکی خاطر ابوجہل کے پاس چل کر گئے اور اسے سمجھایا اور یتیم کی سفارش کی مگر وہ ناہکار اور بھی افروختہ ہوا۔ اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توہین کی۔ جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ایسا ہی بعض مفسرین نے ایک روایت یہ بھی لکھی کہ ایک دن ابوسفیان یا ولید بن مغیرہ نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اور ہنوز اس کے حصے ہی کر رہا تھا کہ ایک یتیم نے آ کر سوال کیا۔ اس نے لاٹھی سے اس یتیم کو مارا۔ تب حق تعالیٰ نے اس کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

یہ بھی حکمتِ الٰہی ہے کہ انجیل اور توریت کی طرح قرآن شریف میں ہر آیت کے ساتھ اس کا شانِ نزول درج نہیں۔ ابتداء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے درمیان کبھی شانِ نزول یا مقامِ نزول ساتھ ساتھ نہیں لکھائے۔ جیسا کہ توریت انجیل میں اور دیگر صحفِ انبیاء میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کوئی اور نبی پھر اس مقام پر گیا اور اس آدمی کو ملا اور اس وقت پر اس پر یہ وحی نازل ہوئی یا خود اس نے یہ کلام کیا۔ برخلاف اس کے قرآن شریف اول سے خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک سمندر کی طرح اس کی روانی ہے جس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ بشر کے کلام کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور چونکہ یہ کلام کسی خاص مکان کے واسطے تھا اور نہ کسی خاص قوم کے واسطے جیسا کہ توریت انجیل وغیرہ دیگر کتب سماوی ہیں۔ اس واسطے اس میں شانِ نزول ساتھ ساتھ نہ لکھے گئے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا۔ کہ اس بات کی حفاظت بھی پورے طور سے نہ ہوئی کہ یہ آیتیں کب اور کس کے حق میں اول نازل ہوئی تھیں یہاں تک کہ ترتیبِ نزولی بھی خدا تعالیٰ نے قائم نہ رہنے دی قرآن شریف کی ترتیب اور اس کے درمیان شانِ نزول اور مقامِ نزول کا نہ لکھا جانا خود اس بات کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے کہ یہ کتاب برخلاف دیگر کتبِ سماوی کے تمام زمین کے واسطے اور قیامت تک سب زمانوں کے واسطے اور سب قوموں کے واسطے خدا تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

سورۃ ایلاف میں اللہ تعالیٰ نے قریش کو اپنے انعام یاد دلائے ہیں۔ اس کے بعد ان کو یہ سمجھایا گیا کہ جب خدا تعالیٰ کے اس قدر فضل تم پر ہوئے ہیں تو اب تمہیں چاہیئے کہ ان رزائل اور بدیوں سے بچو جن سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اور جن کا ذکر اس سورۃ ماعون میں کیا گیا ہے۔[1]

۲۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۲﴾

اَرَءَيْتَ : آیا دیدی؟ کیا دیکھا تو نے؟ اس میں بظاہر استفہام ہے اور دراصل مطلب تعجب سے ہے کہ کیا ایسے شخص کو بھی تم نے دیکھا ہے۔ اس قسم کے طرزِ کلام میں ایک زور اور خوبصورتی ہے

اَلَّذِيْ : جو کہ۔ وہ جو۔ جو شخص کہ

يُكَذِّبُ : جھٹلاتا ہے۔ تکذیب کرتا ہے۔

بِالدِّيْنِ : جزا و سزا کو کہتا ہے کہ نیکی پر انعام یا بدی پر سزا فرضی باتیں ہیں۔ اس دنیا میں

---

[1] ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳؍اکتوبر ۱۹۱۲ء

انسان زندگی گزار کر مرجاتا ہے ۔ اور بس ۔ پھر کچھ نہیں ۔ ایسے لوگ اس زمانہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ مادی لوگ میٹریلسٹ کہلاتے ہیں ۔ انبیاء علیہم السلام کے بڑے اور عظیم الشان کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان بالآخرت پر قائم کریں ۔ اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بھی یوم الدین پر ایمان کا قائم کرنا امن وامان کے قیام کے واسطے نہایت ضروری ہے ۔ جو شخص اعمال کی جزا وسزا کا قائل نہیں ۔ وہ بے دھڑک ہو کر جس کا مال چاہے گا ناجائز طور پر کھائے گا ۔ ظاہری سلطنتیں دلوں کو درست کرنے سے قاصر ہیں ۔ دلوں کو راہِ راست پر لانا صرف روحانی سلطنتوں کا کام ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ذریعہ سے دنیا میں ہمیشہ قائم ہوتی ہیں۔

اسی پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے ۔ کہ میں گورنمنٹ برطانیہ کی سلطنت کی حفاظت کے واسطے ایک تعویذ ہوں ۔ کیونکہ آپ مخلوق کے دلوں میں تقوٰی اور راستی کی بنیاد ڈال رہے ہیں ۔ گورنمنٹ کے برخلاف جہادی خیالات جو اس ملک میں مشنری ۔ عیسائی پادری ۔ مسلمان ملاں اور آریہ لوگ پھیلا رہے ہیں اسکو اعتقادی رنگ میں لوگوں کے دلوں سے نکال رہے ہیں اور علاوہ اس کے اپنے مریدوں سے یہ اقرار لیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نیکی کو اختیار کریں ۔ راست بازی پر چلیں بدی کو چھوڑ دیں ۔ کسی قسم کی بغاوت میں ہرگز شامل نہ ہوں ۔ جو لوگ جزا وسزا کے قائل نہیں وہ دنیوی مصائب سے گھبرا کر خودکشی کر لیتے ہیں تاکہ اس عذاب سے چھوٹ جاویں ۔ اگر ان کو معلوم ہوتا اور یقین ہوتا کہ آگے ایک اَور عذاب ان کے واسطے موجود ہے تو وہ ایسا نہ کرتے ۔ یہ یوم الدین کے انکار کا سبب ہے کہ یورپ امریکہ میں اس کثرت کے ساتھ خودکشی ہر سال ہوتی ہے ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ میں دنیوی مصائب سے تنگ ہوں اور چاہتا ہوں کہ خودکشی کر لوں ۔ حضرت نے اس کو جواب لکھا کہ خودکشی سے کیا فائدہ ، مرنے سے انسان کا خاتمہ نہیں ہو جاتا ۔ بلکہ ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے ۔ خودکشی کرنا گناہ ہے اور اس کے واسطے عذاب ہے اس سے بچنا چاہیئے ۔

دین کے معنے مذہب کے بھی ہیں ۔ اس صورت میں اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ کے یہ معنے ہیں کہ کیا تُو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے اور آگے تشریح ہے کہ دین کے جھٹلانے سے اس جگہ کیا مراد ہے ۔ یتیم کو جھڑکنا ۔ مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہ دینا ۔ نماز سے لاپرواہی کرنا ریاکاری کرنا ۔ ماعون سے روکنا ۔ ایسا آدمی خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے ہے ۔ اور وہ دین کو جھٹلانے والا ہے ۔ کیونکہ ایسا کرنیوالا درستگیٔ اعتقاد یعنی ایمان متعلق جزاء وسزاء سے بے بہرہ ہے ۔ اور تہذیب اخلاق سے بھی عاری ہے ۔ کیونکہ نہ وہ دفعِ شر کرتا ہے اور نہ طلبِ منفعت کرتا ہے اور نہ وہ تزکیہ نفس کی طرف

توجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ نماز سے تساہل کرنیوالا ہے اور ادنیٰ چیزوں سے جو گھر کے اندر عام استعمال میں آتی ہیں۔ ایک دوسرے کو برتنے سے منع کرتا ہے۔ اور اخلاق کے ادنیٰ مراتب سے بھی گرا ہوا ہے۔

۱۔ نماز پڑھتا ہی نہیں ۲۔ یتیم کو دھکے دیتا ہے ۳۔ مسکین کو کھانا نہیں دیتا ۴۔ ادنیٰ چیزوں کے باہمی استعمال سے مضائقہ کرتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

بخیل ار بود زاہد و بحر و بر ؛ بہشتی نباشد بحکم خبر

۳۔ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲

فَذٰلِكَ : پس یہی ہے — الَّذِيْ : وہ جو

يَدُعُّ : دھکے دیتا ہے — الْيَتِيْمَ : یتیم کو

یتیم کی اہانت کرنیوالے اور اس پر سختی کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے درمیان شمار فرمایا ہے جو کہ دین کے مکذب ہیں۔ یتیم سب ضعیفوں سے زیادہ ضعیف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یتیم کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور یتامیٰ کی بہت خبر گیری کرتے تھے۔ ہماری انجمن اشاعتِ اسلام نے بھی اپنے اخراجات میں ایک مد یتامیٰ کی رکھی ہے۔ اور مدرسہ تعلیم الاسلام میں بہت سے یتیم پرورش پا رہے ہیں۔ جن کے ہر قسم کے اخراجات تعلیمی اور پوشاک و خوراک وغیرہ کے انجمن برداشت کر رہی ہے۔

۴۔ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳

وَلَا يَحُضُّ : اور نہیں رغبت دلاتا اور نہیں تاکید کرتا۔

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ : مسکین کے کھانا کھلانے پر۔

یہ دوسری مذمت مکذب کی ہے کہ اوّل تو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور دوم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا۔ اور نہ کسی دوسرے کو اس امر کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ مسکین کو کھانا کھلایا کرے۔

اس جگہ مکذب کی دو بڑی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور دوم یہ کہ مسکین کو کھانا نہیں دیتا۔ مسکین اور یتیم ہر دو عام لفظ ہیں۔ اور ہر ایک شخص جو مساکین اور یتامیٰ کے ساتھ بدسلوکی کریگا۔ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر وارد کریگا۔ لیکن اس میں ایک باریک اشارہ ایک خاص یتیم اور مسکین کی طرف ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیوی تعلقات کو قطع کر دیا ہے

اور دنیوی اموال اور جاہ وحشم کو بالکل ترک کر دیا ہے ۔ اور وہ خدا کی خاطر ایک یتیم اور مسکین بن گیا ہے تب خدا تعالیٰ نے اسکو اپنی ہستی کے ثبوت کے واسطے ایک حجت اور نشان مقرر کر کے دوبارہ دنیا میں داخل کر دیا ہے ۔ خداوند تعالیٰ کے تمام انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے ۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں عام طور پر اپنی بے دینی کے باعث یتامیٰ اور مساکین پر ظلم روا رکھتے ہیں ۔ وہ اپنی عادت کے مطابق آیات اللہ کے ساتھ ٹکر کھا کر اپنی بداعمالیوں کا آخری نتیجہ پا لیتے ہیں ۔ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یتیم اور مسکین، بے کس اور بے بس ایک اکیلا انسان سمجھا ۔ اور آپؐ کے ساتھیوں کو چند غرباء ضعفاء کے سوائے نہ پایا اور آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے ۔ خدا تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو ایسا خاک میں ملایا ۔ اور ان کو ایسی ناکامی کا منہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی دکھایا کہ اسکی نظیر تاریخ کے معرکہ ہائے جنگ وجدال میں نظر نہیں آتی ۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کا ایک مرسل ہمارے درمیان موجود ہے ۔ جس نے آبائی عزت وجاہ اور اموال وجاگیر کو اپنے خدا کی محبت کے آگے ہیچ جان کر سب کچھ ترک کیا اور گوشہ میں بیٹھ کر گمنامی کے درمیان اپنے خدا کی یاد کو سب باتوں پر ترجیح دی ۔ دنیا نے اس کو یتیم اور مسکین دیکھا ۔ اور دنیا کے فرزندوں نے چاہا کہ اس مسکین کو کھانا نہ دے اور نہ اس کو ملے ۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی بات کرے اور اس کے حق میں سخت سے سخت کفر کے فتوے لگائے لیکن خدا تعالیٰ کا غضب ایسے کفر بازوں پر نازل ہوا اور ان کے نوجوانوں کو کھا گیا اور انکے بچوں کو یتیم کر گیا اور ان کے گھروں کو ویران کر گیا ۔ پر وہ جس کیلئے کہا گیا کہ کوئی اس کو کھانا نہ دے ۔ اس کا گھر خدا نے ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ بھر دیا ۔

پس بڑا بدنصیب وہ ہے جو خدا کے فرستادہ کو یتیم اور مسکین دیکھ کر دھکے دے اور دوسروں کو بھی اس کے پاس جانے سے روکے ۔

۵، ۶ ۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝

فَوَيْلٌ : پس وائے ہے ۔ پس افسوس ہے ۔ پس ہلاکت ہے ۔
لِّلْمُصَلِّيْنَ : واسطے نمازیوں کے
الَّذِيْنَ : وہ جو
هُمْ : وہ

عَنْ صَلٰوتِهِمْ : اپنی نماز سے

سَاهُوْنَ : سہو کرنیوالے ہیں۔ غفلت کرنے والے ہیں۔ تساہل کرنیوالے ہیں۔
اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ جو نماز کے معاملہ میں سستی اور غفلت کرتے ہیں۔

مُصَلِّیْنَ وہ لوگ جو نماز کے واسطے مکلف ہیں۔ نماز میں غفلت کئی طرح سے ہوتی ہے۔

۱۔ بعض لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔ رسمی طور پر مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر کبھی ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ نماز کا پڑھنا مسلمان کے واسطے فرض ہے اور جب تک کہ وہ اپنے عین کاروبار کے درمیان وقتِ نماز کے آنے پر تمام دنیوی خیالات کو بالائے طاق رکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتا۔ تب تک اس میں اسلامی نشان نہیں پایا جاتا۔ ہر ایک قوم والوں کے درمیان کوئی مذہبی نشان ہوتا ہے عیسائی لوگوں نے وہ نشان صلیب کا رکھا ہے۔ جس کو وہ لکڑی یا لوہے یا چاندی سونے کی بنوا کر اپنی چھاتی یا سر پر اور معبد خانوں کے اوپر لگا دیتے ہیں۔ اس واسطے عیسوی مذہب کو صلیبی مذہب کہتے ہیں۔ اور عیسائیوں نے جو لڑائیاں اپنے مذہب کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ کیں ان کو صلیبی جنگ کہتے ہیں۔ ایسا ہی ہندو لوگ اپنے ہندو ہونے کی نشانی میں بدن پر ایک تاگہ رکھتے ہیں جسے زُنّار یا جینیو کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان ان کے اسلام کی نشانی یہی ہے کہ مسلمان ہر حالت رنج و راحت۔ صحت و بیماری۔ امن و جنگ میں اپنے وقت پر اپنے خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضری بھرنے کے واسطے چُست ہو جاتا ہے۔ عین جنگ کے موقعہ پر جہاں دشمنوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہوتی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ صف بندی کر کے نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اس سے بڑھ کر نماز کے واسطے اور کیا تاکید ہو سکتی ہے۔

۲۔ وہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی کبھی جس دن کپڑے بدلے یا صبح کے وقت جب ہاتھ مُنہ دھویا اور نماز بھی اتفاق سے پڑھ لی یا چند ایسے دوستوں میں قابو آ گئے جو نماز پڑھتے ہیں۔ تو وہاں انکے درمیان مجبوراً پڑھ لی۔ یہ لوگ بھی غفلت کرنیوالوں میں شامل ہیں۔

۳۔ پھر کچھ ایسے لوگ ہیں۔ جو پڑھتے تو ہیں مگر بہ سبب تکبر کے یا بہ سبب سستی کے اپنے گھروں میں پڑھ لیتے ہیں ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں جب نماز کا وقت آیا تو اسی جگہ جلدی جلدی نماز پڑھ لی۔ گویا ایک رسم ہے جس کو ادا کرتے ہیں یا ایک عادت ہے جس کو پورا کرتے ہیں۔ مسجد میں جانا اور جماعت کو پانا ان کے نزدیک ایک بے فائدہ امر ہے۔ یہ لوگ بھی غافلین میں شامل ہیں۔ اکثر آجکل کے دنیوی رنگ میں بڑے لوگوں میں اگر کسی کو نماز کی عادت ہے۔ (تو ایسی ہے)۔

۴۔ بعض لوگ مسجد میں بھی جا کر پڑھتے ہیں۔ مگر بے دلی کے ساتھ۔ ان میں تعدیلِ ارکان کا خیال

نہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے نہیں جھکتے اور جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں ۔ اور نماز کے اندر وساوس کو اور غیر خیالات کو بلاتے ہیں ۔

۵ ۔ پھر وہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں مگر ویسی نماز نہیں پڑھتے جو خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سکھلائی اور اس کے رسولؐ نے اپنی اُمّت کو سکھلائی بلکہ وہ اپنے لئے ایک نئی نماز ایجاد کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ جس وقت یہ سورہ شریف نازل ہوئی تھی ۔ اس وقت بھی تو نماز پڑھی جاتی تھی ۔ اور ظن کرتے ہیں کہ تاریخی شہادتیں تمام جھوٹی ہیں ۔ خواہ کسی قدر جانفشانی کے ساتھ وہ واقعات سینہ بسینہ جمع کئے گئے ہوں ۔ گویا ان کے نزدیک تمام جہان کی تاریخ جھوٹ ہے ۔ اور اس میں کچھ راستی نہیں ۔ اور کہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہر ایک انسان اپنے لئے آپ قرآن شریف کو سمجھے گا اور وہ دنیا میں ہزارہا اشیاء کے محتاج ہیں لیکن جب انہیں کہا جائے کہ تم قرآن شریف کو سمجھنے کیلئے بھی کسی کے محتاج ہو تو اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن شریف کسی کا محتاج نہیں وہ کلامِ الٰہی ہے ۔ اور سچ ہے کہ وہ محتاج نہیں ۔ لیکن کیا انسان بھی محتاج نہیں ۔ کیا ماں کے پیٹ سے کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر نکلا تھا ؟ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ نماز جو دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں ۔ وہ درست نہیں ۔ خواہ اس کے متعلق سچی اور حقیقی شہادت دکھائی جائے کہ آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اسی طرح پڑھی تھی اور کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی وہ قابلِ اعتبار نہ تھے ۔ اور نہیں سوچتے کہ اگر وہ سب کے سب ایسے ہی تھے تو پھر قرآن شریف بھی ہم تک انہیں بزرگوں کے ذریعہ سے پہنچا ہے پس کیونکر یقین ہو کہ قرآن بھی اصلی ہے ؟ کیونکہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہے ۔ مگر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ حفاظت کی آیت بھی ان لوگوں نے اپنے پاس سے ڈال دی ہو جنہوں نے ہم تک قرآن پہنچایا ؟ پس یہ راہ بہت ہی خطرناک ہے جو چکڑالوی اور اس کے ہم خیالوں نے اختیار کی ہے !

۷ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝

الَّذِيْنَ ؛ وہ لوگ جو ۔

هُمْ يُرَآءُوْنَ ؛ دکھاوا کرتے ہیں ۔ ریاکاری کرتے ہیں ۔ وہ لوگ جو لوگوں کی خاطر یا لوگوں کے سامنے لمبی نماز پڑھتے ہیں اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو پھر نہیں پڑھتے یا کسل کے ساتھ نماز کو ادا کرتے ہیں ۔ لیکن اصل بات نیت پر موقوف ہے ۔ اگر کوئی شخص سچے اخلاص کے ساتھ اور صدق

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے تو خواہ اس کو کوئی دیکھا کرے اس امر کا اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت ابوہریرۃ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک آدمی آیا اور مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔ اس کا یہ دیکھنا مجھے بھلا معلوم ہوا میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تیرے لئے دُہرا اجر ہے۔ ایک ستر کا اجر اور ایک علانیہ کا۔ غرض یہ باتیں زیادہ تر نیت پر موقوف ہیں۔ بعض لوگ اس نیت سے ظاہری طور پر صدقہ وخیرات کرتے ہیں کہ دوسروں کو بھی نیک کام کے واسطے ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اندر سے ایک نیکی کا کام کرتے ہیں اور ظاہر میں اس کو بدی کا رنگ دیتے ہیں تاکہ خلقت کی نظروں میں وہ بد دکھائی دیں۔ میرے نزدیک یہ بھی ریاکاری ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے عمل میں خلقت کی نظر بد یا نیک کی پرواہ کی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے خدا تعالیٰ کے واسطے خالصتہً عبادت کرے پھر خواہ خلقت اسکو بُرا سمجھے یا بھلا۔ اس امر کی پرواہ نہیں چاہیئے۔ اور اپنے ظاہر کو جان بوجھ کر بُرا بنانا آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی اس دُعا سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ وہ دعا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی اور اس طرح ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً

اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو اچھا کر۔

۸۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۸﴾

اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیز سے۔

ماعونؔ بروزن فاعولؔ تھوڑی چھوٹی اور ادنیٰ شئے کو کہتے ہیں جو ایکدوسرے کو مانگنے سے استعمال کے واسطے دی جاوے تو دینے والے کا حرج نہ ہو اور لینے والے کو فائدہ ہو جاوے۔ جیسا اس ملک میں پینے کیلئے پانی، چولہے کی آگ، تھوڑا نمک، کلہاڑی، ہاون دستہ وغیرہ۔ گھر میں ایسی اشیاء کا رکھنا جو ہمسایہ کے کام کبھی کبھی آویں۔ موجب ثواب ہے۔ بعض کے نزدیک ماعونؔ زکوٰۃ کو کہتے ہیں اس سورۃ شریف میں جو نشانیاں مکذّبانِ دین کے واسطے بیان کی گئی ہیں وہ سب یورپ کے عیسائیوں پر ایسی چسپاں ہوتی ہیں کہ گویا یہ سورہ شریف ان کے ہی حق میں نازل ہوئی تھی۔ سب سے اوّل دین کی تکذیب ہے۔ سو یورپ کے علماء ہی جنہوں نے دنیا میں سب سے پہلے یہ بات ظاہر کی ہے کہ دین ایک لغو امر ہے۔ مذہب کی طرف توجہ ہی کرنا بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ یتیم اور مساکین کو جھڑکنے کا یہ حال ہے۔ کہ اگر کوئی مسکین اور یتیم راہ میں کسی سے سوال کر بیٹھے تو وہ مجرم گردانا جاکر جیل خانہ

میں بھیجا جاتا ہے۔ کسی غریب کو اپنے گھر بلا کر روٹی کھلانا یا مسافر کی خاطرداری کرنا زمانہ جہالت کا طریق خیال کیا جاتا ہے۔ نماز سے غفلت کا یہ حال ہے کہ ہفتہ میں ایک دن اور اس دن میں بھی ایک گھنٹہ نماز کے واسطے مقرر ہے۔ اس میں کوئی دس فیصدی عیسائی گرجا جاتے ہوں گے۔ ہاں دکھاوے کے کام بہت ہیں۔ چندوں کی لمبی فہرستیں شائع کی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو برتنے کے واسطے کوئی شئے لینا دینا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس سے خیال پڑتا ہے کہ شاید یہ سورۃ بھی دجّال کے حق میں ہی نازل ہوئی ہو۔ جس کے مقابلہ کے واسطے خدا نے اس زمانہ میں اپنا مسیح بھیجا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۲ تا ۴۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ② فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ③ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ④

عربی تفسیر سے ترجمہ :

جیسا کہ کتاب الدر المنثور میں لکھا ہے۔ یہ سورہ شریف حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے قول کے مطابق مکی ہے۔ اور تفسیر عینی اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ بحر میں بھی یہ قول جمہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا۔ تو آپؐ نے سنایا کہ شب معراج میں مَیں نے ایک نہر دیکھی جس کے ارد گرد موتیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے مگر خالی تھے۔ پس میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ یہ کوثر ہے۔

مجاہد اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ سورہ شریف مدنی ہے اور کتاب اتقان میں اسی قول کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اور نووی نے مسلم کی شرح میں بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ احمد اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور بیہقی نے اپنی کتابوں میں اور ایسا ہی ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ اور ابن ابی شیبہ نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر تک سر نیچے رکھا اور پھر سر اٹھا کر تبسم فرمایا اور کہا کہ ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر سورۃ کوثر پڑھی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

لفظ کوثر۔ بخاری اور حاکم اور ابن جریر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا شئے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے۔ جو میرے

رب نے مجھے عطا کی ہے۔ وہ نہر جنت میں ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے۔ قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہوگی۔ اس کا برتن ستاروں جتنا وسیع ہے۔ ان میں سے ایک آدمی اس پر سے ہٹایا جاوے گا تو میں کہوں گا کہ میرے رب۔ یہ تو میری اُمت کا آدمی ہے۔ اسے کیوں ہٹایا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ تو نہیں جانتا کہ اس نے تیرے بعد کیسی نئی باتیں نکالی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوثر اس خیر کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی ہے۔ ابوبشر لکھتا ہے کہ میں نے سعید ابن جبیر کو کہا کہ لوگ تو خیال کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں نہر کا نام ہے۔ اور آپ کہتے ہیں وہ خیر ہے تو سعید نے کہا کہ جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اسی خیر میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے رسول ؐ کو عطا کی ہے۔

حدیث شریف کی کتاب نسائی میں فِی الْجَنَّۃِ کی بجائے فی بَطْنَانِ الْجَنَّۃِ آیا ہے اور بَطْنَانِ الْجَنَّۃِ کے معنے ہیں بہشت کے وسط میں۔ ابن ابی شیبہ اور احمد اور ترمذی نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح بتلایا ہے اور ابن ماجہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ وہ نہر موتیوں پر اور یاقوت پر جاری ہے۔ اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔ اور شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اور نافع بن ارزق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کوثر کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو کہ بہشت کے وسط میں ہے اور اس کے اردگرد موتیوں کے اور یاقوت کے خیمے ہیں۔ اس میں بیویاں اور خدام ہیں۔ نافع نے کہا کہ اہل عرب ان معنوں سے واقف ہیں؟ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ہاں واقف ہیں۔ کیا آپ نے حسان ؓ ابن ثابت کا یہ شعر نہیں سنا۔

وَحَبَاہُ الْاِلٰہُ بِالْکَوْثَرِ الْاَکْبَرِ فِیْہِ النَّعِیْمُ وَالْخَیْرَاتُ

ترجمہ شعر: اور خدا نے اسے کوثر عطا کیا ہے۔ بڑا کوثر جس میں نعمتیں اور بھلائیاں ہیں۔

لفظ کوثر کثرت سے نکلا ہے اور اس کے معنے ہیں۔ بہت ساری چیز۔ بہت زیادہ۔

کمیت شاعر کہتا ہے۔

وَاَنْتَ کَثِیْرٌ یَا ابْنَ مَرْوَانَ طَیِّبٌ ❁ وَکَانَ اَبُوْکَ ابْنَ الْفَضَائِلِ کَوْثَرًا

اے ابن مروان تو کثیر ہے اور طیب ہے۔ اور تیرا باپ بہت بڑی بڑی فضیلتوں والا تھا۔

بزاز نے اور دوسروں نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف ایک دفعہ مکہ میں آیا تو قریش نے اسے کہا کہ تو ہمارا سردار ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا المنصبر المنبتر کی طرف

وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے۔ حالانکہ ہم وہ ہیں جو لوگوں کو حج کراتے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں اور لوگوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ کعب بن اشرف نے کہا نہیں تم اس سے اچھے ہو اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے باقی تفسیر اس طرح سے ہے۔ کہ ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کی ہے۔ کہ کوثر کے معنے ہیں۔ قرآن شریف۔ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ کوثر اس کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور خیر اور قرآن شریف عطا کیا تھا اور ابن ابی حاتم اور حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب سورۂ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے کہا کہ اس وحی الٰہی میں نَحَر سے کیا مراد ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد کوئی قربانی نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے اس میں آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ نماز پڑھیں اور اللہ اکبر کہیں تو اس وقت اپنے ہاتھ اٹھایا کریں اور جب رکوع کریں اور جب رکوع سے سر اٹھائیں تو اس وقت بھی ہاتھ اٹھایا کریں۔ یہ ہماری نماز ہے اور یہی ان سب فرشتوں کی نماز ہے جو کہ سات آسمانوں میں ہیں۔ اور ہر ایک چیز کے واسطے ایک زینت ہوتی ہے۔ پس نماز کی زینت یہ ہے کہ ہر ایک تکبیر کے وقت رفع یَدَین کی جاوے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رفع یَدَین کرنا وہ استکانت ہے۔ جس کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں ہے کہ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ (المومنون، ۷۷) اور ابن ابی شیبہ سے روایت ہے اور بخاری اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور دار قطنی اور ابو الشیخ اور حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے متعلق روایت کی ہے کہ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی کے وسط پر رکھا اور پھر دونوں ہاتھوں کو نماز میں اپنے سینہ پر رکھا اور ابو الشیخ اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہ مراد ہے کہ جب تو نماز پڑھے اور اپنا سر رکوع سے اونچا کرے تو سیدھا کھڑا ہو جا۔ اور ابی الاحوص سے روایت ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہ مراد ہے کہ اپنی قربانی لیکر قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی

ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں صلوٰۃ سے مراد فرض نماز ہے اور قربانی سے مراد عیدالاضحیٰ کی قربانی ہے۔ اور ابن جریر نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ نماز سے مراد عیدالاضحیٰ کی نماز ہے۔ اور قربانی سے مراد بھی اس عید کی قربانی ہے۔

اس کے بعد عربی تفسیر میں صرف ونحو کا وہ حصہ ہے جو عام فہم نہیں ہے۔ اس واسطے اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن اس میں سے چند باتیں بطور اختصار کے درج کی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے عطائے کوثر کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے اوّل حرفِ تاکید کا فرمایا ہے۔ پھر صیغہ ماضی میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی ایک تاکید ہے۔ اور دیگر صرفی نحوی تاکیدیں بھی ان الفاظ میں ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔ آپؐ کے واسطے کوثر کا ملنا ایک امر مقدر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت سے آپ کو عطا ہوا ہے۔ ایسا لفظ اَعْطٰی کا استعمال بھی اسی فضلِ عظیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ورنہ صرف دینے کے مفہوم کے واسطے عربی میں لفظ اٰتٰی بھی آسکتا تھا۔ ایسا ہی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے كَ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے اور ایسا نہیں فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولؐ یا نبی یا عبد کو کوثر عطا کیا ہے۔ اس میں بھی رحمانیت کے خاص فضل اور عطاء کا تذکرہ ظاہر کیا ہے۔ ایسا ہی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ میں بھی دشمن کے بے نسل ہونے کو بہت سی تاکیدوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے یہ بات ضرور ہو جانے والی ہے۔

اس سورۃ کا پہلی سورۃ (الماعون) سے یہ تعلق ہے۔ کہ سورہ ماعون میں ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ مکذّب بالدّین۔ بخیلؔ۔ تارکِ صلوٰۃ۔ ریاکار۔ مانعِ زکوٰۃ۔ اور مانعِ ماعون ہے اور اس سورۃ شریف میں ایسے آدمی کا ذکر ہے۔ جو اُن بُری عادات کے بالمقابل تمام نیک صفات سے متصف ہے۔ وہ مکذّب تھا تو یہ اوّل المؤمنین اور مصدق ہے۔ خدا کی طرف سے اسے کوثر عطا کیا گیا۔ وہ بخیل اور مانع زکوٰۃ اور مانعِ ماعون تھا تو یہ وَانْحَرْ کے حکم پر چلنے والا ہے۔ وہ تارکِ صلوٰۃ اور ریاکار تھا تو یہ فَصَلِّ کی پیروی کرنیوالا ہے۔ اور وہ بھی لِرَبِّكَ خاص خدا کے واسطے۔ کسی انسان کے واسطے نہیں۔ کسی کو دکھانے کے واسطے نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)

کوثر جنّت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اور کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہر بھی خیر کثیر سے ہے۔ اور خیر کثیر میں وہ بہت سی باتیں شامل ہیں جو ہمارے نبی کریم خاتم النبیین ربّ العٰلمین کے رسول اور گنہ گاروں کے شفیع کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

اس خیر کثیر میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے اسمائے حسنیٰ جس قدر قرآن شریف میں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی بتلائے گئے ہیں۔ ان کی مثال کسی آسمانی کتاب میں نہیں پائی جاتی اور اسی خیر کثیر میں سے وہ محامدِ الٰہی ہیں جو دینِ اسلام کے ذریعہ سے دنیا پر پھیلائے جا رہے ہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ کس طرح سے مسلمان آواز بلند کے ساتھ بلند میناروں اور اونچی جگہوں پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرتے ہیں اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہیں۔ کیا اللہ اکبر سے بڑھ کر کوئی بڑا لفظ خدا تعالیٰ کی کبریائی کے واسطے تمہیں معلوم ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تسبیح سے بھری ہوئی کسقدر دعائیں ہر ایک موقعہ پر کی جاتی ہیں۔ کھانے کے وقت کی دعائیں اور پینے کے وقت کی دعائیں اور سو کر اٹھنے کے وقت کی دعائیں اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور مسجد سے نکلتے وقت کی دُعا اور کھڑا ہونے کے وقت کی دعا اور بیٹھنے کے وقت کی دُعا اور بازار کو جانے کی دُعا اور بازار سے لوٹنے کی دُعا اور ایسا ہی سفر کی دعائیں اور حضر کی دعائیں اور دُکھ درد کے وقت کی دعائیں اور جنگ کے وقت کی دعائیں اور چارپائی پر لیٹنے کے وقت کی دعائیں اور حاجت کے وقت کی دُعا او تکلیف۔ اور غم اور حزن اور فتنوں کے وقت کی دعائیں۔

غرض اسلام میں ہر وقت انسان اپنے رب کی حمد اور تسبیح میں مصروف ہے۔ اور کسی وقت بھی اسکی تعریف سے غافل نہیں۔ یہ ایک خیر کثیر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہوئی ہے۔

پھر دیکھو کہ اسلامی لٹریچر میں ہر ایک کتاب کا ابتداء اور انتہاء اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف سے ہوتا ہے۔ اور ہر ایک خطبہ اور ہر ایک رسالہ خدا کے نام کی تعریف سے شروع کیا جاتا ہے اور خدا کی تعریف کے ساتھ ہی ختم کیا جاتا ہے اور یہ بھی کوثر کا نتیجہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جو ربّ العٰلمین ہے اور یہ کثرت میں سے ہے کہ اسلام میں ... کثرت کے ساتھ توحید کا وعظ کیا جاتا ہے۔ اور شرک کی نفی پر تقریریں کی جاتی ہیں۔ کیا تو نے ایسا کوئی بیان کسی کتاب یا کسی دیوان میں دیکھا ہے۔ پھر کلمۂ توحید کو دیکھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کوئی معبود قابلِ پرستش اللہ کے سوائے نہیں۔ کیا اس کلمہ کے بعد کسی مومن کے دل میں کوئی شرک باقی رہ جاتا ہے۔ کیا اس کی نیت اور قصد کے درمیان کوئی ایسی بات رہ جاتی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کو پکارے اور اس کے حکم کے سوائے کسی دوسرے کی اطاعت پر قدم مارے۔ اور اس کے سوائے کسی دوسرے کو اپنا رب بنائے۔ خواہ کوئی اور کیسا ہی عالم فاضل ہو اور راہب ہو۔ کیا وہ اپنے رب کو چھوڑ کر اور ان کے پیچھے پڑ کر معصیت میں گر سکتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس

کلمۂ توحید پر ایمان رکھتا ہو اور پھر خلقت کے ساتھ ایسی محبت کرے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنی چاہیئے ۔ پس مومن اس کلمہ کو اپنے پاس رکھ کر اور اس پر ایمان لاکر نہ غیر اللہ سے کوئی امید رکھتا ہے اور نہ غیر اللہ سے اس کو کچھ خوف باقی رہ جاتا ہے ۔ پس مومن کبھی یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کو علم تام ہے یا کسی اور کے ہاتھ میں تصرّف تام ہے ۔ یا اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی کسی قسم کی بھی عبادت کے لائق ہے ۔ چہ جائیکہ کسی غیر کے آگے سجدہ کیا جاوے یا اس کے واسطے حج کیا جاوے یا اس کیلئے قربانی کی جائے ۔ پس مومن اللہ کے سوائے کسی سے استغفار نہیں کرتا اور اس کے سوائے کسی کے آگے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا ۔ اور مومن کبھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ کوئی اللہ کی خلق کی طرح کسی چیز کا خلق کر سکتا ہے یا اللہ کے مارنے اور جلانے کی طرح کوئی کسی کو مار یا جلا سکتا ہے ۔ غرض مومن خالق اور مخلوق کو کبھی برابر نہیں ٹھہراتا ۔ اور خیر کثیرؓ میں یہ بات بھی شامل ہے جو آنحضرتؐ کو عطا کی ہے کہ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام مقربانِ الٰہی کا دامن ان تہمتوں اور افتراؤں سے پاک کیا جو کہ ان پر ان کے مخالف یا موافق لگاتے تھے ۔

یہود کی طرف دیکھو کہ مریم صدیقہ کی نسبت کیا الفاظ بولتے ہیں ۔ خود قرآن شریف سے ظاہر ہے جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مریم پر بڑا بہتان باندھنے کا کفر کیا اور ایسا ہی یہود نے حضرت عیسیٰؑ پر بھی اتہام باندھے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ کہ میں کفّار کی باتوں سے تیری تطہیر کرنیوالا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غلبہ دوں گا ۔ اور ایسا ہی ان کا اور عیسائیوں کا قول حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے حق میں تہمت اور افتراء کا تھا اور خدا تعالیٰ نے ہر دوؑ کا دامن اپنی پاک کتاب میں پاک کیا اور داؤد کو اپنا بندہ فرمایا اور سلیمان کے حق میں فرمایا کہ اس نے کوئی کفر نہیں کیا تھا ۔

(اخبار بدر قادیان ۱۴ر فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ ، ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۲ء)

اور خیر کثیرؓ میں سے وہ وعدہ ہے جو اللہ جلشانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نصرت کا وعدہ عطا کیا تھا ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قولِ پاک میں ہے ۔ اے نبی تجھے اور تیری پیروی کرنیوالے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کافی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسول کو حفاظت کا وعدہ فرمایا ۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا ۔ اور خیر کثیرؓ میں وہ عزت کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اس کی امت کے مومنوں کو عطا کیا ہے ۔ اور فرمایا ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کیلئے ہے اور خیر کثیرؓ میں وہ عطا الٰہی ہے ۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی کہ خدا نے آنحضرتؐ کو یتیم پایا اور آپؐ کی پرورش کی اور آپؐ کو سائل پایا تو آپؐ کو ہدایت دی اور آپ کو فقیر پایا

اور غنی کر دیا۔

کفار نے آپ کو کہا تھا کہ آ ہم تجھے مال دیں گے۔ اور تو سب لوگوں سے غنی ہو جائے گا۔ اور تجھے سب سے زیادہ شریف عورت نکاح میں دیں گے اور تجھے اپنا رئیس بنائیں گے۔ آپ نے کفار کی بات کا انکار کیا تو خدا نے کیا کچھ دیا۔ کیا کفارِ عرب کے اختیار و قدرت میں تھا کہ تمام عرب آپ کے ماتحت کر دیتے اور عجم آپ کے خدام کے زیرِ حکومت ہو جاتا۔ ہرگز نہیں۔ قسم بخدا ہرگز نہیں۔

پھر خیر کثیر[۹] میں وہ عطا الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف کو اپنے ذکر کے ساتھ جاری کیا اور اپنی محبت کے ساتھ پُر کر دیا۔ یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے۔ کہ اسکی قدر اور عظمت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے جس کو خدا تعالیٰ توفیق عطا کرے۔ یہ وہ نعمت ہے کہ اس کے مشابہ کوئی نعمت دنیا اور آخرت میں نہیں ہے۔

پھر اَور خیر کثیر[۱۰] میں یہ بات ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خاص نصرت اور ہدایت عطا فرمائی اور نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی۔ اور اس سے آپ کے سینے کو انشراح عطا فرمایا۔

پھر خیر کثیر[۱۱] میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیلہ عطا فرمایا اور مقام محمود عطا کیا۔ اور آپ کو پہلا آدمی بنایا جو جنت کا دروازہ کھولے گا اور حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوض عطا فرمایا اور نہر عطا کی۔

اور خیر کثیر[۱۲] میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مومنوں کو آپ کی اولاد بنایا اور پھر خیر کثیر[۱۳] میں آپ پر وہ عطا الٰہی ہے کہ آپ کی اُمت کے اعمالِ خیر پر بھی آپ کے واسطے اجر ہے۔ کیونکہ اُمت مرحومہ کے افراد نے اعمالِ نیک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپؐ کے اتباع سے حاصل کیا۔ اور نیکی کی راہ دکھانے والا بھی نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ پس ہر ایک عملِ خیر میں آنحضرتؐ کے واسطے اجر ہے۔ ہر ایک جو ایمان لایا اور نماز پڑھی اور جس نے روزہ رکھا اور جس نے فرائضِ حج کو ادا کیا اور جس نے توبہ کی اور صبر و توکل سے کام لیا۔ اور جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور جس نے کلام پاک کو پڑھا اور جو خدا کی طرف جھکا۔ اور تصدیق کی اور جس نے مجاہدہ کیا یا جہاد کیا اور جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی اور جس کسی نے نیکی کی اور اپنے رب کو راضی کیا اور رب کی راہ میں کوشش کی اور جہاد اور رباط فی سبیل اللہ کیا اور ان باتوں میں ان کی پیروی کی اور کفر و شرک سے بچا اور زناء اور قتلِ نفس سے پرہیز کیا۔ اور

والدین کی نافرمانی نہ کی اور جھوٹ کے بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے اجتناب کیا اور بے خبر نیک بخت مومن عورتوں پر عیب نہ لگایا۔ اور جھوٹ اور عجز اور سستی اور بزدلی اور بخل اور اس قسم کے رذائل سے بچتا رہا۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے توان سب کے اعمالِ خیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اجر ہے اور عمل کرنیوالوں کے اجر میں کچھ فرق نہیں۔

پس یہ ضروری بات ہے کہ ہمارے رسولؐ اور ہمارے حبیب اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر آن کس قدر درجہ بڑھتا ہے کہ آپؐ کی اُمت میں سے کوئی آپؐ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی تمام اُمت کے افراد کے اعمالِ خیر کے برابر درجہ دیا ہے۔ اور اُمت کے درجات اور اعمالِ خیر کے اجر میں کچھ کمی نہیں واقع ہوتی۔ اور یہ اس واسطے ہے کہ ان کی ہدایت اور نجات کا سبب آنحضرتؐ ہی ہوئے۔

پس اے مومنو! اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو۔ تو اس نبی کی پیروی کرو۔ خدا تم سے پیار کریگا۔ اور اسکی اتباع میں اور اسکی پیروی میں کوشش کرو۔ اس کے حکموں پر عمل کرو۔ اور جن باتوں سے وہ منع کرے۔ ان سے اجتناب کرو۔ اور اعمالِ صالحہ کثرت سے بجالاؤ تاکہ تمہارے اجر کے برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اجر ہو۔ اور تم اس بات کے قریب ہوجاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری شفاعت کریں۔ بسبب اس کے کہ آپ کو تمہارے اعمال کے سبب سے اجر ملتا ہے اور خیر کثیر ملیں سے یہ عطاء الٰہی ہے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا گیا ہے۔ کہ آپؐ کی امت کی اصلاح کے واسطے ہمیشہ آپؐ کے خلفاء اور نائب آتے رہیں گے جو انہیں ان کے دین میں قوت عطا کرے۔ وہ دین جو خدا نے ان کے واسطے پسند کیا ہے۔ اور خوف کے بعد ان کے واسطے پھر امن پیدا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مومنوں کو جو عملِ صالح کریں۔ یہ وعدہ دیا ہے کہ انہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ اور ان کے واسطے وہ دین قوی کریگا جو ان کیلئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دیگا۔

اور اسکی اُمت میں ہمیشہ ایسے آدمی ہوتے رہیں گے جو حق کو ظاہر کرتے رہیں گے۔ ان کا مخالف انہیں کچھ ضرر نہ دے سکے گا۔ پھر دیکھو کہ اس زمانہ میں دجال کا فتنہ کتنا بڑھا ہوا ہے۔ کس کثرت سے شراب پی جاتی ہے۔ وہ شراب جو بدیوں کی جامع ہے۔ اور دیکھو۔ کس طرح عورتیں زینت کرتی ہیں اور پھر اپنی زینت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتی ہیں۔ حالانکہ عورتیں شیطانوں کی رسیاں ہیں۔ پھر دیکھو کہ مسیحی لوگ کس طرح ڈاکوؤں اور چوروں کی اور ایسے لوگوں کی جو مقدمات میں پھنس جاتے ہیں۔ اس

واسطے مدد کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ کر عیسائی ہو جاویں اور حکام کی توجہ بھی ان کی طرف ہوتی ہے اور دیکھو کس طرح وہ طمع کرنے والے سُست اور مفلس کو جو کہیں نوکر رکھا جانے کے قابل نہ ہو۔ اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور مدرسے بناتے ہیں اور دارالعلوم دنیوی قائم کرتے ہیں اور شفاخانے بناتے ہیں اور ان میں اِس بہانے سے بیماروں کو تثلیث اور کفارے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور نوجوان مسوں کو شریفوں کے گھروں میں بھیجتے ہیں جہاں کہ پردہ کے خلاف باتیں کہتی ہیں اور کثرت ازدواج پر عیب لگاتی ہوئی اس کے معائب بیان کرتی ہیں۔ پھر دیکھو کہ عیسائی کس طرح اپنے واعظ سفر میں اور حضر میں اور گاؤں اور جنگلوں میں اور بازاروں میں ہر جگہ بھیجتے ہیں اور اپنے لیکچراروں اور مناددوں کے واسطے بڑے بڑے بلند مکان بناتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ ہزاروں ہزار کتابیں اور رسالے شائع کرتے ہیں جن میں وہ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر معائب گھڑتے ہیں۔ جیسے کامل علم عطا کیا گیا تھا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر دیکھو کہ گاؤں کی مساجد کے اماموں کو یہ لوگ تنخواہیں دیتے ہیں تاکہ وہ انجیل کی تعلیم لوگوں کو دیں۔

(اخبار بدر قادیان ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

فَصَلِّ: اس میں ف تعقیب کے واسطے ہے۔ کیا معنے جب ہم نے تجھ کو ثر جیسی نعمت عطا فرمائی ہے تو اب بعد اس کے تجھے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے شکر میں نماز پڑھے اور قربانی دے۔ یا ف ترتیب اور سبب کیلئے ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن شریف میں آیا ہے فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۔ (قصص: ۱۶)

فائدہ: اس سورۃ شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور قربانی کا حکم ہوا ہے مگر زکوٰۃ کا حکم نہیں ہوا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے پاس مال جمع نہیں کرتے تھے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ: تحقیق دشمن تیرا وہی ابتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی دشمنی یہ تھی جو آپ کی وعظ توحید کی تردید کی گئی اور آپ کی رسالت جو تعظیم الٰہی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کیلئے تھی اس کا انکار کیا گیا۔ اور آپ پر جو کتاب ہدایت کیلئے نازل ہوئی اس کو رد کیا گیا بلکہ آپ کو کہا گیا کہ یہ صرف کہانیاں ہیں جو تم پیش کرتے ہو حالانکہ وہ تمام بیانات اس کیلئے بشارت اور انذار تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ الہام الٰہی نہیں بلکہ صرف ایک انسان کا قول ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ ایک شاعر ہے جو شعر گوئی کرتا ہے اور کسی نے کہا کہ یہ ایک کاہن ہے جو کہانت کا کام کرتا ہے۔ اور کوئی بولا کسی انسان نے اس کو تعلیم کی ہے۔ پس یہ ایک سیلاب تھا جو بہت بڑھ گیا تھا اور اس سے ولولہ مکہ عبر گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں سے جو کوئی تکبر کے ساتھ

ساتھ بڑھا۔ اس نے اپنی بدبختی کا حصہ لیا۔ اور اسکا بدلہ پایا۔ خواہ وہ مکی تھا یا مدنی تھا۔ خواہ ان پڑھ تھا اور خواہ اہلِ کتاب میں تھا۔ خواہ عوام میں سے ہوا۔ خواہ شرفاء میں سے ہوا۔ سب نے اپنا بدلہ کافی پایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اور آپ کے ساتھ عداوت کرنے والوں میں سے ہر ایک نے اپنی قدر کے مطابق اور اپنی عداوت کے درجہ کے موافق اپنا کیا اور بویا اٹھایا اور ابتر ہوا۔ سردارانِ قریش کی طرف دیکھو اور عمائدِ مکہ کی طرف نظر کرو۔ اور اس وادی کے سرداروں کی طرف نگاہ کرو اور شہر کے ارکان کا حال دیکھو۔ جن کو لوگ اپنی سرداری کا تاج دیتے تھے۔ اور انہوں نے تدابیر کیں اور کہا کہ اس شہر کے شرفاء ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام خیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کردی اور دشمن محروم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اب فتح تمہارے لئے آگئی ہے۔ اور ان کے اموال کے متعلق فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ اپنے مال خرچ کریں گے۔ پھر وہ خرچ بھی ان کے لئے موجبِ حسرت ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ پس کیا تو دیکھتا ہے کہ ان دشمنوں میں سے کوئی باقی ہے۔ سو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بلکہ آپؐ کے خلفاء راشدین اور آپؐ کے نائبوں کے دشمن بھی ہر ایک نیکی سے ابتر ہوئے اور یہ امر ظاہر ہے۔ کوئی مخفی بات نہیں۔ دیکھو۔ ابوجہل کا کیا انجام ہوا۔ اور ابن ابی بن سلول نے کیا نتیجہ پایا۔ اور پادریوں کے لارڈ بشپ ابو عامر کو دیکھو جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سارا زور خرچ کیا اور آگ کے گڑھے کے کنارے پر بڑی بنیاد کھڑی کی اور پھر اسی آگ میں گرایا گیا اور اکیلا آوارہ بیکس اور بے بس ویرانوں کے اندر ہلاک ہوگیا۔ پھر دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوا۔ جنہوں نے اہلِ عرب میں سے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور پھر ان کا کیا حال ہوا۔ جنہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ وہ بڑی سلطنتوں کے قیصر و کسریٰ تھے اور مصر کے ملک کے بادشاہ تھے۔ اور پھر ان اہل افریقہ اور اہلِ خراسان کو کیا حاصل ہوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی۔ اور پھر انہوں نے کیا پایا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کا کیا حال ہوا جنہوں نے معاویہ اور بنوامیہ کی تحقیر کی۔

پھر اس کی مثال زمانہ حال میں موجود ہے۔ دیکھو کہ ان لوگوں کا حال کیا ہو رہا ہے جنہوں نے ہمارے اس مبارک زمانہ میں چودھویں صدی کے مجدد اور مُتکفّل مہدی معہود اور مسیح موعود کی مخالفت کی مثال میں آریہ لیکھرام کو دیکھو اور نصاریٰ کے شیطان آتھم کو دیکھو اور لدھیانہ کے سعد اللہ ابتر کو دیکھو۔ ہر ایک اپنے گناہ کے بدلے میں پکڑا گیا۔ اور اپنے بدلے کو پانے والا ہوا۔

اور ان کے سوا اور بھی سب دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے خلفاء کے ہر ایک چیز

سے ابتر اور بے نصیب ہیں اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ ہونا بند ہو جاتا ہے اور ان کا اہل اور مال ابتر ہو جاتا ہے۔ اور دین و دنیا میں نقصان پذیر ہوتا ہے۔ انکی حیاتی اور انکی صحت اور انکی فرصت سب ابتر ہوتی ہیں۔ وہ ان چیزوں سے نہ دنیا میں فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ دین میں۔ ان کے کان ایسے نہیں رہتے کہ وہ خیر کی بات سن سکیں۔ اور نہ ان کو ایسی بصیرت نصیب ہوتی ہے کہ اللہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت معرفت اور ایمان میں ترقی کر سکیں اور وہ اس بات سے محروم رکھے جاتے ہیں کہ ان کا کوئی ناصر اور مددگار انکے اعمالِ صالح میں سے ہو اور اس بات محروم ہوتے ہیں کہ ایمان کی شیرینی کو چکھ سکیں۔ اور اگرچہ وہ لوگوں میں آئیں باہم ان کا دل جنگل میں بھاگے ہوئے آوارہ کی طرح اکیلا ہوتا ہے۔ یہی جزا ان لوگوں کو ملی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے ساتھ عداوت کی اور اپنی حرص و ہوا کی پیروی کی۔ سب کا حال یہی ہوا۔ خواہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا۔ امیر تھا یا غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ان لوگوں کو کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہارے ساتھ محبت کریگا۔

پس ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے پہلے سے اور تسلی کیلئے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اور آپ کے خلفاء کے دل کو قوت ملی۔ اور ان کے نفسوں سے کمزوری کو دور کیا گیا تاکہ ان کو اس امر پر قوت عطا کی جائے کہ اپنے مخالفوں کی تکفیر کریں۔ خواہ وہ دنیا جہان میں کوئی ہو اور کہیں ہو اور ان کے تعصبوں سے بیزاری کا اظہار کریں۔ پس دیکھو کہ یہ کتنی بڑی بخشش ہے جو بڑے صاحبِ بخشش کی طرف سے ان کے حصہ میں آئی۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس محبت کی عظمت اس کی ذات کی قدر کے مطابق ہے جو مہدی عظیم ہے

(اخبار بدر قادیان ۲۸ / مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۵-۶ و ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ / اکتوبر ۱۹۱۲ء)

پس اللہ کی کتاب کے بعد تم کس کتاب کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے بعد کس سنت کی پیروی کرتے ہو۔ ہم نے تمہارے دلائل اور تمہارے وظائف دیکھے ہیں۔

اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور اس کے رسول ؐ کی سنت میں تدبر کیا ہے۔ پس ہم نے کوئی شئے اس سے بہتر نہیں پائی۔ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ وہ بڑی سے بڑی دعا نکالو۔ جس کے معنے تم جانتے ہو۔ مگر کوئی دعا تم فاتحہ کی مانند نہ پاؤ گے۔ اور نہ کوئی تعوذ تم معوذتین کے برابر پا سکو گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہرگز نہ پاؤ گے۔

دلائل الخیرات تو اللہ جل شانہ کی کتاب ہی ہے۔ اور قطع کرنیوالی تلوار اللہ تعالیٰ سبحانہ کی تلوار ہے اور رفع کرنیوالی تو اللہ تعالیٰ ہی کی کلام مغنی ہے۔ بلکہ تمہارے پاس تو اس کے قریب بھی نہیں جو کذاب نے ایک قول گھڑا تھا اور کہا تھا۔ ہم نے تجھے ہی عطا کئے ہیں۔ پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور ہجرت کر۔ تیرا بغض کرنیوالا رجل کافر ہے۔ اس میں الفاظ اور ترتیب اسی سورت سے نقل کی گئی ہے اور بے موقع و محل الفاظ لگا کر ایک سورت بنالی گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان کے واسطے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں مومنوں کے واسطے رحمت اور نصیحت ہے۔

(اخبار بدر قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء، ضمیمہ اخبار بدر قادیان، نومبر ۱۹۱۲ء)

یہ (کوثر) ایک مختصر سی سورۃ ہے۔ اور اس مختصر سی سورۂ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان پیشگوئی بیان فرمائی ہے۔ جو جامع ہے۔ پھر اس کے پورا ہونے پر شکریہ میں مخلوق الٰہی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ اس کا ارشاد کیا۔ وہ پیشگوئی کیا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ : تجھے ہم نے جو کچھ دیا ہے۔ بہت ہی بڑا دیا ہے۔ عظیم الشان خیر عطا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نبوت دیکھو تو قیامت تک وسیع کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا۔ یہ کثرت تو بلحاظ زمان ہوئی اور بلحاظ مکان یہ کثرت اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۹) میں ظاہر فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں۔ یہ کوثر مکان کے لحاظ سے عطا فرمائی۔ کوئی آدمی نہیں ہے۔ جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکام الٰہی میں اتباع رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی، کوئی مست قلندر، بالغ مرد، بالغ عورت کوئی ہو۔ اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ اب کوئی وہ خضر نہیں ہو سکتا۔ جو لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا بول اٹھے۔ یہ وہ موسیٰ ہے۔ جس سے کوئی الگ نہیں ہو سکتا کوئی آدمی مقرب نہیں ہو سکتا۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

کتاب میں وہ سچی کوثر عنایت کی کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ: ۴) کل دنیا کی صداقتیں اور مضبوط کتابیں سب کی سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر! کہ جبکہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو جبکہ ان کے دَالّ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے جزائے نیک آپ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔

اعمال میں دیکھو، اتباع، فتوحات، عادات، علوم، اخلاق میں کس کس قسم کی کوثر عطا فرمائی ہیں

استحکام و حفاظتِ مذہب کیلئے دیکھو۔ کس قدر مذاہب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار خود ان لوگوں کو بنایا۔ مگر قرآن کریم کی پاک تعلیم کیلئے فرمایا۔ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یہ کیا کوثر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دین کی حمایت و حفاظت اور نصرت کیلئے تائید فرماتا اور مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے جو اپنے کمالات اور تعلقاتِ الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر پتہ لگ سکتا ہے کہ کیونکر بندہ خدا کو اپنا لیتا ہے۔ اس ہستی کو دیکھو۔ انسان اور اس کی حرکات کو دیکھو جب خدا بنانے پر آتا ہے۔ تو اسی عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا تھا۔ ایک اُجڑی بستی کو اس سے آباد کرتا ہے۔ کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑباز مدبّروں کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھو کسی بستی کو برگزیدہ کیا۔ جہاں نہ ترقی کے اسباب نہ معلومات کی توسیع کے وسائل۔ نہ علمی چرچے نہ مذہبی تذکرے۔ نہ کوئی دارالعلوم۔ نہ کتب خانہ۔ صرف خدائی ہاتھ ہے جس نے تربیت کی اور اپنی تربیت کا عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو۔ کس طرح یہ بتلاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے کیا کوثر عطا فرمایا۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اَور لوگوں نے غفلت اور سستی کی۔ ویسے ہی غفلت کا شکار مسلمان بھی ہوئے۔ آہ۔ اگر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے اور خود بھی اُن میں حصہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی کوثر دیتا میں نے جو کچھ اب تک بیان کیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی کوثر کا ذکر تھا۔ پھر مرنے کے بعد ایک اور کوثر برزخ میں حشر میں، صراط پر، بہشت میں، غرض کوثر ہی کوثر دیکھے گا۔ اسی کوثر میں ہر ایک شخص شریک ہو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ : اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ دیکھو۔ اُس آدمِ کامل کا پاک نام ابراہیم ہی تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم: ۳۸) اور وہی ابراہیم جو جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصّٰفّٰت: ۸۵) کا مصداق تھا۔ سچی تعظیم الٰہی کر کے دکھائی۔ جیسے مولیٰ کریم فرماتا ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ: ۱۲۵)

پھر کیا نتیجہ پایا۔ الٰہی تعظیم جس قدر کوئی انسان کر کے دکھاتا ہے۔ اسی قدر ثمراتِ عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابوالملۃ ابراہیم کو دیکھو، اس کی دعاؤں کا نمونہ، دیکھو ہمارے سیّد و مولیٰ اصفی الاصفیاء

خاتم الانبیاء ان دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولادِ صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد دی۔ جب جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دیدو۔ ابراہیم کی قربانی دیکھو بڑھاپے کا زمانہ دیکھو مگر ابراہیم نے اپنی ساری طاقتیں، ساری امیدیں، تمام ارادے، یوں قربان کردنے کہ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کی قربانی کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ پھر بیٹا بھی ایسا بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ (الصّٰفّٰت : ۱۰۳) تو وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو تیار ہوگیا۔ غرض باپ بیٹے نے ایسی فرماں برداری دکھائی کہ کوئی عزت، کوئی آرام کوئی دولت اور کوئی امید باقی نہیں رکھی۔ یہ آج ہماری قربانیاں اُسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بھی کیسی جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں ہزار بادشاہ۔ انبیاء بلکہ خاتم الانبیاء بھی اسی کی اولاد میں پیدا کیا۔ وہ زمانہ ملا جس کی انتہاء نہیں۔ خلفاء ہوں تو وہ بھی ملّتِ ابراہیمی میں۔ سارے نوّاب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہوئے ہیں اور ہونے والے ہیں۔

پھر جب شکریہ میں نماز میں خدا کی عظمت اور کبریائی بیان کی تو مخلوقِ الٰہی کیلئے بھی کیونکہ ایمان کے اجزاء تو دو ہی ہیں۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ ان مخلوق کے لئے یہ کہ

وَانْحَرْ : جیسے نماز میں لگے ہو۔ قربانیاں بھی دو تاکہ مخلوق سے سلوک ہو۔ قربانیاں وہ دو جو بیمار نہ ہوں، دُبلی نہ ہوں، بے آنکھ نہ ہوں، کان چرے ہوئے نہ ہوں، عیب دار نہ ہوں، لنگڑی نہ ہوں اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب تک کامل قویٰ کو خدا کیلئے قربان نہ کروگے۔ ساری نیکیاں تمہاری ذات پر جلوہ گر نہ ہوں گی۔ پس جہاں ایک طرف عظمتِ الٰہی میں لگو۔ دوسری طرف قربانیاں کرکے مخلوقِ الٰہی سے شفقت کرو اور قربانیاں کرتے ہوئے اپنے کل قویٰ کو قربان کرڈالو اور رضاءِ الٰہی میں لگادو۔ پھر نتیجہ کیا ہوگا۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ : تیرے دشمن ابتر ہوں گے۔ انسان کی خوشحالی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ اس کو اب تو راحتیں ملیں۔ اور اس کے دشمن ہلاک ہوں۔ یہ باتیں بڑی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ خدا کی تعظیم اور اس کی مخلوق پر شفقت۔ نمازوں میں خصوصیت دکھاؤ۔ کانوں پر ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر زبان سے کہتے ہو مگر تمہارے کام دکھاویں کہ واقعی دنیا سے سروکار نہیں۔ تمہاری نماز وہ نماز ہو جو تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت : ۴۶) ہو تمہارے اخلاق تمہارے معاملات

حامیوں کی طرح نہ ہوں بلکہ ایک پاک نمونہ ہوں۔ پھر دیکھو کہ کوثر کا نمونہ ملتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک طرف سے تمہارا فعل۔ دوسری طرف سے خدا کا انعام۔

درود پڑھو۔ آج[1] کل کے دن عبادت کیلئے مخصوص ہیں۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ (البقرۃ: ۲۰۴) کل وہ دن تھا کہ کل حاجی ہر طبقہ اور ہر عمر کے لوگ ہوں گے۔ دنیا سے نرالا لباس پہنے ہوئے عرفات کے میدان میں حاضر تھے۔ اور لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ پکارتے تھے۔ آج منیٰ کا دن ہے۔ آج ہی وہ دن ہے جس میں ابراہیم نے اپنا پاک نمونہ قربانی کا دکھلایا۔

کوئی اس کی طاقت نہ رہی تھی جسے خدا پر قربان نہ کیا ہو۔ نہ صرف اپنی بلکہ اولاد کی بھی۔ یہ جمعہ کا دن ابراہیم کی قربانی اور مفاخر قومی کا روز ہے جس میں عرب کے لوگ قبل اسلام بزرگوں کے تذکرے یاد کر کے فخر کیا کرتے تھے۔ اس میں خدا کا ذکر کرو جیسے فرمایا۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۤءَكُمْ (البقرۃ: ۲۰۱) خدا کی یاد میں فریاد کرنے میں خدا کے حضور ساری قوتوں کو قربان کرنے کیلئے خرچ کرو پھر دیکھو کہ تمہارے کام کیا پھل لاتے ہیں۔

انسان خوشحالی چاہتا ہے۔ اور دشمنوں کی ہلاکت۔ خدا تیار ہے، مگر قربانی چاہتا ہے۔ اولاد پر نمونے دکھاؤ جیسے اسمٰعیل نے دکھایا۔ پس نئے انسان بنو۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تم کو کس طرح کی کوثر دیتا ہے۔ اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔

(الحکم ۱۲؍ مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۳تا۱۴)

یہ ایک سورۃ شریفہ ہے بہت ہی مختصر۔ لفظ اتنے کم کہ سننے والے کو کوئی ملال طوالت کا نہیں یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی ایک دن میں اسے یاد کر لے۔ اگر ان کے مطالب اور معانی کو دیکھو تو حیرت انگیز ان کو بیان کرنے سے پہلے میں ایک ضروری بات سنانی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں واعظوں اور سننے والوں کی دو قسم پاتا ہوں۔ ایک وہ واعظ ہیں جو دنیا کیلئے وعظ کرتے ہیں۔ دنیا کا وعظ کرنے والے بھی پھر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے وعظ سے اپنی ذات کا فائدہ چاہتے ہیں یعنی کچھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ خود کوئی روپیہ حاصل کریں۔ مگر یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ سننے والے کو ایسے طریقے اور اسباب بتائیں جس سے وہ روپیہ کما سکیں۔ مادی ترقی کرنیوالے ہیں۔ دنیا کیلئے وعظ کرنے والوں میں اس قسم کے واعظوں کے اغراض

---

[1] عیدالاضحی ۲۱؍ اپریل ۱۸۹۹ء۔ (مرتب)

ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی فوجوں کو جوش دلاتا، ان میں مستعدی اور ہوشیاری پیدا کرنے کیلئے تحریک کرتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ کیلئے چست وچالاک ہوجائیں۔ کوئی امورِ خانہ داری کے متعلق۔ کوئی تجارت اور حرفہ کیلئے۔ مختصر یہ کہ ان کی غرض انتظامی امور یا عامہ اصلاح ہوتی ہے جو دوسرے الفاظ میں سیاسی یا پولیٹیکل تمدنی یا سوشل اصلاح ہے۔

اور وہ لوگ جو دین کیلئے وعظ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں۔ انکی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں اور امر بالمعروف کا جو فرض اُن کو ملا ہے۔ اس کو ادا کریں۔ بنی نوعِ انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں۔ اور اپنے آپ کو اس خیر امت میں داخل ہونے کی فکر ہوتی ہے جس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران، ۱۱۱) تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کیلئے مبعوث ہوئے ہو۔ امر بالمعروف کرتے رہو۔ اور نہی عن المنکر۔

اور ایک وہ ہوتے ہیں جن کی غرض دنیا کمانا بھی نہیں ہوتی مگر یہ غرض بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف حاضرین کو خوش کرنا چاہتے ہیں یا اُن کی واہ واہ کے خواہشمند کہ کیا خوش تقریر یا مؤثر واعظ ہے۔

دینی واعظوں میں سے پہلی قسم کے واعظ بھی فتوحات ہی کا ارادہ کرتے ہیں مگر ملکی فتوحات سے انکی فتوحات نرالی ہوتی ہیں۔ ان کی فتوحات یہ ہوتی ہیں کہ برائیوں پر فتح حاصل کریں نیکی کی حکومت کو وسیع کریں جیسی واعظوں کی دو قسم ہیں۔ ایسے ہی سننے والوں کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اللہ کیلئے سنتے ہیں کہ اس کوشش کر اپنی اصلاح کریں اور دوسرے جو اس لحاظ سنتے ہیں کہ واعظ انکا دوست ہے یا کوئی ایسے ہی تعلق رکھتا ہے۔ یعنی واعظ کی خاطر داری سے۔ اب تم دیکھ لو کہ تمہارا واعظ کیسا ہے اور تم سننے والے کیسے! تمہارا دل تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا فیصلہ تم کر لو۔ مَیں جس نیت اور غرض سے کھڑا ہوا ہوں۔ وہ مَیں خوب جانتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ دردِ دل کے ساتھ خدا ہی کیلئے کھڑا ہوا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تقسیم فرمائی ہے کہ واعظ یا مامور ہوتا ہے یا امیر یا متکبر امیر وہ ہوتا ہے۔ جس کو براہِ راست اس کام کیلئے مقرر کیا جاوے اور مامور وہ ہوتا ہے جس کو امیر کہے کہ تم لوگوں کو وعظ سنادو۔ اور متکبر وہ ہے جو محض ذاتی بڑائی اور نمود کیلئے کھڑا ہوتا ہے۔ پس یہ اقسام واعظوں کی ہیں۔

اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس بات پر غور کرو کہ تمہیں وعظ کہنے والا کیسا ہے۔ اور تم کیسا دل لے کر بیٹھے ہو۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ناظر ہے جو بات میری سمجھ میں مضبوط آئی ہے اُسے

سُنانا چاہتا ہوں اور خدا کیلئے ۔ پھر مجھے حکم ہوا ہے کہ تم مسجد میں جا کر نماز پڑھا دو اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور سناتا ہوں ۔

میں دنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں ، کیونکہ انکی اغراض محدود ، ان کے حوصلے چھوٹے ۔ خیالات پست ہوتے ہیں ۔ جس واعظ کی اغراض دینی ہوں وہ ایک ایسی زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دنیوی واعظ سب اس کے اندر آجاتے ہیں ۔ کیونکہ وہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے ۔ ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بُری بات سے روکنے والا ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ نے مہیمن فرمایا ۔ یہ جامع کتاب ہے جس میں جیسے ایک ملٹری (فوجی) واعظ کو فتوحات کے طریقوں اور قواعد جنگ کی ہدایت ہے ۔ ویسے ہی نظامِ مملکت اور سیاستِ مُدن کے اصول اعلیٰ درجہ کے بتائے گئے ہیں ۔ غرض ہر رنگ اور ہر طرز کی اصلاح اور بہتری کے اصول یہ بتلاتا ہے ۔

پس قرآن کریم جیسی کتاب کا واعظ ہوں جو تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے اور جو سُکھ اور تمام کامیابی کی راہوں کی بیان کرنیوالی ہے ۔ اور اسی کتاب میں یہ چھوٹی سی سورت میں نے پڑھی ہے ۔

میں اس سورت کے مطالب بیان کرتے سے پہلے یہ بات بھی تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف کا طرزِ بیان دو طرح پر واقع ہوا ہے ۔ بعض جگہ تو اللہ تعالیٰ ایک فعل کو واحد متکلم یعنی مَیں کے لفظ کے ساتھ بیان فرماتا ہے اور بعض جگہ جمع متکلم یعنی ہم کے ساتھ ۔ ان دونوں الفاظ کے بیان کا یہ سِر ہے ۔ کہ جہاں مَیں کا لفظ ہے وہاں کسی دوسرے کا تعلق ضروری نہیں ہوتا ۔ لیکن جہاں ہم ہوتا ہے ۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ۔ اس کے فرشتے اور مخلوق بھی اس کام میں لگی ہوئی ہوتی ہے ۔ پس اس بات کو یاد رکھو ۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۔ بے ریب ہم نے تجھ کو دیا ہے اَلْكَوْثَرَ ہر ایک چیز میں بہت کچھ ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہم کا لفظ استعمال فرمایا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا کام ہے جیسے اس میں آپ فضل کیا ہے ۔ فرشتوں اور مخلوق کو بھی لگایا ہے ۔

" بہت کچھ " کے معنی مختلف حالتوں میں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے ۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس بہت کچھ کی کیا مقدار ہے ۔ تم میں سے بہت سے لوگ شہروں کے رہنے والے ہیں جنہوں نے امیروں کو دیکھا ۔ بہت سے دیہات کے رہنے والے ہیں ۔ جنہوں نے غریبوں کو دیکھا ہے ۔ خدا تعالیٰ نے مجھے محض اپنے فضل سے ایسا موقع دیا ہے کہ مَیں نے غریبوں ، امیروں کے علاوہ بادشاہوں کو بھی دیکھا ہے ۔ ان تینوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ، انکی ہر چیز میں ، ہر بات میں علیٰ قدر مراتب امتیاز

ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کسی غریب کے گھر جا کر سوال کرے تو وہ اُس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دید یتا ہے۔ اس کی طاقت اتنی ہی ہے۔ لیکن جب ایک امیر کے گھر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکو کچھ دیدو تو اس کے کچھ سے مراد تین چار روٹیاں ہوتی ہیں۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بادشاہ کہتا ہے کہ کچھ دے دو تو اس کے کچھ سے مراد دس بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ اس سے عجیب بات پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی کا حوصلہ ہوتا ہے اسی کے موافق اس کی عطا ہوتی ہے۔ اب اس پر قیاس کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی، اس کی عظمت وجبروت پر نگاہ کرو، اور پھر اس کے عطیہ کا تصور! دیکھو ایک چھوٹی سی شمع سورج اس نے بنایا ہے، اسکی روشنی کیسی عالمگیر ہے، ایک چھوٹی سی لالٹین چاند ہے اس کی روشنی کو دیکھو، کس قدر ہے، کنوؤں سے پانی نکالنے میں کس قدر جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عطا پر دیکھو کہ جب وہ بارش برساتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے۔

غرض یہ سیدھی سادھی بات ہے اور ایک مضبوط اصل ہے جس قدر کسی کا حوصلہ ہو۔ اسی قدر وہ دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لحاظ سے اب اس لفظ پر غور کرو کہ ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔ خدا کا بہت کچھ وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ اور پھر اس کا اندازہ میری کھوپری کرے؟ یہ احمقانہ حرکت ہوگی! اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اس وقت کوئی کوشش کرے کہ وہ پانی کے ان قطرات کو شمار کرنے لگے جو آسمان سے برس رہے ہیں۔ ہاں یہ بے شک انسانی طاقت کے اندر ہرگز نہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اس کو سمجھ سکے۔ چونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کی عظمت کا علم بھی مجھے دیا گیا ہے۔ اس لئے میں اندازہ تو ان عطیات کا نہیں کرسکتا لیکن ان کو یوں سمجھ سکتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ انتقال کرگیا۔ اور چلنے ہی لگے تھے کہ ماں کا انتقال ہوا۔ کوئی حقیقی بھائی آپ کا تھا نہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق فرمایا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا (الضحٰی: ۷) ہم نے تجھے یتیم پایا

اس یتیم کو جسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے بہت کچھ دے دیا۔ خاتم الانبیاء خاتم الرسل۔ سارے علوم کا مالک، ساری سلطنتوں کا بادشاہ بنا دیا۔ آپؐ کی عادت شریف تھی کہ کبھی جو بے انتہا روپیہ مالیہ کا آیا ہے تو مسجد میں ہی خرچ کر دیا۔

غرض غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دیدیا۔ کس قدر خیر کثیر آپ کو دی گئی ہے۔ آپ کا دامنِ نبوت دیکھو تو وہ قیامت تک وسیع ہے کہ اب کوئی نبی نیا ہو یا پرانا۔ آ ہی نہیں سکتا۔ کسی دوسرے

نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا یہ کثرت تو بلحاظ زمان کے ہوئی۔ اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ:
اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) میں فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں یہ کوثر بلحاظ مکان کے عطا ہوئی۔ کوئی آدمی نہیں جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکام الٰہی میں اتباعِ رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی۔ کوئی بالغ مرد، بالغہ عورت کوئی ہو، اس سے مستثنٰی نہیں ہو سکتے۔ اب کوئی وہ خضر نہیں جو لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (الکہف: ۶۷) بول اٹھے۔ یہ وہ موسیٰ ہے۔ جس سے کوئی الگ نہیں ہو سکتا۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

تعلیم اور کتاب میں وہ کاملیت اور جامعیت اور کثرت عطا فرمائی کہ فِیْہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینۃ: ۴) کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر جبکہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ۔ پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو جبکہ ان کے دَالّ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو ان کے جزائے نیک آپ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔

اعمال میں دیکھو۔ اتباع، فتوحات۔ عادات۔ علوم۔ اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائی ہیں آدمی وہ بخشے جن کے نام لیکر عقل حیران ہوتی ہے۔ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ عباسیوں اور مروانیوں جیسے کیا انتخاب سے ایسے آدمی مل سکتے ہیں۔ کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی گرانے کا حکم دیں خون گرانے کیلئے تیار ہو جائیں۔ جگہ وہ بخشی کہ ایران، توران، مصر، شام ہند، تمہارا ہی ہے۔ وہ ہیبت اور جبروت آپ کو عطا فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف کا ارادہ کرتے تو ایک مہینہ کی دور راہ کے بادشاہوں کے دل کانپ جاتے۔ اللہ جب دیتا ہے تو اسطرح دیتا ہے۔

یہ بڑا لمبا مضمون ہے جو اس تھوڑے وقت میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختلف شاخوں اور شعبوں میں جو کوثر آپ کو عطا ہوئی۔ ایک مستقل کتاب اس پر لکھی جا سکتی ہے۔

باطنی دولت کا یہ حال ہے کہ تیرہ سو برس کی تو میں مانتا نہیں۔ اپنی بات بتاتا ہوں۔ جس قدر مذاہب ہیں۔ میں نے ان کو ٹٹولا ہے۔ ان کو پرکھ پرکھ دیکھا ہے۔ قرآن کریم کے تین تین لفظوں سے میں ان کو رد کرنے کی طاقت رکھتا ہوں! کوئی باطل مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا!!

میں نے تجربہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور طرز انسان کے پاس ہو تو باطل مذاہب خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی۔ وہ ٹھہر نہیں سکتا۔

پھر استحکام و حفاظت مذہب کیلئے دیکھو۔ جس قدر مذہب دنیا میں موجود ہیں۔ یعنی جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے۔ مگر قرآن کریم کی تعلیم کیلئے فرمایا۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰)۔ یہ کیا کوثر ہے !!!

اللہ تعالیٰ خود اس دین کی نصرت اور تائید اور حفاظت فرماتا اور اپنے مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ جو اپنے کمالات اور تعلقاتِ الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ایک انسان کیونکر خدا تعالیٰ کو اپنا بنا لیتا ہے۔ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا ہے۔ جو ایک خاص جماعت قائم کرتا ہے۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے۔ کہ ہر ۲۵، ۵۰ اور سو برس پر آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کوثر ہوگا؟

پھر سارے مذاہب میں دعا کو مانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ تو اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے مگر مانگنے کے مختلف طریق ہیں مگر مشترک طور پر یہ سب مانتے ہیں کہ جو مانگتا ہے وہ پاتا ہے۔ اس اصل کو لیکر میں نے غور کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلو سے بھی کیا کچھ ملا ہے۔ تیرہ سو برس سے برابر امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے لئے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں کر رہی ہے۔ اور پھر اللہ اور اللہ کے فرشتے بھی اس درود شریف کے پڑھنے میں شریک ہیں اور ہر وقت یہ دعا ہو رہی ہے۔ کیونکہ دنیا پر کسی نہ کسی نماز کا وقت موجود رہتا ہے۔ اور علاوہ نماز کے پڑھنے والے بھی بے انتہا ہیں۔ اب سوچو کہ اس تیرہ سو برس کے اندر کس قدر روحوں نے کس سوز اور تڑپ کے ساتھ اپنے محبوب و آقا کی کامیابیوں اور آپؐ کے مدارج عالیہ کی ترقی کے لئے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں مانگی ہوں گی۔ پھر ان دعاؤں کے ثمرہ میں جو کچھ آپ کو ملا۔ کیا اس کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اگر دعا کوئی چیز ہے اور ضرور ہے تو پھر اس پہلو سے آپ کے مدارج اور مراتب کی نظیر پیش کرو کیا دنیا میں کوئی قوم اور امت ایسی ہے جس نے اپنے نبی اور رسول کیلئے یہ التزام دعا کا کیا ہو؟ کوئی بھی نہیں۔ کوئی عیسائی مسیحؑ کیلئے۔ یہودی موسیٰؑ کیلئے۔ سناتنی شنکراچارج کیلئے دعائیں مانگنے والا نہیں ہے۔

اس دنیا کے مدارج کو تو ان امور پر قیاس کرو اور آگے جو کچھ آپؐ کو ملا ہے۔ وہ وہاں چل کر معلوم ہو جاوے گا۔ مگر اس کا اندازہ اسی "بہت کچھ" سے ہو سکتا ہے۔ کہ برزخ میں۔ حشر میں۔ صراط میں بہشت میں۔ غرض کوثر ہی کوثر ہوگا۔

اس عاجز انسان اور اس کی ہستی کو دیکھو کہ کیسی ضعیف اور ناتوان ہے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ

اس کے بنانے پر آتا ہے تو اس عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور ایک اُجڑی لبستی کو آباد کرتا ہے کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑباز مدبّروں کو محروم کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع۔ مثلاً اس وقت دیکھو کہ کیسی لبستی کو اس نے برگزیدہ کیا؟ جہاں نہ ترقی کے اسباب نہ معلومات کی توسیع کے وسائل، نہ علمی چرچے، نہ مذہبی تذکرے، نہ کوئی دارالعلوم، نہ کتب خانہ۔ صرف خدائی ہاتھ ہے۔ جس نے اپنے بندہ کی خود تربیت کی اور عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے۔ کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت کی ویسی ہی غفلت کا شکار مسلمان ہوئے۔ آہ۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے۔ اور خود بھی ان سے حصّہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کوثر عطا فرماتا میں دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے میں دلیر۔ فریب و دغا میں بیباک ہو رہے ہیں۔ نمازوں میں سُستی۔ قرآن کے سمجھنے میں سُستی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور سب سے بدتر سُستی یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چال چلن کی خبر نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ عیسائی اور آریہ آپ کے چال چلن کو تلاش کرتے ہیں۔ اگرچہ اعتراض کرنے کیلئے مگر کرتے تو ہیں۔ مسلمانوں میں اس قدر سُستی ہے کہ وہ کبھی دیکھتے ہی نہیں۔ اس وقت جتنے یہاں موجود ہیں۔ انکو اگر پوچھا جاوے تو شاید ایک بھی ایسا نہ ملے۔ جو یہ بتا سکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت کیسی تھی، آپ کا سونا کیسا تھا، جاگنا کیسا، مصائب اور مشکلات میں کیسی استقلال اور علوہمتی سے کام لیا اور رزم میں کیسی شجاعت اور ہمت دکھائی۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جو تفصیل کے ساتھ آپ کے واقعات زندگی پر اطلاع رکھتا ہو۔

حالانکہ یہ ضروری بات تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر پوری اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپؐ دن رات میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟ اس وقت ان اعمال کی طرف تحریک اور ترغیب نہیں ہو سکتی[1]۔

خدا تعالیٰ کی محبت یا اس کے محبوب بننے کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ پھر یہ اتباع کیسے کامل طور پر ہو سکتی ہے۔ جب معلوم ہی نہ ہو کہ آپؐ کیا کیا کرتے تھے۔ اس پہلو میں بھی مسلمانوں نے جس قدر اس وقت سُستی اور غفلت سے کام لیا ہے وہ بہت کچھ انکی ذلت اور ضُعف کا باعث ٹھہرا۔

---

[1] الحکم ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴ تا ۱۶

اس ضروری کام کو تو چھوڑا ۔ پھر مصروفیت کس کام میں اختیار کی ۔ نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں ۔ چائے پی لی ، حقہ پی لیا ، پان کھا لیا ۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت سے دنیوی امور میں ہی مستغرق ہو گئے مگر پھر بھی آرام اور سکھ نہیں ملتا ۔ ساری کوششیں اور ساری تگ و دَو دنیا کیلئے ہی ہوتی ہے ۔ اور اس میں بھی راحت نہیں ۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ۔ ان کو وہ دیتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے ۔ اور ساری راحتوں کا مالک اور وارث بنا دیتا ہے ۔ مَیں نے پہلے بتا دیا ہے ۔ کہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے ۔ اس کا اتنا ہی دینا ہوتا ہے ۔ اور جس قدر بڑا اسی قدر اس کی دہش ہوتی ہے ۔ جس قدر کبریائی اللہ تعالیٰ رکھتا ہے ۔ اسی کے موافق اس کی عطا ہے اور اس کی عطا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا ۔

مَیں نے ایک دنیا دار کو دیکھا ہے ۔ وہ میرا دوست بھی ہے ۔ میں کلکتہ میں اس کے مکان پر تھا ۔ اُس نے مجھے دکھایا کہ وہ ایک ایک مکان میں چار چار پانچ پانچ سو روپیہ کیسے کما لیتا ہے ۔ مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ مَیں نے اس کو ایک مرتبہ گجرات میں دیکھا ۔ بہت ہی بُری حالت میں مبتلا ۔ میں نے اس کو اور تو کچھ نہ کہا ۔ صرف یہ پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے ؟ اس نے کہا کہ یہ حالت ہو گئی ہے ۔ کہ رہنے کو جگہ نہیں ، کھانے کو روٹی نہیں ۔ اس وقت یہاں آیا ہوں کہ فلاں شخص کو پندرہ ہزار روپیہ دیا تھا مگر اب وہ بھی جواب دیتا ہے ۔ مَیں نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر یہ سبق حاصل کیا کہ چالاکی سے انسان کیا کما سکتا ہے ؟ ادھر بالمقابل دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اتباع نے کیا کمایا ۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعظ کرتے ہیں ، چالاکیاں کرتے ہیں لیکن ذرا پیٹ میں درد ہو تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم گئے ۔

پس تم وہ چیز بنو جس کا نسخہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کے اتباع پر تجربہ کر کے دکھایا ہے ۔ کہ جب وہ دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ یہ لمبی کہانی ہے ۔ کہ کس کس طرح پر خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی نصرت کی ہے ۔ اسی شہر میں دیکھو (مرزا غلام احمد ایدہ اللہ الاحد) ایک شخص ہے ۔ کیا قد میں امام الدینؒ اس سے چھوٹا ہے یا اسکی ڈاڑھی چھوٹی ہے ۔ اسکا مکان دیکھو تو حضرت اقدس کے مکانوں سے مکان بھی بڑا ہے ۔ ڈاڑھی دیکھو تو وہ بھی بڑی لمبی ہے ۔ کوشش بھی ہے کہ مجھے کچھ ملے ۔ مگر دیکھتے ہو ۔ خدا کے دینے میں کیا فرق ہے ؟ مَیں یہ باتیں کسی کی اہانت کیلئے نہیں کہتا ۔ میں ایسے نمونوں کو ضروری سمجھتا ہوں اور ہر جگہ یہ نمونے موجود ہیں ۔

مَیں خود ایک نمونہ ہوں ، جتنا میں بولتا ، کہتا اور لوگوں کو سناتا ہوں ۔ اس کا بیسواں حصہ بھی

ؒ میرزا امام الدین

مرزا صاحب نہیں بولتے اور سناتے۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو۔ وہ خاص وقتوں میں باہر تشریف لاتے ہیں اور میں سارا دن باہر رہتا ہوں۔ لیکن ہم پر تو بدظنی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی باتوں پر کیسا عمل ہے۔ بات یہی ہے کہ اللہ کی دین الگ ہے! اور وہ موقوف ہے ایمان پر!!

منصوبہ باز چالاکیوں سے کام لینے والے بامراد نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی تدابیر اور مکائد پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یوں کر لیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو دکھاتا ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ جب اس کا فضل ہوتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دین کے منتظر ہو۔ اور یہ عطا منحصر ہی ایمان پر ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ملا۔ وہ سب سے بڑھ کر ملا۔ شرط یہ ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ نماز مومن کی الگ اور دنیا دار کی الگ اور منافق کی الگ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام ابراہیمؑ بھی تھا۔ جس کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم: ۳۸) اور وہی ابراہیمؑ جو جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصّٰفّٰت: ۸۵) کا مصداق تھا۔ اس نے سچی تعظیم امر الٰہی کی کر کے دکھائی اسکا نتیجہ کیا دیکھا۔ دنیا کا امام ٹھہرا۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ تعظیم لامر اللہ کیلئے تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ کا حکم ہے مگر شفقت علیٰ خلق اللہ اور تکمیل تعظیم امر الٰہی کے لئے وَانْحَرْ (قربانی بھی کرو)۔ قربانی کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جب یہ شروع ہوئی۔ اسوقت دیکھو کیسے مشکلات تھے اور اب بھی دیکھو۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ ۹۹ برس کی عمر تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولاد صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد عطا کی۔ جب اسمٰعیل جوان ہوئے تو حکم ہوا۔ کہ ان کو قربانی میں دیدو۔ اب ابراہیم علیہ السلام کی قربانی دیکھو۔ زمانہ اور عمر وہ کہ ۹۹ تک پہنچ گئی۔ اس بڑھاپے میں آئندہ اولاد کے ہونے کی کیا توقع اور وہ طاقتیں کہاں؟ مگر اس حکم پر ابراہیمؑ نے اپنی ساری طاقتیں ساری امیدیں اور تمام ارادے قربان کر دئے۔ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کر لیا پھر بیٹا بھی ایسا سعید بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۳) تو وہ بلا چون وچرا یونہی بولا کہ اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۴) ابا جلدی کرو۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ خواب کی بات ہے۔ اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں۔ کہا۔ پھر کر ہی لیجئے۔ غرض باپ بیٹے نے فرماں برداری دکھائی کہ کوئی عزت، کوئی آرام، کوئی دولت اور کوئی امید باقی

نہ رکھی۔ یہ آج[1] ہماری قربانیاں اسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں۔ مگر دیکھو کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور اس کے بیٹے کو کیا جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں بادشاہ اور انبیاء پیدا کیئے۔ وہ زمانہ عطا کیا جس کی انتہاء نہیں۔ خلفاء ہوں تو وہ بھی ملت ابراہیمی میں۔ سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہونیوالے ہیں۔

پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام: ۸۰) کہتے ہو تو روح بھی اس کے ساتھ متفق ہو۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام: ۱۶۴) کہتے ہو تو کر کے بھی دکھلاؤ۔

غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکی فرماں برداری اور تعمیل حکم کیلئے جو اسلام کا سچا مفہوم اور منشاء ہے۔ کوشش کرو۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں وسوسے اور دنیا کی ایچا پیچی ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے کل قویٰ اور خواہشوں کو قربان کر ڈالو اور رضاء الٰہی میں لگا دو تو پھر نتیجہ یہ ہوگا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (تیرے دشمن ابتر ہوں گے)

انسان کی خوشحالی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ خود اس کو راحتیں اور نصرتیں ملیں اور اس کے دشمن تباہ اور ہلاک ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز اور اپنی قربانیوں میں دکھا دیا۔ کہ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے اپنی نصرتوں اور تائیدوں سے بتا دیا کہ ہم اس کے ہیں۔ اور اس کے دشمنوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ آج ابوجہل کو کون جانتا ہے۔ ماں باپ نے تو اس کا نام اَبُوالْحَکَم رکھا تھا۔ مگر آخر اَبُوجَہْل ٹھہرا وہ سَیِّدُالْوَادِیْ کہلاتا، مگر بدتر مخلوق ٹھہرا۔ وہ بلال حبشی کو ذلیل کرتے ناک میں نکیل ڈالتے، اس نے اللہ کو مانا، اسی کے سامنے ان کو ہلاک کر کے دکھا دیا۔ غرض خدا کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں ہزار اعتراض مرزا صاحب پر کرتے ہیں مگر وہ وہی اعتراض ہیں جو پہلے برگزیدوں پر ہوئے۔ انجام بتا دیگا۔ کہ راست باز کامیاب ہوتا ہے اور اس کے دشمن تباہ ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے۔ وہی کامیاب ہوتا ہے۔ ورنہ نامراد مرتا ہے۔ پس ایسے بنو کہ موت آوے خواہ وہ کسی وقت آوے۔ مگر تم کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار پاوے۔ یاد رکھو کہ مرکر اور مرتے ہوئے بھی اللہ کے ہونے والے نہیں مرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے

[1] عیدالاضحیٰ۔ مرتب

جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور اپنا مطالعہ نہیں کرتا۔ وہ پتھر ہے۔ دنیا کے ایچ پیچ کام نہیں آتے۔ کام آنیوالی چیز نیکی اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ خدا سب کو توفیق عطا کرے۔ (الحکم ۲۴ ؍ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲-۵)

کوثر کے معنے خیر کثیر کے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم دنیا میں تنہا تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کیا کچھ خیر کثیر دیا اور دیتا جا رہا ہے۔ سکھوں کا مذہب صرف اتنا ہی ہے۔ کہ اللہ کو ایک مان لو اور دعا کر لو۔ کوئی زیادہ قیدیں اس مذہب میں نہیں مگر باوجود اس آسانی کے پھر بھی اس مذہب میں کوئی ترقی نہیں۔ بخلاف اس کے کہ اس میں بہت ساری پابندئیں ہیں۔ نماز کی، روزہ کی، حج کی، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی۔ مگر باوجود ان تمام پابندیوں کے اسلام میں روز بروز ترقی ہے۔ یہ کیسا خیر کثیر ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو عطا ہو رہا ہے۔ ایک مُلّا تو کہے گا کہ اَعْطَیْنَا صیغہ ماضی کا بمعنی مضارع ہے۔ آخرت میں آپؐ کو حوضِ کوثر عطا ہوگا۔ سَنُعْطِیْ۔ اس میں کلام نہیں کہ آخرت میں حوضِ کوثر آپ کو عطا ہوگا مگر اس میں کیا شک کہ دنیا میں جس کثرت سے آپؐ پر عطایات الٰہی ہوئے۔ وہ بے حد و بے مثل ہیں۔

کوثر کا لفظ کثیر سے مشتق ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ایک صحابی بیس ہزار، چالیس ہزار، بلکہ ساٹھ ہزار پر فاتح ہوا۔ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا کام مقبلانہ ایسا تھا کہ جس کی نظیر نہیں۔ پنجوقت نماز آپؐ خود پڑھاتے۔ سارے قضایا آپ خود ہی فیصلہ کرتے تھے۔ بیویاں جس قدر آپؐ کی تھیں ان کی خاطرداری اس قدر تھی۔ کہ سب آپ سے خوش تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اُس زمانہ کی عورت کی پوزیشن ہی کچھ ایسی تھی کہ تکلفات نہ تھے۔ مگر عورتوں کی جبلت کا بیان یوں فرمایا ہے کہ مرد کی عقل کو چرخ دینے والی عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی مخلوق میں نے نہیں دیکھی۔ کہ عقلمند مرد کی عقل کو کھو دیتی ہے۔ عورتوں پر ہر ہر بات پر تشدد مت کرو۔ لڑکوں کو بھی مارنے اور سزا دینے کا میں سخت مخالف ہوں۔ حضرت صاحب بھی لڑکوں کو مارنے سے بہت منع کیا کرتے ہیں۔ میں تو انگریزی پڑھا نہیں۔ سنا ہے کہ یونیورسٹی کی بھی یہی ہدایت ہے۔ کہ استاد طلبہ کو نہ مارا کریں۔ باوجود ان تاکیدوں کے لوگ بچوں کو مارنے سے باز نہیں آتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمارا فرضِ منصبی ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں کہ وعظ کرنا تو سیکھ لیتے ہیں مگر خود عملدرآمد نہیں سیکھتے۔ تمہارے ہاتھوں میں اب سلطنت نہیں رہی۔ اگر تم اچھے ہوتے تو سلطنتیں تم سے نہ چھینی جاتیں۔ (بدر ۲۱ ؍ دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

اَلْکَوْثَر : نبی کریمؐ کو جو چیز ملی۔ کثرت سے ملی۔ کتاب ملی تو جامع۔ اُمت ملی تو خیر الامم حکومت ملی تو ابدی۔ سپاہ ملی تو بے نظیر۔ دونوں مذہبوں کے مرکز بھی آپؐ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے پھر حوضِ کوثر۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۸۸)

سُورَةُ الْکَافِرُوْنَ مَکِّیَّةٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱

سورۃ کافرون مکی ہے۔ طبرانی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ قریش نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ مکہ میں سب سے بڑے دولتمند ہو جائیں۔ اور جس عورت کو آپ پسند کریں۔ اس کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ لے لیں اور ہمارے معبودوں کی بُرائی بیان کرنے سے رُک جائیں۔ اور ان کو بدی کے ساتھ یاد نہ کریں اور اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو ہم ایک اَور بات پیش کرتے ہیں۔ اور اس میں آپ کی بہتری ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ بتاؤ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگے۔ ایسا کرو۔ کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پُوجا کرو۔ اور پھر ایک سال ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں گے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ اس کا جواب مَیں خدا سے پاکر تم کو بتلاؤں گا۔ پس یہ وحی الٰہی نازل ہوئی۔ کہ اے میرے منکرو! الخ اور یہ آیت نازل ہوئی قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ (الزمر: ۶۵) جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ ان کو کہہ دو کہ اے جاہلو۔ کیا تم مجھے یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوائے کسی اَور کی عبادت کروں۔

اور تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر یہ وحی نازل ہو چکی ہے۔ کہ اگر تو خدا کے ساتھ شریک کریگا تو تیری تمام محنت بیکار ہو جائے گی۔ اور تو نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔ بلکہ ایک اللہ ہی معبود ہے۔ اسی کی عبادت کر اور قدر دانوں میں سے بن۔

مسلم اور بیہقی نے اپنی کتاب میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۃ اخلاص پڑھی تھی۔ عام سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنی کتاب قرآن کریم میں جہاں کہیں کفار کا ذکر کرتا ہے تو اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کر کے فرماتا ہے لیکن اس کی بجائے اس سورۃ شریف میں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا۔ کہ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ اے کافرو! اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کَفَرُوْا صیغہ ماضی میں ہے۔ اور انقطاع پر دلالت کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ اے کافرو! فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بلکہ صاف تصریح کر دی ہے کہ یہ مخاطب ایسے کافر ہیں کہ صفت کفر ان کے لازم حال ہو گئی ہے۔

ایسی حالت سے خدا تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

لَآ اَعْبُدُ - میں تمہارے بتوں کی نہ اب پوجا کرتا ہوں اور نہ آئندہ کروں گا۔ اس جگہ بتوں کی عبادت کی نفی حرف لَا کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیونکہ حرف لَا کی نفی حال اور استقبال ہر دو پر مشتمل ہے۔ نہ اب اور نہ آئندہ۔

مَا تَعْبُدُوْنَ - جو کچھ تم عبادت کرتے ہو۔ مَا اسم مبہم ہے۔ اور مشرکوں کے معبودوں کے ابہام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ مشرک اپنی خواہش بے جا کے سبب خود اپنے اندر ایک شک و شبہ میں پڑا ہوا ہے۔ اور ہر روز نیا بُت اپنے لئے تراشتا ہے۔ اور اُسکا عقیدہ مکڑی کے جالے کی طرح بودا اور کمزور ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات طیب اور مبارک کے متعلق غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری اس جگہ حال اور مستقبل میں دو بار کر کے بیان کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے معصوم ہیں کہ انکی حالت میں کجی اور انحراف اور بدی کی طرف تبدیلی واقع ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود زمانہ گزشتہ میں بھی ایک خدا ہی تھا اور اب بھی وہی ہے اور آئندہ بھی وہی ایک ہوگا۔ برخلاف مشرکین کی یہ حالت ہے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ - تمہارے لئے پھل اور نتیجہ ہے اس کا جو کچھ کہ تم عبادت کرتے ہو۔ شرک ایک قبیح رجس ہے۔ پس پہلے کفار کے حصے کا ذکر کیا گیا کہ کفار کو غیر اللہ کی پرستش کا حصہ مل کر رہے گا۔ توحید سے انحراف اور بتوں کی پرستش کا انجام تم پر ظاہر ہوگا۔ اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ انکے رجس پر اور رجس بڑھتا ہے۔ اور وہ حالتِ کفر میں ہی مرجاتے ہیں

اور میرے لئے میرا دین۔ اس سورۃ شریف کا اول اس کے آخر کے مطابق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں واحد خدا کی پرستش کرتا ہوں اور تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کی ہے۔ نہ کرتا ہوں اور نہ کروں گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توحید اور اخلاص کا دین مجھے حاصل ہوا۔ اور صواب کا طریقہ مجھے ہی ملا۔ اور ان لوگوں کا راستہ جن پر خدا تعالیٰ کا انعام ہوا۔ مجھے ہی عطا ہوا۔ اور ایسا ہی تمہیں تمہارا حساب بھگتنا پڑے گا۔ اور مجھے اپنا۔ پس میری نصرت کی جائے گی اور میری عزت کی جائے گی اور میں تمہارے شہروں کو فتح کروں گا اور اس کے ساتھ دوسرے شہروں کو بھی فتح کروں گا۔ اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے اور تم میری مخالفت میں اپنے مال بھی خرچ کرو گے اور پھر بھی مغلوب رہو گے پس یہ دونوں دین بلحاظ اصول اور فروع اور نتیجہ کے یکساں نہیں رہیں گے۔ پس اس سورۃ شریف میں

کفر سے پوری بیزاری ظاہر کی گئی ہے۔

قُلْ۔ کہہ دے۔ بول۔

یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اور آپؐ کی طفیل تمام مسلمانوں کو ہے۔ کہ ایسے کفار کو جو کفر پر ایسے سچے ہیں کہ نہ پہلے کبھی انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اور نہ آئندہ ان سے ایسی امید ہو سکتی ہے۔ ان کو کہہ دو۔ کہ تم جو اپنے کفر پر ایسے پکے ہو اور مسلمانوں کو برا سمجھتے ہو ماسوا اس سے حق اور باطل میں تمیز ہو جائے گی۔ کہ تم اپنے دین پر پکے رہو۔ اور ہم اپنے دین پر پکے ہیں۔ نتیجہ خود ظاہر کر دیگا۔ کہ کون سچا اور منجانب اللہ ہے۔ اور کون جھوٹا اور شیطانی راہ پر ہے۔

چونکہ اس سورۃ شریف میں کفار کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور ان کے مذہب کے بطلان کے واسطے ایک زبردست دلیل پیش کی گئی ہے۔ اسی واسطے یہ کلام بطور ایک چیلنج کے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو القاء کیا اور اسی واسطے اس کے شروع میں لفظ قُلْ آیا ہے۔ تفاسیر میں قُلْ پر بہت بحث کی گئی ہے۔ خلاصہ اس تمام تحریر کا یہ ہے۔ کہ یہ سورۃ صریح الفاظ میں کفار کے ساتھ بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اس نیت سے کہ وہ سمجھ جاویں۔ بہت نرمی کا سلوک کرتے تھے۔ اور انکی سخت سے سخت ایذاء رسانی پر صبر کرتے تھے۔ اور کسی کے ساتھ ذرا سی سخت کلامی بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس واسطے یہ کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ جس کا پہنچانا آپ پر فرض ہوا۔ اور اس طرح آپؐ نے صاف الفاظ میں صراحت کے ساتھ ان پر ظاہر کر دیا۔ کہ ایسے کفار کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہ ہوا۔ نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

یَاۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ سنو۔ اے منکرو! اس میں تین حروف ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں۔ یَا (حرف ندا) اَیُّ (تخصیص کیلئے ہے) اور هَا (تنبیہ کا حرف ہے خبردار کرنے کیلئے) جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نہایت تاکید کے ساتھ اچھی طرح منکروں کے کان کھول کھول کر ان کو یہ پیشگوئی سنائی گئی تھی۔ کہ تم کو تمہارے اس طریقہ کا بدلہ ملنے والا ہے۔ اور تم دیکھ لوگے کہ خداوند تعالیٰ توحید کے پرستاروں کو تمہارے مقابلہ میں کس طرح کامیابی عطا کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یَا نداء النفس ہے اور اَیُّ نداء القلب ہے اور هَا نداء الروح ہے۔ گویا نفس روح اور قلب ہر سہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے۔ کہ یَا حرف نداء غائب کے واسطے ہے۔ اور اَیُّ حرف نداء حاضر کے واسطے اور هَا تنبیہ کے واسطے۔ کیا حاضر کیا غائب، سب کو نہایت تاکید کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔ انبیاء کی دعوت ہمیشہ اسی طرح نہایت تاکید کے ساتھ بار بار لوگوں کو بلا کر اور مخاطب کر کے پہنچائی

جاتی ہے چنانچہ اس کی نظیر خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے پیدا کر دی ہے۔ خدا کا مسیح کس قوت اور زور کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کے درمیان توحید کا وعظ کر رہا ہے۔ نہ ایک دفعہ کہہ کر وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ بلکہ بار بار ہر ایک ذریعہ سے خدا کا پیغام دنیا کو پہنچاتا ہے۔ نہ صرف ایک زبان میں بلکہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی، پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کی تبلیغ کا آوازہ دنیا کے چار کونوں تک پہنچ رہا ہے۔ رسالوں میں۔ اخباروں میں۔ اشتہاروں میں۔ زبانی تقریروں۔ قلمی تحریروں میں غرض کوئی ذریعہ تبلیغ کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور آج دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں۔ جہاں کے لوگ اس مسیح کے نام سے اور اس کے دعوے سے ناواقف ہوں۔ خدا کے برگزیدوں کی ہمیشہ سے یہ ہی سنت ہے کہ وہ کھول کھول کر اور پھاڑ پھاڑ کر خدا کا حکم دنیا جہان کو پہنچا دیتے ہیں اور اس کے حکم کے پہنچانے میں نہ وہ کسی دشمن کی دشمنی کی پرواہ کرتے اور نہ کسی مخالف کی مخالفت سے کبھی ڈرتے ہیں۔ نادان ان کے مقابلہ میں اٹھتے اور جوش دکھاتے ہیں۔ پھر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر نا امید ہو کر ناکام مر جاتے ہیں۔ پر وہ خدا کے بندے ہر روز اپنا قدم آگے بڑھاتے ہیں اور خدا کی تائید سے کامیاب ہو کر رہتے ہیں

شانِ نزول یہ سورہ شریف بقول ابن مسعود و حسن و عکرمہ مکی ہے۔ اس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ معظمہ میں قیام رکھتے تھے

اس سورہ کی پیشین گوئی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ایسے وقت میں نازل ہوئی تھی۔ جب کہ کفار اپنے زور پر تھے۔ اور اپنے بتوں کی حمایت اور انکی پرستش میں بڑے یقین کے ساتھ مصروف تھے اور گمان کرتے تھے کہ اسلامی سلسلہ ایک چند روزہ بات ہے جو جلدی ہم لوگ اپنی قوت و زور کے ساتھ نیست و نابود کر دیں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی اصل کیفیت نہ سمجھ کر ان میں سے چند آدمی جیساکہ ابوجہل۔ عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ۔ اَسْوَد بن عبد یغوث وغیرہ نے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے بتوں کی مذمت کرنا اور ان کو برائی سے یاد کرنا چھوڑ دو۔ اور اس کے عوض میں ہم آپ کو اس قدر مال دیں گے کہ مکہ میں آپ سے زیادہ بڑا کوئی مالدار نہ ہووے۔ یا اگر آپ چاہیں تو ہمارے قبائل میں سے سب سے زیادہ خوبصورت عورت جو آپ کو پسند ہو آپ لے لیں اور اگر آپ کو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات پسند نہ ہو تو پھر تیسری بات یہ ہے۔ کہ آپ ہمارے ساتھ اس طرح سے صلح کر لیں کہ ایک سال ہمارے بتوں کی پرستش کریں تو پھر دوسرے سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔ اس طرح برابر تقسیم ہوتی رہے گی اور کسی کو شکایت کا موقعہ نہ رہے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ کیسے جاہل ہیں کہ نہیں سمجھتے کہ میں کس خوبیوں سے بھرے

ہوئے اسلام کی طرف ان کو بلاتا ہوں اور کس قادر توانا حیّ و قیوم معبود حقیقی کے قُرب کے حصول کا ذریعہ ان کے آگے پیش کرتا ہوں اور کیسی دائمی خوشی اور ابدی راحت کا تحفہ ان کے واسطے تیار کرتا ہوں جس کے عوض یہ مجھے ناپائیدار مال اور عورت کے چندروزہ حُسن کا لالچ دیتے ہیں۔ اور پتھر کے آگے سر جھکانے کو کہتے ہیں۔ جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑے اور بنائے ہیں۔ چونکہ آپ کو ان لوگوں کی خیر خواہی کے واسطے بڑا درد تھا۔ جس کو خدائے علیم نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء:۴)

کیا تو اس غم میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان کو ہلاک کر دے گا۔

آپؐ نے کفار کے ایسے جاہلانہ سوال پر دردمند ہو کر یہی بہتر سمجھا کہ اس کے جواب کے واسطے اپنے معبودِ حقیقی کی طرف توجہ کریں اور یہی طریقہ ہمیشہ سے انبیاء کے حصّہ میں آیا ہے۔ چنانچہ آپؐ کی توجہ کے بعد خدا تعالیٰ سے کفار کے جواب میں یہ سورۃ شریف نازل ہوئی جس سے کفار کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں۔ اس قسم کے صلح کے شرائط عموماً کفار انبیاء کے سامنے بہ سبب اپنی جہالت کے پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی خدا کے مُرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخالفوں نے یہ بات کہی کہ ان کے اِتقاء اور علم اور عمل میں ہم کو کوئی شک نہیں۔ بے شک یہ ولی اللہ ہیں اور ہم ان کو ماننے کے واسطے تیار ہیں۔ صرف مسیح ہونے کا دعویٰ نہ کریں اور بس۔

تعجب ہے کہ ان لوگوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے۔ کیا وہ شخص جو متقی اور عالم اور ولی اللہ مانا جا سکتا ہے۔ اس کی نسبت یہ کلمہ بھی کسی عقل کی رُو سے کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ اس نے دعویٰ نبوت اور مسیحیت کا از خود کر دیا ہے۔ اور خدا پر افتراء باندھا ہے۔ کیا مفتری علی اللہ متقی اور ولی اللہ ہو سکتا ہے۔ ہاں کفار کے ساتھ ایک اور صورت صلح کی ہو سکتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار کے ساتھ کی تھی۔ جس کی شرط یہ تھی۔ کہ کفار مسلمانوں پر حملہ نہ کریں اور نہ اُن لوگوں کی امداد کریں۔ جو مسلمانوں پر ناجائز حملہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی مسلمان نہ ان کو کسی قسم کی تکلیف دیں گے۔ اور نہ ان کے تکلیف دہندوں کی کوئی حمایت کریگا بلکہ ہر طرح سے ان کے بچاؤ کی کوشش کریں گے۔ اسی رنگ میں صلح حضرت مسیح موعودؑ نے بھی مخالف عیسائیوں، آریوں، ہندوؤں اور دیگر اقوام کے سامنے پیش کی تھی۔ کہ چند سالوں تک جو معین کئے جاویں۔ یہ قومیں مسلمانوں کے خلاف کوئی کتاب نئی یا پرانی شائع نہ کریں اور ایسا ہی مسلمان اس عرصہ میں کوئی کتاب ان مذاہب کی تردید میں نہ لکھیں گے ہاں ہر ایک مذہب کے عالم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرتے رہیں۔ کوئی کتاب لکھے جس میں یہ

دکھائے کہ اس مذہب پر چلنے سے کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن کسی دوسرے مذہب کا کچھ ذکر نہ کریں۔ مذہبی جنگوں کے خاتمہ کے واسطے اور آئے دن کے جھگڑوں اور تنازعوں کے مٹانے کیلئے یہ نہایت ہی احسن طریقہ تھا مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔ غرض اس قسم کی صلح تو انبیاء کی سنت کے مطابق ہے۔ لیکن یہ بات کہ مداہنت کے طور پر اور منافقت سے کچھ تم ہمارے عقائد کو مان لو اور کچھ ہم تمہارے عقائد کو مان لیں۔ ایسا طریقہ خدا کے سچے رسول کبھی اختیار نہیں کر سکتے

نسخ بعض لوگ اس سورۃ شریف کے یہ معنے سمجھ کر اس کو منسوخ سمجھتے ہیں کہ کفار کو ان کے دین پر رہنے کی اس میں اجازت دی گئی ہے۔ کہ وہ بیشک اپنے دین پر رہیں اور مسلمان ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں رکھیں گے۔ لیکن جب جہاد کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ تو پھر یہ سورۃ منسوخ ہو گئی۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے سب کا سب ہمیشہ کے واسطے بنی نوع کے عمل کیلئے عمل کرنے اور فائدہ اٹھانے کے واسطے ہے۔ قیامت تک قرآن شریف کا ایک نقطہ بھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مذہب اسلام میں دینی اختلاف کی وجہ سے نہ کوئی لڑائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور نہ آپ کے بعد کبھی کسی کو اجازت ہے۔ کہ دینی اختلاف کی وجہ سے کسی کو قتل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کفار نے جب مسلمانوں کو سخت دکھ دیا اور طرح طرح کے ایذاء کے ساتھ پہلے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا اور بڑی بڑی فوجیں لیکر ان پر چڑھائیاں کیں تو بہت سے صبر اور تحمل کے بعد جب وہ کسی طرح بھی باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ایسے شریروں سے اپنا بچاؤ کریں اور ان کو شرارت کی سزا دیں۔

جہاد کے واسطے جو کچھ حکم تھا۔ یہی تھا۔ اور اس زمانہ میں بہ سبب اس کے کہ مذہب کی خاطر مسلمان کسی ملک میں دکھ نہیں دئے جاتے۔ خود ان کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ سورۃ کافرون میں تو خود جہاد کے کرنے یا نہ کرنے کا کوئی تذکرہ بھی نہیں۔ لیکن اگر بہر حال یہ سمجھا ہی جاوے کہ اس سورۃ شریف میں جہاد کے متعلق کوئی حکم ہے تو وہ جہاد کے جواز کا ہو سکتا ہے۔ نہ کہ اس کے نسخ کا۔ کیونکہ اس سورۃ میں مخالفوں کو ایک چیلنج دیا گیا ہے کہ تم اپنے دین کے ساتھ زور آزمائی کرو۔ اور ہم اپنے دین کی قوت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ خدا کس کو کامیاب کرتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ یہ کامیابی بہر حال اسلام کے واسطے ہے۔ پس یہ سورت کسی حالت میں منسوخ نہیں اور نہ کوئی اَور حصہ قرآن شریف کا منسوخ ہوا یا ہو سکتا ہے

---

[1] ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۴ نومبر ۱۹۱۲ء

مقامِ نزول جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ سورۃ شریف مکی ہے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مدنی ہے ایسا ہی بعض دوسری سورتوں کے متعلق بھی بظاہر اسی قسم کا اختلاف روایات میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ بعض سورتیں اور آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ایک بار بلکہ کئی بار نازل ہوئی ہوں۔ جیساکہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کے حالات میں دیکھتے ہیں کہ ایک پیشین گوئی وحی الٰہی میں ایک دفعہ نازل ہو کر مثلاً کتاب براہین احمدیہ میں چھپ چکی ہے لیکن جب اس کے پورا ہونے کا وقت آیا تو نزولِ اول کے بیس پچیس سال بعد پھر وہی الفاظ الہامِ الٰہی میں وارد ہوئے۔

دِیْن : جزا و سزا کے معنے میں بھی آتا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب ہے کہ تم لوگوں نے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کا بدلہ تم کو بہرحال مل کر رہے گا جو طریقہ ہم نے اختیار کر لیا ہے اسکا بدلہ خدا ہم کو ضرور دیگا۔

اَلْکٰفِرُوْن : اس جگہ اگرچہ اول مخاطب وہی کفار اور ان کے ساتھی تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام تھا۔ اور اس وجہ سے اس سورۃ شریف کے نزول کے اصل محرک وہی تھے۔ لیکن ان کے بعد تمام دنیا کے کفار جو مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں۔ اس سورۃ میں مخاطب ہیں۔ قاعدہ ہے کہ زمانہ نزولِ انبیاء میں بعض منکرین ایسے سخت دل ہو جاتے ہیں۔ کہ کوئی نصیحت انکے واسطے کارگر نہیں ہو سکتی۔ اور ہر ایک نشانِ الٰہی جو دوسروں کے واسطے موجب ازدیادِ ایمان ہوتا ہے۔ ان کیلئے بجز ازدیادِ کفر اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسے کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرہ ، ۷) وہ حالت کفر میں ایسے غرق ہیں کہ آنیوالے عذابوں سے تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ سب برابر ہے۔ وہ کبھی ایمان نہیں لاویں گے۔ اور فرمایا ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (المائدہ ، ۶۵) تیرے رب کی طرف سے جو تجھ پر نازل ہوا ہے۔ یہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور بھی بڑھا دیگا۔ ایسے کافروں کو کہا گیا ہے کہ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (البقرہ ، ۱۴۰) ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ایسے ہی مکذبوں کے متعلق فرمایا۔ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس : ۴۲) ان کو کہہ دو کہ میرے عمل میرے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں۔ تم میری کارکردگی کا ثواب نہیں پا سکتے اور میں تمہاری کارروائیوں سے بَری ہوں۔

حفاظتِ قرآن اس سورۃ شریف کے الفاظ کو اپنے قرآن شریف پر بغور دیکھتے ہوئے اسکی طرزِ تحریر میں ایک خاص بات مجھے نظر آئی اور وہ یہ ہے کہ اسمیں

عٰبِدُوْنَ کا لفظ دو جگہ اس طرح آیا ہے کہ ع کے اوپر کھڑا الف لکھا گیا ہے مگر تیسری جگہ عابد کا لفظ ع کے بعد الف کے ساتھ آیا ہے۔ حالانکہ دونوں الفاظ تمام تحریر میں ایک ہی طرح آ سکتے ہیں۔ لیکن میں نے بہت سے مختلف چھاپوں کے قرآن شریف کھول کر دیکھے اور سب میں مذکورہ بالا طرزِ تحریر پایا

.... قرآن شریف کی حفاظت کے واسطے یہ بھی ایک دلیل ہے کہ جب سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف لکھا گیا اور جیسا کہ لکھا گیا۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا اور نہ ہونے کی کوئی گنجائش تھی۔ برخلاف اس کے ہم انجیل اور تورات کو دیکھتے ہیں۔ کہ اول تو ان کی اصلیت کا کوئی پتہ ہی نہیں ملتا۔ کہ اصل نسخے کیسے تھے۔ اور کہاں غائب ہوئے۔ اور جو کچھ نقلی یا فرضی کتابیں موجود ہیں۔ ان کے متعلق بھی آج تک کمیٹیاں ہو رہی ہیں۔ جو ان امور کی تحقیقات کرتی ہیں۔ کہ ان کتابوں میں سے کونسی عبارتیں ہنوز نکال دینے کے قابل ہیں۔ جس قدر کتابیں اس وقت دنیا میں الہامی مانی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں ہے۔ سوائے قرآن شریف کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف کے سوا اور کسی کتاب کی حفاظت کا ذمہ باری تعالیٰ نے نہیں لیا اور اس واسطے دوسری کتابیں عوام کے دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔

خواصِ سُورت زید بن ارقم رفعاً کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات دو سورتیں ساتھ لے کر کی۔ اس سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔ وہ دو سورتیں کافرون اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہیں۔

اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ سورۃ کافرون میں کفار اور ان کے کفر سے پوری بیزاری اور بے تعلقی ظاہر کی گئی ہے۔ اور سورۃ اخلاص میں خدا تعالیٰ کی توحید کا پورے طور پر اقرار کیا گیا ہے بدی کا ترک اور نیکی کا حصول شیطان سے دوری اور خدا کا قرب۔ یہی دو باتیں ہیں جو کسی مذہب کا آخری نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو حاصل ہو جاویں۔ تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اور اس کے واسطے کوئی حساب باقی نہیں رہا۔ ایک روایت میں ابنِ عمر سے منقول ہے۔ کہ یہ سورۃ ربع قرآن کے برابر ہے۔ کیا معنے یہ قرآن شریف کا چوتھا حصہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ پاک کے مضامین کا چہارم حصہ کفار اور ان کے کام سے بیزاری اور خداوند کی خالص عبادت کے بیان پر مشتمل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۱؍ نومبر ۱۹۱۲ء)

دیکھو۔ حضرت نبی کریم ؐ کی ابتدائی تیرہ سالہ مکہ کی زندگی کیسی مشکلات اور مصائب کی زندگی ہے مگر باایں کہ آپؐ بالکل تنہا اور کمزور ہیں۔ خدا تعالیٰ آپؐ کی زبان سے اہل مکہ کے بڑے بڑے اکابر قریش اور سرداران قوم کو جو اپنے برابر کسی کو دنیا میں سمجھتے ہی نہ تھے۔ یوں خطاب کراتا ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کمزوری کی حالت میں بھی خدائی تائید اور نصرت کی وجہ سے جو آپؐ کے شامل حال تھی اور اس کامل اور سچے علم کی وجہ سے جو آپؐ کو خدا کے وعدوں پر تھا۔ آپ میں ایسی قوت اور غیرت وحمیت موجود تھی کہ آپ تبلیغ احکام الٰہی میں ان کے سامنے ہرگز ہرگز ذلیل نہ تھے۔ بلکہ آپ کے ساتھ خدا کی خاص نصرت اور حق کا رعب اور جلال ہوا کرتا تھا۔ پس اس سے مسلمانوں کو یہ سبق لینا چاہیئے کہ حق کے پہنچانے میں ہرگز ہرگز کمزوری نہ دکھائیں اور دینی معاملات میں ایک خاص غیرت اور جوش اور صداقت کے پہنچانے میں بھی حمیت رکھیں۔

کافر کا لفظ عرب کے محاورے میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ ہمارے ملک میں کسی کو کافر کہنا گویا آگ لگا دینا ہے۔ وہ لوگ چونکہ اہل زبان تھے۔ خوب جانتے تھے۔ کہ کسی کی بات کو نہ ماننے والا اس کا کافر ہوتا ہے۔ اور ہم چونکہ آپ کی بات نہیں مانتے اس واسطے آپ ہمیں اس رنگ میں خطاب کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں خود مسلمانوں کی صفت بھی کفر بیان ہوئی ہے جہاں فرمایا ہے۔ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (البقرہ، ۲۵۷) معلوم ہوا کہ کفر مسلمان کی بھی ایک صفت ہے۔ مگر آجکل ہمارے ملک میں غلط سے غلط بلکہ خطرناک سے خطرناک استعمال میں آیا ہے۔ کسی نے کسی کو کافر کہا اور وہ دست وگریبان ہوا۔

اصل میں کافر کا لفظ دل دکھانے کے واسطے نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو ایک واقعہ کا اظہار وبیان تھا۔ وہ لوگ تو اس لفظ اور خطاب کو خوشی سے قبول کرتے تھے۔

۲۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۲﴾ کے معنے ہوئے کہ تُو کہہ اے کافرو ہوشیار ہو کر اور توجہ سے میری بات کو سُن لو۔

۳۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۳﴾ میں اُن بتوں کی، ان خیالات کی، اُن رسوم ورواج کی اور ان ظنّوں کی فرماں برداری نہیں کرتا۔ جن کی تم کرتے ہو۔

ان لوگوں میں اکثر لوگ تو ایسے ہی تھے جو رسم ورواج، عادات اور بُتوں کی اور ظنّوں اور وہموں کی پُوجا میں غرق تھے۔ ہاں بعض ایسے بھی تھے جو دہریہ تھے۔ مگر زیادہ حصہ ان میں سے اوّل الذکر لوگوں میں سے تھا۔ خدا کو بڑا خدا جانتے تھے۔ اور خدا سے انکار نہ کرتے تھے۔ پس ایسے بھی کافر تھے۔ جو خدا کو بھی مانتے تھے اور بُتوں سے بھی الگ تھے۔ رسم ورواج میں بھی نہ پھنسے تھے۔ آنحضرت کے پاس آنے

کو اور آپکی فرماں برداری کرنے میں اپنی سرداری کی ہتک جانتے تھے۔ اور ان کے واسطے ان کا کبر اور بڑائی ہی حجاب اور باعث کفر ہو رہی تھی۔

۴۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۴ اور نہ ہی تم میرے معبود کی عبادت کرتے نظر آتے ہو۔

۵۔ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۵ اور نہ ہی میں کبھی تمہاری طرزِ عبادت میں آؤں گا۔

۶۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۶ اور نہ ہی تم اپنے رسم و رواج۔ جھتے اور خیالات، اپنے بتوں اور منتوں کو چھوڑتے نظر آتے ہو تو اچھا۔ پھر ہمارا تمہارا یوں فیصلہ ہو گا کہ

۷۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۷ میرے اعمال اور عقائد کا نتیجہ میں پاؤں گا اور تمہارے بدکردار اور عقائدِ فاسدہ کی سزا تم کو ملے گی۔ پھر اُس وقت پتہ لگ جاوے گا۔ کہ کون صادق اور کون کاذب ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا۔ وہ دنیا جانتی ہے۔ ہر ایک نے سُن لیا ہو گا کہ آنحضرتؐ دنیا سے کس حالت میں اٹھائے گئے اور آپؐ کے اتباع کو دنیا میں کیا کچھ اعزاز اور کامیابی نصیب ہوئی اور آپؐ کے وہ دشمن کہاں گئے اور ان کا کیا حشر ہوا۔ کسی کو ان کے ناموں سے بھی واقفیت نہیں۔ بس یہی نمونہ اور مابہ الامتیاز ہمیشہ کے واسطے صادق اور کاذب میں خدا کی طرف سے مقرر ہے۔

(الحکم ۱۸ راپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵)

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ : یہ آیت منسوخ نہیں نہ اس میں مدافعت ہے بلکہ فرمایا کہ تمہارے اعمال کی جزا تمہیں اور میرے کا نیک نتیجہ مجھے ملیگا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۹۵)

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

۲تا۴۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ② وَرَاَيْتَ النَّاسَ
يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ③ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ④

جب اللہ تعالیٰ کی نصرت ظاہر ہوئی اور مکہ فتح ہوگیا۔ اور تُو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کی تسبیح کر اور اس کی تعریف کر اور اس سے مغفرت طلب کر۔ وہ بہت ہی رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

یہ سورۃ مدنی ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے بعد تین آیتیں ہیں اور اُنیس ۱۹ کلمے اور اُناسی ۷۹ حروف ہیں۔

اِذَا کے معنے ہیں۔ جب کہ۔ جب یہ لفظ ماضی پر آوے تو معنے استقبال کے دیتا ہے۔ اس واسطے اِذَا جَآءَ کے معنے یہ بھی کئے گئے ہیں" کہ جب آوے گی" کیونکہ یہ سورۃ بطور ایک پیشگوئی کے نازل ہوئی تھی کہ اس وقت تو اسلام تنگی اور تکالیف کی حالت میں ہے اور سب صحابہ مہاجرین کے دل میں یہ خیال ہے کہ وہ اپنے وطنوں میں سے نکالے گئے اور ان کی تعداد قلیل ہے اور ان کے دشمن شہر مکہ میں آرام سے ہیں۔ اور اُن پر ہنسی کرتے ہیں۔ اور طعن کرتے ہیں۔ کہ تم لوگوں نے اسلام میں داخل ہو کر کیا فائدہ حاصل کر لیا۔ دیکھو ہم نے تم کو شہر مکہ سے بھی نکال دیا ہے۔ لیکن عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ ان کی ساری شیخی کرکری ہو جاوے گی اور ان کے متکبر سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور مکہ کا باعظمت گھر بتوں سے پاک کیا جاوے گا اور اس کے مناروں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ بلند کیا جاوے گا اور کمزور اور ناواقف لوگ جو اس وقت بہ سبب حجاب کے دینِ الٰہی میں داخل نہیں ہیں۔ ان کے واسطے وقت آجائے گا کہ تمام روکیں دور ہو کر وہ ایک سیلاب کی طرح اسلام کی طرف دوڑ پڑیں گے اور فوج در فوج لوگ اسلام میں

داخل ہونے لگ جائیں گے۔

اگر اِذَا جَاءَ کے معنے استقبال کے نہ لئے جاویں اور اس کے یہ معنے کئے جاویں کہ "جب فتح و نصرت الٰہی آ گئی" تب بھی یہ درست ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی کے جو پیشگوئیاں نازل ہوتی ہیں اور ان میں خدا اپنے بندے کی نصرت اور فتح کی خوشخبری دیتا ہے چونکہ وہ بات یقینی ہوتی ہے اور ضرور ہو جانے والی ہے۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا ہے اور آسمان پر مقدّر ہو چکا ہے۔ کہ یہ کام اس طرح سے ہوگا۔ اس واسطے اس کو ایسے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ گویا یہ کام ہو گیا ہے۔ کیونکہ کوئی کام زمین پر نہیں ہو سکتا جب تک کہ پہلے آسمان پر نہ ہو لے۔ اس کی مثال دنیوی محاورات میں بھی موجود ہے۔ جب کسی کو یقین ہو جاوے کہ اس مقدمہ میں تمام امور میری مرضی کے مطابق طے ہو جائیں گے اور میں ضرور فتح پاؤں گا تو وہ کہتا ہے کہ بس میں نے مقدمہ فتح کر لیا۔ حالانکہ ہنوز مقدمہ زیر بحث ہوتا ہے اور عدالت نے فیصلہ نہیں سنایا ہوتا۔ لیکن بہ سبب یقین کے وہ ایسا ہی کہتا ہے۔ کہ مقدمہ فتح ہو گیا۔ اس قسم کے الہامات اور پیشگوئیوں کی تازہ مثالیں خود اس زمانہ میں موجود ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بسا اوقات ایسے الہامات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جو کہ اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے ہیں۔ مثلاً ۱۴ را پریل ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعودؑ پر خدا تعالیٰ کی وحی بدیں الفاظ نازل ہوئی کہ "زلزلہ آیا زلزلہ آیا" اور یہ خبر اس زلزلہ کے متعلق تھی جو ۱۸ رمئی ۱۹۰۶ء کو واقع ہوا لیکن اس کا آنا مقدّر ہو چکا تھا۔ اس واسطے ایک ماہ پہلے ہی کہا گیا کہ زلزلہ آیا۔ زلزلہ آیا۔

جَاءَ کے معنے ہیں۔ آیا۔ آمد۔ اس لفظ میں قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتح اور نصرت تیرے پاس آئی جسے خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کی تائید کے واسطے عین ضرورت کے وقت میں بھیجا

نَصْرُ اللّٰہِ : اللہ تعالیٰ کی نصرت۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد۔

وَالْفَتْحُ : وہ خاص فتح جس کے تم منتظر تھے۔ اور جس کے متعلق پہلے سے پیشگوئی کی جا چکی تھی۔ اور تورات اور انجیل میں جس کا ذکر کیا گیا تھا یعنی فتح مکہ۔ وہی مکہ جس میں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا تھا۔ اور خفیہ طور پر رات کے وقت ہجرت کرنی پڑی تھی۔ اسی کے فتح کے دن آتے ہیں۔ اور مظفر و منصور ہو کر اس میں داخل ہونے کے ایام قریب ہیں۔

وَرَاَیْتَ : اور تُو نے دیکھ لیا۔ تُو نے جان لیا۔ تُو نے معلوم کر لیا۔

النَّاسَ : لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی رسول دنیا کی طرف مبعوث ہوتا ہے تو اس کا ساتھ دینے والے لوگ تین قسم کے ہوتے

ہیں۔ اوّل اور سب سے اعلیٰ طبقہ کے لوگ وہ ہوتے ہیں۔ جو کسی معجزہ، نشان، کرامت یا خارقِ عادت کے دیکھنے کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ اس نبی کی شکل دیکھتے ہی اور اس کا دعویٰ سنتے ہی اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ اٹھتے ہیں۔ ان کو نبی کے ساتھ ایک ازلی مناسبت حاصل ہوتی ہے اور وہ فوراً اس پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ سفر میں تجارت کے واسطے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور عرب کو واپس آتے ہوئے ہنوز شہر سے دُور تھے۔ راستہ میں ان کو ایک آدمی ملا۔ اس سے پوچھا کہ شہر کی کوئی تازہ خبر پہنچاؤ۔ اس نے کہا۔ کہ تازہ خبر یہ ہے کہ محمدؐ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو بے شک سچا دعویٰ کیا ہے۔ اسی جگہ ایمان لائے اور صدیق اکبر کہلائے رضی اللہ عنہ۔ یہ اعلیٰ طبقہ کے آدمیوں کا نمونہ ہے۔ اس سے کم درجہ کے لوگ وہ ہیں کہ جو کچھ تھوڑا بہت دلائل سننے اور نشان دیکھنے کے بعد ایمان لے آتے ہیں۔ اور مخالفت کی طرف نہیں دوڑتے۔ اور رفتہ رفتہ محبت اور اخلاص میں بہت ترقی کر جاتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے درجہ کے لوگ وہ ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے قہری عذاب نازل ہوتے ہیں۔ اور ہر طرف سے فتوحات اور نصرت کے نشانات نمودار ہوتے ہیں، تو ان کے واسطے سوائے اس کے چارہ نہیں ہوتا کہ وہ بھی مومنوں کے درمیان شامل ہو جائیں۔ اوّل اور دوم درجہ کے لوگوں کی خدا تعالیٰ نے بہت تعریف کی ہے۔ اور ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (المائدہ: ۱۲۰) کا خطاب دیا ہے۔ مگر تیسرے طبقہ کے لوگوں کا ذکر قرآن شریف میں صرف اتنا ہے کہ رَاَیْتَ النَّاسَ تو نے لوگوں کو دیکھا ہے۔ کیونکہ وہ عوام ہیں۔ خواص میں ان کا ذکر نہیں۔ پھر بھی خوش قسمت ہیں۔ کہ قرآن شریف میں ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا۔ کہ وہ دین اللہ میں داخل ہونے والے لوگ ہیں۔

اس زمانہ میں خدا کے فرستادہ رسول حضرت مہدی معہود کے پیرو انہیں تین قسم کے لوگوں میں مشتمل ہیں۔ بعض تو وہ اوّلین سابقین میں سے ہیں جو حضرت کے دعویٰ مسیحائی سے بھی پہلے آپ کے ساتھ خلوص محبت رکھتے تھے۔ اور دنیا میں کوئی بات ایسی نہ ہوئی جو ان کے خلوص اور محبت کو ایک قدم پیچھے ہٹانے والی ہو۔ حضرت کا دعویٰ ان کے واسطے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہر ابتلاء کے وقت انہوں نے قدم آگے بڑھایا ...... ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ نے ازل سے ایک فطرتی مناسبت اپنے رسول کے ساتھ عطا کی ہے کہ وہ اس سے علیحدہ رہ ہی نہیں سکتے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو کچھ کتابیں پڑھ کر اور کچھ نشانات دیکھ کر اور کچھ دیکھ بھال کر اس مقدس سلسلہ میں داخل ہوئے اور دن رات انہوں نے اس میں ترقی کی اور

خداتعالیٰ کی اس نعمت کے شکرگزار ہوئے اور اپنے مال اس راہ میں خرچ کئے۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو طاعون یا زلزلے نے خوفزدہ کرکے اس طرف کھینچا۔ پھر بہرحال وہ بھی خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ پاس شدوں کی فہرست میں ان کا نام درج ہوگیا۔ اور فیل شدوں کا نام تو کسی فہرست میں لکھا ہی نہیں جاتا سوائے ان فیل شدوں کے جو اپنے پرچوں میں شرارت کے ساتھ ناجائز باتیں لکھ دیتے ہیں تو خواہ مخواہ ممتحن کو ان کی رپورٹ کرنی پڑتی ہے کہ فلاں امیدوار نے اپنے پرچہ میں ایسی شرارت کی ہے۔ پس وہ فقط فیل ہی نہیں ہوتے بلکہ آئندہ کے واسطے مدارس سے خارج کئے جاتے ہیں۔ اور سخت نامرادی کے گڑھے میں پھینکے جاتے ہیں۔ جہاں سوائے رونے اور دانت پیسنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

يَدْخُلُوْنَ : داخل ہوتے ہیں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ : اللہ تعالیٰ کے دین میں

اَفْوَاجًا : فوج در فوج۔ پہلے تو کوئی ایک آدھ مسلمان ہوتا تھا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے۔ بعد میں جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تو زیادہ تعداد ہونے لگی۔ لیکن پھر بھی ترقی زور کے ساتھ نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب مکہ فتح ہوگیا تو گروہوں کے گروہ اور جماعتوں کی جماعتیں دین الٰہی میں داخل ہونے لگیں۔ کیونکہ تمام مشکلات درمیان میں سے اٹھ گئی تھیں اور حجاب دور ہوچکے تھے۔ اور اکابر مجرم ہلاک ہوچکے تھے۔

فَسَبِّحْ : پس تسبیح کر۔ پس پاکی بیان کر۔

اَلتَّسْبِيْحُ هُوَ التَّطْهِيْرُ : تسبیح پاکیزگی اور طہارت کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد خانہ کعبہ کی تطہیر ہے۔ کیونکہ کفار نے اس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اور فتح مکہ کا یہ نتیجہ تھا کہ تمام بت وہاں سے نکال دئے گئے اور اس کے گھر کو خداتعالیٰ کی اس عبادت کے واسطے خاص کیا گیا جس کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنے کاندھوں پر اینٹیں اٹھا کر اس کی بناء کی تھی۔ خداتعالیٰ کے برگزیدے جب اپنے رب کے حضور میں کوئی اخلاص کا کام کرتے ہیں۔ تو خداتعالیٰ اس کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات نے جنگل بیابان کے درمیان جہاں آدمی چھوڑ چرند پرند بھی نہ ملتا تھا۔ جب خدا کے حکم کے مطابق اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا اور بعد میں خداتعالیٰ کی عبادت کے واسطے اس جگہ گھر بنایا تو خداتعالیٰ نے اس جگہ ایک شہر آباد کردیا۔ اور بالآخر جب کفار نے اس گھر میں بتوں کا ٹھکانہ بنادیا تو محمدؐ جیسے پاک دل کو اس گھر کے مطہر کرنے کا جوش عطا کیا اور خداتعالیٰ کے اس برگزیدہ نے وہ گھر ایسا پاک کیا کہ اس کے بعد کوئی مشرک نزدیک بھی نہیں جاسکتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت کی صداقت پر ایک بیّن اور زندہ دلیل ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کی توحید قائم کرنے میں ایسی کامیابی دیکھی کہ اس کی نظیر پہلے کسی نبی کے حالات میں پائی نہیں جاتی۔

بِحَمْدِ رَبِّكَ : ساتھ تعریف پروردگار اپنے کے۔ بہ ستائش پروردگارِ تو۔ یعنی اپنے رب کی تعریف کر۔ کہ اس نے اپنی خاص ربوبیت کے ذریعہ سے تجھے ہر معاملہ میں کامیاب کیا اور فتح و نصرت عطا کی ہے۔ یہ اسی قادر و توانا کا کام ہے۔ کہ ایک یتیم کو دنیا کا بادشاہ بنا دے اور ایسی فتح عطا کرے جس کی نظیر دنیا بھر کی تاریخ میں موجود نہ ہو۔

وَاسْتَغْفِرْهُ : اور اس سے مغفرت طلب کر۔

غَفَر کے معنے ہیں ڈھانکنا۔ دبانا۔ تمام انبیاء خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگا کرتے تھے۔ اور مغفرت مانگنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ انسان چونکہ کمزور ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ کونسا کام اس کے واسطے بہتری کا ہے۔ اور کون سا نقصان کا کام ہے۔ اور تکلیف کا راستہ ہے۔ پس مغفرت ایک دعا ہے کہ انسان اپنے خدا سے یہ دعا مانگتا ہے کہ وہ اس کے واسطے نیکی کے راہ پر چلنے کے اسباب مہیا کرے۔ جن سے وہ بدی سے بچا رہے۔ اور کسی طرح کے حرج اور تکلیف میں پڑنے سے محفوظ رہے۔ خدا تعالیٰ کے انعام کے حاصل کرنے کے واسطے مغفرت کا طلب کرنا نہایت ضروری ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۱ نومبر ۱۹۱۲ء)

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا : تحقیق وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ "ہر آئینہ خدا ہست برحمت رجوع کنندہ"

توّاب کے معنے ہیں۔ بہت توبہ کرنے والا۔ بہت رجوع کرنے والا۔ جبکہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے زیادہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اسی پر حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اگر انسان چل کر خدا تعالیٰ کی طرف جاوے تو خدا اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔

اس سورۃ شریف کا ایک نام تو النصر ہے کیونکہ اس میں ایک نصرت کی بشارت ہے اور اس کا نام فتح بھی ہے۔ کیونکہ ایک عظیم الشان فتح کی اس میں پیشگوئی درج ہے جس سے اسلامی سلطنت اور فتوحات کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ یعنی فتح مکہ۔ ان کے علاوہ ایک نام اس سورۃ کا سورۃ تودیع بھی ہے۔ کیونکہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نُعِيَتْ اِلَيَّ اور آپ نے سمجھ لیا ہمارا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے خدا کے پاس چلے جاویں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ جو آپ کا کام تھا۔ وہ پورا ہو گیا ہے۔ اور اب آپ کو اس دارِ فانی کو چھوڑنے کا وقت قریب آگیا ہے تو آپ نے ظاہر فرمایا کہ اب میں عالم باقی میں انتقال کروں گا۔ اس بات کو سن کر جناب فاطمہ رضی اللہ

عنہا رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم کیوں روتی ہو؟ اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے تم ہی ملو گی! یہ سن کر وہ مسکرانے لگیں۔ اس میں بھی ایک پیشگوئی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے۔ اور آپ کے بعد اہلِ بیت میں سب سے اوّل جس نے وفات پائی۔ وہ حضرت فاطمہ ہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا یہ عجیب نمونہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کی خبر نے رُلا دیا۔ لیکن پھر اپنی وفات کی خبر نے اس واسطے ہنسا دیا کہ اس میں آنحضرتؐ کے ساتھ دوسرے عالم میں ملاقات کی جلد صورت پیدا ہوگئی تھی۔ اپنے مرنے کا خوف نہیں۔ اور آنحضرتؐ کے ساتھ ملاقات کی خوشی غالب ہے۔ (اخبار بدر قادیان ۲۱ نومبر ۱۹۱۲ء)

فتح مکہ اس سورۃ شریف میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں لفظ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ فتح مکہ کو فتح الفتوح بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ کی تمام اسلامی فتوحات کی ابتداء تھی۔ فتح مکہ کا واقعہ اس طرح سے ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک رؤیا دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ رضی اللہ عنہم مکہ کو گئے ہیں اور وہاں مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے ہیں اور سر منڈاتے ہیں اور بال کترواتے ہیں جیسا کہ مکہ معظمہ سے احرام کھولنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس وقت مسلمان کفار کے ہاتھوں بہت تکلیف اٹھا رہے تھے اور مکہ میں کفار کا غلبہ تھا اور مسلمانوں کو زیارت کعبۃ اللہ کے حصول میں بہت مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔ اس واسطے اس مبشر مکاشفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا ایمان لاکر اور خدا تعالیٰ کی فرمودہ باتوں کے پورا ہوجانے پر یقین کرکے ان کے واسطے ہر طرح کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رؤیا کی سچائی پر یقین کرکے سفر مکہ کی تیاری کی اور چودہ سو اصحاب کے ساتھ شہر مکہ کی طرف آئے۔

بعض نادان لوگ ایسے موقعہ پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے کوشش کیوں کی جاتی ہے۔ وہ تو خدا کا وعدہ ہے بہرحال پورا ہوگا۔ ایسے اعتراضات تمام انبیاء پر کفار نے کئے اور اس زمانہ کے بدقسمت لوگوں نے بھی یہ اعتراض خدا کے مُرسل حضرت مسیح موعودؑ پر کئے کہ مثلاً مقدمہ کے وقت آپ نے پلیڈر کیوں کھڑا کیا۔ اور شادی کے موقعہ پر آپ نے خط و کتابت وغیرہ کوششوں میں کیوں حصہ لیا۔ تعجب ہے کہ یہ اعتراض خود مسلمان اور دوسرے اہلِ کتاب عیسائی بھی کرتے ہیں۔ جن کی کتب میں انبیاء کی اسی سنت کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ مسلمانوں کے واسطے تو خود یہی ایک قصہ کافی ہے جو اس سورۃ شریف کے متعلق بیان ہوتا ہے اور عیسائیوں کے واسطے خود یسوع کی لائف میں بہت سے

ایسے واقعات موجود ہیں۔

یسوع بچہ ہی تھا کہ اس کی جان بچانے کے واسطے اسے خفیہ طور پر ملک مصر میں لے گئے۔ اور پھر عین نبوت کے زمانہ میں جب دشمنوں سے خوف بڑھا تو اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ پھر برعم متی کی توریت کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے خود گدھی کا بچہ منگوایا تاکہ اس پر سوار ہو۔ غرض ایسے طریق پر اعتراض کرنا ایک جاہل متعصب کا کام ہے۔ خود دنیا کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ جب مثلاً ایک بادشاہ ایک محل تیار کرنے کے واسطے حکم کرتا ہے تو خدام اور ملازمین اس حکم کی تعمیل میں دل وجان سے مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ محل تیار ہو جاتا ہے۔ گو ظاہری نظر سے دیکھنے والا نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ محل فلاں معمار یا فلاں مزدور نے بنوایا ہے۔ تاہم دانا لوگ جانتے ہیں۔ کہ اس محل کا اصل بانی بادشاہ کے منہ کا حکم ہے۔ ورنہ کسی کی کیا طاقت تھی کہ کوئی ایسا محل تیار کر دیتا۔ گو یہ مثال ادنیٰ درجہ کی ہے تاہم اس سے ایک فہیم سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح انجینئر بادشاہ کا حکم پا کر یقین کر لیتا ہے کہ اب مجھے اس محل کے تیار کرنے کیلئے تمام سامان مہیا ہو جائیں گے۔ اور کوئی روک اوٹ باقی نہ رہے گی۔ اور میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اور اس یقین کو ساتھ لے کر وہ کام شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کے واسطے تمام اسباب بامراد ہونے کے بنتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک مامور من اللہ خدا کے حکم پر پورا یقین اور ایمان رکھ کر اس کو پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس کا خود پیشگوئی کے پورا کرنے میں مصروف ہو جانا اس کے اعلیٰ ایمان اور یقین اور صداقت کی ایک بیّن دلیل ہوتی ہے۔ اگر اسے اس الہام کی سچائی پر یقین نہ ہوتا اور اس میں کچھ وہم اور وسوسہ ہوتا تو وہ ہرگز اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ فرماوے کہ تجھے بچہ دیویں گے اور تیری نسل سے یہ ہوگا تو وہ شکر نہ کرے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عازم بیت اللہ شریف ہوئے لیکن جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے جو مکہ سے نو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ جنگ کیلئے آمادہ ہیں اور آپ کو زیارت کعبہ سے روکتے ہیں۔ آپ کی عادت تھی کہ باوجود مشرکین کی سختی کے ہمیشہ ان پر نرمی کرتے تھے۔ اور کبھی کسی معاملہ میں جس میں کسی کو ضرر ہو پیش دستی نہ فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بمعہ دو اور اصحاب کے اہلِ مکہ کی طرف بھیجا۔ کہ میں جنگ کے واسطے نہیں آیا۔ صرف زیارت کعبہ کیلئے آیا ہوں اور بعد زیارتِ کعبہ واپس مدینہ منورہ کو چلا جاؤں گا۔ حضرت عثمان جب کفار کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ تم کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو اور واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں اکیلا طواف نہیں کروں گا۔ حضرت رسول کریمؐ کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ اس قسم کی گفتگو میں قریش

نے روک رکھا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو کفارِ مکہ نے قتل کر دیا۔ اور ممکن ہے کہ ان کی نیت قتل کر دینے کی ہو۔ کیونکہ اسی وقت اسّی کفار مسلمانوں پر آکر شب خون کرنے لگے مگر گرفتار ہو گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اس شرارت اور فساد کی خبر ملی تو آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو جمع کیا اور ایک کیکر کے درخت کے نیچے ان سے بیعت لی۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کے قربان کرنے کا صدقِ دل سے اقرار کیا۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ چند کفار کے ساتھ جو صلح کی شرائط کا فیصلہ کرنے آئے تھے پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کفار کی شرارتوں کے اور فساد کی نیتوں اور سخت شرائط پیش کرنے کے انہیں کی پیش کردہ سب باتیں مان کر صلح کر لی۔ جو اسّی آدمی کفار کے حملہ کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ وہ بھی چھوڑ دئے۔ اور ایسی شرطیں مان لیں جس سے کفار کا بڑا غلبہ اور رعب بظاہر معلوم ہوتا تھا۔ اور مسلمان بہت کمزور اور نیچے دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شرط یہ تھی کہ اس سال بغیر زیارتِ کعبہ واپس چلے جائیں۔

پھر یہ کہ دوسرے سال آویں۔ دو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ اور مسلمانوں کے ہتھیار بند ہوں پھر ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں چلا آئے تو اہلِ مکہ کو واپس کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آجاوے تو اہلِ مکہ واپس نہ دیں گے۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ میں سے جس قوم کی مرضی ہو۔ اس وقت مسلمانوں کی طرف ہو جائے اور جس کی مرضی ہو اہلِ مکہ کے ساتھ رہے اور آئندہ اس کے مطابق قوموں کی باہمی تقسیم رہے۔ چنانچہ ایک قبیلہ جس کا نام وائل تھا۔ قریش کے عقدہ عہد میں ہوا۔ اور خزاعۃ اسلامیوں کے طرفدار بن گئے۔

ان شرائط کے بعد پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بدوں ادائے رسم حج مدینہ کو واپس چلے آئے اور اسی مقام حدیبیہ پر قربانی ذبح کر دی۔ اس صلح کا نام صلح حدیبیہ ہوا۔ حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت سورۃ فتح نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ کو تشریف فرما ہوئے تو کچھ عرصہ کے بعد کفارِ مکہ نے عہد و پیمان کو توڑ دیا۔

مکہ کے قبائل میں سے بنو بکر اس صلح کے شرائط کے مطابق قریش کے عقد و عہد میں ہوا تھا اور خزاعۃ اسلامیوں کے طرفدار بن گئے تھے۔ بنو بکر اور خزاعۃ میں باہم مدت سے جنگ و جدال چلا آتا تھا۔ اس وقت اسلام کے پھیلنے اور اسلامیوں کے مقابلہ کے نئے شغل نے ان دونوں قوموں کو باہمی جنگ کرنے سے روک رکھا ہی تھا۔ اب جبکہ اہلِ مکہ اور اہلِ اسلام کے درمیان صلح ہو گئی۔ تو اس جنگ جو

قوم کو نچلا بیٹھنا محال ہو گیا۔ لگے کوئی بہانہ لڑائی کا تلاش کرنے۔

نوفل بن معاویہ بن نفاثہ الدیلی بنو بکر میں سے ایک نامور سپاہی تھے۔ انہوں نے خزاعہ قوم پر شبخون مارا۔ خزاعہ کے لوگ اس وقت بے خوف و خطر وتیر نام چشمہ پر غافل پڑے تھے۔ نوفل کے حملہ سے وہ چونک اُٹھے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ وہاں کفارِ مکہ نے پہلے تو انکی امداد ہتھیاروں سے کی اور جب اندھیرا ہو گیا تو بنو بکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب بنو بکر کو اہلِ مکہ کی مدد ہو گئی۔ تو خزاعہ قوم کمزور ہو گئی اور وہ بدیل بن ورقہ خزاعی اور رافع کے گھر میں پناہ گزین ہوئے۔ مگر خزاعہ بیچارے صبح تک بہت مارے گئے۔ صبح کے ہوتے ہی اپنی تباہ حالت کو دیکھ کر وہ بھاگ گئے اور انہوں نے اپنے مامن کو پہنچ کر عمرو بن سالم خزاعی کو چالیس آدمی کے ساتھ مدینہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ عمرو بن سالم نے عرب کے طریق ورواج کے مطابق اشعار میں اپنا حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ خزاعہ صلح نامہ کے مطابق اسلامیوں کی طرفدار قوم تھی اور تمام کفارِ مکہ کا ان کے برخلاف سازش کرنا اور ان کو اس طرح قتل کرنا دراصل اسی سبب سے تھا۔ ان واقعات اور سچے اقوال کو سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نُصِرْتَ یَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ۔ ادھر کفارِ مکہ کو اپنی کرتوت کا (جیسے ہر ایک گناہ کا نتیجہ افسوس ہوتا ہے) افسوس ہوا اور پشیمان ہوئے اور ابوسفیان اپنے رئیس کو اس بدافعالی کے ثمرات سے بچ رہنے کی تدابیر کے واسطے مدینہ روانہ کیا۔ ابوسفیان کو یقین تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری اس عہد شکنی کی اب تک خبر نہیں۔ اس خیال پر اس نے اپنے دل میں ایک چالاکی کی بات سوچی اور آنحضرتؐ سے کہا۔ کہ صلح حدیبیہ کے وقت میں موجود نہ تھا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ عہدِ سابق کی تجدید کریں۔ اس عہدنامہ کی تاریخ آج سے شروع ہو اور صلح کی مدت بڑھادی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بدعہدیوں کو بار بار دیکھ چکے تھے اور خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی امداد خلاف عہد حدیبیہ کی خبر عمرو بن سالم کے ذریعہ پہنچ چکی تھی۔ آپؐ نے ابوسفیان کو جواب دیا کہ کیا تم نے کوئی عہد شکنی کی ہے۔ جو تم عہد کی تجدید چاہتے ہو؟ ابوسفیان نے کہا۔ مَعَاذَ اللہِ! ایسا نہ ہو۔ کیا ہم ایسے ہیں کہ عہد توڑ ڈالیں گے؟ تب آپؐ نے فرمایا اَلْحَال سابق عہد و پیمان کو رہنے دو۔ آخر ابوسفیان واپس مکہ کو چلا گیا۔

ابوسفیان کے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر مکہ کو بھیجا اور حسب دستور ملک بلکہ حسب قانون اخلاق کہلا بھیجا کہ یا تو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیدو۔ یا بنو بکر کی حمایت اور جانبداری سے الگ ہو جاؤ یا حدیبیہ کی صلح کا عہد جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔ اسے پھیر دو ..... اہلِ مکہ

نے خیال کیا۔ کہ اہل اسلام ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اور اس نصرتِ الٰہی اور امدادِ خداوندی کو بھول گئے جو اسلام ہاں سچے اسلام کی ہمیشہ حامی و مددگار ہے۔ انہوں نے صلح کا عہد پھیر دیا۔ قطع عہد اور انکی بے ایمانی اور خزاعہ کا بدلہ لینے کیلئے آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کی چنانچہ مکہ فتح ہوا اور اس حملہ میں وہ نرمی اور اخلاقی شریعت کی آپؐ نے پابندی کی جس کی نظیر دنیا میں مفقود ہے۔ فرمایا جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان۔ جو کوئی مسجد میں چلا جائے اسے امان۔ غرض مطابق پیشگوئی مکہ فتح ہوا اور کچھ بڑی خون ریزی نہ ہوئی۔ اور کوئی کافر بہ جبر مسلمان نہ کیا گیا۔

اس جگہ سارہ والے واقعہ کا بیان کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اور وہ اس طرح سے ہے کہ سارہ نام ایک عورت جو کہ مکہ میں رہتی تھی اور خاندان بنی ہاشم کے زیر سایہ پرورش پایا کرتی تھی۔ ان ایام میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے واسطے کوچ کی تیاری کی۔ آپؐ کے پاس مدینہ میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگ آئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں مسلمان ہو کر نہیں آئی۔ بلکہ بات یہ ہے کہ میں اس وقت محتاج ہوں اور آپؐ کا خاندان ہمیشہ میری پرورش کیا کرتا ہے۔ اس واسطے میں آپ کے پاس آئی ہوں تاکہ مجھے کچھ مالی امداد مل جائے۔ اس پر آنحضرتؐ نے بعض لوگوں کو فرمایا۔ اور انہوں نے اس کو کچھ کپڑا اور روپیہ وغیرہ دیا جس کے بعد وہ واپس اپنے وطن کو روانہ ہو گئی۔ جب روانہ ہونے لگی تو حاطب نے جو کہ اصحاب میں سے تھا اس کو دس درہم دئے اور کہا کہ میں تجھے ایک خط دیتا ہوں۔ یہ خط اہل مکہ کو دے دینا۔ اس بات کو اس نے قبول کیا اور وہ یہ خط بھی لے گئی۔ اس خط میں حاطب نے اہل مکہ کو خبر کی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے۔ تم ہوشیار ہو جاؤ۔ وہ عورت ہنوز مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی خبر مل گئی۔ کہ وہ ایک خط لیکر گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معہ عمار اور ایک جماعت کے روانہ کر دیا کہ اس کو پکڑ کر اس سے خط لے لیں۔ اور اگر نہ دے تو اسے ماریں۔ چنانچہ اس جماعت نے اس کو راہ میں جا پکڑا۔ اس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ جس پر حضرت علیؓ نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ ہم کو جھوٹ نہیں کہا گیا۔ بذریعہ وحیٔ الٰہی کے خبر ملی ہے۔ خط ضرور تیرے پاس ہے۔ تلوار کے ڈر سے اس نے خط اپنے سر کے بالوں میں سے نکال دیا۔ جب خط آ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ حاطب کی طرف سے ہے تو حاطب بلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا مجھے خدا کی قسم ہے کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں۔ کبھی کافر نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ میں میرے قبائل کا کوئی حامی اور خبر گیر نہیں۔ میں نے اس خط

سے صرف یہ فائدہ حاصل کرنا چاہا تھا۔ کہ کفار میرے قبائل کو دکھ نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حاطب کو قتل کر دیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر خوشنودی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ کرو جو بھی ہو۔ میں نے تمہیں بخش دیا۔

اس سورۃ شریف کی تفسیر میں کئی ایک روایات اس قسم کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعض صحابہ کرامؓ نے اس سورۃ کے نزول کو سن کر یقین کیا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اس دنیا پر جو موجود تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ اور وقت آگیا ہے۔ کہ وہ اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ وصالِ دائمی حاصل فرمادیں۔ چنانچہ ایک حدیث جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رونے اور پھر ہنسنے کا ذکر ہے گزشتہ پرچوں میں بیان کی جاچکی ہے۔ .... ایک روایت سے جو حضرت ام حبیبہ سے ہے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس سورۃ شریف کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی تھی کہ آپؐ کی عمر حضرت عیسیٰؑ کی عمر سے نصف ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس سورۃ شریف کے وقت اس امر کے اشارہ کو سمجھ لیا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب آگیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ مگر جب کوئی مجلس شوریٰ قائم ہوتی اور بڑے بڑے اصحاب جو اہلِ بدر تھے جمع کئے جاتے تو حضرت عمرؓ مجھے بھی اس مجلس میں بلاتے۔ میری عمر کے لڑکے کا ایسی اہم مجلس میں بلایا جانا شائد کسی کو ناپسند ہوا ہوگا کہ کسی نے کہا کہ یہ لڑکا ہمارے بیٹوں کی عمر کے برابر ہے اور ہمارے ساتھ مجلسِ شوریٰ میں بیٹھتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تم کیا جانتے ہو کہ یہ کون ہے۔ اس کے بعد جب پھر ایسا ہی کسی مجلس کا موقعہ ہوا اور سب بلائے گئے تو حضرت عمرؓ نے مجھے بھی بلایا اور میں دل میں سمجھ گیا کہ آج کچھ بات ضرور ہے۔ چنانچہ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے اوّل دوسروں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس میں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ حمد و استغفار کریں۔ بعض نے کہا کہ اس میں فتح و نصرت ہم کو دی گئی ہے۔ اور بعض خاموش رہے۔ تب حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ کیا یہی صحیح ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ بلکہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتلایا گیا ہے کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ اب حمد و استغفار کرو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی یہی معلوم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس سورۃ شریف کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں یہ دعا بہت پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، ہر وقت سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہتے اور فرماتے کہ مجھے ایسا کہنے کے واسطے حکم دیا گیا ہے۔ اور اس سورۃ کو پڑھتے۔

غرض بہت سی روایات سے یہ امر ظاہر ہے کہ اس سورہ شریف کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعض احباب نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ چونکہ تبلیغ کا کام اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اور فتح و نصرت کا وقت آگیا ہے۔ اور اب قومیں فوج در فوج داخل ہونے والی ہیں۔ تو اب وہ وقت آگیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی کو چھوڑ کر واصل باللہ ہو جاویں۔

اَفْوَاجًا: جس سال یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس سال بہت سی قومیں فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئیں۔ کیونکہ مکہ فتح ہو گیا تھا اور کفار کے سرغنہ سب ہلاک ہو چکے تھے۔ اور کوئی روکاوٹ اب باقی نہ رہی تھی اور اسلام کی سچی اور راحت بخش تعلیم نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہوا تھا۔ صرف چند شریر لوگوں کی شرارت کا خوف درمیان میں تھا۔ کیونکہ وہ زمانہ امن کا نہ تھا۔ اور ہر ایک کو اپنی جان اور مال کا خطرہ رہتا تھا۔ بالخصوص غرباء امراء کے بہت ہی زیر اثر تھے۔ اور ان سے خوف کھاتے تھے۔ جب بڑے بڑے کفار ہلاک ہو گئے اور ان کے زور اور طاقت کی چار دیواری خاک میں مل گئی۔ تو لوگوں کے دل سیلاب کی طرح اسلام کی طرف جھکے اور قبائل کے قبائل یک دفعہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسد اور بنی حمزہ اور بنی الکنانہ اور بنی ہلال اور بلجاء اور نجیب اور دارم اور دوسرے قبائل تمیم اور قبائل عبد القیس اور بنی طی۔ اور اہل یمن و شام و عراق وغیرہ کے اطراف و اکناف سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور بہت جلد تمام جزیرہ نمائے عرب اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور جملہ قبائل عرب میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا جس نے اظہار اسلام نہ کیا ہو۔

اہل یمن۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سورہ شریف میں النّاس سے مراد اہل یمن ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَجَآءَ اَھْلُ الْیَمَنِ قَوْمٌ رَقِیْقَۃٌ قُلُوْبُھُمْ۔ اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ

لہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۸ نومبر ۱۹۱۲ء

وَالْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَقَالَ اَجِدُ نَفَسَ رَبِّكُمْ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آئی۔ اور اہلِ یمن آئے۔ اہلِ یمن ایک قوم ہے جن کے دل نرم ہیں اور اہلِ یمن اہلِ ایمان اور اہلِ فقہ اور اہلِ حکمت ہیں۔ اور فرمایا کہ مجھے یمن کی طرف سے تمہارے رب کی خوشبو آتی ہے یعنی اہلِ یمن اہل اللہ ہیں۔ اہلِ یمن اس سورۃ شریف کے نزول کے بعد ایمان لائے تھے

تسبیح۔ تحمید و استغفار

اس میں اول تسبیح کا حکم ہے پھر تحمید کا اور پھر استغفار کا اس ترتیب میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات سلبیہ اور دوم صفات ثبوتیہ۔ صفات سلبیہ وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے تمام نقائص سے پاک اور منزہ ہونا اور اعلیٰ و برتر ہونا ظاہر کرتی ہیں۔ سلبیہ کے معنے سلب کرنیوالی۔ کھینچنے والی۔ اور صفات ثبوتیہ وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اکرام اور عزت اور بلندی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس ترتیب میں صفات سلبیہ کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور صفات ثبوتیہ کو ان کے بعد لیا گیا ہے۔ تسبیح اللہ تعالیٰ کی جلالی صفات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ تمام بدیوں سے منزہ اور بے عیب اور پاک ذات ہے۔ تم بھی اس کی تسبیح کرو۔ یعنی اس کا مقدس اور پاک ہونا بیان کرو۔ اور اس کی تحمید کرو۔ کہ وہ تمام حمد کا مالک ہے اور سچی تعریف اسی کے لائق ہے۔ اس کے بعد استغفار ہے جو کہ انسان کو اپنے قصور نفس اور کمزوری کی طرف توجہ دلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بخشش کی طرف انسان کو کھینچتا ہے۔ کہ اس کے سوائے انسان کا گزارہ نہیں اور انسان کے نفس کو کامل کرنے والی وہی ذاتِ پاک ہے۔ جس کے ساتھ سچے اور خالص تعلق کے ذریعہ انسان بدیوں سے نجات پا سکتا ہے اور نیکیوں کے حصول کی اس کو توفیق ملتی ہے۔

دِیْنِ اللّٰہ: وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا اور تُو نے لوگوں کو دیکھا۔ کہ وہ دین اللہ میں فوج در فوج داخل ہوئے۔ اس جگہ سے دین اللہ مراد دینِ اسلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا منشاء یہی تھا کہ مخلوقِ الٰہی دین اللہ میں داخل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان لاوے اور شعائرِ اسلامی نماز روزہ حج زکوٰۃ کی پابند ہو۔ چنانچہ جب تک یہ سب کچھ ہو نہ لیا لوگوں کا دین اللہ میں داخل ہونا تسلیم نہ کیا گیا۔

قرآن شریف میں ایک اور جگہ دین کے معنوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۲۰) اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول دین تو صرف اسلام ہی ہے۔ اور فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ۸۶)

اور جو شخص اسلام کے سوائے اور کوئی دین چاہے گا۔ وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ تعجب ہے کہ باوجود ایسی صریح آیات کے ہوتے اس زمانہ میں ڈاکٹر عبدالحکیم خان جیسوں کی عقل ایسی ماری گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور قرآن شریف پر عمل کرنا کچھ ضروری نہیں۔ اور نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اسلام میں داخل ہونا ایک بے فائدہ امر ہے۔ صرف اللہ کو مان لو کہ وہ ہے اور اچھے اچھے کام کرو جو تمہاری نگاہ میں اچھے ہوں ...... تو بس نجات پاجاؤ گے۔ لفظ دین کے واسطے اور الفاظ بھی قرآن شریف میں آئے ہیں۔ جیسا کہ ایمان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الذاریات: ۳۶-۳۷) ہم نے وقتِ عذاب مومنوں کو وہاں سے نکال دیا اور اس میں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر ملا۔ اور صراط جیسا کہ فرمایا ہے۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الشوریٰ: ۵۴) اور ایسا ہی دین کے واسطے اور بھی نام ہیں۔ جیسا کہ کلمۃ اللہ اور نور اور ھُدیٰ اور عُروَۃ اور حَبل اور صِبغَۃَ اللہ اور فِطرَۃَ اللہ۔

فضائل سورۃ النصر

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سب سے آخر جو سورۃ بہ تمام و اکمال اور پوری اتری وہ یہی سورۃ النصر ہے۔ اس کے بعد کوئی پوری سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورۃ رُبع قرآن ہے۔ یعنی قرآن شریف کی چوتھائی کے برابر ہے۔ یہ فضیلت بلحاظ اس شاندار پیشگوئی کے معلوم ہوتی ہے جس پر وہ مشتمل ہے۔ اور بلحاظ ان احکام تسبیح اور تحمید اور استغفار کے ہے جو کہ انسان کو اپنے کمال تک پہنچانے کے واسطے کمال درجہ کے ہتھیار ہیں۔ اسی سورۂ شریف نے کفار مکہ کو باوجود ایسی سخت بغاوتوں اور سرکشیوں کے اور اذیت رسانیوں کے فتح مکہ کے وقت ہر طرح کے عذاب سے بچا لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلقِ عظیم کے ساتھ سب کو معاف کر دیا اور فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ بلکہ ان کے گناہوں کے واسطے خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہی۔ کیونکہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کا لفظ اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے حضور میں گناہ گاروں کے واسطے شفاعت کریں اور انکو عذاب میں گرنے سے بچاویں۔

نئی فوجیں

یہ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کا وعدہ اور قوموں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے کی پیشگوئی جو اس سورۂ شریف میں کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے پورا ہونے کا ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ تاہم چونکہ مذہب اسلام ہمیشہ کے

واسطے ہے۔ اس واسطے ظلی طور پر جب کبھی ضرورت ہو یہ وعدہ پورا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلام بہت ضعیف ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ایک فرستادہ کے ذریعہ سے یہ خوشخبری دوبارہ سنائی ہے۔ کہ اس کی طرف سے اسلام کے واسطے فتح و نصرت کا وقت پھر آ گیا ہے۔ اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے اور پھر اسلامیوں میں وہی روحانیت پھونکی جائے گی۔ مبارک ہیں وہ جو تکبر نہ کریں اور خدا کے کام کی عزت کریں۔ تاکہ ان کے واسطے بھی عزت ہو۔ اے خدا ہمارے گناہوں کو بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر۔ کہ تو سچے وعدوں والا ہے۔ اسلام کی عزت کو دنیا میں قائم کر دے اور اسلام کے دشمنوں کو ذلیل اور پست اور ہلاک کر دے خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی۔ کیونکہ اب تیری قدرت نمائی کا وقت ہے اور تو بڑی طاقتوں والا خدا ہے۔ آمین ثم آمین۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ ؍ دسمبر ۱۹۱۲ء)

یہ ایک مختصر اور چھوٹی سی سورۃ (النصر) قرآن شریف کے آخری حصہ میں ہے۔ مسلمانوں کے بچے علی العموم نمازوں میں اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اسی کی جناب میں قدمِ صدق پیدا کرنے کیلئے اور اپنی عزت و آبرو کو دنیا و آخرت میں بڑھانے کے واسطے انسان کو مختلف موقعے ملتے ہیں۔ ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ جب دنیا میں اندھیر ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کی غلطیاں اور غلط کاریاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ خدا کی ذات پر شکوک۔ اسماء الٰہیہ میں شبہات۔ اور افعال اللہ سے بے اعتنائی اور مسابقت فی الخیرات میں غفلت پھیل جاتی ہے اور ساری دنیا پر غفلت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا کوئی برگزیدہ بندہ اہلِ دنیا کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اپنے مولیٰ کی عظمت و جبروت دکھانے۔ اسماء الٰہیہ و افعال اللہ سے آگاہی بخشنے کے واسطے آتا ہے تو ایک کمزور انسان تو ساری دنیا کو دیکھتا ہے کہ کس رنگ میں رنگین اور کس دُھن میں لگی ہوئی ہے اور اس مامور کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ سب سے الگ اور سب کے خلاف کہتا ہے کُل دنیا کے چال چلن پر اعتراض کرتا ہے۔ نہ کسی کے عقائد کی پرواہ کرتا ہے۔ نہ اعمال کا لحاظ۔ صاف کہتا ہے کہ تم بے ایمان ہو اور نہ صرف تم بلکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) سارے دریاؤں، جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور سمندروں اور جزائر، غرض ہر حصہ دنیا پر فساد چھا ہوا ہے۔ تمہارے عقائد صحیح نہیں، اعمال درست نہیں، علم بودے ہیں، اعمال ناپسند ہیں۔ قویٰ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو کر کمزور ہو چکے ہیں۔ کیوں؟ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم: ۴۲) تمہاری اپنی ہی کرتوتوں سے۔ پھر کہتا ہے۔ دیکھو میں ایک ہی شخص ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ لِيُذِيقَهُمْ

بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا (الروم: ۴۲) لوگوں کو ان کی بدکرتوتوں کا مزہ چکھا دیا جاوے۔ بہت سی مخلوق اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے عدم اور وجود کو برابر سمجھتی ہے۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ بالکل غفلت ہی میں ہوتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کیا ہو رہا ہے اور کچھ مقابلہ و انکار پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجبروت دکھانا چاہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو مال و دولت، کنبہ اور دوستوں کے لحاظ سے بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے رؤوسا اور اہل تدبیر لوگوں کے مقابلہ میں ان کی کچھ ہستی ہی نہیں ہوتی۔ یہ اس مامور کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ یعنی ضعفاء سب سے پہلے ماننے والے کیوں ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ اگر وہ اہلِ دُوَل مان لیں۔ تو ممکن ہے خود ہی کہہ دیں کہ ہمارے ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوا۔ دولت کو دیکھتے ہیں۔ املاک پر نگاہ کرتے ہیں۔ اپنے اعوان و انصار کو دیکھتے ہیں تو ہر بات میں اپنے آپ کو کمال تک پہنچا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس لئے خدا کی عظمت و جبروت اور ربوبیت کا ان کو علم نہیں آسکتا۔ لیکن جب ان ضعفاء کو جو دنیوی اور مادی اسباب کے لحاظ سے تباہ ہونے کے قابل ہوں۔ عظیم الشان انسان بنا دے اور اُن رؤوسا اور اہلِ دُوَل کو ان کے سامنے تباہ اور ہلاک کر دے تو اس کی عظمت و جلال کی چمکار صاف نظر آتی ہے۔ غرض یہ سِر ہوتا ہے کہ اوّل ضعفاء ہی ایمان لاتے ہیں۔ اس دُنیا کے وقت جبکہ ہر طرف سے شورِ مخالفت بلند ہوتا ہے خصوصاً بڑے لوگ سخت مخالفت پر اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ آدمی ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے چُن لیتا ہے اور وہ اس راست باز کی اطاعت کو نجات کیلئے غنیمت اور مرنے کے بعد قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور بہت سے مخالفت کیلئے اُٹھتے ہیں۔ جو اپنی مخالفت کو انتہاء تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آجاتی ہے۔ اور زمین سے آسمان سے، دائیں سے بائیں سے، غرض ہر طرف سے نصرت آتی ہے اور ایک جماعت تیار ہونے لگتی ہے۔ اس وقت وہ لوگ جو بالکل غفلت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی جو پہلے عدم وجود مساوی سمجھتے ہیں۔ آآکر شامل ہونے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جو سب سے پہلے ضعف و ناتوانی اور مخالفتِ شدیدہ کی حالت میں آکر شریک ہوتے ہیں۔ ان کے نام سابقینُ اولین، مہاجرین اور انصار رکھا گیا۔ مگر ایسے فتوحات اور نصرتوں کے وقت جو آکر شریک ہوئے۔ ان کا نام ناس رکھا ہے۔ یاد رکھو جو پودا اللہ تعالیٰ لگاتا ہے اسکی حفاظت بھی فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کو اپنا پھل دینے لگتا ہے۔ لیکن جو پودا احکم الحاکمین کے خلاف اسکے منشاء کے موافق نہ ہو۔ اس کی خواہ کتنی ہی حفاظت کی جاوے۔ وہ آخر خشک ہو کر تباہ ہو جاتا ہے اور ایندھن کی جگہ جلایا جاتا ہے۔ پس وہ لوگ بہت ہی خوش قسمت ہیں جن کو عاقبت اندیشی کا فضل عطا

کیا جاتا ہے۔

اس سورہ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۔ اللہ کی تسبیح کرو، اس کی ستائش اور حمد کرو، اور اس سے حفاظت طلب کرو۔ استغفار یا حفاظتِ الٰہی طلب کرنا ایک عظیم الشان سِر ہے۔ انسان کی عقل تمام ذاتِ عالم کی محیط نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ موجود ضروریات کو سمجھ بھی لے تو آئندہ کیلئے کوئی فتویٰ نہیں دے سکتی۔ اس وقت ہم کپڑے پہنے کھڑے ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت اور فضل کے نیچے نہ ہوں اور محرقہ ہو جاوے تو یہ کپڑے جو اس وقت آرام دہ اور خوش آئندہ معلوم ہوتے ہیں ناگوار خاطر ہو کر موذی اور مخالف طبع ہو جاویں اور وبالِ جان سمجھ کر ان کو اتار دیا جائے۔ پس انسان کے علم کی تو یہ حد اور غایت ہے۔ ایک وقت ایک چیز کو ضروری سمجھتا ہے اور دوسرے وقت اُسے غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ سال کے بعد اسے کیا ضرورت ہوگی؟ مرنے کے بعد کیا ضرورتیں پیش آئیں گی تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت کچھ انتظام کرے۔ لیکن جب قدم قدم پر لاعلمی کے باعث ٹھوکریں کھاتا ہے۔ پھر حفاظتِ الٰہی کی ضرورت نہ سمجھنا کیسی نادانی اور حماقت ہے۔ یہ صرف علم ہی تک بات محدود نہیں رہتی۔ دوسرا مرحلہ تصرفات عالم کا ہے۔ وہ اس کو مطلق نہیں۔ ایک ذرہ پر اُسے تصرف و اختیار نہیں۔ غرض ایک بے علمی اور بے بسی تو ساتھ ہے۔ پھر بدعملیاں ظلمت کا موجب ہو جاتی ہیں۔ انسان جب اوّلاً گناہ کرتا ہے تو ابتداء میں دلیر نہیں ہوتا ہے پھر وہ امر بڑھ جاتا ہے۔ اور رَیْنَ کہلاتا ہے اس کے بعد مہر لگ جاتی ہے۔ یہ چھاپا مضبوط ہو جاتا ہے۔ قفل لگ جاتا ہے۔ پھر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ بدی سے پیار اور نیکی سے نفرت کرتا ہے خیر کی تحریک ہی قلب سے اُٹھ جاتی ہے اس کا ظہور ایسا ہوتا ہے کہ خیر و برکت والی جانوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یا تو ان کے حضور آنے ہی کا موقعہ نہیں ملتا۔ یا موقعہ تو ملتا ہے لیکن استفاع کی توفیق نہیں پاتا۔ رفتہ رفتہ اللہ سے بُعد، ملائکہ سے دوری اور پھر وہ لوگ جن کا تعلق ملائکہ سے ہوتا ہے اُن سے بُعد ہو کر کٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک عقلمند کا فرض ہے کہ وہ توبہ کرے اور غور کرے۔

ہم نے بہت سے مریض ایسے دیکھے ہیں جن کو میٹھا تلخ معلوم دیتا ہے اور تلخ چیزیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ کسی نے مجھ سے مُلَذَّذ نسخہ مانگا۔ مَیں نے اسے مصبر، کچلہ، شہد ملا کر دیا۔ اس نے کہا کہ بڑا مُلَذَّذ ہے۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے معاصی کا۔ ان کی بصر اور بصیرت جاتی رہتی ہے۔ اور ان کی آنکھیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چہروں پر نگاہ کر کے اہلِ بصر انہیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے سانپ بندر، خنزیر کو دیکھتے ہیں۔

اس لئے مومن کو چاہیئے کہ خدا کی حمد اور تسبیح کرتا رہے اور اس کی حفاظت طلب کرتا رہے جیسے ایمان ہر نیکی کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی طرح پر بُرائی کا مجموعہ کفر کہلاتا ہے۔ ان کے ادنیٰ اور وسط اور اعلیٰ تین درجے ہیں۔ پس امید، بیم، رنج و راحت، عسر و یسر میں قدم آگے بڑھاؤ اور اس سے حفاظت طلب کرو۔ غور کرو۔ حفاظت طلب کرنے کا حکم اس عظیم الشان کو ہوتا ہے جو خاتم الانبیاء، اصفی الاصفیاء سید ولدِ آدم ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو پھر اور کون ہے جو طلبِ حفاظت سے غنی ہو سکتا ہے مایوس اور نا امید مت ہو۔ ہر کمزوری، غلطی، بغاوت کیلئے دعا سے کام لو۔ دعا سے مت تھکو۔
یہ دھوکا مت کھاؤ۔ جو بعض نا عاقبت اندیش کہتے ہیں۔ کہ انسان ایک کمزور ہستی ہے۔ خدا اس کو سزا دیکر کیا کریگا؟ انہوں نے رحمت کے بیان میں غلو کیا ہے۔ کیا وہ اس نظارہ کو نہیں دیکھتے کہ یہاں بعض کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے۔ پس بعد الموت عذاب نہ پہنچنے کی ان کے پاس کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ یہ غلط راہ ہے جو انسان کو کمزور اور سست بنا دیتی ہے۔ بعض نے یاس کو حد درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ بدیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اب بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ استغفار اس سے زیادہ نہیں کہ زہر کھا کر کلی کر لی۔ یہ بھی سخت غلطی ہے۔ استغفار انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں گناہ کے زہر کا تریاق ہے۔ پس استغفار کو کسی حال میں مت چھوڑو۔ پھر آخر میں کہتا ہوں کہ نبی کریم سے بڑھ کر کون ہے۔ اَخْشٰی لِلّٰہِ۔ اَتْقٰی لِلّٰہِ اَعْلَمُہُمْ بِاللّٰہِ انسان تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جب اس کو استغفار کا حکم ہوتا ہے تو دوسرے لا اُبالی کہنے والے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس جنہوں نے اب تک اس وقت کے امام راست باز کے ماننے کیلئے قدم نہیں اٹھایا۔ اور دُبدُھا میں ہیں۔ وہ استغفار سے کام لیں کہ ان پر سچائی کی راہ کھلے اور جنہوں نے خدا کے فضل سے اسے مان لیا ہے وہ استغفار کریں تاکہ آئندہ کیلئے معاصی اور کسی لغزش کے ارتکاب سے بچیں اور حفاظتِ الٰہی کے نیچے رہیں۔ (الحکم ۷، فروری ۱۹۰۲ء صہ ۶-۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوئے تھے۔ ایک وہ جو سابق اوّل من المہاجرین تھے۔ اور دوسرے وہ جو فتح کے بعد ملے۔ اور تیسرے اس وقت جو رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے مصداق تھے۔ اسی طرح جو لوگ عظمت و جبروتِ الٰہی کو پہلے نہیں دیکھ سکتے۔ آخر ان کو داخل ہونا پڑتا ہے۔ اور اپنی بُودی طبیعت سے اپنے سے زبردست کے سامنے مامور من اللہ کو ماننا پڑتا ہے۔ اور بلکہ آخر یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ ۲۹) کا مصداق ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

(الحکم ۳۱، جنوری ۱۹۰۲ء صہ ۵)

قرآن شریف کے ابتداء کو آخر سے ایک نسبت ہے۔ پہلے مُفْلِحُوْنَ فرمایا ہے تو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں اس کی تفسیر کر دی اور مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ میں اور ضَآلِّیْنَ کا ردّ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں کر دیا ہے۔ غرض عجب ترتیب سے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

(بدر ۲۱؍اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰)

سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

۲ تا ۶۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۲﴾ مَآ اَغْنٰى
عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۳﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ
لَهَبٍ ﴿۴﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۚ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۵﴾ فِيْ جِيْدِهَا
حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۶﴾

عربی تفسیر سے با محاورہ ترجمہ

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس سورۃ کو شروع کیا جاتا ہے۔ وہ اللہ جو سب کی پرورش کرتا ہے اور محنت کرنیوالے کو اسکی محنت کا پھل دیتا ہے۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں جن کے ساتھ وہ بدی کے کام کرتا ہے اور وہ تو ہلاک شدہ انسان ہے کیونکہ ایسے بدعمل اسے کب تک مہلت دیں گے۔ وہ سب مال جو اس کے پاس ہے اور سب کچھ جو اس نے کمایا ہے۔ ان میں سے کوئی شے وقتِ عذاب کام نہ آئے گی۔ وقت قریب آتا ہے کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا اور یہی حال اسکی عورت کا ہوگا۔ جو لکڑیوں کے گٹھے اٹھایا کرتی ہے۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی ہے۔

اس سورۂ شریف کا نام سورۂ تبّت ہے۔ اور اس کو سورۂ لہب بھی کہتے ہیں۔ یہ سورت مکہ معظمہ میں اتری ہے۔ اس سورت میں بسم اللہ کے بعد پانچ آیتیں اور بیس کلمات اور اکیاسی حروف ہیں۔

تشریح ومعانیٔ الفاظ

تَبَّتْ۔ ہلاک باد۔ نابود بود۔ نابود ہو جائیں۔ یہ لفظ تباب سے مشتق ہے۔ تباب کے معنے ہلاکت۔ عرب میں ایک محاورہ ہے شَابّہ اَمْ تَابّہ اسی معنی میں یہ لفظ قرآن شریف میں اور جگہ بھی آیا ہے۔ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ (المومن : ۳۸) فرعون کی تدابیر کا نتیجہ اُن کے حق میں

سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ کافر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی تمام تدابیر ضائع جاتی ہیں۔ تَبَّتْ کے دوسرے معنے نقصان اور گھاٹے کے ہیں۔ فتح البیان میں تَبَّتْ کے معنے خَسِرَتْ وَخَابَتْ وَضَلَّتْ لکھا ہے یعنی گھاٹے میں پڑا اور نامراد ہوا اور گمراہ ہوا۔ قرآن شریف میں کفّار کے حق میں ہے۔ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (ہود: ۱۰۲) ان کو کچھ زیادہ نہ ملا۔ یعنی کچھ فائدہ نہیں۔ صرف نقصان ہی ہوا۔ غرض تَبَّتْ کے دوؔ معنے ہیں۔ ہلاکت اور نقصان اور گھاٹا۔ مآل ہر دو معنوں کا ایک ہی ہے۔ تباہی۔ ناکامی اور نامرادی۔

يَدَا : ہر دوؔ دست۔ دونوں ہاتھ یَدٌ کا تثنیہ ہے۔ یَدٌ کے معنے ایک ہاتھ۔ يَدَا کے معنے دوؔ ہاتھ۔ اَيْدِی کے معنے بہت ہاتھ۔ تَبَّتْ يَدَا کے معنے دونوں ہلاک ہوں۔ اَبِيْ لَهَبٍ۔ کفّارِ مکّہ کے اکابر میں سے ایک شخص تھا۔ رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اس کا اصل نام عبدالعزّٰی تھا۔ عرب میں ہر شخص کو بہ سبب عزت کے کنیت سے بلاتے تھے۔ اور اصل نام کی بجائے اکثر لوگ کنیت کے ساتھ زیادہ معروف ہوتے تھے۔ لَهَبٌ کے معنے ہیں شعلہ۔ اور اَبٌ کے معنے باپ۔ اَبِيْ لَهَبٍ کے معنے ہوئے شعلہ کا باپ۔ بعض کا قول ہے کہ اس نے تکبّر کے طور پر اپنے لئے یہ کنیت پسند کی تھی۔ ابولہب اس واسطے بھی اسے کہتے تھے۔ کہ اس کا چہرہ بہت سرخ تھا۔

یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت عداوت رکھتا تھا۔ اور عداوت کی وجہ سوائے اس کے نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا وعظ فرماتے تھے۔ اور یہ بُت پرست تھا۔ رات دن حضرت کو تکلیف دینے کے درپے رہتا تھا۔ جو لوگ باہر سے آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا چاہتے۔ ان کو آگے جاکر راستہ ہی میں ملتا۔ اور بڑے تکلّف اور تکبّر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا انکو سمجھاتا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہے۔ ہم اس کے چچا ہیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہی ہے۔ ہم اس کا علاج کر رہے ہیں۔ تم اس کے پاس مت جاؤ۔ بعض کو کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ ایسے جادو زدہ شخص کے پاس جاکر تم کیا لوگے۔ بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ اس طرح کی باتیں بنا بنا کر لوگوں کو واپس کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ بعض بدقسمت اس کا کہنا مان لیتے اور واپس چلے جاتے۔ اور جو لوگ زیادہ ہوشیار ہوتے۔ وہ کہتے کہ ہم تو اس کو ملنے کے واسطے آئے ہیں۔ کچھ ہی ہو۔ اب تو ملاقات کر کے ہی جائیں گے۔ ایسے لوگوں پر خفا ہوتا اور پھر جھنجھلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا۔ اور بعض کے کانوں میں روئی ڈال دیتا کہ اچھا

تم ضرور جانا چاہتے ہو تو جاؤ مگر اس کی باتیں نہ سننا کیونکہ اس کی باتوں میں ایک جادو ہے وہ تم پر اثر کر جائے گا تو تم بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایک صحابی کے ساتھ ایسا ہی کیا اور اس کے ساتھ ایک آدمی بھی لگایا کہ جلد اس کو واپس لے آنا۔ زیادہ دیر تک وہاں بیٹھنے نہ دینا۔ ورنہ (نعوذ باللہ) خراب ہو جائے گا۔ مگر وہ خدا کا بندہ ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تھوڑی دُور جا کر اس آدمی کو واپس کر دیا۔ کہ تم جاؤ۔ میں خود اپنا راستہ تلاش کر لوں گا۔ اور روئی کو کانوں میں سے نکال کر پھینک دیا۔ ربیعہ بن عباد سے روایت ہے وہ کہتا ہے۔ مَیں نے ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے زمانۂ رسالت میں دیکھا کہ آپؐ سوق المجاز میں کہہ رہے تھے۔ اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ بہت سے لوگ آپؐ کے پاس جمع تھے۔ اور آپ کا وعظ سُن رہے تھے۔ آپؐ کے پیچھے ایک شخص سُرخ چہرے والا اور احول لوگوں کو بہکاتا تھا کہ یہ شخص صابی ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ جدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے وہ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو بہکاتا کہ یہ شخص تم کو لات اور عُزّیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ اس کے پیچھے مت جاؤ اور اس کی پیروی نہ کرو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبلیغ کی تو اس نے سختی سے انکار کیا۔ تب آپ نے خیال کیا کہ یہ متکبر آدمی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کو سمجھانا مفید نہیں پڑتا۔ شاید اس کو علیحدگی میں سمجھایا جاوے تو ہدایت کی راہ پر آجاوے اور جہنم میں گرنے سے بچ رہے۔ اس واسطے آپ رات کے وقت اس کے مکان پر گئے اور ایسا کرنے میں آپؐ نے حضرت نوح علیہ السلام کی سنّت کو ادا کیا۔ کیونکہ حضرت نوحؑ نے کہا تھا اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا (نوح: ۶) میں نے رات کے وقت بھی انہیں تبلیغ کی اور حق کی طرف بلایا اور دن کو بھی بلایا جب آنحضرتؐ اس کے مکان پر پہنچے تو کہنے لگا کہ شاید آپ نے دن کے وقت جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق عذر کرنے کیلئے اس وقت آئے ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ادب سے بیٹھے رہے اور اسے اسلام کی طرف بہت تبلیغ کی۔ پر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے زمانہ بعثت میں تبلیغ عام طور پر نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ۲۱۵) اپنے قریبی قبائل کو آنے والے عذاب سے ڈراؤ۔ تب آپؐ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور پکارا۔ اے آلِ غالب۔ تب قبیلہ غالب کے لوگ جمع ہو گئے۔ اور ابولہب نے کہا۔ لے آل غالب آ گئے۔ اب بتا تیرے پاس کیا ہے

تب آپؐ نے پکارا یا آلِ لُوَیّ۔ اس وقت قبیلہ لُوَیّ جمع ہوا۔ پھر ابولہب نے وہی کلمات کہے۔ تب آپؐ نے آلِ مُرّہ کو پکارا۔ اسی طرح پھر آلِ کلاب اور آلِ قُصَیّ کو پکارا۔ ہر دفعہ ابولہب ایسا ہی کہتا رہا جب سب جمع ہوگئے۔ تب آپؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُنْذِرَ عَشِیْرَتِیَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ وَ اَنْتُمُ الْاَقْرَبُوْنَ اِعْلَمُوْا اَنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ الدُّنْیَا حَظًّا وَّلَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ نَصِیْبًا اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاَشْھَدُ بِھَا لَکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قبائل کو ڈراؤں۔ سو تم میرے قریبی ہو۔ تم یاد رکھو کہ مَیں نہ دنیا میں تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔ نہ آخرت سے تمہیں کچھ حصہ دلا سکتا ہوں جب تک کہ تم اس بات پر ایمان نہ لاؤ کہ معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اگر تم میرا یہ کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس معاملہ میں مَیں تمہارے حق میں شہادت دوں گا۔ ابولہب نے یہ کلمہ سن کر کہا۔ تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا دَعَوْتَنَا تجھ پر ہلاکت ہو۔ کیا اس واسطے تو نے ہم کو پکارا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور وہی ہلاکت کی بددعا جو ابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی تھی۔ اُلٹ کر خود اسی پر پڑی۔ یہ ایک مباہلہ تھا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کافر نے کیا تھا اور اس قسم کے مباہلوں کی مثالیں خود اِس زمانہ میں بھی قائم ہوچکی ہیں۔ جن میں سے ایک مولوی غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ مباہلہ کیا تھا اور ایک کتاب میں لکھا تھا کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو وہ ہلاک ہوجائیں اور اگر ان کو جھوٹا کہنے میں مَیں جھوٹا ہوں تو مَیں ہلاک ہوجاؤں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بہت جلد ہلاک ہوگیا۔ ایسا ہی علی گڑھ کا مولوی اسمٰعیل مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں مباہلہ کرکے ہلاک ہوا اور ایسا ہی جموں والا چراغ دین عیسائیوں کا دوست اور خود مسیح ہونے کا مدعی وہ بھی مباہلہ کے بعد واصلِ جہنم ہوا۔ پھر آجکل ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس مباہلہ میں پیش دستی کرکے حضرت مسیح موعودؑ کے حق میں تین سال کے اندر مرجانے کی پیشگوئی کی ہے۔ دنیا عنقریب دیکھ لے گی کہ اس کا یہ کلمہ کس کو جھوٹا اور کس کو سچا ثابت کرکے دکھا دیتا ہے۔ مگر جن بدقسمتوں نے پہلے اس قدر واقعات سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ اب کیا نفع حاصل کرسکتے ہیں؟

وَتَبَّ : اور ہلاک ہوگیا وہ۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (اللّھب ۲۰) ہلاک ہوں ہر دو ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا۔ وہ۔

ہر دو ہاتھ سے مراد اس کا سارا وجود ہے یا اس کا دین اور دنیا۔ یا اس کی اولاد ہے کیونکہ

اُس کو نہ دنیا میں کوئی آرام پہنچا اور نہ دین کے معاملہ میں اس کو کوئی کامیابی حاصل ہوئی۔ ہر طرف سے وہ خائب و خاسر ہی رہا۔ ابن وقاب نے لکھا ہے کہ تَبَّتْ کے معنے صَفِرَتْ ہیں۔ یعنی خالی رہے۔ ہاتھوں کی طرف اشارہ اس واسطے بھی ہے کہ اس کا خیال تھا کہ میرا ہاتھ غالب رہے گا۔ اور مَیں رسول کے مقابلہ میں فتحمند رہوں گا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کو عذاب کے ساتھ جلد موت دی۔ بعض نے لکھا ہے کہ تَبَّتْ سے اشارہ اس کے بیٹے عُتْبَہ کی طرف ہے۔ اگر بیٹے کی طرف اشارہ ہو تو بیٹے کی ہلاکت بھی باپ کی ہلاکت ہے۔ اور واقعات یہ ہیں کہ دونوں ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے بیٹے عتبہ کا ذکر ہے کہ وہ تجارت کے واسطے شام کو گیا ہوا تھا۔ وہاں سے اہلِ قافلہ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو کہلا بھیجا کہ تم محمدؐ کو جا کر کہہ دینا کہ مَیں اُسی وحی کا کافر ہوں جو تم پر اُترتی ہے۔ اور شرارت میں ہمیشہ مبالغہ کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددُعا کی تھی کہ اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِکَ چنانچہ ایک جنگل میں شیر نے اسے پھاڑ کھایا۔

الغرض ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سخت دشمن تھا ہمیشہ ایذادہی کے درپے رہتا تھا۔ اور آپ کے حق میں ہلاکت کی بددُعا کیا کرتا تھا۔ وہی بددعا بالآخر اُلٹ کر اس کے اپنے سر پر جا پڑی اور وہ دین و دنیا میں خائب و خاسر ہو کر ہلاک ہو گیا۔

مَآ اَغْنٰی عَنْہُ : نہ کفایت کیا اس سے۔ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ہیچ دفع نہ کرد ازاوٗ۔

مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ : اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ مَا کَسَبَ۔ جو کچھ اس کی کمائی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد اس کی اولاد ہے۔ مَآ اَغْنٰی مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔ خدا کے عذاب سے نہ اس کو اپنا مال چھڑا سکا اور نہ اس کی اولاد اس کے کسی کام آئی۔ اس میں ایک پیشگوئی بھی ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے اور صاحب اولاد ہونے کے اور قوم کے درمیان معزز ہونے کے اس کی تمام کوششیں جو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کر رہا ہے۔ سب کی سب اکارت جائیں گی۔ وہ اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوگا۔ بلکہ ایک نامرادی کی موت مرے گا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بڑا بھاری نشان ہے۔ کیونکہ یہ آیات ایسے وقت نازل ہوئی تھیں۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکہ شریف میں رہتے تھے۔ اور صرف چند آدمی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اور بظاہر کوئی رُعب آپؐ کا لوگوں پر نہ تھا۔ بلکہ سب لوگ ہنسی ٹھٹھا کرتے اور ایذاء دیتے اور تمام قوم آپکی دشمن تھی اور اپنے کیا بیگانے سب بگڑے ہوئے تھے۔ کوئی شخص مسلمانوں میں داخل ہونے کی جرأت بمشکل تمام

کر سکتا تھا۔ جو مسلمان ہو جاتا ۔ وہ بھی اپنے آپکو خفیہ رکھتا۔ غرض ایسے وقت میں جبکہ دنیادار نظر بہ ظاہر حالات کر کے یہ خیال کرتے تھے کہ یہ سلسلہ ایسا کمزور ہے کہ آج ٹوٹا یا کل ۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ خدا تعالیٰ ہم کو کامیاب کرے گا اور یہ اشد دشمن ابولہب جیسا قوم کا سردار نامرادی کے گڑھے میں گر جائے گا ۔ یہ خدا تعالیٰ کے عجائبات کے نمونے ہیں ۔ جن کے ذریعہ سے وہ اپنے بندوں کی سچائی دنیا پر روشن کر دیتا ہے ۔ اور وہ دکھا دیتا ہے کہ بے شک یہ اس کی طرف سے مبعوث ہے ورنہ ایک انسان عاجز کا یہ حوصلہ نہیں کہ ایسی بے کسی اور بے بسی کے وقت میں اتنا بڑا دعویٰ کرے خدا تعالیٰ ظاہر میں لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ پر وہ اپنے عجائب در عجائب کاموں سے پہچانا جاتا ہے جس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب قادیان کے گاؤں میں ایک گوشہ نشین شخص تھے ۔ اور ایک مہمان بھی کبھی آپ کے پاس نہ آتا تھا اور رات دن تنہائی میں خدا کی عبادت کرتے ہوئے گزرتی تھی اس وقت خدا نے یہ الہام کیا کہ تیرے پاس دُور دُور سے لوگ آئیں گے اور دُور دُور سے تحائف اور ہدایا بھی تیرے لئے لائیں گے ۔ اُس وقت ممکن ہے کہ خود مُلہم کو بھی اس پر تعجب ہوا ہو ۔ کہ مجھے تو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی جانے اور مَیں تو اس کو دوست رکھتا ہوں کہ خلوت میں بیٹھا رہوں اور اپنے خدا کی عبادت میں مصروف رہوں ۔ یہ کیا بات ہے ۔ کہ دُور دُور سے لوگ آئیں گے اور تحفے تحائف بھی لائیں گے مگر قدرت خداوندی اسی طرح سے ہے ۔ کہ جو دنیا کو خدا کے واسطے لات مارتا ہے دنیا اسی کی خادم بنائی جاتی ہے ۔ اور جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے ۔ وہ اس کے آگے بھاگتی ہے اور اس کو ہمیشہ حسرت اور ناکامی کی حالت میں رکھتی ہے۔

سَيَصْلٰى نَارًا : جلد داخل ہوگا آگ میں ۔ زُود باشد کہ در آید بآتش ۔ عنقریب آگ میں ڈالا جائے گا ۔ نار سے مراد دو طرح کی آگ ہے ۔ اوّل اسی دنیا میں نامرادی اور ناکامی کے ساتھ ہلاکت کی آگ کہ باوجود رات دن کی جان توڑ کوششوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ دن بدن ترقی پکڑتا گیا اور وہ ترقی ہر وقت اس کے دل کو ایک سوزش اور جلن میں ڈالتی تھی اور آخر اس کی موت بھی طاعون سے ہوئی جو ایک عذاب کی موت ہے اور اس دنیا کے عذاب کے ساتھ آخرت کے عذاب کی جو پیشگوئی کی گئی ہے اس کا سچا ہونا امر اوّل کے پورا ہو جانے سے ثابت ہوتا ہے۔

ذَاتَ لَهَبٍ : شعلوں والی ۔ وہ آگ جس سے شعلے نکلتے ہوں۔ اس جگہ لہب کے لفظ میں وہ خوبی ہے کہ خود اس کا نام بھی ابولہب تھا جو کہ اس نے تکبّر اور غرور کے سبب اپنے لئے پسند کیا ہوا تھا۔

اس آیت شریف میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی اور دوسری آیت تو صیغہ ماضی میں بیان کی گئی ہیں۔ کہ وہ ہلاک ہوگیا اور اس آیت شریف میں صیغہ استقبال استعمال کیا گیا ہے۔ کہ وہ آگ میں داخل ہوگا۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ سو واضح ہو کہ دراصل یہ ایک پیشگوئی ہے۔ اور جس وقت سنائی گئی۔ اس وقت ابولہب چنگا بھلا تھا۔ اور بڑے زور میں تھا۔ اور قوم میں معزز تھا اور آنحضرتؐ ایک بےکسی اور بےبسی کی حالت میں تھے۔ لیکن اللہ کے رسول کی تکالیف کو دیکھ کر آسمان پر یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ ان تکالیف کا اب خاتمہ ہوجاوے اور ابولہب ہلاک ہوجاوے۔ چونکہ کوئی کام زمین پر نہیں ہوتا جب تک کہ آسمان پر نہ ہولے۔ اس واسطے جس امر کا فیصلہ آسمان پر ہوجاوے۔ اُس کو ہوگیا ہوا بتایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا حکم ہے اور یقینی پیشگوئی ہے۔ اور حتمی وعدہ ہے۔ اس واسطے پہلے سے منادی کی گئی کہ ابولہب ہلاک ہوگیا۔

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اور ہمارے گھر میں اسلام داخل ہوچکا تھا کیونکہ حضرت عباسؓ مسلمان ہوچکے تھے۔ اور اُم فضل بھی اسلام میں داخل ہوگئی تھی۔ اور میں بھی مسلمان ہوگیا تھا لیکن ہم لوگ قوم سے ڈرتے تھے۔ اور عام طور پر اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرتے تھے کہ زمانہ ابتدائی تھا اور لوگ سخت دُکھ دیتے تھے۔ جنگِ بدر کے موقعہ پر ابولہب خود نہ گیا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ دو آدمیوں کو بھیج دیا تھا۔ جب خبر آئی کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی تو ہمیں قوت پیدا ہوئی اور ہم بہت خوش ہوئے۔ میں اور اُم فضل ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اوپر سے ابولہب آیا اور وہ بھی بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوسفیان جنگ سے واپس آیا۔ ابولہب نے اس سے جنگ کی کیفیت پوچھی۔ ابوسفیان نے منجملہ اور باتوں کے بیان کیا کہ عجیب بات ہے کہ ہمارے مقابلہ میں کچھ گورے رنگ کے سوار بھی تھے۔ جو آسمان اور زمین کے درمیان میں تھے۔ میں نے کہا وہ خدا کے فرشتے تھے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ ابولہب اٹھا اور مجھے مارنے لگا لیکن اُم فضل نے مجھے چھڑایا اور ابولہب کو مارا اور لعنت ملامت کی اس کے سات دن بعد اس کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا اور اسی سے مرگیا۔

وَامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ؕ اور اس کی جورُو اٹھانیوالی لکڑیوں کی۔ ابولہب کی جورُو کا نام اُم جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی تھی اور ابوسفیان کی بہن۔ آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت اور بُغض میں اپنے خاوند کی طرح تھی۔ ہمیشہ آپؐ کو دُکھ دینے کے درپے رہتی تھی۔ اس آیت شریف میں اس کے

ؔ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء

خاوند کا نام ابولہب اور اس کا نام حَمَّالَۃَ الْحَطَبْ ایک عجیب صفت ہے۔ جو اپنے اندر حقیقی اور لطیف معانی رکھتے ہیں۔ اس کے خاوند کی عادت تھی کہ لوگوں کو آنحضرتؐ کے خلاف جنگ وجدال پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ لہب سے مراد شعلۂ آتشِ جنگ ہے۔ ابولہب وہ شخص ہے جو جنگ پر لوگوں کو برانگیختہ کرتا ہے۔ حَمَّالَۃَ الحَطَبْ لکڑیوں کے اٹھانے والی وہ ہے جو اس شعلہ کو بھڑکانے کے واسطے اس میں ایندھن ڈالتی رہتی ہے۔ اس عورت کی عادت تھی کہ ہر جگہ جھوٹی باتیں بنا کر آنحضرتؐ کے برخلاف مخالفت کی آگ کو بھڑکاتی رہتی تھی۔ سخن چینی کے ذریعہ سے مخالفت کی آگ کا بھڑکانا اس کا پیشہ تھا۔ اور اسی آگ میں وہ خود بھی بمعہ اپنے خاوند کے ہلاک ہوئی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

میاں دو کس جنگ چوں آتش است ؎ سخن چین بدبخت ہیزم کش است
کنند این و آں خوش دگر بارہ دل ؎ وے اندر میاں کوربخت و خجل
میاں دو کس آتش افروختن ؎ نہ عقل است خود درمیاں سوختن

بخاری شریف میں آیا ہے۔ قَالَ مجاھد حَمَّالَۃَ الحَطَبِ تَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ۔ حَمَّالَۃَ الحَطَبْ وہ ہے جو چغل خوری کرتی پھرتی ہے۔ کہتے ہیں۔ اس کی عادت تھی کہ گھر میں جلانے کے واسطے لکڑیاں خود جنگل میں جا کر چنتی تھی اور اکٹھی کر کے خود اٹھا کر لاتی تھی۔ اس واسطے بھی اس کا نام حَمَّالَۃَ الحَطَبْ تھا۔ اور آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی دشمنی رکھتی تھی کہ جنگل سے کانٹے اور خس وخاشاک اکٹھے کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آپؐ کے راستہ میں بچھا دیتی تھی۔ تاکہ آپؐ کو تکلیف پہنچے اور رات کو جب آپؐ نماز کے واسطے باہر جائیں تو آپؐ کو کانٹوں کے سبب تکلیف ہو۔ لکھا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس کو خبر لگی کہ میرے اور میرے خاوند کے حق میں اس قسم کے الفاظ آنحضرتؐ نے سنائے ہیں۔ تو بڑی شوخی اور بے باکی کے ساتھ ایک رسّی ہاتھ میں لئے آنحضرتؐ کے پاس آئی اور اس طرح کہتی آتی تھی مُذَمَّمًا اَبَیْنَا دِیْنَہٗ قَلَیْنَا وَ اَمْرَہٗ عَصَیْنَا۔ ہم نے ایک مذمت کئے گئے کا انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے ناپسند کیا اور اس کے حکم کی ہم نے نافرمانی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن نابکار بجائے محمدؐ کے مذمم کہا کرتے تھے۔ محمدؐ کے معنے ہیں تعریف کیا گیا۔ اور مذمم کے معنے ہیں مذمت کیا گیا۔ نابکار دشمن ہمیشہ اس قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آجکل کے بیوقوف مخالف لفظ قادیانی کو کادیانی لکھ کر ایک احمقانہ خوشی اپنے واسطے پیدا کر لیتے ہیں مگر ایسی باتوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ جس کو خدا تعالیٰ عزت دینا چاہتا ہے۔ اس کو ذلیل کرنے کے واسطے

کوئی ہزار ناک رگڑے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ غرض اس قسم کے الفاظ بولتی ہوئی وہ آنحضرتؐ کی طرف آئی۔ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ صدیق کو خوف ہوا کہ یہ شریر عورت ہے اور بے ڈھب طور پر غصہ میں ہے۔ کچھ اذیت نہ دے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تشفی رکھو وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کی نظر حضرت ابوبکرؓ پر پڑی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے نہ دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھنے لگی۔ کہ مجھے خبر لگی ہے کہ تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ نہیں۔ اس نے تیری ہجو نہیں کی (ہجو سے مراد شاعرانہ ہجو ہے جو شاعر لوگ کسی دشمن کی کیا کرتے ہیں) اور حضرت صدیقؓ نے سچ کہا۔ سورۃ تبّت تو کلامِ خدائے علیم و حکیم ہے۔ نہ کہ کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر وہ واپس چلی گئی۔ اور کہتی تھی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں تو ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ بھلا میری ہجو کس طرح کوئی کر سکتا ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ : اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا : اس کی گردن میں جِیْد بمعنے گردن

حَبْلٌ : رسّی

مَسَد : بٹی ہوئی۔ کسی قسم کی بٹی ہوئی رسی۔ پوست کھجور کی ہو یا چمڑے کی ہو یا لوہے کی ہو غرض بٹی ہوئی ہو۔ ہر قسم کی بٹی ہوئی رسی کو مَسَدٌ کہتے ہیں۔

یہ اس عورت کی صورت ظاہری کا نقشہ ہے جبکہ وہ جنگل سے کانٹے وغیرہ اکٹھے کر کے لاتی تاکہ حضرت کی راہ میں بچھا دے تو اُن کا گٹھا رسی سے باندھ کر پشت پر رکھتی۔

اور رسّی اس کی گردن میں سے ہو کر اس کو پکڑے ہوئے ہوتی۔ وہی کانٹے اور وہی رسیاں بالآخر اس کے واسطے ہلاکت کا موجب ہوئیں اور جہنم کی زنجیر اس کے گلے میں پڑی۔ جیسا کہ لیکھرام اس بدزبانی کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طعن کی چھری چلاتا تھا۔ وہ چھری ظاہری شکل اختیار کر کے اس کے پیٹ میں بھونکی گئی۔ اور جس طعن کے ساتھ شریر لوگ مسیح موعودؑ کے حق میں بدزبانی کرتے تھے۔ وہی طعن طاعون کی شکل اختیار کر کے ان کے گلے کا ہار ہوا۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ یہ عورت اسی طرح لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھا کر جنگل سے لاتی تھی۔ راستہ میں ایک پتھر پر گٹھا ٹکا کر اور پشت لگا کر آرام لینے کے واسطے ٹھیر گئی تو وہی گٹھا پتھر سے نیچے کھسک کر لٹکنے لگا۔ اس کے بوجھ سے گردن کی رسّی سخت ہو کر اسے جہنم واصل کر گئی۔ ایسی بدکاروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ خواہ وہ اپنے ملک اور قوم میں معزز ہی ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی عداوت

انسان کو سخت نقصان میں ڈال دیتی ہے۔ اور اگلے پچھلے تمام عمل ضائع ہوتے ہیں۔

اس سورہ شریف میں ابولہب اور اسکے تمام کنبے کے متعلق پیشگوئی ہے اس کے متعلق۔ اس کے بیٹے کے متعلق۔ قدرتِ خدا یہ سب پیشگوئیاں، اپنے اپنے وقت پر ایسی پوری ہوئیں کہ آج تک ایک زبردست نشان کے رنگ میں دنیا کے سامنے ایک نقشۂ عبرت کھینچ رہی ہیں۔ آج اس زمانہ میں ہی خدا تعالیٰ نے اس قسم کے قہری نشانات کی بہت سی مثالیں قائم کردی ہیں۔ جن میں سے ایک لیکھرام کا نشان ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت ہی نالائق اور ناپاک کلمات بولا کرتا تھا اور حضرت مرزا صاحب کے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ یہ تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جائیں گے اور بدگوئی میں اور گالیاں دینے میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان تمام گالیوں اور بدگوئیوں کو ایک خنجر کی شکل میں واپس اُس کے پیٹ میں بھونک دیا جہاں سے کہ وہ نکلی تھیں۔

اس آیت شریف کے شانِ نزول میں یہ اتفاق ہے کہ وہ ابولہب کی گالیوں اور ایذاء کے مقابلہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہلاکت کی بددعا کیا کرتا تھا۔ گو اس امر میں کسی قدر اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت اس بات پر نازل ہوئی۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کو جمع کیا اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرایا تو اس وقت ابولہب نے جھنجلا کر کہا کہ تجھ پر ہلاکت ہو، کیا اسی واسطے تو نے ہمارا سارا دن خراب کیا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اعمام کو جمع کیا اور انکی ضیافت کی۔ اور ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے تو ہر ایک، ایک پوری بکری کا گوشت کھانے والا ہے۔ یہ تو نے کیا ہمارے سامنے رکھا ہے۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ دعوت کے وقت ہر شخص کے سامنے بہت سا کھانا رکھا جاتا تھا۔ اور اس میں ایک عزت سمجھی جاتی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اعتراض کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امر میں سادگی پسند تھے۔ اس واسطے ان کو کہا گیا کہ تم کھانا تو شروع کرو۔ جب انہوں نے کھانا شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے اس تھوڑے سے کھانے میں ایسی برکت ڈالی۔ کہ وہ سب سیر ہوگئے اور کھانا بہت سا بچ بھی رہا۔ جبکہ وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت کی۔ تب ان میں سے ابولہب بولا کہ اچھا۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لئے کیا ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو کچھ دوسرے مسلمانوں کیلئے ہوگا وہی تیرے لئے ہوگا۔ تب اُس نے کہا، کیا مجھے دوسروں پر فضیلت نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضیلت کس بات کی؟ تب اُس نے جواب دیا، تَبًّا لِهٰذَا الدِّيْنِ يَسْتَوِيْ فِيْهِ اَنَا وَغَيْرِيْ، خراب ہو

وہ دین جس میں دوسرے میرے برابر ہو جاویں۔ ایسا ہی ایک دفعہ چند لوگ باہر سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آپؐ کی زیارت کے واسطے مکہ معظمہ میں آئے تو ابولہب ان کو راستہ میں مل پڑا اور کہنے لگا کہ تم اس کے پاس کیا جاتے ہو وہ تو ساحر ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کچھ ہی ہو۔ ہم تو اب ضرور ان سے مل کر جاویں گے۔ جب وہ لوگ باوجود اس کی بڑی کوشش کے آنحضرتؐ کے پاس چلے گئے۔ اور اس کی بات نہ مانی تو وہ کہنے لگا۔ اِنَّا لَمْ نَزَلْ نُعَالِجُهٗ مِنَ الْجُنُوْنِ فَتَبًّا لَّهٗ وَتَعْسًا ہم تو ہمیشہ اس کا علاج کرتے ہیں کہ اس کا جنون دور ہو جاوے، اس پر ہلاکت اور افسوس ہو۔ ان لوگوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر سنا دی، جس کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حزن پہنچا الغرض کوئی ہی واقعہ ابولہب کی شرارت اور شوخی کا ہوا ہو۔ بہرحال یہ سورۃ شریف اسی کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بارہا فرمایا کرتے تھے کہ کفار کا وجود بھی بہت فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کفار جب خدا تعالیٰ کے نبی کو دُکھ دیتے ہیں اور اُس کو ہر طرح ستانے پر کمر باندھتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی نشان دکھا دیتا ہے اور قرآن شریف کے اکثر حصے کے نزول کے وقت بھی کفار ہی تھے۔ ورنہ سارے لوگ حضرت ابوبکرؓ ہی کی طرح اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے والے ہوتے تو اس قدر آیات اور نشانات کہاں نازل ہوتے۔

اس سورۃ شریف میں کفار کے سرداروں میں سے ایک کو لیا گیا اور نام ذکر کیا گیا ہے۔ مگر در اصل اس میں تمام کفار کے سرداروں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپؐ کی مخالفت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر قدم بڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کیا اور دین و دنیا میں خائب و خاسر کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١

۲ تا ۵۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝٢ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٣ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٤ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٥

او مخاطب تو کہہ دے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خود بخود موجود جس کا نام ہے اَللّٰہ پوجنے کے لائق۔ فرماں برداری کا مستحق، وہ ایک ہے، اپنی ذات میں یکتا۔ صفات میں بے ہمتا، ترکیب و مقدار سے پاک۔ اللہ جس کا نام ہے، وہ اصل مطلب مقصود بالذات ہر کمال میں بڑھا ہوا، جس کے اندر نہ کچھ جاوے کہ کھانے پینے وغیرہ کا محتاج ہو۔ نہ اس کے اندر سے کچھ نکلے کہ کسی کا باپ بنے پس نہ وہ کسی کا باپ اور نہ کسی کا بیٹا۔ اس کے وجود میں، اس کے بقا میں۔ اس کی ذات میں۔ اس کی صفات میں کوئی بھی اس کے جوڑ کا نہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۷-۲۴۸)

اے رسول اس طرح کہو اور اقرار کرو اور یقین کرو اور لوگوں کو وعظ کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے واحد اور یگانہ ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ بے نیاز ہے۔ کسی کی اُسے کوئی پرواہ نہیں۔ اس نے کوئی بیٹا بیٹی نہیں جنا۔ اور نہ خود اُس کو کسی نے جنا تھا۔ اور نہ اُس کا کوئی کنبہ قبیلہ شریک برادری والا اور برابری کرنے والا ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے یعنی مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے بعد چار آیتیں ہیں۔ اس کے الفاظ پندرہ ۱۵ ہیں اور حرف سینتالیس ۴۷ ہیں۔

هُوَ : ھُوَ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ توریت میں زیادہ تر یہی نام خدا تعالیٰ کا آتا ہے۔ عبرانی میں اس کا ترجمہ یہوواہ سے کیا جاتا ہے۔ مگر عبرانی زبان کے ایک مُردہ زبان ہونے کے سبب ٹھیک تلفظ اور اصلیت کے متعلق بہت اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ عبرانی حروف میں اس کو اس طرح سے لکھا جاتا ہے۔

ה ו ה י

ی ہ و ہ

چونکہ ابتدائی طرزِ تحریر زبان عبرانی میں حروف پر حرکات دینے کا رواج نہ تھا۔ اس واسطے ٹھیک طور پر معلوم نہیں رہا۔ کہ توریت میں یہ لفظ کس طرح سے پڑھاجاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ یَاھُوَ تھا۔ بعض کہتے ہیں یاھوی ہے۔ بعض کے نزدیک یھوواہ ہے۔ آجکل کے یہودی اس لفظ کو خداتعالیٰ کا ایک خاص مقدس نام مانتے ہیں۔ اور بغیر خاص اوقات نماز اور روزہ کے اس لفظ کا منہ پر لانا گناہ جانتے ہیں۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ عبرانی زبان عربی زبان سے بگڑ کر بنی ہے۔ اس واسطے یہ لفظ دراصل یَاھُوَ تھا۔ ھو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یا حرفِ مناویٰ ہے۔ جیساکہ دُعا میں کہا جاتا ہے۔ اے خُدا۔ یا اللہ۔ اسی سے بدل کر انگریزی میں جہواہ JEHOAH بن گیا ہے۔ الغرض ھُوَ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

اَحَدٌ : احد کے معنے ہیں۔ ایک اکیلا۔ ایک ہی۔ عربی زبان میں واحد کے معنے بھی ایک ہیں۔ اور احد کے معنے بھی ایک ہیں۔ لیکن یہ اس پاک زبان کے عجائبات میں سے ہے کہ لفظ احد صرف اللہ تعالیٰ کے صفات میں بیان ہوتا ہے اور خدا کے سوائے دوسرے کی صفت میں کبھی بولا نہیں جاتا۔ پھر ایک فرق واحد اور احد میں یہ ہے کہ جہاں واحد کا لفظ بولا جاوے۔ وہاں سمجھا جاتا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا بھی ہے۔ لیکن احد کے بعد دوسرا کوئی نہیں سمجھا جاسکتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب کہیں لَایُقَاوِمُہٗ وَاحِدٌ ایک آدمی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو خیال میں آسکتا ہے کہ دو آدمی مقابلہ کرسکتے ہیں۔ لیکن جب کہا جاوے لَایُقَاوِمُہٗ اَحَدٌ تو اس کے معنے ہیں کہ اسکا مقابلہ کوئی بھی نہیں کرسکتا۔

اَللّٰہ : یہ نام خدا کے واسطے عربی زبان میں اسم ذات ہے۔ خداتعالیٰ کا خاص نام ہے۔ جو صرف اسی کی ذات پر بولا جاتا ہے۔ دوسری کسی زبان میں خداتعالیٰ کے واسطے کوئی ایسا نام نہیں۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے بولا جاتا ہو اور ایک مفرد لفظ ہو اور کسی دوسرے کے واسطے کبھی استعمال نہ ہوتا ہو مثلاً انگریزی زبان میں اللہ تعالیٰ کے واسطے دو لفظ بولے جاتے ہیں۔ ایک گاڈ GOD اور دوسرا لارڈ LORD۔ سو ظاہر ہے کہ گاڈ GOD کا لفظ انگریزی زبان میں تمام رومی اور یونانی اور ہندی بُتوں پر بولا جاتا ہے۔ اور دیوتاؤں کے واسطے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور لارڈ کا لفظ تو ایسا عام ہے کہ ایک معمولی فوج کا افسر بھی لارڈ ہوتا ہے۔ اور ایک صوبہ کا حاکم بھی لارڈ ہوتا ہے۔ بلکہ ولایت میں پارلیمنٹ کے اعلیٰ حصّے کے تمام ممبر لارڈ ہی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی خاص لفظ نہیں۔ جو لفظ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے واسطے بولا جاتا ہے وہ خدا یا خداوند ہے۔ خدا ایک مرکب لفظ ہے

اور اس کے معنے ہیں ۔ خود آ ۔ جو خود بخود ہے ۔ اور کسی نے اسکو جنا نہیں ۔ اور فارسی لٹریچر میں یہ الفاظ اَوروں کے واسطے بھی استعمال میں آتے ہیں ۔ ایسا ہی سنسکرت زبان میں جس قدر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں ۔ وہ سب صفاتی ہیں ۔ کوئی اسم ذات نہیں ۔

یہاں تک اس سورۃ شریف کی پہلی آیت کے الفاظ کے معانی کی ہم نے تشریح کر دی ہے ۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؛ کہہ دے اے محمدؐ اور تمام جہان میں منادی کر دے کہ وہ اللہ ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں کوئی اس کی مانند ہے ۔ نہ یسوع اللہ تعالیٰ ، نہ رام ، نہ کرشن ، نہ بدھ اور نہ کوئی اور ۔ ہمیشہ سے ایک ہی اللہ ہے ، اور ہمیشہ تک ایک ہی اللہ ہوگا ۔ ایک ازلی ابدی خدا ۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ؛ صمد وہ ہے جس کے سامنے لوگ اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں ۔ اس سورۃ میں صمد بمعنی مصمود ہے ۔ جیسا کہ قبض بمعنے مقبوض آتا ہے ۔ اس کے معنے ہیں وہ سردار جس کے لوگ محتاج ہیں ۔ یہ لفظ ان معنوں میں عربی زبان کے لٹریچر میں مستعمل ہے ۔ چنانچہ وہ شعر بطور مثال کے اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں ۔

اَلَا بَكَرَ نَاعِيَ بِخَيْرِ بَنِي اَسَدْ !   بِعَمْرِوبْنِ مَسْعُوْدٍ بِالسَّيِّدِ الصَّمَدِ

خبردار ! صبح کو موت کی خبر دینے والے نے ۔ بنو اسد کے اچھے آدمیوں سے جس کا نام عمرو بن مسعود خلقت اس کی محتاج ہے ۔

عَلَوْتُهُ بِحُسَامٍ ثُمَّ قُلْتُ لَهُ   خُذْهَا حُذَيْفَ فَاَنْتَ السَّيِّدُ الصَّمَدُ

مَیں اپنی تلوار لے کر اس پر چڑھ گیا ۔ پھر اس کو کہا ۔ لے اس کو اے حذیفہ ! کیونکہ تو بڑا سردار اور حاجت روا ہے ۔

پس صَمَد اس سردار کو کہتے ہیں ۔ جس کی طرف وقتِ حاجت قصد کیا جاوے ۔ چونکہ اللہ تعالےٰ تمام انسانوں کو سب حاجتوں کے پورا کرنے کیلئے قدرتِ تام رکھتا ہے ۔ اس واسطے اسکی صفت میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ اسی لحاظ سے سیّد سردار کو بھی کہتے ہیں ۔ کیونکہ تمام قوم اپنے سردار کی محتاج ہوتی ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے بھی ان معنوں کی تصدیق ہوتی ہے ۔ جس میں لکھا ہے کہ جب یہ سورۃ شریف نازل ہوئی تو اصحاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صَمَد کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا ۔ هُوَ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ يُصْمَدُ اِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ وہ سردار ہے جس کی طرف لوگ احتیاج کے وقت قصد کرتے ہیں ۔

پھر لغت عربی میں صمد اس کو کہتے ہیں جس کا جوف نہ ہو۔ یعنی اس کے اندر کوئی چیز نہ جا سکے۔ نہ اس میں سے کوئی چیز نکلے۔ ایسا ہی صمد اُس شفاف پتھر کو بھی کہتے ہیں۔ جس پر گرد و غبار نہ پڑ سکے مفسرین نے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے لفظ صمد کی تفسیر کئی طرح سے کی ہے جن میں سے بعض کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ صمد وہ عالم ہے جس کو تمام اشیاء کا علم ہو اور وہ بجز ذاتِ الٰہی کے دوسرا نہیں۔

۲۔ صمد حلیم کو کہتے ہیں کیونکہ سید وہی ہو سکتا ہے جو حلم اور کرم کی صفات اپنے اندر رکھتا ہے۔

۳۔ صمد وہ سردار ہے جس کی سرداری اور سیادت انتہائی اعلیٰ درجہ تک ہو۔ (ابن مسعود و ضحاک)

۴۔ صمد خالق الاشیاء ہے۔ (اصمّ)

۵۔ صمد وہ ذات ہے۔ جو چاہے سو کرے اور حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا اور اس کی قضاء کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (حسین بن فضل)

۶۔ صمد وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ حاجت کے وقت رغبت کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت اس کے پاس اپنی فریاد لے جاتے ہیں (سدی)

۷۔ سید المعظم کو صمد کہتے ہیں۔

۸۔ صمد غنی کو کہتے ہیں۔

۹۔ صمد وہ ہے جس کے اوپر اَور کوئی نہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الانعام : ۱۹)

۱۰۔ صمد وہ ہے جو نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے پر دوسروں کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ (قتادہ)

۱۱۔ حسن بصری کا قول ہے کہ صمد وہ ہے جو لَمْ يَزَلْ ہے اور لَا يَزَالُ ہے۔ اور اس کے لئے زوال نہیں۔

۱۲۔ صمد وہ ہے جس پر موت نہیں اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور آسمان و زمین کی میراث اسی کی ہے۔ (ابن ابی کعب)

۱۳۔ صمد وہ ہے جس پر نیند کا غلبہ نہیں اور نہ اس سے سہو صادر ہوتا ہے۔ (یمان و ابو مالک)

۱۴۔ صمد وہ ہے کہ جن صفات سے وہ متصف ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا (ابن کیسان)

۱۵۔ صمد وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو (مقاتل ابن حبان)

۱۶۔ صمد وہ ہے جس پر کوئی آفت نہیں پڑ سکتی (ربیع بن انس)

۱۷۔ صمد وہ ہے جو تمام صفات میں اور تمام افعال میں کامل ہو (سعید بن جبیرؓ)

۱۸۔ صمد وہ ہے جو غالب ہو اور مغلوب نہ ہو (جعفر صادقؒ)[1]

۱۹۔ صمد وہ ہے جو سب سے مستغنی ہو (ابو ھریرہؓ)

۲۰۔ صمد وہ ہے کہ خلقت اس کی کیفیت پر مطلع ہونے سے ناامید ہو۔

۲۱۔ صمد وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا۔ کیونکہ جو جنتا ہے۔ لامحالہ اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور جو خود جنا گیا ہے۔ وہ ضرور مرتا ہے گویا صمد کے بعد کلمہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ اس کا بیان، معنی اور تشریح ہے۔ (ابوالعالیہ)

۲۲۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اِنَّهُ الْكَبِيْرُ الَّذِيْ لَيْسَ فَوْقَهُ اَحَدٌ صمد وہ کبیر ہے جس کے اوپر اور کوئی نہیں۔

تفاسیر میں صمد کے معنے اور تشریح اور بھی بیان ہوئی ہے۔ بخوفِ طوالت اتنے پر اکتفا کیا گیا۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ : اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں۔ سب اسکے محتاج ہیں۔ وہ کسی کا مخلوق نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہیں۔ سب کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ وہ سب کی کیفیت جانتا ہے۔ کوئی اس کی کیفیت کا عالم نہیں۔ وہ سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے کسی کا احاطہ اس پر نہیں۔ سب کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ : نہ وہ جنتا ہے اور نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ولد ہے اور نہ وہ کسی کا ولد ہے۔ اس آیہ شریفہ میں ان تمام مذاہب باطلہ کا بالخصوص ردّ ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اولاد مانی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے عیسائی یسوع مسیح کو ولد اللہ اور یعنی اللہ کہتے ہیں۔ اس پر ایک سوال ہوا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لَمْ يَلِدْ پہلے کیوں رکھا ہے اور لَمْ يُوْلَدْ پیچھے کیوں رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین کا یہ مذہب ہوتا ہے کہ فلاں شخص خدا کا بیٹا تھا یا فلاں عورت خدا کی بیٹی تھی۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خدا کا باپ تھا یا فلاں عورت خدا کی ماں تھی۔ گو عیسائیوں کے جاہل فرقہ نے اس شرک میں کمال پیدا کیا ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان مریم کو خدا کی ماں کہا جاتا ہے اور ایک بڑا فرقہ عیسائیوں کا اب تک مریم کی پرستش کرتا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ : اور نہ اس کے واسطے کوئی کفو ہے۔ کفو کے لغوی معنے ہیں

---

[1] ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲؍دسمبر ۱۹۱۲ء

نظیر اور مثیل۔ عرب میں بولا کرتے ہیں ھٰذَا كُفُوُكَ اَىْ نَظِيْرُكَ یہ تیرا کفو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لَيْسَ لَهٗ كُفُوٌ وَلَا مِثْلٌ۔

مجاہد کا قول ہے کہ کفو سے مراد صاحبہ یعنی جوڑو ہے جیسا کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (الانعام: ۱۰۲)

وہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اس کا ولد کہاں سے آگیا۔ جبکہ کوئی اس کی کوئی جوڑو نہیں اور اس نے ہر شئے پیدا کی ہے اور ہر شئے اس کی مخلوق ہے نہ کہ اولاد۔

یہاں تک ہم نے اس سورۃ شریفہ کے الفاظ کے معانی اور اُن کی تشریح مفصل بیان کر دی ہے۔ اب اس سورۃ کے مضمون پر اور اس کے فوائد اور عجائبات پر کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

یہ سورہ شریفہ باوجود مختصر ہونے کے بڑے عظیم الشان مطالب اور مضامین پر مشتمل ہے۔ لکھا ہے کہ سورہ الحمد سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور دو سورتیں معوذتین آخری دعائیں۔ اور قرآن شریف کا متن سورۃ بقرہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ اخلاص پر ختم ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ سورۃ قرآن شریف کی سب سے آخری سورۃ ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سورہ آخری زمانہ کے عظیم الشان فتنہ عیسائیت سے بچنے کے واسطے ایک بڑا ہتھیار ہے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر بالخصوص زور دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک خدا ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس کا کنبہ قبیلہ ہے۔ اس میں عیسوی مذہب کی تردید کی گئی ہے۔ کیونکہ دینِ عیسوی کا تمام دار و مدار تثلیث پر ہے کہ ایک خدا باپ ہے اور ایک خدا بیٹا اور ایک خدا روح القدس ہے۔ عیسائیوں نے ایک کنبہ خدا کا یہاں مقرر کیا ہے۔ کوئی باپ ہے۔ کوئی بیٹا ہے۔ کوئی روح القدس ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تردید کی ہے کہ خدا وہ ہے جو لَمْ يَلِدْ ہے۔ کسی کا باپ نہیں اور لَمْ يُوْلَدْ ہے۔ کسی کا بیٹا نہیں۔ اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ نہ اس کے برابر کوئی روح القدس وغیرہ ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ ان ہر سہ کلمات کیساتھ تثلیث کو رد کر دیا گیا ہے۔ اور اس رد کی دلیل الفاظ احد اور صمد میں بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ جو ایک ہے وہ تین کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو یگانہ ہے اس کے ساتھ دوسرا تیسرا اس کی مانند کیونکر بن سکتا ہے۔ اور وہ صمد ہے کسی کا محتاج نہیں۔ یسوع تو کھانے پینے کا محتاج تھا۔ بھوک سے ایسا لاچار ہو جاتا تھا۔ کہ جیسا کہ انجیلوں میں لکھا ہے کہ جس درخت پر سے پھل نہ ملے اس درخت کو بھی دیوانوں کی طرح گالیاں

دینے لگ جاتا تھا۔ معلومات کا یہ حال تھا کہ کہنے لگے کہ مجھے علم نہیں دیا گیا۔ کہ قیامت کب ہوگی۔ باوجود بڑی خواہش اور دعا کے صلیب سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔ وہ جو محتاج ہے۔ وہ صمد نہیں ہو سکتا۔ اور جو صمد نہیں وہ خدا نہیں۔ وہ احد ہے۔ اس نے اپنی ہستی کو ثابت کرنے کے واسطے اور اپنی قدرتِ تام دکھانے کے واسطے آخری زمانہ میں اس فتنہ کے بالمقابل ایک سلسلہ قائم کیا۔ جو اَحَد اور صَمَد خدا کی پرستش کو دنیا میں قائم کرتا ہے۔ اور بالخصوص اُس مذہب اور فرقہ کو دنیا سے اکھیڑ دیتا ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا باپ ہے اور خدا بیٹا ہے۔ اور خدا رُوح القدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس سورۃ شریف کو قرآن شریف کے آخر میں رکھ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ کا فتنہ یہ ہوگا۔ کہ تین خدا ماننے جاویں گے۔ ایک خدا کا باپ بنایا جاوے گا' ایک خدا کا بیٹا بنایا جاوے گا ایک تیسرا بھی ہوگا جو انکی مانند اور مثل ہوگا ایک روایت میں ہے۔ عیسائیوں ہی نے سوال کیا تھا کہ آپ کے خدا کی کیا صفات ہیں اور ان کے سوال کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی تھی۔ اس فتنہ کو مٹانے والا وہ شخص ہوگا جو خدا کو اَحَد اور صَمَد مانتا ہوگا۔ اور اس امر کو دنیا کے آگے ثابت کر دیگا۔ کہ خدا صَمَد ہے اپنے بندوں کی حاجات کو پوری کرتا ہے۔ بندے اپنی ضرورتوں کے وقت اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ انکی دعائیں قبول کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے اور خوارق میں سے آپکی دعاؤں کی قبولیت ہے۔ جس میں مقابلہ کے واسطے تمام جہان کے عیسائیوں آریوں وغیرہ کو بارہا چیلنج دیا جا چکا ہے۔ مگر کسی کی طاقت نہیں کہ اس مقابلہ میں کھڑا ہو سکے۔

چونکہ تمام شرائع اور عبادات کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات[1] اور صفات[2] اور افعال[3] کی معرفت حاصل ہو اور اس سورہ شریفہ سے اسکی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس واسطے اس کو حدیث شریف میں ثلث القرآن یعنی قرآن شریف کا تیسرا حصہ کہا گیا ہے۔ بلحاظ ان عجائبات اور فوائد کے جو کہ اس سورۃ شریفہ سے مستنبط ہوتے ہیں اور اُس پر ایمان لانے سے جو راہ سلوک کی طے ہوتی ہے۔ ان کے لحاظ سے اس سورۃ شریفہ کے بہت سے نام رکھے گئے ہیں۔ عرف بھی اس بات کا شاہد ہے کہ اچھے ناموں کی زیادتی تعدادِ مسمّی کے شرف اور مزید فضیلت پر دلیل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ کچھ نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

۱۔ سورۃ التفرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرد ہونے اور تثلیث وغیرہ کی تردید میں ہے۔

۲۔ سورۃ التجرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاثانی ہونے کا اس میں بیان ہے۔

۳۔ سورۃ التوحید: کیونکہ توحید کا ایسا واضح بیان کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

۴۔ سورۃ الاخلاص: اور یہ نام زیادہ تر مشہور ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں خالص اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور صفاتِ اضافیہ اور سلبیہ کا ذکر ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے جلال کے بیان کے اور کسی امر کا

اس سورۂ شریفہ میں ذکر نہیں ہے ۔ جو کوئی اس کے بیان پر پورا ایمان رکھے ۔ وہ اللہ کے دین میں مخلص ہے

۵۔ سورۃ النجاۃ : کیونکہ اس پر پورا ایمان لانے سے اور اسی یقین پر مرنے سے کہ خدا ایک ہے انسان نجات پاتا ہے اور دوزخ سے بچتا ہے ۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے نجات اس میں سمجھی ہے ۔ کہ خدا تین بنائے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا ہے ۔ کہ نجات اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ کو ایک مانا جاوے

۶۔ سورۃ الولایۃ : کیونکہ یہ سورۃ پورے علم اور عمل اور معرفت کا ذریعہ ہو کر انسان کو درجہ ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

۷۔ سورۃ النسبۃ : کیونکہ اس سورۃ کے شانِ نزول میں ذکر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ کے معبود کا نسب نامہ کیا ہے ۔ تب یہ سورۃ نازل ہوئی۔

۸۔ سورۃ المعرفہ : کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کلام کی معرفت کے ساتھ کامل ہوتی ہے ۔ جابر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی سورۃ پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اِنَّ هٰذَا عَرَفَ رَبَّهٗ بیشک اس شخص نے اپنے رب کو پہچان لیا ۔ اسی سے سورۃ کا نام سورۃ المعرفہ ہوگیا۔

۹۔ سورۃ الجمال : حدیث شریف میں آیا ہے ۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ تعالیٰ کے جمال کے متعلق جب سوال کیا گیا تو جواب ملا ۔ کہ وہ احد ۔ صمد ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے

۱۰۔ سورۃ المقشقشۃ : مقشقشہ کے معنے ہیں ۔ بری کرنے والا ۔ جب کوئی بیمار شفا پاتا ہے تو اہلِ عرب کہتے ہیں تَقَشْقَشَ الْمَرِيْضُ عَمَّا بِهٖ ۔ بیمار نے اس سے نجات پائی جس میں وہ گرفتار تھا چونکہ یہ سورۃ شرک اور نفاق سے انسان کو بری کر کے خدا تعالیٰ کا خالص بندہ بنا دیتی ہے ۔ اس واسطے اسکا نام مقشقشہ رکھا گیا ہے۔

۱۱۔ سورۃ المعوذہ : کیونکہ ایک دن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون کے پاس تشریف لے گئے تو آپؐ نے اس سورۃ کو اور سورتوں سے ملا کر تعوذ فرمایا۔

۱۲۔ سورۃ الصمد : کیونکہ اس میں صمد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہے۔

۱۳۔ سورۃ الاساس : حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی بنیاد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر بنائی گئی ہے ۔ اس بات کی سمجھ قرآن شریف کے اس مقام سے بخوبی آسکتی ہے ۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے تثلیث اور ایک انسان کو خدا بنانے اور خدا کا بیٹا بنانے کی بھاری خرابی اور نہایت شرارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عقیدہ ایسا ناپاک ہے ۔ کہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ

تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ (مریم ، ۹۱) قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جاوے اور پہاڑ گر جاویں۔ پس جب تثلیث کا باطل عقیدہ دنیا و مافیہا کی خرابی اور بربادی کا موجب ہے۔ تو اس کے بالمقابل توحید اُس کی عمدگی اور آبادی کا باعث ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں ایک اور جگہ آیا ہے۔ کہ لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِـھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء : ۲۳) اگر زمین و آسمان کے اندر اللہ کے سوائے کوئی اور معبود ہوتا۔ تو ان میں فساد مچ جاتا۔ فساد کی دُوری اس سے ہے کہ ان میں توحید قائم کی جاوے۔

۱۴۔ سورۃ المانعہ : حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تجھے سورۂ اخلاص عطا کی ہے۔ جو عرش کے خزانوں کے ذخیروں میں سے ہے۔ اور عذاب قبر سے روکتی ہے۔

۱۵۔ سورۃ المحضرہ : کیونکہ اس کے پڑھنے کے وقت فرشتے اس کے سننے کیلئے حاضر ہوتے ہیں

۱۶۔ سورۃ المنفرۃ : کیونکہ شیطان اسے سُن کر بھاگ جاتا ہے۔

۱۷۔ سورۃ البراءۃ : کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو یہ سورۃ پڑھتا تھا فرمایا کہ تو آگ سے بری ہو گیا۔

۱۸۔ سورۃ المذکرۃ : کیونکہ یہ سورۃ انسان کو خدا تعالیٰ کی توحید یاد دلاتی ہے اور غفلت سے نکالتی ہے۔

۱۹۔ سورۃ النور : حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک شے کیلئے ایک نور ہوتا ہے اور قرآن شریف کا نور قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ ہے۔

۲۰۔ سورۃ الامان : حدیث شریف میں آیا ہے ،جس کسی نے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وہ اللہ کے قلعہ میں داخل ہوا ، جو قلعہ میں داخل ہوا ، اُس نے امان پائی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ ۔ میں اس سورہ (اخلاص) سے محبت رکھتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّكَ اِیَّاھَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّۃَ اس کی محبت تجھے بہشت میں داخل کر دیگی۔ ایسا ہی اور بہت سی حدیثوں میں اس سورۂ شریفہ کی تعریف آتی ہے کہ یہ قرآن کریم کے تیسرے حصہ کے برابر ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس سورۂ شریفہ میں خالصۃً اللہ تعالےٰ کی توحید کا ذکر ہے اور تمام انبیاء اور رسول جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں۔ ان کی بعثت کا اصل منشاء یہی ہوتا ہے۔ کہ توحید الٰہی کو دنیا میں قائم کریں۔ کہ ایک خدا کی عبادت میں مخلوق کو لگا دیں۔ اور

غیر اللہ کی محبت اور خوف کو دلوں سے نکال کر انسان کو خدا کا بندہ بنا دیں کیونکہ دراصل تمام بدیاں اور گناہ اسی سے شروع ہوتے ہیں۔ کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے سوائے کسی دوسری چیز کی محبت یا اس کا خوف غالب آجاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا فرمایا کرتے تھے۔ کہ کیا سبب ہے کہ ایک انسان جب جانتا ہو کہ سوراخ کے اندر ایک زہریلا سانپ ہے۔ تو وہ ہرگز اس سوراخ میں اپنی انگلی نہیں ڈالتا۔ اور جب جانتا ہے کہ اس زہر کے کھانے سے مَیں مر جاؤں گا۔ تو خواہ کتنا ہی کوئی زور لگائے اس زہر کو ہرگز منہ پر نہیں لاسکتا۔ تو پھر کیا سبب ہے کہ انسان باوجود اس اقرار کے کہ خدا ہے اور ایک واحد خدا سب کا مالک اور خالق ہے۔ پھر گناہ کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ معرفت الٰہی اس کو پورے طور سے حاصل نہیں جب معرفت پورے طور سے حاصل ہو جائے تو پھر ممکن ہی نہیں کہ انسان گناہ کے نزدیک جاسکے

بخاری شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک مرد انصاری مسجد قبا میں امامت نماز کی کرتا تھا۔ نماز پڑھانے کے وقت جب کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا تو اسکو سورۃ اخلاص کے ساتھ یعنی پہلے سورۃ اخلاص پڑھتا اور بعد اس کے کوئی اور سورۃ یا کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا اور ہر رکعت میں وہ ایسا ہی کرتا۔ دوسرے اصحاب اس معاملہ میں اس پر اعتراض کرتے اور کہتے کہ کیا تو دوسری سورتوں کو کافی نہیں سمجھتا کہ اس سورۃ کو بہرحال ساتھ ملا ہی دیتا ہے اور بسا اوقات اُسے کہتے کہ تو اس سورۃ کا بار بار ہر رکعت میں پڑھنا چھوڑ دے۔ وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ تمہارا اختیار ہے کہ مجھے امام بناؤ یا نہ بناؤ۔ میں تمہاری امامت چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس سورۃ شریف کا پڑھنا ترک نہیں کرسکتا۔ لوگ اس کو دوسروں سے افضل جانتے تھے اور بہرحال اس کو ہی امام بنانا پسند کرتے تھے۔ اس واسطے یہ جھگڑا اسی طرح سے رہا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچائی گئی۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور فرمایا۔ کہ اے فلانے تجھے کون سی بات اس سے مانع ہے کہ تُو اپنے ساتھیوں کا کہنا مانے اور ہر رکعت نماز کے اندر تونے سورۂ اخلاص کا پڑھنا کس واسطے اختیار کیا ہے۔ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّهَا مجھے یہ سورۃ پیاری لگتی ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبُّكَ اِیَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ اس کا پیار کرنا تجھے جنت میں داخل کر دیگا۔ فقط اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سورۃ شریفہ کے ساتھ محبت کرنا خدا تعالیٰ کی توحید کے ساتھ محبت کرنا ہے اور اپنے آپ کو محتاج جان کر ایک خدا کی طرف اپنی احتیاج کو لے جانا۔ جو شخص تمام دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو دنیا و مافیہا سے بے احتیاج کر دیتا ہے اور اپنے فضل سے اس کے سارے کام پورے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ میں کمال پیدا کرنا انسان کو تمام مشکلات سے باآسانی نکال کر لے جاتا ہے۔ لیکن اس میں بعض ناواقف

لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ اور وحدتِ وجود کی طرف جھک گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر ایک چیز جو ہم کو نظر آتی ہے، خدا ہے۔ ہر ایک آدمی خدا ہے اور صرف خدا ہی ہے، باقی اَور کچھ نہیں۔

حضرت اقدس مرزا صاحب مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ خود خدا تعالیٰ کے خالق بنتے ہیں، اور اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی کیفیت پر ایک احاطہ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے مانند ایک جراح کے خدا کو نعوذ باللہ چیر پھاڑ کر دیکھ لیا ہے۔ اور اس کی تمام حالت پر آگاہ ہو گئے ہیں یہ بہت بُرا عقیدہ ہے۔ ہاں وحدتِ شہود کا عقیدہ درست ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت ایسی بیٹھ جائے کہ دوسرے کی اس کو پرواہ ہی نہ رہے۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق اور محبت کا ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے ہر شے اس کو ہیچ نظر آئے اور خدا تعالیٰ کی وحدت پر اس کو پورا یقین ہو کہ وہی ایک اس قابل ہے جس کی عبادت کی جاوے۔ دراصل تمام بدیوں کی جڑھ شرک ہی ہے۔ جلی ہو یا خفی۔ جب انسان کسی دوسرے انسان کو اپنا حاجت روا یقین کرتا ہے اور اس کی طرف اس طرح جھکتا ہے کہ گویا اس کے بغیر اس کا کام کرنیوالا نہیں تو وہ توحید کے برخلاف اپنا قدم رکھتا ہے اور ایک شرک میں گرتا ہے۔ صاف وہ ہے جو ہر حال میں اپنے خدا پر اپنے یقین کو قائم رکھتا ہے اور اسی پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے۔

چیست ایماں؟ وحدہٗ پنداشتن! کارِ حق را، باخدا بگذاشتن

(بدر ۳۰ اگست و ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء، ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء)

اس سورۃ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی حدیثِ صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ثواب میں قرآن شریف کے تیسرے حصہ کے برابر ہے۔ یہ بات بالکل سچی اور بہت ہی سچی ہے۔ اس واسطے کہ قرآن شریف مشتمل ہے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کے مضامین، دنیوی امور یعنی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور پھر بعد الموت یعنی قیامت کے متعلقہ مضامین پر۔ اس سورۃ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسکی ذات کے متعلق ہی ذکر ہے۔ اسی طرح سے بلحاظ تقسیم مضامین یہ سورۃ قرآن شریف کے ⅓ کے برابر ہے یعنی قرآن کریم کے تین اہم اور ضروری مضامین میں سے ایک مضمون کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سورۃ فاتحہ سے جو کہ قرآن شریف کی کلید اور امّ الکتاب ہے اور یہ امّ الکتاب ضالین پر ختم ہوئی ہے۔ ضال کہتے ہیں کسی سے محبت بے جا کرنے کو۔ یا جہالت سے کام لینے اور سچے علوم سے نفرت اور لاپرواہی کرنے کو۔ صرف دو۲ شخص ہی ضالّ کہلاتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی سے بے جا محبت کرے۔ دوسرا وہ جو سچے علوم کے حصول سے مضائقہ کرے۔

انسان ہر روز علم کا محتاج ہے ۔ سچائی انسان کے قلب پر علم کے ذریعہ سے ہی اثر کرتی ہے ۔ پس جو علم نہیں سیکھتا، اس پر جہالت آتی ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے ۔ جس سے انسان اچھے اور بُرے، مفید اور مُضر، نیک اور بد، حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا ۔ حدیث میں آیا ہے کہ ضالّ نصارٰی ہیں ۔ دیکھ لو انہوں نے اپنی آسمانی کتاب کو کس طرح اپنے تصرف میں لاکر ترجمہ در ترجمہ، ترجمہ در ترجمہ کیا ہے ۔ کہ اب اصل زبان کا پتہ ہی نہیں لگتا ۔ صاف بات ہے کہ ترجمہ تو خیال ہے مترجم کا ۔ غرض الٰہی اور کتبِ سماوی میں انہوں نے ایسا تصرف کیا اور جہالت کا کام کیا ہے ۔ کہ وہ اصل الفاظ اب ملنے ہی محال ہیں ۔

دوسری طرف حضرت مسیحؑ کی محبت میں اتنا غلو کیا ہے کہ انکو خدا ہی بنا لیا اور اس سورۃ میں اس قوم نصارٰی کا ذکر ہے ۔ اور یہ سورۃ قرآن شریف کے آخر میں ہے اور یہ ضالّ کی تفسیر ہے ۔ اور ضالّ کا لفظ امّ الکتاب کے آخر میں ہے ۔ پس اس طرح سے امّ الکتاب کے آخر کو قرآن کے آخر سے بھی ایک طرح کی مناسبت ہے ایک صحابیؓ جو کہ میرا اپنا خیال ہے کہ غالباً وہ عیسائیوں کے پڑوس میں رہتا ہوگا ۔ وہ اس سورۃ کا ہر نماز میں التزام کیا کرتا تھا بلکہ خود آنحضرتؐ نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے ۔

چنانچہ آپ صبح کی سنتوں میں غالباً زیادہ تر قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص) ہی پڑھا کرتے تھے ۔ مغرب کی نماز (جو کہ جہری نماز ہے) میں اوّل رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص) اکثر پڑھا کرتے تھے ۔ وتروں میں بھی آنحضرتؐ کا یہی طریق تھا ۔ چنانچہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (سورۃ الاعلٰی) دوسری میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ الکافرون) اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص) بہت پڑھا کرتے تھے ۔

غرض نماز کے اندر اور نماز کے علاوہ اَوراد میں اس سورہ شریفہ کی بڑی فضیلت آئی ہے ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو کہہ دے (اور جو اس کا کہنے والا ہے) اللہ ہے اور وہ واحد ہے ساری ہی صفاتِ کاملہ سے موصوف اور ساری بدیوں سے منزہ ذات بابرکات ہے ۔

یہ پاک نام اور اس کے رکھنے کا فخر صرف صرف عربوں ہی کو ہے ۔ اللہ کا لفظ انہوں نے خالص کر کے صرف صرف خدا کے واسطے خاص رکھا ہے اور ان کے کسی معبود، بُت، دیوی، دیوتا پر انہوں نے کبھی بھی استعمال نہیں کیا ۔ مشرک عربوں نے بھی اور شاعر عربوں نے بھی بجز خدا کی ذات کے اس لفظ کا استعمال کسی دوسرے کے حق میں نہیں کیا ۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور واجب التعظیم اُن کا کیوں نہ ہو ۔ یہ فخر بجز عرب کے اور کسی ملک اور قوم کو میسر نہیں ۔

زبان انگریزی سے مَیں خود تو واقف ہوں نہیں ۔ مگر لوگوں سے سُنتا ہے کہ اس زبان میں بھی کوئی لفظ خاص کر کے خالصتاً للہ نہیں ہے ۔ ہر لفظ جو وہ خدا کے واسطے بولتے ہیں وہ انکی زبان کے محاورے میں اَوروں پر بھی بولا جاتا ہے ۔

سنسکرت میں تو مَیں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اوّل جو ان کی کتابوں میں خدا کا نام رکھا گیا ہے وہ اگنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگنی آگ پر بھی بولا جاتا ہے علیٰ ھٰذا القیاس اَور اَور جو نام بھی ویدوں میں پرمیشر پر بولے ہیں ۔ وہ سارے کے سارے ایسے ہی ہیں کہ جن کی خصوصیت خدا کے واسطے نہیں بلکہ وہ سب کے سب اَور دیوی دیوتاؤں وغیرہ پر بھی بولے جاتے ہیں ۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کو ہے کہ خدا کا ایسا نام رکھا گیا ہے کہ جو کسی معبود وغیرہ کے واسطے نہیں بولا جاتا ۔ اَحَدٌ وہ اللہ ایک ہے نہ کوئی اس کے سوا معبود اور نہ اس کے سوا کوئی تمہارے نفع وضرر کا حقیقی مالک ہے ۔ کاملہ صفات سے موصوف اور ہر بدی سے منزّہ اور ممتاز اور پاک ذات ہے ۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ : اللہ صمد ہے ۔ صَمَد کہتے ہیں ۔ جس کی طرف انکی احتیاج ہو اور خود نہ محتاج ہو صَمَد سردار کو کہتے ہیں ۔ اور صَمَدٌ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر سے نہ کچھ نکلے اور نہ اُس میں کچھ گھُسے ۔ یہ ایسا پاک نام ہے کہ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ کے اس نام پر کامل ایمان ہو ۔ تو اس کی ساری حاجتوں کیلئے کام کافی اور سارے دُکھوں سے نجات کے سامان ہو جاتے ہیں ۔ مَیں خود اپنے تجربہ سے کہتا ہوں اور اس امر کی عملی شہادت دیتا ہوں کہ جب صرف اللہ ہی کو محتاج الیہ بنا لیا جاتا ہے تو بہت سے ناجائز ذرائع اور اعمال مثلاً کھانے پینے ، مکان ، مہمانداری ، بیوی بچوں کی تمام ضروری حاجات سے انسان بچ جاتا ہے اور انسان ایسی تنگی سے بچ جاتا ہے ۔ جو اس کو ناجائز وسائل سے ان مشکلات کا علاج کرنے کی ترغیب دیتی ہے جوں جوں دنیا خدا سے دور ہو کر آمدنی کے وسائل سوچتی ہے اور دنیوی آمد میں ترقی کرتی جاتی ہے ۔ تُوں تُوں قدرت اور منشاء الٰہی ان آمدنیوں کو ایک خرچ کا کیڑا بھی لگا دیتا ہے ۔ گھر کی مستورات سے ہی لو ۔ اور پھر غور کرو کہ اس قوم نے کس طرح محنت کرنا اور کاروبارِ خانگی سے دست برداری اختیار کی ہے ۔ چرخہ کاتنا یا چکی پیس کر گھر کی ضرورت کو پورا کرنا تو گویا اس زمانہ میں گناہ بلکہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے ۔ کام کاج (جو کہ دراصل ایک مفید ورزش تھی ۔ جس سے مستورات کی صحت قائم رہتی اور دودھ صاف ہو کر اولاد کی پرورش اور عمدہ صحت کا باعث ہوتا تھا) تو یوں چھوٹا ۔ اخراجات میں ایسی ایسی ترقی ہو گئی کہ آجکل کے لباس کو دیکھ کر مجھے تو بار بار تعجب آتا ہے ۔ ایسا نکما لباس ہے کہ دس پندرہ دن کے بعد وہ نکما محض ہو کر خادمہ یا چوہڑی کے کام کا ہو جاتا ہے ۔ اور خدا کی قدرت کہ پھر وہ چوہڑی بھی اس سے بہت عرصہ تک

مستفید نہیں ہو سکتی۔ وہ کپڑے کیا ہوتے ہیں۔ وہ تو ایک قسم کا مکڑی کا جالا ہوتا ہے جس میں بیٹھ کر وہ شکار کرتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ایک اور خطرناک گھن لگا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اشیاء خوردنی کا نرخ بھی گراں ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں گرانی ہے۔ اگر آمدنی کی ترقی ہوئی تو کیا فائدہ ؟ دوسری طرف خرچ کا بڑھاؤ ہو گیا بات تو وہیں رہی۔

ہمارے شہر کا ذکر ہے کہ ایک قوم دو آنہ روز کے حساب سے ایک زمانہ میں مزدوری کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے مل کر یہ منصوبہ کیا کہ بجائے آٹھ دن کے پانچ دن میں روپیہ لیا کریں۔ اور جو شخص ہم میں سے اس کی خلاف ورزی کرے اسکی سزا یہ ہے کہ اس کی عورت کو طلاق۔ مگر خدا کی قدرت وہ کام چل نہ سکا۔ اور آخر مجبوراً ان کو فتویٰ لینا پڑا کہ اب کیا کریں۔ ملاں کے پاس گئے تو اس نے کہہ دیا کہ ہماری مسجد میں چند روز مفت کام کرو جواز کی راہ نکال دیں گے۔ غرض ایک تو وہ وقت تھا اور ایک اب ہے کہ وہ روپیہ روز یا بعض سوا روپیہ روزانہ کماتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ کام بھی اس وقت کے برابر عمدہ اور مضبوط نہیں اور مقدار میں بھی اس وقت سے کم ہے۔ اس وقت وہی لوگ اُسی مزدوری میں انجینئرنگ اور نقشہ کشی کرتے تھے۔ اور وہی عمارت کا کام کرتے تھے۔ مگر اب کاموں کے واسطے الگ ایک معقول تنخواہ کا ملازم درکار ہے۔ میرے والد صاحب ایک قسم کی لنگی (کھیس) پہنا کرتے تھے۔ اور وہ کپڑا گھر کا بنایا ہوا ہوتا تھا۔ ان میں تلا ضرور ہوتا تھا۔ ہماری بہنوں کو فخر ہوا کرتا تھا کہ ہم والد صاحب کی لُنگی اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی ہیں۔

غرض ایک وہ وقت تھا کہ آمدنیاں اگرچہ کم تھیں۔ مگر بوجہ کسب حلال کے بابرکت تھیں۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ (دراصل اگر غور کیا جاوے تو آمدنیاں کم مگر خرچ زیادہ ہیں) آمدنی بڑھی تو خرچ بھی ساتھ ہی ترقی کر گئے۔ کیونکہ بوجہ زیادتی اخراجات کے لوگ اکثر ادھر اُدھر سے آمدنی کے بڑھانے کے واسطے بہت قسم کے ناجائز وسائل اختیار کرتے ہیں۔ اکثر یہی کوشش دیکھی گئی ہے کہ روپیہ آجاوے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے برکت ہوتا ہے۔ تعلیم کا حال دیکھ لو کہ کیسی گراں ہو گئی ہے حتیٰ کہ گورنمنٹ جو ترقی تعلیم کی از بس مشتاق اور حریص تھی۔ اُسے ایسے مشکلات آگئے کہ اب وہ لڑکوں کے پاس کرنے میں مضائقہ کرتی ہے اور اس فکر میں ہے کہ کسی طرح یہ سلسلہ کمی پر آجاوے اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گی اور ضرور ہو گی۔ کیونکہ خدا کو جب تک ان کی سلطنت منظور ہے۔ تب تک ان کی نصرت بھی کرے گا۔

غرض یہ کہ اگر اپنی چالاکی اور ناجائز تدابیر اور ناجائز ذرائع سے مالوں کو بڑھانے کی کوشش کروگے تو دوسری طرف خدا اس کو خاک میں ملاتا جاوے گا۔ اس وقت ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ہے کہ ایک شخص نہایت خوبصورت صندوق جس میں مختلف قسم کے رنگا رنگ۔ کوئی سُرخ۔ کوئی سفید۔ کوئی زرد قسم کے ٹکڑے کانچ کے تھے۔ ایک رئیس کے پاس لایا اور پیش کیا کہ آپ اسکو خرید لیں مگر وہ رئیس بڑا عقلمند تھا۔ اگرچہ مشرک تھا اور مشرک عقلمند نہیں ہوتا مگر ایک قسم کی جزوی عقل تھی۔ وہ بات کو سمجھ گیا اور کہا کہ یہ شخص شریر تو نہیں ہے۔ اس کو دھوکہ لگا ہے۔ اگر شریر ہوتا تو اس کو میرے پاس آنے کی اس طرح جرأت نہ ہوتی۔ یہ سوچ کر اُس سے کہا کہ مَیں اُن کو خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ البتہ یہ ایک ہزار روپیہ تم کو دیا جاتا ہے اس بات کے بدلے کہ تم نے ایسی نایاب چیز ہمیں دکھائی۔ وہ شخص بہت خوش ہوگیا۔ رئیس نے اُس سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم چند روز یہیں ٹھہر جاؤ۔ پھر ایک دو دن بعد بلوا کر پوچھا کہ تم نے یہ صندوق کہاں سے لیا۔ اس نے سارا ماجرا کہہ دیا کہ جب دِلّی کے غدر کے موقعہ پر افراتفری پڑی تو میں نے سنا ہوا تھا کہ بادشاہ اپنے پاس اس قسم کا ایک مخصوص صندوقچہ رکھا کرتے تھے کہ وقت ضرورت کام آوے۔ تو مَیں سب سے پہلے قلعہ میں کودا اور یہ صندوقچہ لے بھاگا۔ رئیس کو یقین آگیا کہ واقعی یہی بات ہے مگر اس شخص کے ساتھ کہیں دھوکہ کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا تو پھر سارا ماجرا بیان کرو۔ کہ یہاں آنے تک اور کیا کیا باتیں پیش آئیں۔ تو اس پر اُس شخص نے بیان کیا کہ رستے میں ایک اور شخص بھی میرا ہم سفر ہوا۔ اور اس کے پاس بھی ایک صندوق تھا اور وہ یہی تھا۔ اثنائے راہ میں وہ گاہ گاہ مجھے کھول کر اپنا صندوقچہ دکھایا بھی کرتا تھا اور ذکر کرتا تھا کہ میں نے بھی دلّی کی افراتفری میں حاصل کیا ہے مگر چونکہ اس کا صندوقچہ میرے سے عمدہ تھا اور اس کا مال بھی میرے مال سے اچھا تھا۔ اور پھر وہ گاہ گاہ میرے حوالہ کرکے چلا بھی جاتا تھا اور میرا اعتبار کرتا تھا۔ مَیں اس کا اعتبار نہ کرتا اور نہ ہی صندوقچہ اسے کھول کر بتاتا۔ آخر ہوتے ہوتے مجھے اس کا صندوقچہ پسند آیا۔ میں نے موقع پاکر اپنا تو پڑا رہنے دیا اور اس کا صندوقچہ لے بھاگا۔ جو میرے خیال میں میرے والے بکس سے عمدہ اور عمدہ مال والا تھا۔ اور یہ وہی صندوقچہ ہے جو مَیں نے اس شخص کا حاصل کیا۔ اور اپنا اسکے واسطے چھوڑا۔ یہ سارا واقعہ سُننے کے بعد اس رئیس نے اس سے کہا کہ اب دو ہزار روپیہ تو ہم تمہیں دے چکے اور وہ تمہاری محنت کا پھل تھا جو تمہیں مل گیا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ معمولی جھاڑ فانوس کے ٹکڑے ہیں۔ چاہو ان کو رکھو اور چاہو پھینک دو۔ یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ اور روشنی کے داروغہ کو بلوا کر اُسے ویسے ہزاروں ٹکڑے بتادئے۔ یہ دیکھ کر اس بیچارے کی آنکھیں کھلیں اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ رئیس نے کہا کہ خدا رحیم کریم ہے۔ اس نے تمہاری محنت بالکل ضائع بھی نہ کی اور سزا بھی دیدی کہ تم نے چالاکی سے عمدہ مال حاصل کرنا چاہا تھا۔ اُلٹا اس حرص سے ایک گناہ بھی کیا اور اصل مال بھی

برباد کیا۔ اُس کا جو حال ہوا ہوگا۔ اُس کا ہمیں علم نہیں۔

غرض انسان چاہتا ہے کہ مَیں چالاکی اور دھوکہ سے کامیاب ہو جاؤں۔ مگر خدا اس کو عین اسی رنگ میں سزا دیتا ہے اور ناکام کرتا ہے۔ جس رنگ میں خدا کو ناراض کرکے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ قصہ کہانی نہیں بلکہ ایک واقعہ کا بیان کیا گیا۔ اور عقلمند اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ مَیں نے یہ ایک بات کہی ہے۔ تم اس سے اصل حقیقت کی طرف چلے جاؤ۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ : حقیقت میں وہی محتاج الیہ ہے۔

لَمْ یَلِدْ : اس کا کوئی بچہ نہیں کیونکہ وہ صمد ہے اور بچہ لینے کے واسطے بیوی کی حاجت ہوتی ہے۔ پس وہ لَمْ یَلِدْ ہے۔ کیونکہ وہ صمد ہے۔ خدا کا ولد ماننے میں نہ تو خدا کی صفت صمد ہی رہتی ہے اور نہ صفتِ احد ہی قائم رہ سکتی ہے۔ کیونکہ بچے کے واسطے بیوی کی حاجت لازمی ہے۔ اور پھر بیوی اُسی جنس اور کف کی ہونی چاہیئے۔ تو احد بھی نہ رہا۔ غرض یہ بالکل سچ ہے کہ لَمْ یَلِدْ ہے۔ وہ ذات پاک۔

وَلَمْ یُوْلَدْ : اور وہ خود بھی کسی کا بیٹا نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی والدین کی احتیاج لازمی اور کفو ضروری ہے۔ پس وہ اَحَدٌ ہے۔ صَمَد ہے۔ لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ اور لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ذات ہے۔

دیکھو مَیں پھر کہتا ہوں اور دردِ دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ہے اسی کو اپنا محتاج الیہ بنائے رکھو۔ کھانے، پینے پہننے، عزت، اکرام، صحت، عمر، علم، بیوی بچے اور انکی تمام ضروریات کے واسطے اُسی کی طرف جھکو۔ میں اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب انسان خدا کو اپنا محتاج الیہ یقین کر لیتا ہے اور اس کا کامل ایمان ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی انسان کو کسی انسان کا محتاج نہیں کرتا۔ میں اپنا ہر روزہ تجربہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ صمد ہے۔ اُسی پر ناز کرو۔ خدا کو چھوڑ کر اگر مخلوق پر بھروسہ کرو گے تو بجز ہلاکت کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں نصیحت کے طور پر تم کو یہ باتیں دردِ دل سے اور سچی تڑپ سے کہتا ہوں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور ہر ایک ذرّہ اس کے اختیار اور تصرف میں ہے۔

لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ : کوئی رسول ہو، خواہ نبی ولی ہو یا کوئی غوث و قطب۔ کوئی بھی اس کے لگّے کا نہیں۔ کوئی بھی اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ سب اسی کے محتاج ہیں اور اسی کے نور سے روشنی حاصل کرنیوالے ہیں اور اسی سے فیض پا کر دنیا کو پہنچاتے رہتے ہیں وہی ان سب کے کمال اور فضل و حُسن و احسان کے انوار کا منبع اصلی ہے۔ پس جب ایسا خدا موجود ہے۔ تو پھر ایک مومن انسان کو کیا غم ہے؟ اور کون سی

خوشی اسکی باقی رہ گئی ہے ؟

حضرت اقدسؑ فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کو اپنے مال پر خوشی ہوتی ہے۔ کسی کو یاردوستوں پر۔ مگر مجھے یہ خوشی کافی ہے کہ میرا خدا قادر خدا ہے! مگر یہ باتیں ایمان، یقین، فکر اور تدبر کو چاہتی ہیں۔ اور اس بات کو چاہتی ہیں کہ انسان ہمیشہ رہنے کے واسطے نہیں بنایا گیا۔ کسی کو کیا علم ہے کہ میں کل رہوں گا یا نہیں اس واسطے میں جب کبھی وعظ کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو ہمیشہ آخری وعظ سمجھ کر کرتا ہوں۔ خدا جانے۔ پھر کہنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ (اللہ تعالیٰ توفیق دے عمل کی۔ آمین)

(الحکم ۲۲ اپریل ۱۹۰۸ صفحہ ۵-۷)

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۲ تا ۶- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۲ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۳
وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ
فِي الْعُقَدِ ۝۵ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۶

چار قُل جو نمازمیں اور نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں اُن میں سے یہ تیسرا قُل ہے۔ قرآن شریف میں فَلَق کا لفظ تین طرح پر استعمال ہوا ہے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ پس خدا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ فَالِقُ الْحَبِّ اور فَالِقُ النَّوٰی ہے۔ دیکھو رات کے وقت خلقت کیسی ظلمت اور غفلت میں ہوتی ہے۔ بجز موذی جانوروں کے عام طور سے چرند۔ پرند بھی اس وقت آرام اور ایک طرح کی غفلت میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ رات کے وقت گھروں کے دروازے بند کرلیا کرو۔ کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانک رکھا کرو۔ خصوصاً جب اندھیرے کی ابتداء ہو اور بچوں کو ایسے اوقات میں باہر نہ جانے دو۔ کیونکہ وہ وقت شیاطین کے زور کا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق جو کہ آج سے تیرہ سو برس پیشتر ایک اُمّی بیابانِ عرب کے ریگستانوں کے رہنے والے کے منہ سے نکلا تھا آج اس روشنی اور علمی ترقی کے زمانہ میں بھی نہایت بایک دو بایک محنتوں اور کوششوں کی تحقیقات کے بعد بھی ہو رہی ہے۔ جو کچھ آپ نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر فرمایا تھا۔ آج بڑی سرزنی اور ہزار کوشش کے بعد کوئی سچا علم یا سائنس اسے جھوٹا نہیں کرسکا۔ اس نئی تحقیقات سے جو کچھ ثابت ہوا ہے وہ بھی یہی ہے کہ کل موذی اجرام اندھیرے میں اور خصوصاً ابتداء اندھیرے میں جوش مارتے ہیں۔ مگر لوگ بباعث غفلت ان امور کی قدر نہیں کرتے۔

رات کی ظلمت میں عاشق اور معشوق۔ قیدی اور قید کنندہ۔ بادشاہ اور فقیر۔ ظالم اور مظلوم سب ایک رنگ میں ہوتے ہیں اور سب پر غفلت طاری ہوتی ہے۔ ادھر صبح ہوئی اور جانور بھی پھڑپھڑانے لگے۔ مُرغے

بھی آوازیں دینے لگے۔ بعض خوش الحان آنیوالی صبح کی خوشی میں اپنی پیاری راگنیاں گانے لگے۔ غرض انسان حیوان، چرندہ، پرندہ، سب پر خود بخود ایک قسم کا اثر ہو جاتا ہے اور جوں جوں روشنی نمود پکڑتی جاتی ہے۔ توں توں سب ہوش میں آجاتے ہیں۔ گلی، کوچے، بازار، دکانیں، جنگل، ویرانے سب جو کہ رات کو بھیانک اور سنسان پڑے تھے۔ ان میں چہل پہل اور رونق شروع ہو جاتی ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی قیامت اور حشر کا نظارہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فالق الاصباح مَیں ہوں۔

حَبّ، گیہوں، جَو، چاول وغیرہ اناج کے دانوں کو کہتے ہیں۔ دیکھو کسان لوگ بھی کس طرح سے اپنے گھروں میں سے نکال کر باہر جنگلوں اور زمین میں پھینک آتے ہیں۔ وہاں ان کو اندھیرے اور گرمی میں ایک کیڑا لگ جاتا ہے اور دانے کو مٹی کر دیتا ہے اور پھر وہ نشو و نما پاتا۔ پھیلتا پھولتا ہے اور کس طرح ایک ایک دانہ کا ہزار در ہزار بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایک گٹک (گٹھلی) کیسی ردی اور ناکارہ چیز جانی گئی ہے۔ لوگ آم کا رس چُوس لیتے ہیں۔ گٹھلی پھینک دیتے ہیں، عام طور سے غور کر کے دیکھ لو کہ گٹھلی کو ایک ردّی اور بے فائدہ چیز جانا گیا ہے۔ مختلف پھلوں میں جو چیز کھانے کے قابل ہوتی ہے وہ کھائی جاتی ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں فالق الحبّ والنّوٰی (الانعام: ۹۶) اس چیز کو جسے تم لوگ ایک ردی چیز سمجھ کر پھینک دیتے ہو اس سے کیسے کیسے درخت پیدا کرتا ہوں کہ انسان حیوان چرند پرند سب اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ انکے سائے میں آرام پاتے ہیں۔ ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میوے شربت۔ غذائیں دوائیں اور مقوی اشیاء خوردنی ان سے مہیا ہوتی ہیں۔ ان کے پتوں اور انکی لکڑی سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گٹھلی کیسی ایک حقیر اور ذلیل چیز ہوتی ہے مگر جب وہ خدائی تصرف میں آکر خدا کی ربوبیت کے نیچے آجاتی ہے تو اس سے کیا کا کیا بن جاتا ہے۔

غرض اس چھوٹی سی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ فَلَق کے نیچے باریک در باریک حکمتیں رکھی ہیں اور انسان کو ترقی کی راہ بتائی ہے کہ دیکھو جب کوئی چیز میرے قبضۂ قدرت اور ربوبیت کے ماتحت آجاتی ہے تو پھر وہ کس طرح ادنیٰ اور ارذل حالت سے اعلیٰ اور اعلیٰ بن جاتی ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مدنظر رکھ کر اور اس کی کامل قدرت کا یقین کر کے اور اس کے اسماء اور صفات کاملہ کو پیش نظر رکھ کر اس سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔

مجھے ایک دفعہ ایک نہایت مشکل امر کے واسطے اس دعا سے کام لینے سے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ مَیں لاہور گیا۔ میرے آشنا نے مجھے ایک جگہ لے جانے کے واسطے کہا اور مَیں اس کے

ساتھ ہولیا مگر نہیں معلوم کہ کہاں لئے جاتا ہے اور کیا کام ہے۔ اس طرح بے علمی میں وہ مجھے ایک مسجد میں لے گیا۔ جہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ قرائن سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کسی مباحثہ کی تیاری ہے۔ میری چونکہ نماز عشاء باقی تھی۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ یہ مجھے ایک موقعہ مل گیا کہ مَیں دعا کرلوں۔ خدا کی قدرت اس وقت مَیں نے اس سورۃ کو بطور دعا پڑھا اور باریک در باریک رنگ میں اس دُعا کو وسیع کر دیا اور دعا کی کہ اے خدائے قادر و توانا تیرا نام فَالِقُ الْإِصْبَاحِ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ہے۔ مَیں ظلمات میں ہوں۔ میری تمام ظلمتیں دور کر دے اور مجھے ایک نور عطا کر کہ جس سے مَیں ہر ایک ظلمت کے شر سے تیری پناہ میں آجاؤں۔ تو مجھے ہر امر میں ایک حجت نیّرہ اور برہان قاطع اور فرقان عطا فرما۔ میں اگر اندھیروں میں ہوں اور کوئی علم مجھ میں نہیں ہے تو تُو ان ظلمات کو مجھ سے دور کر کے وہ علوم مجھے عطا فرما اور اگر مَیں ایک دانے یا گٹھلی کی طرح کمزور اور ردی چیز ہوں تو تُو مجھے اپنے قبضۂ قدرت اور ربوبیت میں لے کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔ غرض اس وقت مَیں نے اس رنگ میں دعا کی اور اس کو وسیع کیا جتنا کہ کر سکتا تھا۔ بعدۂ میں نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس وقت جو مولوی میرے ساتھ مباحثہ کرنے کے واسطے تیار کیا گیا تھا۔ وہ بخاری لیکر میرے سامنے بڑے ادب سے شاگردوں کیطرح بیٹھ گیا اور کہا۔ یہ مجھے آپ پڑھا دیں۔ وہ صلح حدیبیہ کی ایک حدیث تھی۔ حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔ لوگ حیران تھے اور مَیں خدا تعالیٰ کے تصرف اور کاملہ قدرت پر خدا کے جلال کا خیال کرتا تھا۔ آخر لوگوں نے اس سے کہا کہ یہاں تو مباحثہ کے واسطے ہم لائے تھے۔ تم ان سے پڑھنے بیٹھ گئے ہو۔ اگر پڑھنا ہی مقصود ہے تو ہم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیتے۔ ان کے ساتھ جموں چلے جاؤ اور روٹی بھی مل جایا کریگی۔

وہی شخص ایک بار پھر مجھے ملا اور کہا کہ مَیں اپنی خطا معاف کرانے آیا ہوں کہ مَیں نے کیوں آپ کی بے ادبی کی۔ مَیں حیران تھا کہ اس نے میری کیا بے ادبی کی۔ حالانکہ اس وقت بھی اس نے میری کوئی بے ادبی نہ کی تھی۔

غرض یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا قادر خدا ہے اور اس کے تصرفات بہت یقینی ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کے سامنے ایک زندہ نمونہ ربّ الفلق کے ثبوت میں کھڑا ہے۔ اپنے ایمان کو تازہ کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سچی تڑپ اور دردِ دل کی دُعا کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

مخلوقِ الٰہی میں بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات انسان کے واسطے مضر ہو جاتی ہیں

اُن سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور اندھیرے کے شر سے جب وہ بہت اندھیرا کر دیوے۔ ہر اندھیرا ایک تمیز کو اٹھاتا ہے۔ جتنے بھی موذی جانور ہیں۔ مثلاً مچھر، پسو، کھٹمل، جوئیں، ادنیٰ سے اعلےٰ اقسام تک کل موذی جانوروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اندھیرے میں جوش مارتے ہیں اور اندھیرے کے وقت ان کا ایک خاص زور ہوتا ہے۔ ظلمت بھی بہت قسم کی ہے۔ ایک ظلمتِ فطرت ہوتی ہے۔ جب انسان میں ظلمت فطرت ہوتی ہے تو اس کو ہزار دلائل سے سمجھاؤ اور لاکھ نشان اس کے سامنے پیش کرو۔ وہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آسکتے۔ ایک ظلمتِ جہالت ہوتی ہے۔ ایک ظلمتِ عادت، ظلمتِ رسم، ظلمتِ صحبت، ظلمتِ معاصی غرض یہ سب اندھیرے ہیں۔ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے محفوظ رکھے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ اس قسم کے شریر لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ مَیں نے اس قسم کے لوگوں کی بہت تحقیقات کی ہے اور اس میں مشغول رہا ہوں اور طب کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی میرے پاس آنے کی ضرورت پڑی ہے اور میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا ہے۔ ان لوگوں کو خطرناک قسما قسم کے زہر یاد ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے بعض امراض انسان کے لاحق حال ہو جاتی ہیں۔ وہ زہریہ لوگ باریک در باریک تدابیر سے خادماؤں یا چوہڑیوں کے ذریعہ سے لوگوں کے گھروں میں دفن کرا دیتے ہیں۔ آخر کار ان کے اثر سے لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے چھوڑے ہوئے لوگ مرد اور عورتیں ان بیماروں کو کہتے ہیں کہ کسی نے تم پر جادو کیا ہے۔ کسی نے تم پر سحر کیا ہے۔ لہٰذا اس کا علاج فلاں شخص کے پاس ہے۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنی مستورات کے ذریعہ سے چونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ وہ زہر کہاں مدفون ہے اور ان کے پاس ایک باقاعدہ فہرست ہوتی ہے۔ وہ زہر مدفون نکال کر اُن کو بتاتے ہیں اور اس طرح سے ان بیماریوں کا اعتقاد اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو چونکہ ان زہروں کے تریاق بھی یاد ہوتے ہیں۔ ان کے استعمال سے بعض اوقات تعویذ کے رنگ میں لکھ کر پلوانے سے یا کسی اور ترکیب سے ان کا استعمال کرا لیتے ہیں اور اُن سے ہزاروں روپے حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح سے بعض کو کامیاب اور بعض کو ہلاک کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اپنے فائدے کی غرض سے قسما قسم کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ شریر لوگ ہیں جو مومنوں کے کاروبار میں اپنی بد تدابیر سے روک اور حرج پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سے پھر مومنوں کی کامیابی میں مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر آخر کار وہ ناکام رہ جاتے ہیں۔ اور مومنین کا گروہ مظفر و منصور اور بامراد ہو جاتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ : کسی کی عزت ، بھلائی ، برائی ، بہتری ، اکرام اور جاہ وجلال کو دیکھ کر جلنے والے لوگ بھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی انسانی ارادوں میں بوجہ اپنے حسد کے روک پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

غرض یہ سورۃ مشتمل ہے ایک جامع دعا پر۔ رسول اکرمؐ نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سے تعوذ کی دعائیں ترک کر دی تھیں اور اسی کا ورد کیا کرتے تھے ۔ حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سورۃ کو آپؐ کے دستِ مبارک پر پڑھ کر آپؐ کے مُنہ اور بدن پر مَلتی تھیں ۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے عام طور سے اب ان عجیب پُر تاثیر اَوْرَاد کو قریباً ترک ہی کر دیا ہے ۔

انسان جب ایک گناہ کرتا ہے تو اُسے دوسرے کے واسطے بھی تیار رہنا چاہیئے کیونکہ ایک گناہ دوسرے کو بلاتا ہے اور اسی طرح سے ایک نیکی دوسری نیکی کو بلاتی ہے ۔ دیکھو بدنظری ایک گناہ ہے ۔ جب انسان اس کا ارتکاب کرتا ہے تو دوسرے گناہ کا بھی اسے ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور زبان کو بھی اس طرح شامل کرتا ہے کہ کسی سے دریافت کرتا ہے کہ یہ عورت کون ہے ۔ کس جگہ رہتی ہے وغیرہ وغیرہ ۔

اب زبان بھی ملوث ہوئی اور ایک دوسرا شخص بھی اور جواب سننے کی وجہ سے کان بھی شریکِ گناہ ہو گئے اس کے بعد اس کے مال اور روپیہ پر اثر پڑتا ہے اور اس گناہ کے حصول کے واسطے روپیہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے ۔

غرض ایک گناہ دوسرے کا باعث ہوتا ہے ۔ پس مسلمان انسان کو چاہیئے کہ ایسے ارادوں کے ارتکاب سے بھی بچتا رہے ۔ اور خیالاتِ فاسدہ کو دل میں جگہ نہ پکڑنے دے اور ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہے

انسان اپنی حالت کا خود اندازہ لگا سکتا ہے ۔ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو دیکھتا ہے کہ کیسے لوگوں سے قطع تعلق کیا ہے ۔ اور کیسے لوگوں کی صحبت اختیار کی ہے ۔ اگر اس کے یار آشنا اچھے ہیں اور جن کو اس نے چھوڑا ہے ان سے بہتر اسے مل گئے ہیں ۔ جب تو خوشی کا مقام ہے ورنہ بصورتِ دیگر خسارہ ۔ دیکھنا چاہیئے کہ جو کام چھوڑا ہے اور جو اختیار کیا ہے ۔ اُن میں سے اچھا کون سا ہے ۔ اگر بُرا چھوڑ کر اچھا کام اختیار کیا ہے ۔ تو مبارک ۔ ورنہ خوف کا مقام ہے ۔ کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کو اور ہر بدی دوسری بدی کو بُلاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ تم کو توفیق دے کہ تم اپنے نفع اور نقصان کو سمجھ سکو ۔ اور نیکی کے قبول کرنے اور بدی کے چھوڑنے کی توفیق عطا ہو ۔ (الحکم ۶ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳-۴)

اس طرح سے دعا مانگ ۔ میں اپنے اُس پروردگار کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں ۔ جو اندھیرے کو دور کر کے صبح کی روشنی پیدا کرتا ہے ۔ اُس کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں ۔ ان تمام چیزوں کی بدی سے جو

پیدا ہوئی ہیں۔ اور اندھیرا کرنے والے کی شرارت سے جبکہ وہ چھپ جاوے اور ان کی شرارت سے جو گرہوں میں پھونکیں دے کر مخلوقِ الٰہی کو دُکھ دینے کے درپے رہتے ہیں اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد پر کمر باندھے۔

یہ سورہ شریفہ مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد پانچ آیتیں ہیں۔ اور تیئیس ۲۳ کلمے ہیں اور تہتر ۷۳ حروف ہیں۔

اس سورہ شریفہ کی تفسیر سے پہلے اس امر کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سورۃ کے شانِ نزول میں بعض مفسّروں نے یہ بیان کیا ہے کہ کسی یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور اس قسم کے جادوگروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی۔

اس واقعہ کو اگر احادیث میں دیکھا جائے۔ اوّل تو اس حدیث کا راوی صرف ایک شخص ہے یعنی ھشام۔ حالانکہ اتنے بڑے واقعہ کے واسطے ضروری تھا کہ کوئی اور صاحب بھی اس کا ذکر کرتے۔ دوم اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر اس جادو کا کچھ اثر ہو گیا تھا یا آنحضرتؐ نے ان جادو کرنے والے لوگوں کا کچھ پیچھا کیا تھا یا ان کو گرفتار کیا تھا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں اسی قسم کے آدمی ہوا کرتے ہیں جن کا یہ پیشہ ہوا کرتا ہے کہ وہ لوگوں پر جادو کیا کریں۔ اور یہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خفیہ سازشوں اور شرارتوں کے ذریعہ سے لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ان کے پاس آیا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے شخص کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ اس واسطے ان کے پاس اپنی یہ خواہش لاتا ہے کہ میرا دشمن مر جائے یا کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جائے یا مجنون ہو جائے تو وہ اس شخص کو ویسے ہی کوئی تعویذ بنا دیں گے یا کوئی تاگہ گرہیں ڈال کر دیدیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ کسی طرح اپنے دشمنوں کو کھلاؤ یا اس کے گھر میں ڈال دو۔ یا اور کوئی بات اس قسم کی بتلا دیں گے لیکن دراصل یہ صرف ایک ظاہری بات اس شخص کو دھوکا دینے والی ہوگی اور خفیہ طور پر وہ اس کے دشمن کو کسی دوائی کے ذریعہ سے بیمار کرنے یا مجنون کرنے یا ہلاک کرنے پر کمر باندھیں گے۔ اور کسی نہ کسی حیلہ سے اس کام کو پورا کر کے اپنے جادوگر ہونے کا لوگوں کو یقین دلائیں گے

دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو توجہ کے ذریعہ سے اس معاملہ میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو دُکھ دینے کے درپے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بھی ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور آجکل اس گروہ کی ایک بڑی جماعت امریکہ میں موجود ہے۔ ان کا مطلب بھی سوائے شرارت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پیشہ کو مخفی رکھتے ہیں۔ ورنہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو ہر جگہ گرفتار کر کے

سزا دیتی ہے ۔ ایسے لوگوں کی شرارتوں سے بچنے کے واسطے انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور ہوشیاری کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انکی شرارت سے پناہ مانگی جائے۔

اس سورۂ شریفہ سے پہلے سورۂ اخلاص ہے ۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تذکرہ ہے ۔ اور اس کے ساتھ ان دو سورتوں میں اس فیضان کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر نہ ہونے کی ایک ظاہر دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو مسحور کہنا تو قرآن شریف میں کفار کا قول ہے جو کہ جھوٹا قول ہے ۔ اور نیز خدا تعالیٰ کا کلام ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ : ۶۸) پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی یہودی کا جادو آنحضرتؐ پر چل جاتا۔

اس جگہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بیماری کے وقت بیمار کے حق میں دعا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے استعاذ کرنا طریقِ سنت ہے ۔ دوا کرنا بھی ضروری ہے مگر اُس کے ساتھ دعا بھی چاہیئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا مِنَ الْاَوْجَاعِ کُلِّھَا وَالْحُمّٰی ھٰذَا الدُّعَاءَ بِسْمِ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّشَرِّ حَرِّ النَّارِ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ تمام دردوں اور بخار کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہ دُعا سکھایا کرتے تھے ۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو کریم ہے ۔ خدا عظیم کی پناہ مانگتا ہوں ۔ کبر کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے ۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگنے کی دعائیں بہت سی احادیث میں وارد ہیں ۔ جن میں سے بعض بمعہ ترجمہ اس جگہ نقل کی جاتی ہیں[1]

فَلَقٌ : اس چیز کو کہتے ہیں جو کہ پھٹ کر پیدا ہو ۔ جیسا کہ دانہ جو زمین میں بویا جاتا ہے اور جب اس کو نمی پہنچتی ہے تو وہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے ایک بڑا درخت پیدا ہوتا ہے ۔ ایسا ہی فلق صبح کو بھی کہتے ہیں ۔ کہ رات کی تاریکی پھٹ جاتی ہے اور اس میں سے صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے ۔

زجاج کا قول ہے اَلْفَلَقُ اَلصُّبْحُ لِاَنَّ اللَّیْلَ یَفْلِقُ عَنْہُ الصُّبْحُ وَیَفْرِقُ فعل بمعنی مفعول ۔ فلق صبح کو کہتے ہیں کیونکہ رات سے صبح نکلتی ہے اور جُدا ہوتی ہے ۔ اس جگہ فعل مفعول کے معنوں میں آیا ہے ۔ اس کی مثال ہے ھُوَ اَبْیَنُ مِنْ فَلَقِ الصُّبْحِ ۔ ایسا ہی قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں بیان ہوا ہے کہ وہ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (الانعام : ۹۷) ہے ۔ رات کے وقت جب تمام دنیا پر اندھیرا چھا جاتا ہے ۔ تو بادشاہ اور سپاہی، امیر اور غریب سب برابر ہو جاتے ہیں ۔ تاریکی میں شناخت نہیں ہو سکتی کہ دشمن کون ہیں اور دوست کون ہیں ۔ کونسی چیز مفید ہے اور کونسی چیز ضرر دینے والی ہے ۔ لیکن جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے اور یہ

[1] :۔ احادیث صفحہ ۵۷۸ پر ملاحظہ کریں ؛

دشمن ہے ۔ اور اس چیز سے مجھے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے
گویا اس میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار اگرچہ ہم اپنی نادانی اور بے علمی
اور گناہ گاری کے سبب ایک ظلمت اور تاریکی در تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں ۔ لیکن تیری وہ ذات ہے کہ تمام
تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے اور روشنی اور نور پیدا کر کے دکھ دینے والی چیزوں سے انسان کو بچانے والا
تو ہی ہے ۔ پس تو ہی ہم پر رحم فرما کیونکہ تیرے حضور میں اپنی تمام تاریکیوں سے پناہ گزین ہوتے ہیں
قَالَ الْعَرَبُ فِيْ لُغَاتِ الْقُرْاٰنِ ۔ اَلْفَلَقُ شَقُّ الشَّيْءِ اَوْ اِبَانَتُهٗ بَعْضِهٖ عَنْ بَعْضٍ يُقَالُ
فَلَقْتُهٗ فَانْفَلَقَ ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَقَالَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى
(الانعام : ۹۶) وَقَالَ فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ ۔
(الشعراء : ۶۴) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (فلق) اَلْفَلَقُ بِالتَّحْرِيْكِ
قِيْلَ هُوَ ضَوْءُ الصُّبْحِ وَاِنَارَتُهٗ وَالْمَعْنٰى قُلْ يَا مُخَاطِبُ اعْتَصِمْ وَامْتَنِعْ بِرَبِّ
الصُّبْحِ وَخَالِقِهٖ وَمُدَبِّرِهٖ وَمُطْلِعِهٖ مَتٰى شَآءَ عَلٰى مَا يُرٰى مِنَ الصَّلَاحِ فِيْهِ
وَيُقَالُ هُوَ الْخَلْقُ كُلُّهٗ لِاَنَّهُمْ يَنْفَلِقُوْنَ بِالْخُرُوْجِ مِنْ اَصْلَابِ الْاٰبَاءِ وَاَرْحَامِ
الْاُمَّهَاتِ كَمَا يَنْفَلِقُ الْحَبُّ مِنَ النَّبَاتِ وَيُقَالُ الْفَلَقُ مَا يَنْفَلِقُ عَنِ الشَّيْءِ وَهُوَ
يَعُمُّ جَمِيْعَ الْمُمْكِنَاتِ لِاَنَّهٗ جَلَّ شَانُهٗ فَلَقَ ظُلْمَةَ عَدَمِهَا بِنُوْرِ اِيْجَادِهَا ۔
فَلَق کسی شے کے پھٹنے کو یا بعض سے بعض کو جدا کرنے کو کہتے ہیں ۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں ۔
فَلَقْتُهٗ فَانْفَلَقَ میں نے اُسے پھاڑا پس وہ پھٹ گیا ۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ فَالِقُ
الْاِصْبَاحِ صبح کا پھاڑنے والا ، ظاہر کرنے والا ، نمودار کرنے والا اور ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے
فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا اور اُن سے درخت بنانے والا اور ایسا ہی
قرآن شریف میں آیا ہے ۔ فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ
(الشعراء : ۶۴) پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی جماعت کو دریا میں لے چل ۔ پس وہ دریا پھٹ گیا ۔ اور
جماعت کے واسطے راستہ ہو گیا اور لشکر صاف نکل گیا اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں ۔ ساتھ پروردگار فلق کے اس جگہ فلق حرف ل کی زبر
کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں ۔ صبح کی روشنی اور اسکا چمکنا اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اے مخاطب
حفاظت طلب کر ، اور پناہ مانگ ، اس رب کے حضور میں جو صبح کا رب اور خالق اور مدبر ہے ۔ اور اس
کے چڑھانے والا ہے ۔ جب چاہے اور جس کیلئے اس میں صلاحیت دیکھے اور بعض کا قول ہے کہ اس جگہ

فلق سے مراد تمام مخلوقات ہے کیونکہ وہ سب کے سب مذکر کے اصلاب سے اور مؤنث کے ارحام سے نکلے ہیں۔ ایسا ہی دانہ پھٹتا ہے تو اس سے سبزی نکلتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فلق وہ ہے جو کسی شئے سے پھٹ کر جدا ہوتی ہے اور یہ عام ہے تمام مخلوقات پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عدم کی ظلمت کو پھاڑ کر اس کو وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔

اور فلق کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذات صفحۂ عالم سے ان ظلمات اور تاریکیوں کو محو کرنے اور مٹا دینے پر تمام قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی طاقت اور قدرت ہے کہ جو شخص عاجزی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ جو ہوتا ہے وہ اس کے تمام خوف اور دہشت کو دُور کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں صبح کا طلوع ہونا آغازِ فرحت و سرور کی مثال ہے کہ جس طرح آدمی تمام رات طلوعِ فجر کا انتظار کرتا ہے۔ اسی طرح خائف و عائذ، نجاح و فلاح کے طلوعِ صبح کا انتظار کرتے ہیں۔ بہر تقدیر خدا تعالیٰ کے حضور پناہ مانگنی چاہیئے۔ تمام مخلوق کی برائی سے۔ موذی آدمی۔ جن درندے۔ وحشی جانور، سانپ بچھو وغیرہ سے ....

کعب بن احبار فرماتے ہیں۔ کہ دوزخ میں ایک لق و دق جنگل ہے اس کا نام فلق ہے۔ جب وہ کھولا جاتا ہے تو سارے دوزخی اس کی شدت گرمی کی وجہ سے چیخنے لگتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ دوزخ کی تہہ میں ایک کنواں ہے۔ جسے فلق کہتے ہیں۔ اس پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب وہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ تو اس میں سے ایک ایسی سخت آگ نکلتی ہے جس سے خود جہنم چیختی ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ مگر سب سے صحیح تر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلق صبح کو کہتے ہیں یا دانہ یا گٹھلی کے پھوٹنے اور اُگنے کا نام ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب کنوئیں میں ڈالے گئے تھے تو آپ کے گھٹنے میں سخت درد ہوا (شاید گرنے کے سبب چوٹ لگی ہو) ایسا سخت درد ہوا کہ تمام رات جاگتے ہوئے گزری۔ یہاں تک کہ طلوعِ صبح کا وقت ہو گیا۔ تب ایک فرشتہ نازل ہوا جس نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگو۔ وہ اس درد کو دُور کر دیگا۔ حضرت یوسفؑ نے اس فرشتے کو کہا کہ تو دُعا کر۔ مَیں آمین کہوں گا چنانچہ اس فرشتے نے دعا کی اور حضرت یوسفؑ نے آمین کہی۔ تب خدا تعالیٰ نے اس دُعا کو قبول فرمایا اور وہ درد تھم گیا اور ان کو آرام ہو گیا۔ تب حضرت یوسفؑ نے دعا کی کہ اس وقت جس قدر بیمار ہیں اور تکلیف میں ہیں۔ ان سب کو آرام دیا جائے۔ فرشتے نے اس دُعا پر بھی آمین کہی اور کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صبح کے وقت ہر بیمار کو تھوڑا بہت افاقہ ہو جاتا ہے۔ وہ دعا حضرت یوسفؑ کی مفصلہ ذیل الفاظ میں تھی۔

يَا عُدَّتِيْ فِيْ شِدَّتِيْ وَيَا مُؤْنِسِيْ فِيْ وَحْشَتِيْ وَرَاحِمِ غُرْبَتِيْ وَكَاشِفَ كُرْبَتِيْ وَيَا مُجِيْبُ دَعْوَتِيْ وَيَا اِلٰهِيْ وَاِلٰهَ اٰبَائِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ـ اِرْحَمْ صِغَرَ سِنِّيْ وَضُعْفَ رُكْنِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ـ

اے میرے ہتھیار میرے مصائب میں اور میرے مونس میری وحشت کے وقت اور اے رحم کرنے والے میری غربت پر اور لے میری گھبراہٹ کے دور کرنیوالے اور اے میری دُعا کے قبول کرنے ولے اور اے میرے معبود اور میرے باپ دادوں کے معبود ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب کے معبود میری چھوٹی عمر پر رحم کر اور میرے ضعفِ رکن پر رحم فرما اور میرے حیلہ کے کم ہونے پر رحم کر۔ اے حیّ اے قیّوم۔ اے صاحبِ جلال اور اکرام۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، جو کچھ خدا نے پیدا کیا۔ اس کے شر سے۔ یعنی تمام پیدائش الٰہی میں جو اشیاء انسان کے واسطے مضر اور خراب اور تکلیف دہ ہیں ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ چاہتا ہے بعض کا قول ہے کہ شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی شئے انسان کے واسطے موجبِ شر اور دُکھ اور تکلیف نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد جہنم ہے گویا کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور جہنم سے پناہ چاہتا ہے۔ بہر حال اس میں تمام موذی اور دُکھ دینے والے اور خدا سے دور رکھنے والی اشیاء سے خدا کے حضور پناہ مانگی گئی ہے۔ خواہ وہ شیطان ہو یا جن یا موذی حیوان مثل بچھو۔ سانپ۔ شیر وغیرہ۔

غَاسِق ، اندھیرا کرنے والا۔ ہر ایک چیز جو تاریکی اور ظلمت پیدا کرے۔ غاسق رات کو کہتے ہیں اور غسق تاریکی کو کہتے ہیں کیونکہ رات تاریکی پیدا کرتی ہے۔ اس واسطے وہ غاسق ہے۔ اور غسق برد کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ رات بہ نسبت دن کے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ غاسق ثریا کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا گرنا عموماً وباء اور بیماریوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور غاسق سورج کو بھی کہتے ہیں جبکہ غروب ہو جاوے اور چاند کو بھی کہتے ہیں جبکہ اس کو گہن لگے۔ غاسق سانپ کو بھی کہتے ہیں جبکہ وہ کاٹ کھائے اور ہر ایک ناگہاں آنے والی چیز جو ضرر پہنچائے یا بھیک مانگنے والا جبکہ وہ تنگ کرے تو اس کو بھی غاسق کہتے ہیں غرض ہر ایک چیز جو انسان کو ظلمتِ روحانی یا جسمانی میں ڈالے اس کو غاسق کہتے ہیں۔ جب رات بہت تاریک ہو تو عرب کے محاورہ میں کہتے ہیں غَسَقَ اللَّيْلُ ۔ اور جب آنکھیں آنسوؤں سے بھر جائیں تو کہتے ہیں۔ غَسَقَتِ الْعَيْنُ اور جب زخم پیپ سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَتِ الْجِرَاحَةُ۔

وَقَبَ ، کے معنے ہیں چھپ گیا۔ وقب کے اصلی معنے ہیں کسی شئے میں داخل ہونا۔ ایسا کہ وہ

نظر سے غائب ہو جاوے۔

حدیث شریف میں آیا ہے رَوَی اَبُوْسَلْمَۃَ عَنْ عَائِشَۃَؓ اَنَّہٗ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِھَا وَاَشَارَ اِلَی الْقَمَرِ وَقَالَ اسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا فَاِنَّہُ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ ۔ ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف جبکہ وہ کسوف میں تھا اشارہ کرکے فرمایا کہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگ کہ یہ اندھیرا کرنے والا ہے جبکہ چھپ جائے۔

اَلنَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ : گرہوں میں پھونکنے والیاں۔ اَلنَّفْثُ النَّفْخُ وَمَعَ رِیْقٍ ۔ نفث کے معنے ہیں پھونکنا جن میں تھوک بھی ہو۔ گرہ میں پھونکنا جیسا کہ جادوگر لوگ تاگوں میں گرہیں ڈال کر پھونکتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اس کا اثر ہوتا ہے۔ گرہ میں پھونکنا اور گرہ دینا یہ ایک محاورہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کام میں روکاوٹ ڈالنے کے واسطے کوشش کرنا جیسا کہ وہ لوگ جو جادوگری کا پیشہ رکھتے ہیں اپنی جھوٹی جادوگری میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے خفیہ تدابیر کرتے ہیں۔ ظاہر تو کرتے ہیں کہ فلاں آدمی کو ہم نے جادو کے ذریعہ سے بیمار کر دیا ہے! اور درصل کسی خفیہ ذریعہ سے اس قسم کی دوائیاں اس شخص کو کھلا دیتے ہیں جن سے وہ بیمار ہو جائے۔ پس ایسے خفیہ شریر لوگوں کی شرارت سے بچا رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیئے۔

حَاسِدٍ : وہ ہے جو خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس جو عمدہ شئے ہے وہ اس کو مل جاوے بسا اوقات اس حسد میں اس شخص کو نقصان پہنچانے کی بھی خواہش اور کوشش کرتا ہے جس کو اس نعمت کا مالک دیکھتا ہے۔

لفظ حاسد کو اس جگہ نکرہ رکھا ہے ۔ معرفہ نہیں رکھا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حسد ہمیشہ بُرا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر نیکیوں کے حصول کے واسطے حسد کیا جائے تو وہ حسد محمود ہے۔

اس سورۃ میں انسان کے جسمانی فوائد کے واسطے دعا ہے اور اگلی سورۃ میں روحانی فوائد کی باتیں مندرج ہیں۔

یہ سورۃ بھی بجائے خود ایک جامع دعا ہے جن میں چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگی گئی ہے۔

۱۔ تمام مخلوقات کے شر سے۔

۲۔ تاریکی کرنے والی اشیاء کے شر سے۔

۳۔ مخالفانہ مخفی تدابیر کرنیوالوں کے شر سے۔

۴۔ حاسد کے شر سے۔

فقرہ اوّل میں دراصل سب شامل ہیں اور فقرہ دوم وسوم وچہارم اُس کی تشریح ہیں۔ یعنی وہ تمام چیزیں جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ ان میں جو امر اس قسم کا ہے کہ کسی انسان کے واسطے موجب تکلیف اور دُکھ اور ضرر ہو سکتا ہے۔ ان سب سے خدا تعالیٰ ہم کو بچائے اور محفوظ رکھے۔

دنیا میں جس قدر مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یا تو بہ سبب تاریکی اور ظلمت کے پھیل جانے کے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دنیا میں ایک تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ روحانیت کی باتوں سے بے خبر تھے۔ نصاریٰ مریم اور یسوع اور حواریوں کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ایرانی آتش پرستی میں مصروف تھے۔ ہندو کئی کروڑ دیوی دیوتاؤں کے آگے پیشانی رگڑنے میں مصروف ہو رہے تھے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دنیا میں چمکا اور مخلوقِ الٰہی کے واسطے موجب ہدایت کا ہوا۔ سو یا تو مفاسد خود تاریکی کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یا مخالف دشمن لوگ شرارت کے ساتھ تاریکی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور فاسد لوگ از روئے حسد کے فساد مچا کر اصلیت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ یہی حال ہر زمانہ میں اور ہر نبی اور مامور کے وقت میں ہوتا ہے۔ آجکل بھی زمانہ میں ایک بڑی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ اور تمام قومیں اصلیت کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف جا رہی ہیں۔ اس واسطے ضرورت کے موافق خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں بھی ایک نور پیدا کیا ہے جو تمام ظلمات کو دور کر دیتا ہے۔ اور مخلوق کو ہدایت کے راہ پر لاتا ہے۔ اس کے مخالف چاہتے ہیں کہ حق پر پردہ ڈال دیں اور لوگوں کو ہدایت کے حصول سے محروم رکھیں لیکن خدا تعالیٰ اپنی باتوں کو پورا کریگا اور اپنے بندے کی صداقت کو روزِ روشن کی طرح نمایاں کرنا اُسی خدائے قادر کا کام ہے۔ جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس سورۃ شریفہ میں جو قرآن شریف کی آخری سورتوں میں سے ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک بڑا فتنہ ہوگا۔ ایک بہت بڑا شر اٹھے گا اور وہ ایسے وقت میں ہوگا جبکہ اللہ تعالےٰ زمانہ میں تاریکی کو دور کرنے کے واسطے ایک صبح کو نمودار کریگا۔ کیونکہ وہ رب الفلق ہے اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور تاریکی کے بعد نور پیدا کرتا ہے۔ اس شر سے بچنے کے واسطے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بڑا بھاری شر ہے۔ اُس شر کا پیدا کرنیوالا خفیہ کارروائیاں بہت کریگا۔ اور چھپ چھپ کر اپنی سازشیں دینِ حق کے برخلاف نہایت جدوجہد کے ساتھ کریگا۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ جس قدر خفیہ کارروائیاں مشن کا دجّال اسلام کے برخلاف کرتا ہے۔ ایسی

کاروائیاں پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں۔ ایسے ایسے راہوں سے اسلام پر حملہ کرنے کے واسطے کوشش کی جاتی ہے کہ عوام تو سمجھ بھی نہیں سکتے کہ اس معاملہ میں کیا درپردہ شرارت ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک ایسا نور پیدا کیا ہے جس نے نمودار ہو کر ان تمام پردوں کو پھاڑ دیا ہے اور دجّال کا دجل کھول کر لوگوں کو دکھا دیا ہے تاکہ مخلوقِ الٰہی اس کے شر سے بچی رہے۔ اور اس کے پھندے میں نہ آئے افسوس ہے اُن لوگوں پر جو خدا تعالیٰ کے اس نور کو اپنے مُنہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ یہ نورِ الٰہی ضرور غالب آئے گا اور اس کے مخالف سب نامراد اور ناکام مریں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

احادیث متعلقہ صفحہ ۵۷۲

أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ (سَبْعًا) بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

پناہ چاہتا ہوں میں اللہ کی عزت اور قدرت کی اس چیز کی بدی سے جو پاتا ہوں میں (سات بار) بسم اللہ کے نام کے منتر پڑھتا ہوں کہ تجھ پر ہر چیز

يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ. اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ

سے جو ایذا دے تجھ کو بدی سے ہر جان کی اور نظر سے حاسد کی۔ اللہ شفا دے تجھ کو اللہ کے نام سے منتر پڑھتا ہوں تجھ پر پناہ میں دیتا ہوں تم کو اللہ کے کلمات تامہ کی

شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ. أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ. بِسْمِ اللّٰهِ

ہر ایک شیطان کی اور زہریلے جانور کی اور ہر لگنے والی نظر بد سے۔ مانگتا ہوں میں اللہ بزرگ سے جو صاحب ہے عرش بزرگ کا یہ کہ شفا دے تجھ کو۔ شروع اللہ کے

الْكَبِيرِ أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ. رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ

نام سے بزرگ ہے پناہ چاہتا ہوں اللہ عظمت والے کی ہر جوش مارنے والی رگ کی برائی سے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔ رب ہمارا اللہ ہے جو آسمان میں ہے پاک ہے نام تیرا

أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوبَنَا وَخَطَايَانَا.

حکم تیرا آسمان اور زمین میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے پس کر رحمت اپنی زمین میں بخش واسطے ہمارے گناہ ہمارے اور خطائیں ہماری

أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هَذَا الْوَجَعِ. اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ

تو ہے صاحب پاکوں کا اتار رحمت اپنی میں سے رحمت اپنی کے اور شفا اپنی شفاؤں میں سے اس بیماری پر۔ اے اللہ شفا دے اپنے بندے کو تاکہ مارے تیری

يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا وَيَمْشِي لَكَ إِلَى جَنَازَةٍ. اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي.

راہ میں دشمن کو اور چلے تیرے واسطے ساتھ کسی جنازہ کے۔ اے اللہ جلا تو مجھ کو جب تک کہ زندگی بہتر ہے میرے واسطے اور مار مجھ کو جس وقت کہ موت بہتر

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

واسطے میرے۔ اے اللہ تیری پناہ چاہتا ہوں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے اور بری قضا سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے۔ اے

مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ.

اللہ تحقیق میں پناہ چاہتا ہوں تیری فکر اور غم سے اور عاجز ہونے اور سستی سے اور نامردی اور بخل سے اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ

شروع ساتھ نام اللہ کے بخشنے والا مہربان۔ کہہ پناہ پکڑتا ہوں ساتھ رب صبح کے۔ اس چیز کے شر سے جو پیدا کیا ہے۔ اور شر اندھیرا کرنے والے

إِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

کے سے جب چھپ جاوے اور شر سے پھونکنے والیوں کے بیچ گرہوں کے۔ اور شر حسد کرنے والے کے سے جب حسد کرے۔

بامحاورہ تفسیری ترجمہ:۔ اس طرح سے دعا مانگ کہ میں اس پروردگار کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں جو اندھیرے کو دور کرکے صبح کی روشنی پیدا کرتا ہے۔ اس کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں ان تمام چیزوں کی بدی سے جو پیدا ہوئی ہیں اور اندھیرا کرنے والی کی شرارت سے جبکہ وہ چھپ جاوے اور ان کی شرارت سے جو گرہوں میں پھونکیں دیکر مخلوق الٰہی کو دکھ دیتے رہتے ہیں اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد پر کمر باندھے۔

سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

۲ تا ۷ - قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿٢﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٣﴾ اِلٰهِ
النَّاسِ ﴿٤﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ﴿٥﴾ الَّذِيْ
يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿٦﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٧﴾

اس طرح دعا کر۔ جن ہو یا آدمی ہو، جو کوئی انسانوں کے سینے میں وسوسے ڈالتا ہے اور انسان کی ترقی کو روک کر اُسے پیچھے ڈال دیتا ہے، اس کے وسوسہ کی بدی سے اس خدا کے حضور میں پناہ گیر ہوتا ہوں۔ جو انسانوں کا پرورش کنندہ اور ان کا بادشاہ اور ان کا معبود ہے۔

اس سورہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی تین[۳] صفتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ رب، مالک، الٰہ۔ اور پھر ان ہر سہ صفات کے اُس پرتو کی طرف بالخصوص اشارہ کیا گیا ہے جو کہ انسان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیا معنے۔ وہ خدا جس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو تمام قویٰ ظاہری و باطنی عطا فرمائے اور ان قویٰ کی تربیت کے واسطے ہر قسم کے سامان مہیا کئے۔ یہ جنین تھا تو ماں کے پیٹ کے اندر ہی اُسے غذا پہنچائی، پیدا ہوا تو ساتھ ہی ماں کی چھاتیوں میں اپنی غذا کا ذخیرہ موجود پایا، اسے چھوڑا تو ماں باپ اور اقرباء کو اپنے سامانِ خوردنی و پوشیدنی کے مہیا کرنے میں مصروف پایا، بڑا ہوا تو محنت مزدوری کی اور خدا نے اس میں برکت ڈالی۔ اس لفظ میں اپنے اصل مربی کے بے انتہا احسانات کو یاد کرنے کے بعد اس دعا میں انسان اپنے خدا کو یاد کرتا ہے جو اس کا حقیقی بادشاہ ہے۔ اُسی کے قبضۂ قدرت میں تمام زمین اور آسمان کی کل ہے۔ چاہے تو ایک آن میں زلزلہ یا بجلی سے یا اور جس طرح چاہے۔ سب کو فنا کر دے، یا فنا شدوں کو پھر پیدا کر دے۔ تمام انسانوں کے دل بھی اس کے قابو میں ہیں، وہ بادشاہ حقیقی ہے، ہر ایک انسان کے خیالات اس کی نگاہ میں ہیں۔ بغیر اس کے اذن کے نہ کوئی کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ مَلِكِ النَّاس ہے۔ پس وہ جو ہمارا رب ہے اور جو ہمارا مُلک ہے اور سلطان ہے۔ وہی

اس لائق ہے کہ ہمارا الٰہ ہو اور معبود ہو۔ اسی کی عبادت کی جاوے ۔ اسی سے اپنی حاجتیں مانگنی چاہئیں۔ اور اسی کی تعریف کرتے ہوئے سر اس کے آگے جھکایا جاوے ۔ پتھر کے بت تو ہماری اپنی مخلوق ہیں اور ہم خود ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور ان پر حکومت کرتے ہیں۔ جس طرح چاہیں ان کو گھڑ کر بناتے ہیں اور جہاں چاہیں ان کو رکھتے ہیں۔ برہمن کے قابو میں آیا تو اس نے زری کے کپڑے پہنا دیئے اور سونے کے زیورں سے مرصع کر دیا اور محمودؔ کے ہاتھ لگا تو اس نے کاٹ کر جوتیاں رکھنے کے واسطے دہلیز کے باہر گاڑ دیا۔ رومن پادری نے اس پر سونے کا گلٹ کیا اور گرجے میں سجایا اور اس کے پروٹسٹنٹ بھائی نے اپنے باپ دادوں کی بے وقوفی پر مضحکہ اڑانے کے واسطے اسے عجائب گھر میں رکھ دیا۔ سو بتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ جبکہ خود بت پرست بھی بتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں، باقی رہے عناصر اور حیوان اور انسان جن کی بعض بے وقوف لوگ پوجا کرتے تھے جو سب کے سب خود محتاج تھے اور اپنی عمر گزار کر مر گئے ۔ نہ ان میں سے کسی نے ہماری ربوبیت کی اور نہ کوئی ہمارا مالک اور ملک تھا اور نہ کوئی ہمارا معبود ہو سکتا ہے ۔ ظاہری بادشاہوں کی حکومت ظاہر حالات پر ہے ۔ چور چوری پر سے پکڑا گیا تو اس کو سزا مل گئی۔ لیکن چور جب چوری کی نیت کرتا ہے اور کسی کی عمدہ شئے دیکھ کر دل میں ارادہ کرتا ہے کہ موقعہ پر اسے اٹھالے ۔ اس وقت اسکی نیت اور ارادے کو بجز خدا کے کون دیکھ رہا ہے ۔ پس حقیقی بادشاہ وہی ہے۔

اس دعا میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے خدا کے ساتھ اس تعلق کو یاد کرتا ہے کہ اے خدا تو ہی میرا پرورش کنندہ ہے اور تو ہی میرا بادشاہ ہے اور تو ہی میرا معبود ہے ۔ پس میں تیرے ہی حضور میں اپنی یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ نیکی کے حصول کے بعد جو انسان کے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ اس کو نیکی سے پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں ۔ ان خیالات کے شر سے مجھے بچا۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسوں کا پیدا ہونا ضروری ہے ۔ پر جب تک انسان ان کے شر سے بچا رہے یعنی ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دے اور ان پر قائم نہ ہو۔ تب تک کوئی حرج نہیں ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی کہ میرے دل میں برے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ کیا میں ان کے سبب سے گنہگار ہوں ۔ فرمایا ۔ فقط برے خیال کا اٹھنا اور گزر جانا تم کو گنہگار نہیں کرتا ۔ یہ شیطان کا ایک وسوسہ ہے جیسا کہ بعض انسان جو شیطان کی طرح ہوتے ہیں ، لوگوں کے دلوں میں برے خیالات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ پس فقط انکی بات سننے سے اور رد کر دینے سے کوئی گنہگار نہیں ہو سکتا۔ ہاں وہ گنہگار ہوتا ہے جو انکی بات کو مان لیتا اور اور اس پر عمل کر لیتا ہے۔

سورۃ الناس قرآن شریف کی سب سے آخری سورۃ ہے اور اس کا مضمون آخری زمانہ میں ایک

بڑے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فتنہ خنّاس کا ہے۔ جو کہ لوگوں کے دلوں میں قسما قسم کے وساوس ڈال کر ان کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کریگا۔ کیونکہ یسوع کو خدا بناتے اور اس کی پُوجا کرنے کا فتنہ زمانہ نبویؐ سے پہلے دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نے اسکی خرابیوں کو دنیا پر ظاہر کر کے اس کا زور مٹا دیا تھا۔ یہاں تک کہ خود نورِ اسلام کی چمک سے جھلک پاکر عیسائی قوم میں اس قسم کے ریفارمر پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے اپنی قوم میں سے یسوع اور مریم کے بُت بنانے اور بُتوں کی پُوجا کرنے کی رسم کو مٹانے کی کوشش کی۔ اور اس کوشش میں بہت کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ دوسری طرف لاکھوں عیسائی اپنے مذہب کی خرابیوں سے آگاہ ہو کر اور اس سے بیزار ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ غرض اسلام وہ مذہب تھا جس نے دیگر باطل ادیان کے ساتھ دینِ عیسوی کو بھی پست کر دیا تھا۔ لیکن آخری زمانہ میں وہی عیسائیت کا فتنہ ایک نئے رنگ میں مخلوق کے سامنے آکر موجود ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن شریف اور اسلام سے پیچھے ہٹا کر پھر اُسی پُرانی گمراہی میں ڈال دے۔ یہ خنّاس تعلیم دیتا ہے کہ ہمارا رب یسوع مسیح ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے رَبُّنَا الْمَسِيْحُ اور یسوع کا نام عیسائی کتب میں بادشاہ یعنی مَلِک ہے۔ اور اس کی عبادت بھی کی جاتی ہے گویا کہ وہ اِلٰہ یعنی معبود ہے۔ ان عقائد کی بیخ کنی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رَبِّ النَّاس اور ملک النّاس اور اِلٰہِ النَّاس۔ وہی ایک خدا ہے جس کی صفاتِ حمیدہ کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور جس کی وحدانیت کے بارے میں اس سورۃ سے اوپر ایک سورۃ چھوڑ کر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص، ۲ تا ۵) کہ وہ اللہ ایک ہے، وہ بے احتیاج ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی کنبہ قبیلہ ہے۔ اس سورت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آخری زمانہ جنگ کا زمانہ ہوگا۔ اور اسلام سے لوگوں کی رُوگردانی کرانے کے واسطے کوئی لڑائی اور ظاہری جنگ کی کاروائی نہ ہوگی۔ جیسا کہ پہلا کیا جاتا تھا۔ بلکہ صدور النّاس پر بذریعہ وساوس ہوگا۔ اور وہ وسوسہ ڈالنے والے خنّاس دو قسم کے ہوں گے۔ ایک تو پادری لوگ جن کے وساوس موٹے رنگ کے ہر طرح کے کذب اور بہتان کے ساتھ ہیں۔ یہ خنّاس تو ناس میں سے ہے۔ لیکن ایک بڑا خنّاس جو شر میں اس سے زیادہ سخت ہے۔ لیکن اپنی شرارت میں کسی قدر مخفی ہے اس واسطے اس کو جن کہا گیا ہے وہ اس زمانہ کے جھوٹے فلسفی اور جُزوی سائنس دان ہیں جو حقیقی فلسفہ اور سائنس سے بے خبر ہیں اور تعلیم یافتہ گروہ کو خفیہ رنگ میں دہریت کی طرف کھینچ کر لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ بظاہر مذہب سے اپنے آپ کو بے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مگر باطن میں مذہب کے

سچے اصول کو اکھاڑنے کے درپے ہیں۔

اس سورۃ شریفہ میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آخری زمانہ کا فتنہ محض دعا کے ذریعہ سے دور ہو گا۔ چنانچہ اس کی تائید میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ کفار مسیح موعود کے دم سے مریں گے۔ اور حضرت مرزا صاحب سے میں نے بارہا سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر فتنہ کا مٹانا ظاہری اسباب کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ ہمارا بھروسہ صرف ان دعاؤں پر ہے جو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سُنے گا اور وہ خود ہی ایسے سامان مہیا کریگا کہ کفر ذلیل ہوجائے گا اور اسلام کے واسطے غلبہ اور عزت کے دن آجائیں گے۔

لطیفہ: کسی نے کہا ہے کہ قرآن شریف کا ابتداء حرف ب سے ہوا ہے۔ اور آخر حرف س کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن شریف انسان کے واسطے بس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۹) اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں رہی۔ اس مضمون کو کسی نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

اوّل وآخر قرآن زچہ با آمد وسن
یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

لطیفہ: فلسفی کہتا ہے کہ اس سورۃ شریفہ میں سب سے پہلے جو لفظ ناس آیا ہے۔ اس سے مراد اطفال ہیں اور ناس ثانی سے مراد نوجوان لوگ ہیں۔ اور ثالث سے مراد بوڑھے ہیں۔ اور چہارم سے مراد صالحین ہیں اور پنجم سے مراد مفسدین ہیں۔ کیا معنی؟ کہ میں اس خدا کے حضور پناہ گزین ہوتا ہوں جو ربّ الناس ہے، چھوٹے ناتواں بچوں کے واسطے بھی تمام سامان پرورش کرتا ہے۔ اور ملک الناس ہے۔ نوجوان جوشیلے لوگ سب اس کے قابو میں ہیں، الٰہ النّاس ہے۔ جب آدمی بڑا ہوتا ہے۔ اور چالیس سال سے زیادہ عمر پاتا ہے، تب اس کے عقائد اور معرفت کمال کو پہنچتے ہیں اور عادتیں نیکی پر پختہ ہوجاتی ہیں۔ اور اپنے خدا کی عبادت میں پکا ہوجاتا ہے، ایسے لوگوں کا معبود وہی خدا ہے، اس خدا کے حضور میں میں خنّاس کے وساوس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (الناس: ۶) نیک لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ وہ خنّاس کچھ جن ہیں اور کچھ مفسد انسان ہیں۔

یہ ایک عجیب دعا ہے جو خدا تعالیٰ نے خود ہم کو سکھائی ہے۔ اس کے کسی قدر ہم معنے وہ دعا ہے جو دوسری جگہ قرآن شریف میں آتی ہے اور وہ اس طرح ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران ۹)

اے ہمارے رب بعد اس کے کہ تُو نے ہمیں ہدایت کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے دلوں کو کج نہ کر یعنی ایک دفعہ جس نیکی کو ہم حاصل کریں۔ وہ استقامت کے ساتھ ہمارے اندر قائم رہے۔

یہ سورۃ شریفہ قرآن شریف میں سب سے آخری دعا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ یہ قرآن جس کے پڑھنے کی تُو نے ہم کو توفیق دی ہے۔ اب ایسا کر کہ ہمارے دل اس پر ایمان کے واسطے ایسے پختہ رہیں کہ اس کلام کے متعلق کوئی وسوسہ اور بدخیال کبھی ہمارے دلوں میں نہ آنے پاوے۔ اور ہم اس پر عمل کریں اور تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاویں۔ قرآن شریف کے ذریعہ سے رحمان خدا نے کس قدر رحمت دنیا پر نازل فرمائی۔ تمام احکام شرعیہ، گزشتہ بزرگوں کی نیک مثالیں، طریق دعا، غرض ہر شئے ضروری کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس سورہ شریفہ کے شروع میں انسان کا نام تین بار لیا گیا ہے۔ اور ہر بار اللہ تعالیٰ کا ایک جُدا نام اس پر رکھا گیا ہے۔ یعنی پہلی دفعہ ربّ النّاس کہا گیا ہے۔ دوسری بار ملک النّاس فرمایا ہے اور تیسری بار الٰہ النّاس مذکور ہوا ہے۔ یہ ہر سہ صفات الٰہیہ انسان کی تین مختلف حالتوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے تین فیضانوں کی طرف جو انسان کی ان حالتوں پر وارد ہوتے ہیں اشارہ کرتی ہیں۔

انسان بلحاظ اپنی روحانی ترقی یا تنزل کے تین درجے رکھتا ہے۔ سب سے ادنیٰ درجہ کا انسان وہ ہے جسے کچھ خبر نہیں کہ حصولِ نیکی اور حصولِ معرفت الٰہی کیا شئے ہے اور وہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ ایسے شخص کے واسطے نیکی بدی سب برابر ہیں۔ اگر وہ بدی کرتا ہے تو اسے کبھی کچھ فکر نہیں ہوتا کہ میں بدی کرتا ہوں۔ اس کا نفس اس پر نہ صرف غالب ہے۔ بلکہ پوری طرح اس پر حکمران ہے، وہ نہیں جانتا کہ دین اور دین داری کیا لطف اپنے اندر رکھتی ہے اور نہ دینداروں کی محبت اختیار کرتا ہے اور نہ اس کو کبھی یہ خواہش ہی پیدا ہوتی ہے، کہ دیندار بنے، وہ اپنی حالت میں مثل ایک بے خبر کے پڑا ہے جس نے معرفت کا کبھی نام بھی نہیں سُنا۔ یہ شخص نفسِ امّارہ کے ماتحت ہے، پر خدا تعالیٰ ان سب کے واسطے ربّ النّاس ہے۔ یعنی وہ سب کی پرورش کرتا ہے، جو لوگ خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے اور دہریہ ہیں ان سب کی پرورش کرتا ہے، گو ایسے لوگوں کے واسطے ایک وقت عذاب کا بھی بالآخر آجاتا ہے۔ مگر سردست وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ربوبیت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، اس لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ ربّ النّاس ہے۔ جو لوگ نیکی کرتے ہیں، انکی پرورش ہوتی ہے۔ جو بدی کرتے ہیں انکی پرورش ہوتی ہے، بارش آتی ہے تو نیک و بد سب کے کھیت کو سیراب کر جاتی ہے۔ اور سورج نکلتا ہے تو کافر اور مومن سب کو روشنی

دیدیتا ہے ۔ ہوا چلتی ہے ۔ تو مسلم اور غیر مسلم سب کو اپنا فائدہ پہنچا دیتی ہے ، اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کی ربوبیت عام ہے ۔ وہ تمام جہان کے لوگوں کا رب ہے ، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا ہو ، امیر ہو یا غریب ہو ۔ دانا ہو یا بیوقوف ہو ، عالم ہو یا جاہل ہو ، بادشاہ ہو یا رعایا ہو ، ہر ایک کو اس کی ربوبیت عامہ سے حصہ دیا جاتا ہے ، اس لحاظ سے وہ ربّ النّاس ہے ۔

درمیانہ درجہ کے لوگ جو درجہ ادنیٰ سے اوپر کے درجہ کے لوگ ہیں ، وہ ہیں جن کو معرفتِ الٰہی کا شوق پیدا ہو گیا ہے ، انہوں نے جان لیا ہے کہ نیکی عمدہ شئے ہے اور خواہش رکھتے ہیں کہ اپنی موجودہ حالت سے نکلیں اور ترقی کریں اور آگے قدم رکھیں ۔ بدیوں کو چھوڑیں ، اور نیکیوں کو اختیار کریں ۔ لیکن ان کا نفس ہنوز ان پر غالب ہے ، وہ بدی سے پرہیز کرتے ہیں ، مگر بسبب کمزوری پھر بھی کسی نہ کسی وقت بدی میں گر جاتے ہیں ۔ اٹھتے ہیں ، اور پھر گر جاتے ہیں ، پھر اٹھتے ہیں اور پھر گر جاتے ہیں ، یہی حالت انکی ہوتی رہتی ہے ۔ وہ دل سے سچی توبہ کرتا ہے کہ اب آئندہ یہ کام نہ کروں گا ، لیکن نفس کے جذبہ کے وقت پھر کر بیٹھتا ہے ، اور خدا تعالیٰ کی غفّاری اور ستّاری کی طرف پھر جھکتا ہے اور اس کی رحمت کے حضور میں فریادی ہوتا ہے ، اور اپنی کمزوری کے سبب نالاں رہتا ہے اور شب و روز اس فکر میں سرگرداں پھرتا ہے ، کہ کب وہ وقت آئے گا کہ پھر بدی اس کے قریب کبھی نہ آئے گی ۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ مَیں ایک بادشاہِ حقیقی (ملک النّاس) کی حکومت کے ماتحت ہوں اور اس کے قوانین کی فرماں برداری مجھ پر واجب ہے ، اس واسطے وہ قواعدِ شرعیہ کی پابندی کے واسطے ہر وقت سعی کرتا رہتا ہے لیکن اپنی کمزوری اور اپنے ضعف کے سبب غلطی کر بیٹھتا ہے ، اور اپنے بادشاہ سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے ، ایسے شخص کا نفس لوّامہ ہے ، وہ غلطی کر بیٹھتا ہے لیکن اس غلطی پر راضی نہیں رہتا بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور غمگین ہوتا ہے ، اور افسوس کرتا ہے کہ مَیں نے کیوں ایسا کام کیا اور پھر توبہ کرتا ہے ، اور ہر دفعہ اس کی توبہ سچے دل کے ساتھ ہوتی ہے اور توبہ کے وقت وہ کبھی وہم نہیں رکھتا کہ دوبارہ یہ کام کریگا ، اسی واسطے خدا تعالیٰ اس پہ رحم کرتا ہے ۔ اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے ، اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے ۔

اس سے بڑھ کر درجہ والے وہ لوگ ہیں ، جو ہر طرح سے تمام گناہوں کو چھوڑ چکے ہیں ۔ اور ان کے نفسانی جذبات ٹھنڈے ہو چکے ہیں ۔ اور اب کوئی بدی ان کو دُکھ نہیں دیتی ۔ بلکہ وہ آرام اور اطمینان کے ساتھ اپنے خدا کی بندگی میں مصروف ہیں ۔ وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرا چکے ہیں اور اسکی عبادت اور محبّت اور خوف اور رجا میں کوئی دوسرا شریک ان کے دل میں باقی نہیں رہا اور انہوں نے اس واحد خدا کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور

حدود اور آسمانی قضاء وقدر کے امور کو بدل وجان قبول کرلیا ہے ۔ اور نہایت نیک نیتی اور تذلل سے ان سب حکموں اور حدوں اور قانون اور تقدیروں کو بارادت تمام سر پر اٹھالیا ۔ اور نیز وہ تمام صداقتیں اور پاک معارف جو اسکی وسیع قدرتوں کی معرفت کا ذریعہ اور اسکی ملکوت اور سلطنت کے علو مرتبہ کو معلوم کرنے کیلئے ایک واسطہ اور اسکے آلاء اور نعماء پہچاننے کے ایک قوی رہبر ہیں، بخوبی معلوم کرلیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں اور بہ سبب اس کے انکے افعال، اقوال، حرکات، خیالات عبادات وغیرہ میں ان کا مقصود، محبوب اور معبود صرف اللہ ہی ہے، جو کہ الٰہ النّاس ہے ۔

انسان کے ان ہر سہ درجات اور حالات کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ ان ہر سہ حالات کو صوفیاء نے اپنی تجربہ کردہ باتوں کے ذکر کے ساتھ عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے چنانچہ حافظ شیرازؒ نے نفسِ لوامہ کی مشکلات پر نگاہ کرکے اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

حافظ شیرازؒ نے اس شعر میں انسان کی ان تین حالتوں کو ظاہر کیا ہے ، اور اس کی تمثیل کے واسطے دریا اور اس کے دو۲ کناروں کے نظارہ کو لیا ہے ، کچھ لوگ دریا کے اس کنارے پر ہیں ، کچھ اس کنارہ پر پہنچ گئے ، کچھ کشتی میں بیٹھے ہوئے ہنوز اس فکر میں ہیں کہ اس کنارہ تک پہنچ جائیں ، ایک کنارہ ویران سا ہے ، اس میں نہ کوئی شاندار مکان ہے اور نہ پھل پھول ہیں اور اس میں رہنے والے جاہل لوگ ہیں ، جو دوسرے کنارے کی نعمتوں اور عمدہ اشیاء سے بے خبر ہیں ، اور وہ نہیں جانتے کہ دوسرے کنارہ پر کیا کیا آرام کے ذرائع ہیں ، پس وہ اپنی حالت میں غافل ہیں ۔ اور انکو یہ خواہش بھی نہیں کہ دوسری طرف جاویں ، اور ان لوگوں میں جاکر شامل ہوویں جو دوسرے کنارے پر رہتے ہیں ، بلکہ وہ اپنے موجودہ حال میں ویسے ہی چُپ چاپ بیٹھے ہیں ، دوسرے کنارے پر وہ لوگ ہیں جو دریا اور اس کی تمام تکالیف اور مصائب کو جھیل کر اپنے منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں اور اب آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں ان کو کوئی دُکھ اور مصیبت نہیں ہے ۔ اور نہ ان کے واسطے وہ خطرات اور ہر وقت کا خوف ہے جو کشتی والوں کے لاحق حال ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام مشکلات میں سے گزر چکے ہیں ، اور تمام مصائب کو عبور کرچکے ہیں ، اور ان کا نفس نفسِ مطمئنہ ہے ، اور پہلے لوگ وہ تھے جن کا نفس نفسِ امارہ تھا ، پس دریا کے دو۲ کناروں پر دو۲ قسم کے لوگ آباد ہیں ۔ ایک کنارہ پر وہ ہیں جو نفسِ امارہ رکھتے ہیں ، اور دوسرے کنارہ پر وہ ہیں جو نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں ۔ حافظ شیرازؒ نے ان ہر دو۲ کو اپنے شعر میں سبک سار کہا ہے ، کیونکہ

ایک کو معرفت کی خبر ہی نہیں، اور دوسرے کو معرفت حاصل ہو چکی ہے۔ پس وہ دونوں سبکسار ہیں کیونکہ یہ اپنے بوجھ اتار چکا ہے اور اس نے ہنوز بوجھ اٹھایا ہی نہیں۔ لیکن مشکلات میں وہ شخص ہے جو درمیان میں ہے کیونکہ اس نے رذیل حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اعلیٰ حالت کی طرف جانا چاہا، لیکن راستہ میں مشکلات کا دریا ایسا آگیا ہے، جس میں ہر طرف سے موجیں ہیں اور رات اندھیری ہے اور گرداب گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہر وقت خطرہ ہے کہ اب ڈوبے، اب ڈوبے۔ یہ درمیانی حالت نفسِ لوامہ کی ہے۔ اس کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ نفسِ مطمئنہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ ان لوگوں کی صحبت نے جو نفسِ مطمئنہ حاصل کر چکے ہیں یا ان کے حالاتِ عجیبہ کے سُننے سے اس کو رغبت پیدا ہوئی ہے کہ مَیں بھی نیک بن جاؤں اور ان لوگوں کے درمیان شامل ہو جاؤں اور بظاہر پہلی نظر اس کو بہت ہی آسان سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں منزل کو آسانی کے ساتھ طے کر لوں گا اور ایسا ہی ہو جاؤں گا جیسے کہ وہ لوگ ہیں، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راہ میں بہت مشکلات ہیں اور بدیوں کا ترک کرنا اور نیک بن جانا آسان بات نہیں ہے، ایسے وقت میں چلا اٹھتا ہے ؏

کہ عشق آساں نمود اوّل وِلے افتاد مشکلہا

اور جب چاروں طرف سے اپنے آپکو تکالیف میں دیکھتا ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلیٰ حالت کا حصول کوئی آسان امر نہیں ہے۔ ظاہر کہہ دینے کو تو ایک فقرہ ہے اور وہ بھی ایک چھوٹا سا کہ "مَیں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" لیکن جب اس پر عمل شروع ہوتا ہے۔ تب اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک ملازم کسی دفتر کا اس اقرار کے بعد اپنے دفتر میں جاتا ہے۔ اور ایک طرف افسر زور دیتے ہیں کہ یہ کام فوراً کرو اور دوسری طرف نماز کا وقت آجاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے کیا معنی ہیں؟ یا ایک عہدہ دار سرکاری جس کے خرچ بہت ہیں اور تنخواہ تھوڑی ہے وہ جب اس اقرار کے بعد اپنے کام پر جاتا ہے اور آمدنی کو کم پاتا ہے اور خرچ زیادہ ہے اور رشوت کے وسائل کھلے ہیں اور کوئی منع کرنے والا نہیں۔ اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ رات کے وقت جب سردی کا موسم ہو اور گرم بستر کے اندر آدمی لیٹا ہوا ہو اور ہر ایک سامان مہیا ہو اور تہجد کا وقت اور خدا کے یاد کرنے کا وقت آجاوے اور دل نہ چاہے کہ بستر سے اُٹھے، اس وقت انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا دین مقدم ہے یا دنیا مقدم ہے!

غرض سلوک کی راہ میں سب سے مشکل مرحلہ وہی ہے جو نفسِ لوامہ کو طے کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کو شیطان کے ساتھ اور اسکے لشکر کے ساتھ ایک جنگ درپیش ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ وہ اس کو واپس

اپنی حالت ردی پر رے جائے۔ کیونکہ وہ جیسا کہ اس سورۃ میں بیان کیا ہے خنّاس ہے یعنی انسان کو نیچے ہٹانا چاہتا ہے، اور اس کو حالتِ رذیل میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ شیطان بعض انسانوں کی صورت میں ہیں اور بعض بدروحیں ہیں جو کہ انسان کو خراب حالت میں ڈالنے کے واسطے اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتی ہیں، جس کا ذکر اس سورہ شریفہ میں اس طرح سے ہے، اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈلتے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کے واسطے خدا نے یہ سورۃ بطور کلماتِ دعائیہ کے نازل فرمائی ہے تا ان کو پڑھ کر اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگ کر انسان بد حالت میں پڑنے سے بچ جاوے۔ اے خدا! تو اپنے فضل و کرم سے ہماری دستگیری فرما اور اس جماعت کے ممبروں کو نفسِ مطمئنّہ عطا فرما اور جو لوگ ہنوز اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے ان کی بھی آنکھیں کھول! تاکہ وہ اس پاک راہ کو پہچان کر اسکی صداقت کا فائدہ حاصل کریں اور خدا کی برگزیدہ جماعت میں داخل ہو کر رحمتِ الٰہی سے حصہ وافر حاصل کریں! آمین ثم آمین!!

امراضِ سینہ کا علاج: میں خیال کرتا ہوں کہ امراضِ سینہ مثلاً سِل۔ کھانسی وغیرہ کے واسطے اس سورۃ شریفہ میں ایک دعا ہے۔ کیونکہ آجکل ڈاکٹروں نے یہ تحقیقات کی ہے کہ پھیپھڑے میں ایک باریک کیڑے ہوتے ہیں جن کو جرمز کہتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہو جاتے ہیں تب پھیپھڑا زخمی ہو کر سِل کی بیماری اور کھانسی پیدا ہو جاتی ہے۔ جنّ بھی ایک باریک اور مخفی شئے کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں ان اشیاء کے شر سے پناہ چاہی گئی ہے۔ جو سینہ کے اندر ایک خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ناظرین اس کا تجربہ کریں۔ لیکن صرف جنتر منتر کی طرح ایک دُعا کا پڑھنا اور پھونک دینا بے فائدہ ہے، سچے دل کے ساتھ اور معنی کو یہ سورۃ بطور دُعا کے مریض اور اس کے معالج اور تیمار دار پڑھیں اور مریض کے حق میں دُعا کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ایسے بیماروں کو اس کلام پاک کے ذریعہ شفا حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس سورۃ شریفہ کے شانِ نزول کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر اس قسم کی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی میں نے کبھی نہیں دیکھیں وہ معوذتین ہیں۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنّ و انس کی نظرِ بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، مگر جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپؐ نے اور طرح اس امر کے متعلق دعا کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ جنوری ۱۹۱۲ء)

اس سورہ شریفہ میں کسی خاص مذہب پر کوئی خصوصیت سے حملہ نہیں ۔ جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورت سورۃ فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سماوی اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر رد نہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ ۔ (النّاس: ۲تا۴) اس سورۂ شریفہ کی ابتداء میں باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں۔ اور اس جلسہ (جلسہ مذاہب عالم) کے پہلے سوال میں ہی ایسے تین امور کا ذکر ہے کہ جس کا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہے۔ وہ تین انسان کی جسمانی ۔ اخلاقی اور روحانی حالت کا بیان ہے ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاسِ ۔ میں غور فرمائیے ۔ ابتداء میں انسان ایک جسم ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل: ۷۹) اور بے ریب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجز اس کے کہ اس کو جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں ۔ اور کن علوم کی اس کو ضرورت ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرمادے ، اور چوسنے پھر گلے سے آتارنے کا علم نہ بخشے ، پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں ، پھر شریانوں میں اور پھیپھڑوں میں خون مصفّٰی ہو کر جزوِ بدن نہ ہو تو انسانی نشوونما کا کیا ٹھکانا ہے ۔

اسی طرح جسمانی غذا میں ماں کی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ دودھ میسر نہ آویں تو نوزائیدہ انسان کی نسبت کسی کامیابی کی کیا امید ہوسکتی ہے ۔ اسی طرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر اسے نہ پہنچیں تو انسان کی جان بری کیونکر ممکن ہے۔

صاحبان انسان کی اس حالت پر نظر کرو جو اُسکی نطفگی کی حالت میں لاحق ہے ۔ اور ہر انسان کے اس کمال استواری پر نظر کر جاؤ جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول و فروع سے کس نے عطا فرمائے ۔ تو آپ یقین فرمائیں گے کہ ایک رب النّاس جس نے اس کو ایک طرف جذب موادِ طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں ۔ دوسری طرف موادِ طیبہ کا بے انت خزانہ مہیا فرمادیا ۔ چونکہ وہ ذات پاک طیب اور ہر ایک خبث و نجاست سے منزہ ہے ۔ انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کیلئے بھی اس نے کیسے کیسے اسبابِ طیبہ مہیا کر دئیے ہیں۔

جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کر لیتا ہے تو اسکی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشوونما ہوتا ہے ۔ کبھی اسکو انواع و اقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں ۔ اس لئے رنگا رنگ

خوراک کیلئے قسم قسم کے غلہ، پھل، پانی، عرق، شیرینیاں، ترشیاں جمع کرتا ہے۔ پہننے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی، سردی، ہوا۔ روشنی، بارش اور گرد وغبار سے بچنے کیلئے، ایسا ہی محنت ومزدوری عیش وعشرت، جنگ وغیرہ حالاتِ مختلفہ کے لئے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے آرام کی خاطر اس کو مکانات بنانے پڑتے ہیں، جن میں انسان کو گرمی، سردی، غبار، بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی ضروریات کے واسطے مختلف قسم کی چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔

قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اس کو اپنے جوڑے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کی اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے، انسان اپنے مطالب جسمانیہ اور اخلاقیہ میں لگا ہے قوتِ استقلال و ہمت بلند کے ساتھ، شجاعت وبہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اور جب اس کے بنی نوع سے کوئی اسکا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے اغراض ومطالب اور شہوات وبلند حوصلگی وکامیابی سے حملہ کرتا ہے تو اس کو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اسکا محتاج الیہ حاکم، قوت عدل انصاف، رحم، شفقت، غور وفکر سے کام نہیں لیتا، تو اسکی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کا حاکم اور سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے حضور گڑگڑاتا ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے ظالم حاکموں کا تو انصاف کر اور میرے مطالب ومقاصد میں تو میرا انصاف فرما۔ اس بادشاہِ عظیم الشان کا نام مَلِکِ النَّاسِ ہے۔

نیز خود انسان کیلئے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اس کو جرائم کے ارتکاب اور امن کی خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں۔ مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام وبادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض اوقات ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ نیز ارتکابِ جرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کی رُو سے انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی جسمانی حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ ...... مگر انسان کے ان اندرونی جوشوں پر جس کے باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کیلئے ضروری ہے جس کی نگہبانی پر یقینِ انسان یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور یہ بھی بد اخلاق کو سزا دیتا ہے۔ اس کا نام اس سورۃ شریف میں ملک الناس ہے۔ کیا معنے ؟ وہ بادشاہ جو انسان کے قوئی علمیہ اور عملیہ اور انسانی

علم وعمل اور انسانی کرم اندریوں بلکہ گیان اندریوں پر حکمراں ہے۔ پھر جسمانی حالت دونوں حالتوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے ، اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہنچا اور ہر قسم کی تکالیف سے صحیح وتندرست ہوا تو انسان کو اخلاقِ فاضلہ کی ضرورت ہے ، مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جاویں تو اب اس کو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ اگر بقاء کی خواہش انسان کی فطرت وجبلت میں نہ ہوتی تو علم طب کی یہ ترقی نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذہب کی تحقیق پر کوئی جلسہ نہ ہوتا ۔ نیکی اور نیک جلسہ کے اصول منضبط نہ ہوتے ۔

روح کی کامل محبت اور پورا پیار اور پوری چیز جس میں رُوح کو کامل طمانیت ہے اس کا نام ہے اسلام میں اللہ ۔

تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں خواہ اخلاقی ، اندرونی ہوں یا بیرونی ، جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو جو نام انسان کے لئے راحت بخش ہے اس کا نام ہے اِلٰـہِ النَّاسِ ۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود ۔

غرض انسان نے تینوں حالتوں جسمانی ۔ اخلاقی ۔ روحانی میں جو جسم کا مربی ۔ قویٰ کا مربی ۔ روح کا مربی ہے ، اس کو اس سورہ میں ربّ النّاس کہا ہے اور وہ ذات جسمانی ، اخلاقی ، روحانی افعال ، اقوال ، اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام ہے ۔ ملکُ النّاس ۔ اور جب وہ انسان کا اصل غرض ذاتی محبوب ، غایت مقصود بنتا ہے تو اس کو اِلٰہُ النّاس کہا ہے ۔

اب غور فرمائیں کہ جب ہر صورت میں انسان کی حالتوں کی طرف اشارہ کرکے اللہ کریم نے فرمایا کہ ربّ بھی مَیں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب ومطلوب اور غایتِ مقصود بھی مَیں ہی ہوں تو میرے بندو! مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہہ دو ، ہاں ہر ایک انسان تم سے کہہ دے کہ میں ربوبیت اور ضرورتِ حکومت میں اور ضرورتِ محبت میں ربّ النّاس ، مَلِکِ النّاس ، اِلٰہِ النّاس کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ (النّاس : ۵ تا ۷) یہ قرآن کی آخری سورۃ کیسی بے نظیر اور لطیف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ تم اللہ کریم ، المولیٰ ، الرؤوف الرحیم ، ربّ النّاس ، ملکُ النّاس ، الٰہ النّاس سے پناہ مانگ لو تمام ان غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی مُوشوش کے نظارہ یا کلام سے بندہ کو ہوں کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہو بہو اس تکلیف رساں کُتّے کی سی ہے جو آٹھوں پہر کاٹنے کیلئے تیار رہے جس طرح اس کُتّے سے بچنے کیلئے ہم کو اس کے مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اس کا مالک ہمیں بچانا

چاہے اور اس کتّے کو دھتکار دے تو کیا مجال کہ وہ کتا کسی کو کاٹ کھائے اسی طرح انسانی یا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کی پناہ سے ہوگا جو کل مخلوقات کا رب اور مالک اور معبود ہے۔

وسواس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا جس کا بُرا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا اور جس کی بدی سے ہم بے خبر رہے اور اسکی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر یا روحانی معاملات پر اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔ چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان، ہاں شیطان بصورت انسان سے۔ میں اپنے لئے آپ یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہم نے سنا۔ اس میں سے جو کچھ ہمارے جسم، اخلاق اور رُوح کیلئے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے وہ نقصان رساں ہو اس سے آپ پناہ مانگیں جو رب النّاس، ملک النّاس اور الٰہ النّاس ہے کیونکہ انہیں تین صفات کے ماتحت انسانی جسم، اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۵۸ تا صفحہ ۲۶۱)

اس سورۃ کو اخیر میں لانے میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کو ختم کر کے اور شروع کرتے ہوئے اَعُوْذُ پڑھنا چاہیئے۔ چونکہ یہ طریق مسنون ہے کہ قرآن کریم ختم کرتے ہی شروع کر دینا چاہیئے، اس لئے نہایت عمدہ موقعہ پر یہ سورۃ ہے۔ بخاری صاحب نے اپنی کتاب کو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے شروع کیا ہے، تاکہ سامعین لوگ اور معلّم اور متعلّم اپنی اپنی نیتوں پر غور کرلیں۔ یاد رکھو جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں چور کا ڈر ہے۔ قرآن مجید ایک بے بہا خزانہ ہے۔ اس لئے خطرۂ شیطانی عظیم الشان ہے۔ قرآن کے ابتداء میں یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے اپنی رسومات کے ادا کرنے کیلئے تو مکان بلکہ زمین تک بیچنے سے بھی نہیں ڈرتے، مگر خدا کیلئے ایک پیسہ نکالنا بھی دوبھر ہے۔ ایک قرآن پر عمل کرنے سے پہلوتہی ہے اور خود وضعداری و تکلف و رسوم کے ماتحت جو کچھ کرتے ہیں اس کی کتاب بنائی جاوے تو قرآن سے دس گنا حجم میں ضخیم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے، اس کو ہماری عبادت کی ضرورت کیا ہے۔ حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی بدپرہیزیوں سے اور حکام کی خلاف ورزی سے دُکھ ضرور پہنچتا ہے۔ پس گناہ سے اور احکم الحاکمین کی خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ملے گی۔ ان تمام اقسام کے وسوسوں اور غلط فہمیوں سے (جو اضلال کا موجب ہیں) بچنے کیلئے یہ سورۃ سکھائی گئی ہے۔ اَعُوْذُ اُن چھوٹے پودوں کو کہتے ہیں جو بڑے درختوں کی جڑ کے قریب پیدا ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایک رب کی ضرورت ہے دیکھو انسان غذا کو گڑبڑ کر کے پیٹ میں پہنچا لیتا ہے۔ اب اسے دماغ میں، دل میں، اعضائے رئیسہ

میں بحصّہ رسدی پہنچانا یہ رب کا کام ہے۔ اسی طرح بادشاہ کی ضرورت ہے۔ گاؤں میں نمبردار نہ ہو، تو اس گاؤں کا انتظام ٹھیک نہیں۔ اسی طرح تحصیلدار نہ ہو تو اُس تحصیل کا، ڈپٹی کمشنر نہ ہو تو ضلع کا کمشنر نہ ہو تو کمشنری کا، اسی طرح بادشاہ نہ ہو تو اس ملک کا انتظام درست نہیں رہ سکتا اور اس کی مملکت کے انتظام کیلئے بھی ایک مَلِک کی حاجت ہے۔ پھر انسان اپنی حاجتوں کیلئے کسی حاجت روا کا محتاج ہے۔ ان تینوں صفتوں کا حقیقی مستحق اللہ ہے۔ اس کی پناہ میں مومن کو آنا چاہیئے۔ تا چھپے چھپے پیچھے لے جانیوالے مانع ترقی، وسوسوں سے امن میں رہے۔ اسلام کی حالت اس وقت بہت ردّی ہے ہر مسلمان میں ایک قسم کی خود پسندی اور خود رائی ہے۔ وہ اپنے اوقات کو، اپنے مال کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد بنایا، پر کچھ پابندیاں بھی فرمائیں، بالخصوص مال کے معاملہ میں، پس مالوں کے خرچ میں بہت احتیاط کرو۔ اس زمانہ میں بعض لوگ سود لینا دینا جائز سمجھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، حدیث میں آیا ہے، سود کا لینے والا، دینے والا بلکہ لکھنے والا اور گواہ سب خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔ میں اپنی طرف سے حقِ تبلیغ ادا کر کے تم سے سبکدوش ہوتا ہوں میں تمہاری ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں رکھتا۔ مَیں تو چاہتا ہوں کہ تم خدا کے ہو جاؤ، تم اپنی حالتوں کو سنوارو خدا تمہیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔ (بدر مورخہ ۲۲ ر جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

متی کی انجیل کا پہلا صفحہ اٹھا کر دیکھو، وہاں کیا لکھا ہے، نسب نامہ یسوع مسیح داؤد اور ابراہیم کے بیٹے کا۔ ابراہام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا...... متان سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ جو مریم کا شوہر تھا جس کے پیٹ سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔ حالانکہ یہ وہ کام ہے جو ہمارے ملک میں تو میراسی کرتے ہیں۔ اس کے مقابل میں قرآن مجید شروع ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے تمام مذاہب کا ردّ ہوتا ہے نہ یسوعیوں کا خداوند اقنوم ثالث رہ سکتا ہے، نہ رحم بلا مبادلہ کے بہانے کسی بے گناہ کو پھانسی چڑھانا پڑتا ہے، اور نہ آریوں کا مادہ روح ازلی و ابدی بن سکتا ہے اور نہ تناسخ والوں کی کوئی دلیل باقی رہتی ہے، جس کا ردّ اس سے نہ ہو سکے، نہ سوفسطائیوں کے لئے تاب ہے، اور نہ برہموؤں کو مسئلہ الہام میں تردد رہ سکتا ہے، اور نہ شیعہ صحابہ کرام پر اعتراض کر سکتے ہیں، نہ دہریہ کسی حجتِ نیرہ کی بناء پر خدا کی ہستی کے منکر رہ سکتے ہیں، یہ تو ایک آیت کے متعلق ہے۔ اگر سات آیتیں پڑھی جاویں، تو پھر تمام مذاہب کی صداقتوں کا عطر مجموعہ اس میں ملتا ہے۔ اور دنیا کے آخر تک پیش آنیوالے دینی اہم واقعات کی خبر اس میں موجود ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کے اس غلبہ اور مسیح کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی بھی

موجود ہے۔ ان تمام مفاسد و عقائد فاسدہ کا ابطال ہے۔ جو دنیا میں پیدا ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔ اور ان اعمالِ صالحہ و عقائدِ صحیحہ کا تذکرہ ہے جو انسان کی روحانی و جسمانی ترقیات کیلئے ضروری ہیں۔

اسی طرح انجیل کا اخیر دیکھو۔ اس میں لکھا ہے کہ یسوع جو خداوند کہلاتا تھا، اپنے دشمنوں کے قبضے میں آگیا، اور اس نے ایلی ایلی لما سبقتانی (یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہتے ہوئے اپنی جان دی۔ برخلاف اس کے قرآن مجید ختم ہوتا ہے۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس۔ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔

قرآن مجید پڑھنے والا، قرآن شریف کا متبع بڑے زور سے علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے، میں خدا کی پناہ میں ہوں، جو تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور پھر انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔ وہ سب سے حقیقی بادشاہ حقیقی معبود ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک معمولی تھانیدار یا صاحب ضلع بلکہ نمبردار اور پٹواری کی پناہ میں آکر کئی لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پس کیا مرتبہ ہے اس شخص کا جو تمام جہان کے رب اور بادشاہ اور سچے معبود کی پناہ میں آجائے۔

صرف اس کتاب کا اوّل و آخر ہی اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کن ہے۔ اگر کوئی خدا ترس دل لے کر غور کرے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۶ ع ۹ صـ۳۵۳ صـ۳۵۴)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اِنڈیکس

مرتبہ : سیّد عبدالحی

انڈیکس مضامین

اسماء الٰہیہ کی اہمیت

صفات

ایمان باللہ

متفرق

اس جلد میں مذکور احادیث بالمعنی

فضائل القرآن

اسماء القرآن

نزول

جمع و ترتیب

قرآن کریم کا اٹھ جانا اور دوبارہ نزول

قرآنی تعلیمات کا حصول

قرآن کریم کی تعلیم اور تفسیر

✤ - ✤ - ✤

اسماء

د۔ ڈ۔ ر۔ ز

س۔ ش۔ ص
ض۔ ظ

غ

اخلاق

نکات علم و معرفت

جماعت احمدیہ

مخالفت اور مخالفین کا انجام

اخلاق

صداقت

مخالفت اور مخالفین کا انجام

✤ – ✤ – ✤

مقامات



حل اللغات

کتابیات

BIBLOGRAFHY

حدیث

تفسیر

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تصوف

لغت

✤ - ✤ - ✤